تذکرۂ

خوش معرکۂ زیبا

مؤلفہ

سعادت خاں ناصر

مرتبہ

ڈاکٹر شمیم انہونوی

ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی

قیمت مجلد

~~بارہ روپیے~~

بناشر
نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ
فون نمبر ۲۴۵۵۹

ناشر:- عزیز الرحمٰن (بار اول جولائی [illegible]) پرنٹر:- بیمتا پریس لکھنؤ

اس مقالہ پر
ایس ایم شمیم لکھنوی
کو لکھنؤ یونیورسٹی نے
پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری
عطا کی

دیباچہ

ہندوستان و پاکستان میں تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کے چار نسخے ملتے ہیں۔

۱۔ لکھنؤ یونیورسٹی کا نسخہ۔

۲۔ خدا بخش لائبریری بانکی پور پٹنہ کا نسخہ۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا نسخہ۔

۴۔ انجمن ترقی اردو کراچی (پاکستان) کا نسخہ

لکھنؤ یونیورسٹی کے نسخہ کا نمبر RU-891-4319 / N25K ہے۔ یہ ۱۲ سطری ہے اور اس کا خط نستعلیق و خوش خط ہے اس میں کل ۶۳۲ صفحات ہیں اور اس کا ترقیمہ حسب ذیل ہے اگرچہ کاتب کا نام اس میں درج نہیں ہے

"ایں تذکرہ بتاریخ دہم ذیحجہ بروز عید یوم شنبہ در ۱۲۷۶ھ سنہ نبوی باتمام رسید۔ چونکہ اصل نسخہ نہایت غلط و ناقص بود بلکہ اکثر جا سرعبارت ناچار اگذاشتہ بود از ایں جہت از محررۂ ثانی ہم غلطیہا ر دداند۔ امید از ناظرین خجستہ آئین آنست کہ ہرجا کہ غلطی ملاحظہ فرمایند بے تامل بقلم اصلاح درست سازند و مولف و کاتب را نفریں

نہ نمایند۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

اگرچہ یہ نسخہ خوش خط لکھا ہے لیکن جیسا کہ کاتب نے خود اقرار کیا ہے کہ اس میں غلطیاں بکثرت ہیں اور یہ غلطیاں اس قسم کی ہیں مثلاً رباعی کو رُبائی اور مثنوی کو مسنوی اور آصف کو آسف لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ انداز تحریر وہی تیرہ سال قبل کا ہے جبکہ ضمہ کو ظاہر کرنے کے لئے "و" کا استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً اس کے بجائے "اوس"، 'رُلایا' کے بجائے 'رولایا'، 'اُچاٹ' کے بجائے 'اوچاٹ'، 'اُترے' کے بجائے 'اوترے' وغیرہ لکھتے تھے۔ یا 'اس سے' کو 'اُتسے'، 'دال' کو 'دھال' بولتے تھے اور ویسے ہی لکھتے تھے اسی طرح 'داڑھی' کو 'ڈہاڑی'، لیکن راقم الحروف نے اس انداز تحریر کو پیش نظر تذکرہ کے متن میں آج کل کے طرز تحریر کے مطابق صحیح کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ املے کی غلطیوں کو بھی جو بکثرت تھیں تصحیح کر دی ہے۔

دوسرا نسخہ یعنی خدا بخش لائبریری پٹنہ والا اس سے پیشتر کا لکھا ہوا ہے، اس کے آخر میں ترقیمہ یہ ہے :۔

"بتاریخ بست دویم جمادی الثانی ۱۲۶۳ھ بعجلت تمام تحریر شد کاتب کا لکا پرشاد۔

اس ترقیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ مصنّف کی اصل تالیف کے ایک سال بعد تیار کیا گیا ہے۔ اس مخطوطہ میں ۶۲۸ صفحات ہیں اور صفحہ میں پندرہ سطریں ہیں۔ ابتدائی بارہ صفحات میں فہرست شعراء ہے۔ اس نسخہ کا لائبریری نمبر مخطوطات اُردو نمبر ۲۴ ہے اور صفحات کی نشان دہی عجیب طریقہ سے کی گئی ہے۔ مثلاً ۱۴۱ کو ۱۰۰۴۱ لکھا گیا ہے۔ ہر صفحہ پر اسی طرح سے تعداد درج ہے۔ یہ نسخہ بہت خوش خط نستعلیق خط میں ہے۔ املے کی غلطیاں

اس میں بھی ہیں مگر نسخہ لکھنؤ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اولیت کے علاوہ اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس کے بعض صفحات کے حاشیوں پر کئی مقامات پر اضافے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے کئے ہیں اس کے متعلق تفصیل سے بحث مقدمہ میں کی جائے گی۔ اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر حسب ذیل عبارت بھی درج ہے۔

"من تملیک محمد ارتضا حسین بن حیدر حسین خاں مرحوم و مغفور خرید شد۔ بتاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ بقیمت مبلغ ہفت روپیہ (اس کے بعد کی عبارت قلم زدہ کر دی گئی ہے) ۲ ماہ اگست ۱۸۶۹ء خرید شد"

"اللھم بارک لی ولا ولادی بحرمت النبی و آلہ المتقی

تیسرا مخطوطہ جو علی گڑھ میں ہے وہ ناقص الطرفین ہے اس لئے کہا نہیں جاسکتا کہ اس کی کتابت کس زمانہ میں ہوئی۔ موجودہ صورت میں اس میں ۶۰۴ صفحات ہیں اور مسطر پندرہ سطری ہے۔ لائبریری کا نمبر (جس ۲۱/۴ منیر عالم کلکشن) شروع کے ۸۲ صفحات خوش خط لکھے اس کے بعد مختلف کاتبوں کی قلم فرسائی معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ صورت میں اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی
کون آ کے سفارش کرے اللہ کسی کی

خاتمہ اس شعر پر ہے ؎

حاسدوں کو اگر پسند نہیں   دل مرا اس سے دردمند نہیں

یہ شعر میر علی اوسط رشک کی تاریخ گا ہے اس لئے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ

آخر میں صرف ایک ورق کم ہے۔ اس نسخہ میں بھی کتابت کی غلطیاں بکثرت ہیں اس میں شعرا کی ترتیب پٹنہ کے نسخے کے مطابق ہے لیکن نہ تو اس میں حواشی ہیں اور نہ ہی متن میں ان شعراء کا ذکر ملتا ہے جو نسخہ پٹنہ کے حواشی پر درج ہیں۔ اس لئے اس سے مقابلہ کرنا ضروری نہیں خیال کیا گیا

چوتھا نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے اس تک راقم الحروف کی رسائی نہ ہو سکی۔ سنا ہے کہ وہ پٹنہ والے نسخہ کی نقل ہے

ناصر نے اپنے تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کی تیاری میں خود ان کے قول کے مطابق درج ذیل تذکروں سے مدد لی ہے۔

۱۔ مصحفی کا تذکرہ :۔ "تذکرۂ ہندی" ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء

۲۔ مصحفی کا تذکرہ :۔ "ریاض الفصحاء" ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء

۳۔ اعظم الدولہ سرور کا تذکرہ :۔ "عمدۂ منتخبہ" لیکن ناصر نے اعظم الدولہ سرور کے اس تذکرہ کا نام اپنے تذکرہ کے آخر میں "تذکرۂ چار باغ" لکھا ہے اور سرور کے ترجمہ میں بھی ان کو صاحبِ "تذکرۂ چار باغ" قرار دیا ہے۔

۴۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کا تذکرہ "گلشنِ بے خار"

۵۔ شاہ حسین حقیقت کا تذکرہ "تذکرۂ احبا" بھی ان کے ماخذات میں سے ہے لیکن یہ تذکرہ اب نایاب ہے۔

اپنے اس تذکرہ میں ناصر نے فارسی کے بجائے اردو میں خامہ فرسائی کی ہے اور اپنے خیال میں انھوں نے یہ جدت کی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس سے قبل تذکرہ گلشن ہند اور تذکرہ گلدستہ نازنیناں اور تذکرہ گلستانِ بے خزاں اُردو میں لکھے جا چکے تھے لیکن شاید ناصر نے یہ تذکرے نہیں دیکھے تھے۔ دوسری جدت انھوں نے یہ کی

ہے کہ حروف تہجّی کی قید کے بجائے کسی ایک استاد کو لیا ہے اور اس کے شاگردوں کے شاگردوں کا تذکرہ لکھتے چلے گئے مگر کہیں کہیں پر اس میں بھی چوک گئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غلطیاں ملتی ہیں مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ اس تذکرہ کی ابتدا مرزا رفیع سودا سے کی جاتی ہے اس لیے کہ وہ بزرگ موجد ریختہ گوئی کے ہیں۔ دوسرے سلسلہ ان کی شاگردی کا ان سے ملتا ہے۔ اس میں دوسری بات صحیح ہے مگر پہلی بات صحیح نہیں کیونکہ ریختہ گوئی کی ایجاد کی شروعات سودا سے پہلے ہو چکی تھی۔ حاتم کا ذکر انھوں نے سودا کے شاگردوں میں کیا ہے حالانکہ حاتم سودا کے استاد تھے ان کا ذکر سودا سے قبل آنا چاہیئے اسی طرح کی اور بھی خامیاں ہیں جن کا تفصیل سے ذکر مقدمہ میں کیا جائے گا۔

پیش نظر نسخہ تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں متن مخطوطہ لکھنؤ سے قائم کیا گیا ہے اور نسخہ پٹنہ سے مقابلہ کر کے اس کی عبارتوں کو اس طرح واضح کر دیا ہے کہ جو الفاظ یا جملے نسخہ پٹنہ میں زائد ہیں انھیں حاشیہ میں کر دیا گیا ہے اور جو الفاظ، جملے یا عبارت صرف نسخہ لکھنؤ میں موجود ہے اس کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔ پٹنہ سے اختلافات ہر صفحہ پر حاشیہ میں دے دئے گئے ہیں دوسرے تذکروں سے بھی اختلافات حاشیہ پر درج کر دئے گئے ہیں۔ پٹنہ کے نسخے میں حاشیہ پر جو حواشی درج ہیں ان کو بھی حاشیہ میں اس نسخے میں دے دیا گیا ہے۔ جو اشعار نسخہ پٹنہ میں ہیں اور نسخہ لکھنؤ میں نہیں ہیں، ان کے درمیان پ بنا دیا گیا ہے اور جو اشعار صرف نسخہ لکھنؤ میں ہیں اور نسخہ پٹنہ میں نہیں ہیں ان کے درمیان میں ل بنا دیا گیا ہے۔

شمیم انہونوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدیۂ امتنان

"تذکرہ خوش معرکہ زیبا کی ترتیب و تدوین کا کام کئی سال ہوئے میں نے لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر سید احتشام حسین صاحب کی نگرانی میں شروع کیا تھا مگر موصوف کچھ عرصہ کے بعد الہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ہو کر چلے گئے تو جناب ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل صاحب نے نگرانی کی ذمہ داری قبول فرمائی اور اس کام کے تکملہ تک نہایت دلچسپی اور شفقت کے ساتھ میری رہنمائی فرماتے رہے۔ پروفیسر سید احتشام حسین صاحب اور ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل صاحب کے علاوہ استاذی ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب اور پروفیسر سید حسن صاحب صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی بھی اکثر و بیشتر اپنے قیمتی مشوروں سے مستفیض فرماتے رہے میں باندازۂ تاثر ان بزرگوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں کیسے بھی اساتذہ کی ہستیاں رسمی شکریہ سے بالاتر ہوتی ہیں۔ ان کا سایہ اور ان کی شفقتیں ہم جیسے ادنیٰ شاگردوں پر تادیر قائم رہیں یہی ناچیز کی تمنا بھی ہے اور دعا بھی۔

اساتذۂ کرام کے علاوہ میں اپنے آبا میاں جناب سید محمد نسیم صاحب رانہونوی (جنھوں نے مجھے پروان چڑھایا) کے لئے بھی ہمہ وقت دست بہ دعا ہوں۔ خدا کرے ؎

وہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(حقیر، سید محمد شمیم انہونوی، ایم اے، پی ایچ ڈی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو میں تذکرہ نگاری

تذکرہ نگاری کی ابتدا بیاض نویسی سے ہوئی۔ اس کے بعد ان بیاضوں میں ریختہ شعراء کے مختصر حالات بھی دیئے جانے لگے۔ فارسی میں سب سے پہلے تذکرہ محمد عوفی نے لباب الالباب کے نام سے ۶۱۸ھ میں یہیں ہندوستان ہی میں لکھا۔ اگرچہ اس سے قبل چہار مقالہ (۵۵۱ھ) مولفہ نظامی عروضی سمرقندی کے ایک مقالہ میں شعراء کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم اُسے باقاعدہ تذکرہ نہیں کہہ سکتے، البتہ اس کو ایک قدیم ضروری تاریخی ماخذ قرار دے سکتے ہیں۔ لباب الالباب کے بعد متعدد تذکرے فارسی میں لکھے گئے۔ خود عوفی نے بھی اپنے تذکرہ کے دیباچہ میں واضح کر دیا تھا کہ عربوں میں چند ایسی تالیفیں تو ملتی ہیں لیکن ایران میں اس قسم کی تالیف نظر سے نہیں گذری[1]۔

اُردو میں تذکرہ نویسی کا آغاز میر کے تذکرہ نکات الشعراء سے سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کچھ اور تذکرہ نگاروں مثلاً محمد یار خاں خاکسار، سودا، آرزو، اور سید امام الدین وغیرہ کے نام بھی لئے جاتے ہیں لیکن ان کے تذکرے اب

---

[1] ترجمہ دیباچہ لباب الالباب صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ تہران۔

دستیاب نہیں اس لئے نکات الشعراء از میر تقی میر مؤلفہ ۱۱۶۵ھ ہی کو اردو شعرا کا پہلا تذکرہ تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ حمید اورنگ آبادی نے بھی اسی سنہ میں گلشن گفتار کے نام سے اور افضل بیگ قاقشال نے بھی تحفۃ الشعراء کے نام سے دکن میں اپنے تذکرے تالیف کیے تھے۔ اس کے بعد فتح علی حسینی گردیزی نے ۱۱۶۶ھ میں تذکرہ ریختہ گویاں اور قایم الدین قایم کے مخزن نکات کے نام سے ۱۱۶۸ھ میں اپنا تذکرہ ترتیب دیا۔ مخزن نکات میں بھی یہی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اب تک شرائے ریختہ کے متعلق کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور ان کے حالات اب تک کسی نے نہیں لکھے اس لئے میں نے بڑی کوشش سے شعراء کے دواوین حاصل کر کے بطور یادگار اس بیاض میں ان کے حالات و منتخب اشعار قلم بند کیے ہیں[۱]۔ اگرچہ بعض محقق یہ ثابت کرتے ہیں کہ قایم نے اپنا تذکرہ ۱۱۶۸ھ سے بہت پہلے لکھنا شروع کر دیا تھا[۲] لیکن چونکہ انھوں نے ختم ۱۱۶۸ھ میں کیا ہے اس لئے میر کا تذکرہ ہی اب تک مقدم سمجھا جاتا ہے۔

اردو میں میر صاحب نے تذکرہ نگاری کی جس روایت کا آغاز کیا تھا وہ تقریباً آب حیات کی تالیف ۱۸۸۰ء تک برابر قائم رہی اور اس عرصہ میں متعدد تذکرے قلم بند ہوئے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔	نکات الشعرا	میر تقی میر	۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء
۲۔	گلشن گفتار	حمید اورنگ آبادی	۱۱۶۵ھ " ۱۷۵۲ء
۳۔	تحفۃ الشعرا	افضل بیگ قاقشال	۱۱۶۵ء " ۱۷۵۲ء

[۱]۔ ترجمہ دیباچہ مخزن نکات

[۲]۔ اس کے متعلق بحث مقدمہ دستور الفصاحت مرتبہ عرشی کے صفحہ ۵۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔

۴۔	ریختہ گویاں	فتح علی گردیزی	سنہ ۱۱۶۶ھ مطابق سنہ ۱۷۵۳ء
۵۔	مخزن نکات	قیام الدین قائم	سنہ ۱۱۶۸ھ " سنہ ۱۷۵۵ء
۶۔	ریاض حسینی	عنایت اللہ فتوت	سنہ ۱۱۶۸ھ " سنہ ۱۷۵۵ء
۷۔	چمنستان شعراء	لچھمی نرائن شفیق	سنہ ۱۱۷۵ھ " سنہ ۱۷۶۲ء
۸۔	طبقات الشعراء	قدرت اللہ شوق	سنہ ۱۱۸۸ھ " سنہ ۱۷۷۴ء
۹۔	بہار و خزاں	بہاء الدین حسینی خاں عروج	سنہ ۱۱۹۲ھ " سنہ ۱۷۷۸ء
۱۰۔	تذکرہ شعرائے اردو	میر حسن دہلوی	سنہ ۱۱۸۸-۹۴ھ " سنہ ۱۷۷۴-۸۰ء
۱۱	گل عجائب	اسد علی خاں تمنا	سنہ ۱۱۹۲ھ " سنہ ۱۷۷۸ء
۱۲	تذکرہ شورش	سید غلام حسین شورش	سنہ ۱۱۹۳ھ " سنہ ۱۷۷۹ء
۱۳۔	مسرت افزاء	ابو الحسن	سنہ ۱۱۹۴ھ " سنہ ۱۷۸۰ء
۱۴۔	گلشن سخن	مرزا کاظم مبتلا لکھنوی	سنہ ۱۱۹۴ھ " سنہ ۱۷۸۰ء
۱۵۔	گلزار ابراہیم	محمد ابراہیم خاں خلیل	سنہ ۱۱۹۸ھ " سنہ ۱۱۸۴ء
۱۶۔	تذکرہ ہندی	غلام ہمدانی مصحفی	سنہ ۱۲۰۹ھ " سنہ ۱۷۹۴ء
۱۷۔	عیار الشعرا	خوب چند ذکا	سنہ ۱۲۱۳ھ " سنہ ۱۷۹۹ء
۱۸۔	تذکرہ عشقی	وجیہ الدین عشقی	سنہ ۱۲۱۵ھ " سنہ ۱۸۰۱ء
۱۹۔	گلشن ہند (اردو)	مرزا علی لطف	سنہ ۱۲۱۵ھ " سنہ ۱۸۰۱ء
۲۰۔	عمدۂ منتخبہ	اعظم الدولہ سرور	سنہ ۱۲۱۶-۱۹ھ " سنہ ۱۸۰۱-۴ء
۲۱۔	مجموعہ الانتخاب	شاہ کمال	سنہ ۱۲۱۹ھ " سنہ ۱۸۰۴ء
۲۲۔	ریاض الفصحا	غلام ہمدانی مصحفی	سنہ ۱۲۲۱ھ " سنہ ۱۸۰۶ء
۲۳۔	مجموعہ نغز	قدرت اللہ قاسم	سنہ ۱۲۲۱ھ " سنہ ۱۸۰۶ء
۲۴۔	تذکرہ بے جگر	خیراتی لعل جگر	سنہ ۱۲۲۱ھ " سنہ ۱۸۰۶ء

۲۵-	دیوانِ جہاں (اردو)	بینی نرائن جہاں	سنہ ۱۲۲۲ھ مطابق	سنہ ۱۸۰۷ء
۲۶-	طبقاتِ سخن	غلام محی الدین مبتلا میرٹھی	سنہ ۱۲۲۲ھ ″	سنہ ۱۸۰۷ء
۲۷-	تذکرۃ الشعرا	ابن امین طوفان	سنہ ۱۲۴۷-۵۱ھ ″	سنہ ۱۸۳۲-۳۶ء
۲۸-	دستور الفصاحت	احمد علی خاں یکتا	سنہ ۱۲۴۹ھ ″	سنہ ۱۸۳۴ء
۲۹-	گلشنِ بے خار	مصطفیٰ خاں شیفتہ	سنہ ۱۲۵۰ھ ″	سنہ ۱۸۳۵ء
۳۰-	تاریخ ادبِ ہندستانی (اردو)	گارساں دتاسی	سنہ ۱۲۵۶-۵۷ھ ″	سنہ ۱۸۳۹-۴۰ء
۳۱-	انتخابِ دواوین (اردو)	امام بخش صہبائی	سنہ ۱۲۶۰ھ ″	سنہ ۱۸۴۴ء
۳۲-	حدائق الشعرا	عنایت حسین خاں مہجور	سنہ ۱۲۶۰ھ ″	سنہ ۱۸۴۴ء
۳۳-	تذکرہ بہارِ بے خزاں	احمد حسن سحر	سنہ ۱۲۶۱ھ ″	سنہ ۱۸۴۵ء
۳۴-	گلدستۂ نازنیناں (اردو)	کریم الدین	سنہ ۱۲۶۱ھ ″	سنہ ۱۸۴۵ء
۳۵-	گلستانِ بے خزاں ″	قطب الدین باطن	سنہ ۱۲۶۱ھ ″	سنہ ۱۸۴۵ء
۳۶-	خوش معرکۂ زیبا ″	سعادت خاں ناصر	سنہ ۱۲۶۲ھ ″	سنہ ۱۸۴۶ء
۳۷-	طبقات الشعرائے ہند ″	کریم الدین و فیلن	سنہ ۱۲۶۳ھ ″	سنہ ۱۸۴۷ء
۳۸-	مخزنِ شعرا ″	نور الدین خاں فائق	سنہ ۱۲۶۸ھ ″	سنہ ۱۸۵۲ء
۳۹-	سراپا سخن ″	محسن علی محسن	سنہ ۱۲۶۹ھ ″	سنہ ۱۸۵۳ء
۴۰-	یادگارِ شعرا (انگریزی)	اسپرنگر	سنہ ۱۲۶۹ھ ″	سنہ ۱۸۵۳ء
۴۱-	گلشنِ ہمیشہ بہار (فارسی)	نصر اللہ خاں خویشگی	سنہ ۱۲۷۰ھ ″	سنہ ۱۸۵۴ء
۴۲-	گلستانِ سخن (اردو) ″	قادر بخش خاں صابر	سنہ ۱۲۷۱ھ ″	سنہ ۱۸۵۵ء
۴۳-	سخنِ شعرا ″	عبد الغفور نساخ	سنہ ۱۲۸۱ھ ″	سنہ ۱۸۶۴ء
۴۴-	خزینۃ العلوم ″	درگا پرشاد نادر	سنہ ۱۲۸۸ھ ″	سنہ ۱۸۷۱ء
۴۵-	فرح بخش ″	شوکت علی خاں	سنہ ۱۲۸۸ھ ″	سنہ ۱۸۷۱ء

۴۶- شمیم سخن حصہ اول (فارسی) عبدالحی صفا بدایونی سنہ ۱۲۸۹ھ مطابق سنہ ۱۸۷۲ء
۴۷- شمیم سخن حصہ دوم " " " سنہ ۱۲۸۹ھ " سنہ ۱۸۷۲ء
۴۸- انتخاب یادگار " امیر مینائی سنہ ۱۲۹۰ھ " سنہ ۱۸۷۳ء
۴۹- عروس الاذکار " نصیر الدین احمد نقش سنہ ۱۲۹۲ھ " سنہ ۱۸۷۵ء
۵۰- بہارستان ناز " فصیح الدین رنج سنہ ۱۲۹۳ھ " سنہ ۱۸۷۶ء
۵۱- چمن انداز " درگا پرشاد نادر سنہ ۱۲۹۴ھ " سنہ ۱۸۷۷ء
۵۲- طور کلیم " سید نور الحسن سنہ ۱۲۹۷ھ " سنہ ۱۸۸۰ء
۵۳- بزم سخن (فارسی) سید علی حسن خاں سنہ ۱۲۹۷ھ " سنہ ۱۸۸۰ء
۵۴- آب حیات (اردو) محمد حسین آزاد سنہ ۱۲۹۷ھ " سنہ ۱۸۸۰ء

اس کے بعد بھی تذکرے لکھے گئے لیکن فارسی تذکروں کی روش کے برخلاف مغربی علوم و ادبیات کے زیر اثر ان کا انداز نگارش بدل گیا دیسے تو آبحیات میں بھی ہم کو تنقید تاریخ اور سوانح نگاری ملتی ہے اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آبحیات سے لے کر اب تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں بھی مختلف ادوار کی خصوصیات، شعرا کی شخصیت پر نظر اور کلام پر جدید تبصرہ نگاری کا رنگ چڑھا ہوا ملتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ میر تقی میر کے نکات الشعرا سے لے کر بزم سخن مرتبہ سید علی حسن خاں مرقومہ سنہ ۱۲۹۷ھ مطابق سنہ ۱۸۸۰ء تک عام طور سے تذکرے فارسی زبان ہی میں لکھے گئے تھے۔ کسی میں ادوار قائم کیے گئے کسی میں حروف تہجی کے اعتبار سے شعراء کا ترجمہ لکھ دیا گیا۔

اردو میں ہم کو سب سے پہلا تذکرہ گلشن ہند نظر آتا ہے جسے مرزا علی لطف نے سنہ ۱۲۱۵ھ مطابق سنہ ۱۸۰۱ء بزبان اردو لکھا۔ یہ تذکرہ گلکرسٹ کی فرمائش پر مرتب کیا گیا تھا۔ یہ دراصل ترجمہ ہے محمد ابراہیم متخلص بہ علی کے تذکرے

کے فارسی تذکرہ گلزار ابراہیم کا جو انھوں نے ١١٩٦ھ مطابق ١٧٨٢ء میں مرتب کیا تھا اور جسے گلکرسٹ نے ١٨٠١ء میں مرزا علی لطف سے اردو میں منتقل کرایا۔ مگر یہ محض گلزار ابراہیم کا ترجمہ نہیں ہے کیونکہ لطف نے اس میں شعراء کے حالات زندگی اور انتخاب کلام دونوں میں کہیں کہیں اضافے بھی کر دیئے ہیں اور اپنی رائیں بھی دی ہیں اور بعض قدیم شعرائے کے حالات کے متعلق نہایت کار آمد باتیں بھی بیان کی ہیں جو ہم کو اس کے عہد کے دوسرے تذکروں میں نظر نہیں آتیں۔

اس کے بعد ١٢٦٠ھ مطابق ١٨٤٣ء میں امام بخش صہبائی نے دہلی میں ایک انتخاب دواوین مرتب کیا اور اس کا دیباچہ اردو میں لکھا اور اس میں شعر کی تعریف، تاریخ، وزن، قافیہ و ردیف اور اصناف سخن پر مختصراً لیکن عالمانہ انداز سے روشنی ڈالی ہے لیکن اسے تذکرہ کہنے کے بجائے شعراء کے کلام کا انتخاب کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ البتہ شاید اسی کو دیکھ کر مولوی کریم الدین نے ١٢٦١ھ مطابق ١٨٤٥ء میں اپنا تذکرہ گلدستہ نازنیناں اردو میں مرتب کیا۔

اسی سنہ میں حکیم میر قطب الدین باطن نے اپنا تذکرہ گلستان بے خزاں لکھنا شروع کیا اور ١٢٦٥ھ مطابق ١٨٤٩ء میں ختم کر دیا اور یہ تذکرہ پہلی بار مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بے خار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ چونکہ انھوں نے عربی و فارسی کی تعلیم آگرہ میں نظیر اکبر آبادی سے حاصل کی تھی اور شیفتہ نے ان کے متعلق لکھ دیا تھا۔

"اشعار بسیار دارد کہ برزبان سوقیہ جاریست و نظر بہ آں ابیات

در اعداد شعراشاید نیش شمرد"
(بہت اشعار کہتے تھے لیکن ان کے اشعار بازاری لوگوں کی زبان پر جاری ہیں اس لئے ان اشعار کی بنا پر نظیر کو شعراء میں نہ شمار کرنا چاہیئے)
قطب الدین باطن اسی عبارت کو پڑھ کر جز بز ہو گئے اور یہ تذکرہ ان کے جواب میں لکھ ڈالا۔ اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

"گلشن بے خار تالیف نواب مصطفےٰ خاں متخلص بہ شیفتہ جو اوّل سے آخر تک دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت ہیں ہوا ئی پر فریفتہ، سب کو حقارت سے یاد کیا۔ اپنی اوقات کو برباد کیا۔ بجز سات شخصوں کے ہر ایک کی نسبت عبارت ہجو آمیز ہے۔۔۔۔۔ اور عبارت تذکرہ کی وہ کہ آدھا تیتر، آدھا بٹیر۔ تذکرہ اُردو عبارت فارسی یہ ان کی اور ان کے استاد کی عقل کا پھیر ہے۔۔۔۔۔ پس جن صاحبوں کو گمان احقر کی غلطی پر ہے گلشنِ بے خار کو ملاحظہ فرمائیں راست و دروغ واضح ہو جائے گا۔ ایسی ایسی بے انصافیاں جب نظر آئیں تو عاصی حکیم قطب الدین متخلص بہ باطن نے ایک تذکرہ بجواب گلشنِ بے خار بہ عبارت اُردو زبان جمع کیا جس کا نام رکھا گلستان بے خزاں۔

اسی انتقام کے جذبہ کے تحت باطن نے اپنے تذکرہ میں شیفتہ کے احباب اور استاد مومن وغیرہ کو خوب بُرا بھلا کہا ہے۔ مومن اور آزردہ کے کلام میں عیوب نکالے ہیں چونکہ شیفتہ نے اِن دونوں کی بڑی تعریفیں کی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ باطن نے اپنے استاد نظیر اکبر آبادی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے مِلا دئے ہیں۔

سعادت خاں ناصر نے اپنا تذکرہ خوش معرکۂ زیبا ۱۲۶۲ھ میں تمام کیا

اس کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اسے دو سال میں ختم کیا۔ آخر میں دی ہوئی تاریخوں سے کہیں ۱۲۶۱ھ اور کہیں ۱۲۶۲ھ نکلتے ہیں۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے شروع سال ۱۲۶۱ھ لکھنا شروع کیا اور آخر سال ۱۲۶۲ھ میں اس کو اختتام پر پہنچایا۔ ان کے تذکرہ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا تذکرے جو اردو میں لکھے گئے تھے ان کی نظر سے نہیں گذرے تھے انھوں نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے مصحفی کے برخلاف ہندی میں اسے لکھا کہ دو رنگی سے یک رنگی بہتر ہے۔ اگر ان کی نظر سے اردو کے مندرجہ بالا تذکرے گزرے ہوتے تو ان کا ذکر ضرور کرتے۔ انھوں نے بقول خود جن تذکروں سے استفادہ کیا وہ یہ ہیں:۔

۱۔ مصحفی کا تذکرۂ ہندی مرقومہ ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء
۲۔ مصحفی کا تذکرہ ریاض الفصحا مرقومہ ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء
۳۔ اعظم الدولہ سرور کا تذکرہ عمدۂ منتخبہ مرقومہ ۱۲۱۶-۱۹ھ مطابق ۱۸۰۱-۴ء
(اس تذکرہ کا نام انھوں نے غلطی سے تذکرۂ چار باغ بتایا)
۴۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا تذکرہ گلشن بےخار مرقومہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۵ء
۵۔ شاہ حسین حقیقت کا تذکرۂ احباء (یہ تذکرہ اب نایاب ہے)

لکھنؤ میں تذکرہ نگاری

لکھنؤ میں جو تذکرے مکمل ہوئے ان میں میر حسن کا تذکرہ تذکرہ شعرائے اردو اولیت رکھتا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء سے لکھنا شروع کیا گیا تھا اور ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں مکمل ہوا تھا۔ یہ تذکرہ ۱۹۲۱ء میں حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ

علی گڑھ سے شائع کیا تھا۔ بعد میں مولوی ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اسے انجمن ترقی اردو سے شائع کیا۔ میر حسن نے اپنے اس تذکرہ میں شعرا کو تین خاص طبقوں میں تقسیم کیا ہے، متقدمین، متوسطین اور متاخرین۔ متقدمین میں دکنی شعراء، متوسطین میں فرخ سیر سے لے کر محمد شاہی عہد تک کے شعراء اور متاخرین میں اس کے بعد کے شعراء کا ذکر کیا ہے۔ میر حسن نے اپنے اس تذکرہ میں نہ کسی کی بیجا تعریف کی ہے اور نہ بیجا تنقیص۔ اپنے سنجیدہ ادبی مذاق کا مظاہرہ ہر جگہ کیا ہے اور انتخاب میں بھی خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے۔

اس کے بعد مرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی نے ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں گلشن سخن کے نام سے فارسی میں ایک تذکرہ لکھا اسے پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے ۱۹۶۵ء میں شائع کرا دیا ہے۔ مبتلا کی ولادت تو لکھنؤ ہی میں ہوئی تھی لیکن نشو ونما دہلی میں ہوئی۔ ویسے ان کی عمر کا کچھ حصہ دیگر مقامات مثلاً عظیم آباد، مرشد آباد، غازی پور اور بنارس میں بھی گذرا ہے۔ اس میں ۳۲۱ شاعروں کے حالات درج ہیں۔ معاصر شعرا کے متعلق ان کی رائیں خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔

اس کے بعد لکھنؤ میں میر احمد علی خاں یکتا کا تذکرہ دستور الفصاحت ملتا ہے جو ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں لکھا گیا تھا اور اب اسے عرشی صاحب نے بڑی محنت سے مرتب کر کے ۱۹۴۳ء میں چھپوا دیا ہے۔ اگرچہ اس میں صرف ۳۶ شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن بہت سے شاعروں کا حال مصنف نے چشم دید لکھا ہے اس لئے اسے بہت معتبر سمجھنا چاہیئے۔

اس کے بعد تذکرۂ بہار بے خزاں کا ذکر کرنا ضروری ہے جو احمد حسین سحر لکھنوی کی تالیف ہے اور جسے انھوں نے ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں

لکھا تھا۔ ان کے تذکرہ کا قلمی نسخہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اب ڈاکٹر نعیم احمد صاحب نے علمی مجلس دلی سے ۱۹۶۸ء میں شائع کرا دیا ہے۔ اگرچہ اس کی تدوین میں خود مصنف تذکرہ نے بہت سی غلطیاں کی ہیں مثلاً کسی شاعر کے اشعار کسی دوسرے کے نام سے درج کئے گئے ہیں۔ شاعروں کی تنقید کے سلسلے میں رنگینی عبارت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ میر کے متعلق اسی تذکرہ میں یہ انکشاف بغیر کسی حوالے کے ملتا ہے۔

"بہ شہر خویش باپری تمثالی کہ عزیزانش بود در پردہ تعشق طبع و میل خاطر داشتہ۔ آخر عشق او خاصہ مشک پیدا کردہ می خواست کہ بنجیہ بہ چار سوئے رسوائی بکشد و حسن بے پردہ بجلوہ گری درآید۔ از ننگ افشائے راز و طعن اقربا با دل غل پروردۂ حسرت و حرماں و با خاطر شاد دست و گریباں قطع رشتۂ حب وطن ساختہ . . . ."

اس تذکرہ میں انتخاب اشعار بھی اچھا ہے اس میں کل ۱۱۰ شاعروں کے حالات درج کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد سعادت خاں ناصر کے تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کا نمبر آتا ہے جو ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں لکھا گیا۔ اور جس تفصیل سے انھوں نے اپنے بعض معاصرین کے حالات لکھے ہیں وہ اور کہیں نظر نہیں آتے یا اتنی تفصیل سے نہیں ملتے۔ اگرچہ ناصر کا یہ تذکرہ ان کے اپنے زمانے میں معروف و مقبول نہ ہو سکا اور غالباً ناسخ کے شاگرد ان کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اور ان کی قابلیت کے معترف نہ تھے اس لئے ان کے تذکرے کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ انھوں نے اپنے عہد کے بہت سے شاعروں نیز امیروں کے چال چلن کی پول کھولی تھی اور وہ بھی نہایت

بھونڈے طریقہ سے) جیسا کہ سید مرتضیٰ بن سید علی صاحب امروہوی متخلص بہ گستاخ نے عبدالغفور نساخ کے اعتراضات کے جواب میں جو نساخ نے لکھنوی شعرا پر کیے تھے اپنے رسالہ گستاخی معاف مطبوعہ مطبع شعلۂ طور کانپور کے صفحہ ۶۴ پر ضمناً ناصر کے متعلق لکھا ہے۔

"سعادت خاں ناصر نے باوجود بے علمی و نقدان استعداد کے تذکرہ لکھا اور وہ مخفی اور پوشیدہ رہا بعد انتزاع سلطنت کے جب امراء و رؤساء مہجور الوطن اور بے اختیار ہو گئے تو اس تذکرۂ باطلہ نے شہرت پائی۔"

محسن نے بھی اپنے تذکرۂ سراپا سخن میں ان کے تذکرہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"سعادت خاں ناصر خلف رسالت خاں باشندہ نگینہ، مقیم لکھنؤ ان کے پانچ دیوان اور ایک تذکرہ جس کی تاریخ میر علی اوسط رشک نے فرمائی "تذکرہ شعرا" واقعی وہ تذکرہ اسی اسم کے قابل ہے۔ شاگرد مرزا محمد حسن عرف چھوٹے مرزا مذنب مرثیہ گو۔"

اس تذکرہ میں تقریباً سات سو تیس شاعروں (مع شاعرات کا ذکر ہے اور انھوں نے طریقہ کار اپنا یہ رکھا ہے کہ پہلے کسی استاد کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اس کے شاگردوں کا اور پھر شاگرد کے شاگردوں کا جیسا کہ انھوں نے خود اپنے تذکرہ کے دیباچہ میں لکھا ہے:-

"قید حروف تہجی کی اس لئے نہ رکھی کہ جس استاد کا جو شاگرد ہو نام اس کا پائے نام اس کے لکھا جائے کہ عبارت ہندی اور طرز اسامی شعراء ایجاد میرا ہو اور وہ شاعر جن کی استادی و شاگردی

نامعلوم اور نام و نشان غیر مفہوم ہو خاتمہ اس کا ان پر کیا جائے۔"
اس تذکرہ کا آغاز انھوں نے سودا کے ترجمہ سے کیا ہے۔ بقول خود:۔

"شروع اس کو مرزا رفیع سودا سے کرتا ہوں کہ اول تو وہ بزرگ موجد ریختہ گوئی کا ہے، دوسرے سلسلہ اس ہیچمداں کی شاگردی کا اس سے ملتا ہے۔"

آخر میں ناصر نے اشارۃً کہا ہے:۔

"خاطر احباب اس گلدستہ سے باغ اور سینہ حساد داغ۔۔۔
۔۔ دوست سے سازش اور دشمن سے کاوش نہیں ؎

راستی اس کا ہو تو ہو باعث مجھ سے احباب کو جو ہے اکراہ
بیت سعدی کی کرتا ہوں تضمین تا وہ اس واردات پہ ہو گواہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کذب و افترا سے یہ تذکرہ پاک ہے اور نور صداقت سے تابناک
کہیں کہیں بطور معما انشائے راز، جس سے جھپتے شان میں پڑیں وہ
تلم انداز

رباعی

افسوس کہ نہیں کسی کو محنت پہ نگاہ محنت برباد اور لازم ہے گناہ
عزت کے عبث میں حاسد در پے لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

اس عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تذکرے کے خلاف بہت سے لوگ ہو گئے تھے۔ بحیثیت شاعر کے تو انھوں نے کوئی خاص شہرت یا مرتبہ نہیں حاصل کیا لیکن چونکہ لکھنؤ میں عرصہ تک رہے تھے وہاں کے امراء اور شعراء

سے صحبت رہی تھی اور وہ بہتوں کے حالات و مزاج سے بخوبی واقف ہو گئے تھے اس لئے ان کے بیان کردہ حالات کو جو چشم دید بھی ہیں بحیرِ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض واقعات کے بیان میں جو انھوں نے تہ در تہ گری ہوئی باتیں لکھی ہیں وہ اس زمانہ کے شعراء کی بے راہ روی کو ضرور ظاہر کرتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ خود ان کے مذاق کو بھی رُسوا کرتی ہیں۔ ناصر نے بہت سی حکایتیں داستانوں کے انداز سے لکھی ہیں مثلاً انشا و مصحفی کا معرکہ ناسخ اور بقائی حکایتیں، میر کی خود بینی اور بد دماغی کے قصے یقیناً بہت دل چسپ ہیں اور یہ غالباً انھوں نے اپنے زمانہ کے بزرگوں سے سن کر لکھے ہوں گے۔ محمد حسین آزاد نے بھی اپنی آبحیات میں جو آب و رنگ پیدا کیا ہے اور بہت سی دل چسپ حکایتوں سے اپنی تصنیف کی دل چسپی بڑھائی ہے غالباً ان کا ماخذ یہی تذکرہ خوش معرکہ زیبا ہے۔

ناصر کا یہ دعویٰ کہ انھوں نے اس تذکرہ کو سب سے پہلے اردو زبان میں لکھا ہے اور اس کی ترتیب نہ حروف تہجی کے اعتبار سے ہے نہ طبقات کی رو سے بلکہ استاد اور اس کے شاگردوں کی رعایت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اس کے سلسلے میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اس سے قبل کئی تذکرے اُردو میں لکھے جا چکے ہیں۔ غالباً اس کی اطلاع ناصر کو نہ تھی۔ دوسرا دعویٰ ان کا البتہ صحیح ہے۔

ان کے تذکرے میں بارہ شاعرات کا بھی ذکر ہے۔ بیشتر شاعروں کے حالات تفصیلی نہیں ہیں صرف نام لکھ دئے ہیں اور جن کی شاگردی کا علم نہیں ان کا ترجمہ بہ اعتبار حروف تہجی لکھا ہے۔

پٹنہ والے نسخے کی اہمیت اس باعث ہے کہ اس پر حواشی میں احسان، اختر، امانت انیس، مظلوم، جرأت، دبیر، تیشر، شائق، عشق، شہید، بادر، تجر، شوق، شجاعت، دلگیر اور رسالم وغیرہ کے حالات میں اضافہ ہے یا نئے لکھے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حواشی خود مصنف کے تحریر کئے ہوئے ہیں یا کسی دوسرے شخص نے اضافہ کر دیا ہے چند باتیں تو اس کی طرف صاف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ حواشی خود مصنف کے لکھے ہیں مثلاً امانت کے سلسلے میں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ :-

"ایک روز مولف تذکرہ ہذا ۔ ۔ ۔ ۔ میں یہ دیکھ کر چندے توقف کے بعد اپنے مکان چلا آیا۔"

عشق کے ترجمہ میں یہ عبارت ہے :-

"راقم تذکرہ ہذا ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے کہا سبحان اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے جواب میں ایک صاحب ۔ ۔ ۔ از راہ نفسانیت بولے۔"

انیس کے ترجمے میں لکھتے ہیں :-

"حکایت مولف تذکرہ ہذا ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھتا کیا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا۔"

اس طرح کے فقرے کئی ایک ہیں جن میں صیغہ واحد متکلم سے کام لیا گیا ہے اس لئے ان فقروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حواشی خود مصنف نے اپنے قلم سے اضافہ کئے ہیں یا کسی سے لکھوائے ہیں، لکھوانے کا خیال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ ان حاشیوں میں بعض جگہ قواعد اور املے کی غلطیاں ہیں مثلاً کاغذ کی جمع الجمع کو اغذات لکھی ہے اور ایک جملہ یوں ہے "بعد اس کے تکلیف شدید ہوا" ایک جگہ تلاش کو تالاش لکھا ہے۔ امر کی جمع امور کے بجائے امورات لکھی۔ غرضیکہ اس قسم کی متعدد غلطیاں ملتی ہیں۔

اس کے علاوہ دو چار جگہ حواشی میں صرف راقم تذکرہ ہذا لکھا ہے اور صیغۂ متکلم کا استعمال ان میں نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حواشی کسی اور پڑھنے والے نے لکھ دئیے ہیں۔ لیکن چونکہ کثرت ایسے نقروں کی ہے جن میں صیغۂ متکلم موجود ہے۔ دوسرے اندازِ بیان ان حواشی کا ان کے مذاق طبع اور اندازِ تحریر سے مطابقت رکھتا ہے اس لئے قیاس غالب یہی ہے کہ یہ حواشی خود سعادت خاں ناصر کے لکھے ہوں گے۔ محاورہ یا املے کی ایک آدھ جگہ غلطیاں یا تو سہواً ہوئی ہیں یا اس کا بھی امکان ہے کہ یہ حواشی انھوں نے کسی سے لکھوائے ہوں۔ بہرحال معلومات ان ہی کی تحریر کرائی معلوم ہوتی ہیں۔

اس تذکرہ کی خامیاں

ناصر نے اپنے اس تذکرہ کی ترتیب میں جن تذکروں سے مدد لی ہے ان کی فہرست تو اوپر دی جا چکی ہے۔ لیکن ان تذکروں کے علاوہ جو باتیں انھوں نے مختلف شعرا کے متعلق لکھی ہیں وہ سُنی سنائی ہیں جن کی تصدیق اور کسی جگہ سے نہیں ہوتی جن میں سے چند بطور مثال درج ذیل کی جا رہی ہیں:-

۱۔ سودا کے حالات میں ایک مجذوب کی پیشین گوئی کا ذکر۔

۲۔ کلیم کو قائم کا شاگرد لکھا ہے اور بتایا ہے کہ محمد قائم نے خود ان کو اپنا شاگرد اپنے تذکرہ میں درج کیا ہے۔ اول تو قائم کا نام محمد قائم نہیں قیام الدین ہے۔ دوسرے انھوں نے اپنے تذکرے میں یہ بات نہیں لکھی معلوم ہوتا ہے ناصر نے یہ بات سُنی سنائی لکھ دی ہے۔

۳۔ میر حسن کو سودا کا شاگرد بتایا ہے۔ حالانکہ یہ ضیاء کے شاگرد تھے۔

۴۔ حاتم کا ترجمہ سودا کے شاگردوں میں کیا ہے۔ حالانکہ سودا حاتم کے

شاگرد تھے۔

۵۔ عظیم کو ناصر نے حاتم کا شاگرد لکھا ہے یہ درد کے بھی شاگرد تھے اور صاحبِ تذکرہ گلشن حیدری نے ان کو سودا کا شاگرد لکھا ہے

۶۔ مظہر، جن کا اصلی نام جانِ جاناں تھا ان کے متعلق ناصر کا یہ کہنا کہ تاباں کی محبت میں کبھی کبھی ہندی شعر بھی کہہ لیتے تھے غلط بات ہے کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

۷۔ تاباں ہی کے بارے میں یہ لکھنا کہ ہر شخص نے واسطے تسلی خاطر کے صورت اس کی کھنچوائی تھی اور پاس رہتی تھی ناصر کی مبالغہ آرائی معلوم ہوتی ہے۔

۸۔ فدوی کا جھگڑا جو سودا سے ہوا تھا اس سلسلے میں ایک مثنوی بوم و بقال کو سودا کی تصنیف بتایا ہے حالانکہ یہ سودا کے ایک شاگرد شیدا کی تصنیف ہے۔

۹۔ اعظم الدولہ سرور کے تذکرہ کا نام عمدۂ منتخبہ ہے جس کو ناصر نے تذکرۂ چار باغ لکھا ہے

۱۰۔ ضیاء کو میر کا شاگرد بتایا ہے یہ بھی غلط ہے۔

۱۱۔ ممنون کا نام میر نظام لکھا ہے حالانکہ ان کا صحیح نام نظام الدین تھا۔

۱۲۔ درد کے سلسلے میں بادشاہ کے مار کھانے اور مینا کے سلسلے میں زبان حلق سے کھینچ لینے کا واقعہ بھی من گڑھنت معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۔ محمد عیسیٰ تنہا کے سلسلے میں مصحفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ ناسخ کے استاد تھے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے مصحفی نے اپنے دیوانِ ششم کے دیباچہ میں ہلکا سا اشارہ اس کے متعلق ضرور کیا ہے لیکن

اس کی تصدیق اور کہیں سے نہیں ہوئی البتہ تنہا اور ناسخ میں ربط بہت تھا

۱۴۔ نصرت الدین خاں پیام کو بیان مصحفی کا شاگرد بتایا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

۱۵۔ بہادر شاہ ظفر کو صرف ذوق کا شاگرد بتایا ہے حالانکہ وہ شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھاتے تھے پھر ذوق اور ان کے بعد غالب کو اپنا اُستاد بنایا۔

۱۶۔ غالب کے سلسلے میں ناصر کی واقفیت بہت کم معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ لکھنؤ بھی آئے تھے اور ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی وسیع تھا ناصر نے ان کے صرف ایک شاگرد کا ذکر کیا ہے جن کا تخلص فگار تھا لیکن ناصر نے ان کا تخلص انگار لکھا ہے۔

۱۷۔ مشہور ہجو گو صاحبقران کا نام مرزا غلام علی لکھا ہے حالانکہ انکا صحیح نام امام علی تھا۔

۱۸۔ ناصر پر امرد پرستی کا الزام لگایا ہے لیکن اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتی۔

۱۹۔ تعجب ہے کہ نواب مرزا کا تخلص شوق ناصر کو معلوم نہیں۔ یہ آتش کے شاگرد بھی تھے۔

۲۰۔ مثنوی لذت عشق کو ناصر نے نواب مرزا کی تصنیف بتایا ہے حالانکہ یہ ان کے بھانجے آغا حسن کی لکھی ہوئی ہے

۲۱۔ ضاحک کے کلام کے متعلق یہ مشہور روایت ناصر نے بھی لکھ دی ہے کہ ان کے بیٹے میر حسن نے اپنے والد کا کلام دھو ڈالا تھا حالانکہ اب بہار میں ان کا دیوان مل گیا ہے۔[1]

---

[1] معاصر نمبر ۱

۲۲۔ میر احمد تخلص یار کو ان شعرا میں شمار کیا ہے جن کے استاد معلوم نہیں، حالانکہ یہ میر تقی میر کے شاگرد تھے۔

سوانح سعادت خاں ناصر

ناصر نے اپنی زندگی کے حالات اپنے تذکرہ میں بہت ہی مختصر لکھے ہیں، صرف یہ بتایا ہے کہ میں محمد حسن مذنب کا شاگرد ہوں اور پانچ دیوان میں نے تیار کیے ہیں جن میں قصائد اور مثنویاں بھی ہیں اور ایک مثنوی مظہر معجزات اور دوسری مختار نامہ کے نام سے الگ بھی لکھی ہیں اور نثر میں دو قصے لکھے ہیں۔ ایک کا نام اگر گل ہے، اور دوسرے کا نام گلشن سرور ہے

تذکرہ سراپا سخن کے مولف سید محسن علی محسن نے جو ان کے ہم عصر تھے۔ ان کو باشندۂ نگینہ مقیم لکھنؤ لکھا ہے اور ان کے والد کا نام رسالت خاں بتایا ہے حالانکہ خود ناصر نے اپنے تذکرہ میں اپنے جو حالات لکھے ہیں اس میں اپنے والد کا نام نہیں لکھا ہے۔ محسن نے اپنا تذکرہ سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق سنہ ۱۸۵۳ء میں تمام کیا۔ اس وقت ناصر اپنا تذکرہ لکھ چکے تھے اور اسی لئے محسن نے اپنے تذکرہ میں ان کے تذکرہ اور پانچ دواوین کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کے تذکرہ پر چوٹ بھی ان الفاظ میں کر دی ہے۔

"سعادت خاں ناصر خلف رسالت خاں باشندۂ نگینہ مقیم لکھنؤ۔
ان کے پانچ دیوان اور ایک تذکرہ جس کی تاریخ میر علی اوسط رشک نے فرمائی "تذکرۂ خرکا" واقعی وہ تذکرہ اسی اسم کے قابل ہے۔ شاگرد مرزا محمد حسن عرف چھوٹے مرزا مذنب مرثیہ گو"

مصحفی نے ریاض الفصحا میں ان کے بارے میں صرف ایک جملہ لکھا ہے "سعادت خاں ناصر تخلص شاگرد مذنب است" اور پھر اس کے بعد سات

شعرا ان کے درج کر دیے ہیں۔ مصحفی نے اپنا تذکرہ ریاض الفصحا ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں ختم کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ناصر نے کوئی خاص نام پیدا نہیں کیا تھا۔ یہ سوال کہ ناصر نگینہ سے آکر لکھنؤ میں کب سے مقیم ہوئے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ وہ ایک مقامات پر اپنی ملازمت کا ذکر انھوں نے ضرور کیا ہے مثلاً کرامت علی شہیدی کے ترجمہ میں ایک حکایت اپنے متعلق یہ لکھی ہے:-

"جس ایام میں سید احمد علی خاں پسر سید ناصر خاں داماد نواب منور الدولہ بہادر ناظم علاقہ بیسواڑہ کے تھے یہ مولف بھی رفاقت میں اس ذوالاجاہ کے کثرت امتیاز رکھتا تھا۔ منشی اکرام حسین صاحب رہنے والے رائے بریلی کے یہ مطلع کرامت علی خاں شہیدی کا پڑھ کر کہنے لگے کہ ایسا کہنا خیلے دشوار ہے ؎

قاتل نے پیش قبضۂ و شمشیر سے نمک
رگڑا کباب پہلوئے نخچیر سے نمک

میں نے ان کے کہنے پر اعتنا نہ کی اور واسطے دلیل دعوے بدیہتہً یہ مطلع کہا ؎

پہنچا نہ جب وہاں کسی تدبیر سے نمک
زخم جگر میں میں نے بھرا تیر سے نمک

حضار نے بہت سی تحسین کی۔"

اسی طرح نواب مہدی علی خاں بہادر متخلص بہ حسن کے ترجمہ میں لکھا ہے:-

"یہ بندہ مدت سے اس سرکار دولت مدار میں نوکر اور شرف اُستادی سے نام ور۔"

اس کی تصدیق محسن علی محسن نے اپنے تذکرہ سراپا سخن میں بھی کی ہے اور حسن کے والد کا نام مرزا امام الدین حیدر بن نواب شجاع الدولہ بہادر لکھا ہے۔
صاحب خم خانہ جاوید نے بھی اپنے تذکرہ کی جلد دوم کے صفحہ ۴۲۶ پر حسن کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے اور ناصر کو ان کا استاد تسلیم کیا ہے۔

"نواب اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علی خاں ضیغم جنگ خلف مرزا امام الدین حیدر ابن شجاع الدولہ بہادر دام اقبالہ، داماد حضرت فردوس منزل متخلص بہ حسن۔ شاگرد سعادت علی خاں ناصر صاحب دیوان تھے اور چھوٹی بحروں میں فصاحت کی داد دیتے تھے عاشقانہ مضامین پُر اثر زبان میں باندھ جاتے تھے۔"

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے کے رئیس زادوں کی غزلیں بناتے تھے اور ان کی مصاحبت یا اُستادی کے سلسلے سے اپنی گذر بسر کا طریقہ نکال لیتے ہوں گے۔ ان کے ایک تیسرے شاگرد مرزا اسیر علی شوق، خلف الصدق نواب سیف الدولہ مرزا احمد علی خاں بہادر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رئیس زادے بھی ناصر کے ساتھ سلوک کرتے ہوں گے۔ اگرچہ ناصر نے اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔

اپنے ایک دوست مولوی شیخ کرامت علی اظہر شاگرد شاہ نصیر دہلوی ساکن موضع شیخ پور (توابع فرخ آباد) وارد لکھنؤ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"صاحب مروت ہیں تا مدت سی سال سے اس مولف کا آشنا۔
...... "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس سال ناصر بھی اس وقت تک لکھنؤ میں گذار چکے تھے یہ تذکرہ انھوں نے ۱۲۶۳ھ میں لکھا ہے۔ اس کے حساب سے یہ تو کہا

ہی جاسکتا ہے کہ ۱۲۳۲ھ میں بھی ناصر لکھنؤ میں موجود تھے یعنی نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں وہ لکھنؤ میں تھے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تک لکھنؤ میں موجود رہے، کیونکہ مولوی محمد بخش شہید کے ترجمہ میں اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں:-

"بعد برہمی سلطنت اودھ و انتزاع ملک لکھنؤ وہ بخشی گری و حکومت سب خاک و سیاہ ہو گئی اور حضور واجد علی شاہ مع مصاحبین خاص مثل انجم الدولہ و مسیح الدولہ و بخشی مرزا محمد رضا برقؔ ہمراہ رکاب حضرت بادشاہ برائے استغاثہ روانہ سمت کلکتہ ہوئے اور یہ جلسہ بھی درہم برہم ہوا۔ بموجب شعر ؎

نہ لشکری، نہ سپاہی، نہ کثرت الناسی
نہ انجمی، نہ مسیحی، نہ برقؔ خناسی

اس کے بعد مولوی شہید صاحب دلیر الدولہ مرزا حیدر صاحب کے پاس حاضر ہونے لگے۔ دلیر الدولہ بہادر نے سرداری و ریاست کو کام فرما کے کچھ مولوی صاحب کے واسطے حد رمق مقرر فرمایا۔ چند ایام کے بعد کہ ناگاہ غدر ہو گیا اور مولوی صاحب اس غدر میں بہت خراب و برباد ہوئے بعد خرابی بصرہ جب دوبارہ عملداری سرکار انگریزی ہوئی بعد چندے جانب سرکار انگریزی بہادر منشی رام دیال اکسٹرا اسسٹنٹ واسطے انکم ٹیکس کے لکھنؤ میں مقرر ہوئے اس ظالم نے داروغہ عاشق علی خاں کو اپنی طرف سے واسطے تحصیل زر ٹیکس محلہ کٹرہ ابو تراب خاں میں مقرر کیا۔ داروغہ مذکور نے صاحبان کٹرہ کو واسطے وصول زر ٹیکس کے تنگ کیا۔

چنانچہ مولوی صاحب اور مکرم علی خاں کو بھی طلب کیا اور زرٹیکس
مانگا۔ مولوی صاحب نے کہا میرے پاس بجز جان ایک حبّہ
بھی نہیں ہے۔ راقم حاشیہ تذکرہ ہذا اس وقت وہاں دارو غہ
کے پاس کمرے کے اس جلسہ میں موجود تھا۔"

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ناصر ۱۸۵۸ء میں جب انگریزوں نے اپنا
انتظام شروع کر دیا تھا لکھنؤ میں موجود تھے۔

ناصر نے اپنا استاد محمد حسن مذنب کو بتایا ہے اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ
یہ ایک مرثیہ گو شاعر تھے۔ مصحفی نے اپنے تذکرے ریاض الفصحا میں ان
کے متعلق یوں لکھا ہے:۔

"میرزا محمد حسن عرف چھوٹے میرزا مذنب تخلص خلف میرزا احسن
جوانیست خوش تحریر و خوش تقریر از ابتدائے بلوغ ہمت بہ تحصیل
علوم گشتہ در ہر فن بقدر حال استعدادے پیدا کردہ۔ خصوص
در روایات خوانی جناب سید الشہداء علیہ السلام دستے تمام
دارد، واز عہدۂ آں خوب برمی آید۔ کتابہائے دینیہ را اکثر دیدہ
ورسیدہ، در تطبیق عبارات ماتیہ و پیوند دادن روایات مختلفہ ذہنش
بدرستی نفوذ می کند۔ ہر چند خود را بہ نظم شعر ہم مصروف داشتہ۔
از سی و دو سالہ خواہد بود"۔

ناصر نے بھی یہ بتایا ہے کہ:۔

"ان کی نظم کی نسبت نثر مشہور و معروف، غزل کی بہ نسبت سلام
مشہور تر اور ہر شخص کا منظور نظر۔ حکیم ظفر علی خاں صاحب کی
فرمائش سے تمام جلاء العیون کو نظم کیا۔۔۔ مرض زہر باد سے

حلاوتِ جانِ شیریں تلخ ہوئی اور اس سرائے عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال کیا۔"

ناصر نے اس مصرعہ سے تاریخ وفات نکالی ہے

بنہادہ عجب داغ جدائی بدل ما

ناصر نے اپنی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے پانچ دیوان ہیں دو مثنویاں اور دو قصے نثر میں لیکن ان کی جملہ تصانیف کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کی ٹیگور لائبریری کے مخطوطات میں ایک مجموعہ واسوخت (مخطوطہ نمبر ۴۶۹۳۱ ۴۸۹۱۰۴۳۱۸۱ این ۲۲ ایم) میں ان کا ایک واسوخت بھی نظر آیا جو مکمل درج ذیل اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ یہی محفوظ رہ جائے۔

واسوخت من تصنیف سعادت خاں تخلص ناصر گوید

ایسے تم تفرقہ پرداز کہاں تھے آگے
غیر دل ہمدم و ہمراز کہاں تھے آگے
مجھ سے بیجا یہ ترے ناز کہاں تھے آگے
قصہ کوتاہ یہ انداز کہاں تھے آگے

اب تو کچھ ڈھنگ نرالے ہیں خدا خیر کرے
پیٹ سے پاؤں نکالے ہیں خدا خیر کرے

فرق ان میں ہے جو پہلے تھے تمہارے اطوار
تھے جو ناکارہ انہیں سے ہے تمہیں اب سروکار
دو تلک بھی تمہیں آنا تھا نہایت دشوار
اب تو دو وقت بلاناغہ ہے سیر دربار

تم پہ اطلاق ہے اب یوسفِ بازاری کا
خود فروشی ہے، بہانہ ہے خریداری کا

سر کھلا ہووے تو اس سے بھی تم آگاہ نہیں
بند ٹوٹے ہوں تو مطلق تمہیں پرواہ نہیں
کون ہمراہ چلے دیکھنے یہ راہ نہیں
جاتے بن ٹھن کے کہاں ہو جو ہمیں چاہ نہیں

(دکرزا)

ان نموزادیوں سے ہم تو کہے جاتے ہیں
روئیں کس طرح نہ ہم آپ ہنسے جاتے ہیں

اس روش کا بھی مقید نہیں پاتے تجکو　　بارہا دیکھا ہے انبوہ میں جاتے تجکو
اپنے کانوں سے سنا گالیاں کھاتے تجکو　　دیکھا مانند صبا خاک اڑاتے تجکو
بدو ماغی بھی کبھی نکہتِ گل سے بھی تجھے
مَس [illegible] ہوا صحبتِ گلُ سے بھی تجھے

گرچہ گردوں کا ہوا تیرا قرینا اب تو　　ہاتھ کا آتا ہے اڑی کو پسینا اب تو
ہے مہ عید محرّم کا مہینا اب تو　　غم سے دشوار بہت ہو تجھے جینا اب تو
راہ الفت کی نکلتی ہے تری چالوں سے
ہم جو کہتے تجھے ملا کر نہ بد افعالوں سے

سببِ خندۂ دشمن ہے یہ حالت ہرچند　　میں تو اس تیری ادا سے ہوں نہایت خورسند
دمِ الفت میں ہو امیری طرح سے پابند　　خلق میں ہو تری رسوائی کا آوازہ بلند
اُس کو ہنستا ہوا دیکھوں، تجھے روتا دیکھوں
دُور سے تیرہ محبّت کا تماشا دیکھوں

دل مرا تیری شرارت سے ہوا ہے یہ کباب　　آنکھیں بیمار ہوں تیری تو نہ ہو چشم پُر آب
یا خدا جلوۂ دیدار سے ہو تو بیتاب　　چلّہ باندھوں میں اگر ہو ترا قامت محراب
آئے مژگاں کے چلیں تجھ پہ تو میں آنہ کروں
مار گیسو تجھے لپٹیں تو تاسف نہ کروں

زلف تیری ہو پریشاں تو خوشی ہو مجکو　　تنگ ہو تیرا اگر بیاں تو خوشی ہو مجکو
مثل آئینہ ہو حیراں تو خوشی ہو مجکو　　چاک ہو وے سر داماں تو خوشی ہو مجکو

منہ بنائے تجھے کھینچیں تو ہنسیں خوب سا ہم
تجکو چوٹی کے شکنجہ میں کسیں خوب سا ہم

یہ مکافات خداداد ہے اس سے مجھے کیا — وہ بھی سن لیجئے جو کچھ ہے ارادہ میرا
ہے مرا مدِ نظر ایک صنم ماہ لقا — دلِ واسوختہ کو اس سے کروں گا ٹھنڈا
تجھے ایذا ملے اس سے مجھے راحت پہنچے
داغ پر داغ، جراحت پہ جراحت پہنچے

ایسا دنیا میں نہیں ایک شہرۂ آفاق ہے وہ — فرد خوبوں میں ہے اور شوخوں میں طاق ہے وہ
فنِ خوبی میں کہیں آپ سے مشّاق ہے وہ — مثلِ آئینہ مری شکل کا مشتاق ہے وہ
ہیں جو بد وضع کبھی انکی اسے یاد نہیں
سروِ آزاد ہے مادر پدر آزاد نہیں

ابھی بگڑا نہیں کچھ بنتی ہے پھر آپ کی بات — دور کر دیجئے لگنے سے رکاوٹ کی قنات
چپکے چل دیجئے اس بزم سے اٹھ کر مرے سات — عید ہو صبح قیامت جو یہ نہیں گذرے رات
دلِ صد چاک اسی زلف کا پھر شانہ ہے
اس کے ہم عاشق شیدا ہیں وہ جانانہ ہے

گر تری زلف کمر تک ہے وہ ہے تا سرِ پا — بیدِ مجنوں ترا قد ہے وہ عصائے موسیٰ
اس کے گیسو سے تری زلف کو نسبت ہے کیا — مطلعِ صبح قیامت وہ جبیں ہے بخدا
بخت یاور نہ ہو کس طرح ہمارا اُس سے
طالعِ مہر کا چمکا ہے ستارا اُس سے

اس کی ابرو سے تو انگشت نما ہو یار — نہ رہے ناخنِ مہ نو صفت تیرا وقار
اپنا جوہر کرے جو کچھ بھی اگر عزت دار — رشکِ مژگاں سے ہو آنکھوں کی طرح تو بیمار

ہو وہ خوش چشم نہ ہو دیدہ دلیری اس میں
تجھ سے بہتر ہو مگر خو نہ ہو تیری اس میں

کہوں جبینِ کو نہ الحشت بمیسر کیوں کر — جس نے دکھلایا مجھے معجزۂ شقِ قمر
واہ رے ظرف کہ خود بینی نہیں ہے اس پر — وہ رخِ صاف کہ ہو روئے قمر سے بہتر

نہ کبھی زلف میں ہے اس کو چھپاتے دیکھا
نہ کبھی گیسوؤں کو ہم نے بناتے دیکھا

ایک بے ساختہ پن لاکھ چھبن رکھتا ہے — معدنِ لعل دہن گرچہ اپنا پن رکھتا ہے
ہونٹ گلبرگ سے وہ رنگِ چمن رکھتا ہے — ان لبوں میں ہر اک طرح کے فن رکھتا ہے

پھول جھڑتے ہیں عجب رنگ کی رعنائی ہے
مُردے جی جاتے ہیں یاں ان میں مسیحائی ہے

برق لیتی ہے صفا گوہرِ دنداں سے مدام — یہ گہر وہ ہیں کہ جس کا ڈرِ شہوار ہے نام
گوہراں کو نہ کہوں گا وہ ستارے ہیں تمام — شاعروں کا بھی علی قدر مراتب ہے کلام

موتیوں کا کوئی قائل ہے کوئی ہیروں کا
سلکِ گوہر ہے غرض سلسلہ تقریروں کا

سیب کو سیبِ ذقن سے ہو یہ ہے کیا مقدور — مثلِ خورشید ہے آفاق میں غبغب مشہور
ماہ کہتا ہے مجھے چاہِ زنخداں کو ضرور — چاہِ نخشب میں گرا آتا ہے تجھے اے مغرور

خط نہیں اسکے جو کانٹوں پہ گھسیٹوں تجھ کو
خار وہ سینے وہ ترے یاد دلاؤں تجھ کو

صدفِ گوش یہ مانندِ گہر ہو غلطاں — کانِ گوہر وہ اسے دیکھ نہیں یہ امکاں
ہو بنا گوش یہ بالی کی طرح سرگرداں — ہر قطرہ اشک سے ہو وے رگِ ابرِ نیساں

حالت اُس وقت عجب رشک سے دل کی ہووے
یوں تڑپتے ہیں کہ جوں شست میں مچھلی ہووے

گول باتیں کرو اُن بازوؤں کے دھیان میں تم
پھر نہ منھ ڈالیے پھر اپنے گریبان میں تم
پھر بھی دیکھوں گا ہو بس اسی ارمان میں تم
نال ملنے کی جو دیکھو مرے دیوان میں تم

نکلے یہ شعر تو کچھ دل کو سہارا ہووے
کاش اس کو مرے ملنے کی تمنا ہووے

پھر کلائی وہ دکھاوے تو کل آئی رتی جائے
پائے طاؤس نمط ہاتھ سے اپنے شرمائے
سحر باطل ہو اگر وہ ید بیضا دکھلائے
تلق ایسا ہو تجھے دم ترا ہونٹوں پہ آئے

خوں بہا تیرا وہی پنجۂ رنگیں ہووے
خوف کیں اس کو نہ اندیشۂ نفریں ہووے

سینہ اُبھرا ہوا دیکھو تو کمر خم ہووے
بخدا تمغۂ نور کا عالم ہووے
طبع اے شوخ تری موم کی مریم ہووے
تن کے چلنا ترا اے دشمنِ جاں کم ہووے

شکم صاف سے ایسا ہی مکدر تو ہو
جھریاں پیٹ میں پڑ جائیں یہ لاغر تو ہو

ناف گرداب ہو اس کی تو اچنبھا کیا ہے
حسن کو کہتے ہیں وہ بہتا ہوا دریا ہے
کمر ایسی ہے کہ مضمون کمر عنقا ہے
جس نے باندھا ہے اسے رشتۂ جاں باندھا ہے

خوب دیکھو تو نظر ہوئے کمر آتا ہے
عید اسے ہوتی ہے جس کو وہ نظر آتا ہے

حوصلہ تم کو نہ ہو یہ کہ اسے دیکھیں ہم
کہ جو دیکھے سے ہو جائیے گا آپ عدم
ایسی نازک کمر آفاق میں دیکھی ہے کم
کیا بیاں اس کی نزاکت کا کروں میں عالم

کیا مری آنکھیں ہی وہ موئے کمر ڈھونڈتی ہیں
اس کی زلفیں بھی اسے شام و سحر ڈھونڈتی ہیں

شمع کی طرح سے سانچے میں ڈھلی ہے ہر آن   رونمائی میں اسے دیتا ہو حور اپنی جان
رال پریوں کی ٹپک پڑتی ہو اس پہ ہر آن   رانیں مٹیں نہ اسے دیکھ کے کیوں کر انسان

ہو نصیب ان کی نہ جھوٹھی بھی میسر تجکو
آئینہ ہو تو بٹھائے نہ برابر تجکو

ساق بھی ساعد سیمیں کی طرح ہو پر نور   ہو تجلی سے ہو طور بھی اس سے کافور
لغزش ایسی ہو گرے خاک پہ تو اے مغرور   پاس تیرا نہ ہو ٹھوکر سے کرے وہ تجھے دور

پنجہ اس شوخ کا ہم پنجۂ مرجاں ہووے
رشک سے پنجۂ مرجاں تری مژگاں ہووے

حسن صورت تو یہ ہو سنئے اب اس کی سیرت   تجھ سے بد وضع کی صحبت سے اسے ہو نفرت
مذہب بادہ پرستی سے نہ ہو اسے ملت   روز و شب اپنی رخ و زلف سے رکھے صحبت

انس ہو ایک سے نے ہر کہیں یارانہ ہو
آشنایانِ زمانے سے وہ بیگانہ ہو

ظلم و آزار طبیعت میں نہ ہووے زنہار   جلے پروانہ تو وہ شمع سے ہووے بیزار
دل کسی کا جو ڈسے زلف تو کاٹے سر مار   دیکھنے جاوے جو آنکھوں کا کوئی ہو بیمار

جان شیریں شکرستاں سے اسے وہ بخشے
تقویت سیب زنخداں سے اسے وہ بخشے

اس کو زیبا ہو نہ جس رنگ کی پہنے پوشاک   چشم بلبل سے ہو یا اطلس گل سے پوشاک
ہو تنبہ تیرا گریباں جو وہ دیکھے پوشاک   شرم ایسی ہو کبھی وہ جو اتارے پوشاک

مردم چشم کا بھی دیکھنا منظور نہ ہو
قد کو عریاں نہ کرے سایہ اگر دور نہ ہو

ہے وہ دریا اسے دیکھو گے تو لہراؤ گے — باغ وہ ایسا نہیں جس پہ نہ گل کھاؤ گے
ظلم کی اس کی عدالت سے سزا پاؤ گے — سیدھے ہو گے جو نزاکت سے بھی بل کھاؤ گے

بخت پھر جائیں گے یہ تم سے تمہارے صاحب
نحس ہو جائیں گے افشاں کے ستارے صاحب

مختصر قصہ مرے حسب تمنا وہ ہے — جیسی درخواست تھی اللہ سے ویسا وہ ہے
تیرا سرکوب ہر معشوق ہمارا وہ ہے — قطرۂ آب ہے تو حسن کا دریا وہ ہے

تھی یہ خوش طالعی اپنی جو وہ محبوب ملا
بخدا خوب ملا خوب ملا، خوب ملا

تو یہ سمجھا تھا کہ مجھ سا کوئی محبوب کہاں — لکھنؤ مصر نہیں قحط ہے یوسف کا یہاں
باغ عالم میں نہیں مجھ سا کوئی سرو رواں — کبھی ارزاں نہیں ہونے کی مری جنس گراں

گرم بازار خریدار رہے گا مجھ سے
گھر مرا مصر کا بازار رہے گا مجھ سے

وہ مرا قول تجھے بھول گیا اے خود کام — سرو آزاد ہوں کیا مجکو تعلق سے کام
جب تلک بندہ نوازی ہے یہ بندہ ہے غلام — خفگی آئے تو لینے کا نہیں پھر کبھی نام

تو نے سمجھا یہ غرض مند کہاں جائے گا
میری اس زلف کا پابند کہاں جاوے گا

بے وفائی بھی جو کی مجھ سے تو پھر ایسی کی — میں نے آنکھوں کو جو دیکھا تو نظر ترچھی کی
روز ہونٹوں پہ دھڑی جمنے لگی مسی کی — روکا جس بات کو وہ ضد سے مری دونی کی

پردے چھٹنے لگے ہر مرتبہ دالانوں کے
خلوتِ غیر کو چلے ہوئے جہانوں کے
کربلا دیکھو تم اور راتوں کا جانا دیکھو   اپنا رن دیکھو یہ آشوب زمانا دیکھو
نازکی دیکھو یہ ناز اس پہ اُٹھانا دیکھو   دیکھو اچھا نہیں یہ خاک اُڑانا دیکھو

حرکت جو ہے تمہاری وہ خلاف ذری ہے
سفلوں سے آپ کو ملنا عمل سفلی ہے
ان سے اب ملتے ہو تم جن سے کھلیں ہو اکراہ   یارئ بخت بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ
میر ارستہ ہو امسدود کھلی ان کی راہ   واہ جی واہ کیا خوب محبت کا نباہ
ہم جو اپنے تھے سو غیروں کے برابر ہوئے ہم
وہ ہوئے نادِ علی چھاتی کے پتھر ہوئے ہم
یہ بھی اللہ کی قدرت ہو کہ دشمن ہوئے دوست   تھے جو دشمن ترے وہ اے بتِ پرفن ہوئے دوست
مجھ سے کیا خاک رہے راہ کے رہزن ہوئے دوست   خار جو تھے وہی اے غیرتِ گلشن ہوئے دوست
خوب تمیز ہو اور خوب قیاس آپ کا ہو
آپ کا حوصلہ کچھ رتبہ شناس آپ کا ہو
بھرتے ہیں گھوڑے کے دن بھی یہ مثل جھوٹ نہیں   وہ ٹھکانے لگے جن کو نہ ٹھکانا تھا کہیں
وہ سزاوارِ محبت ہوئے ہم لائق کیں   کوہکن ہم تھے وہ پرویز ہوئے اے شیریں
جان دینے کے نہیں ہم کسی عنوان اپنی
کوہکن بھی ہیں پہ تو شیریں ہے ہمیں جاں اپنی
تجھ سے بہتر ہو میسر ہمیں کیوں ہوئے رشک   شاہ خوباں ہو وہ دلبر ہمیں کیوں ہو نہ رشک
یاور اپنا ہو مقدر ہمیں کیوں ہوئے رشک ۔ تجکو ہو رشک تمگر ہمیں کیوں ہوئے رشک

زندگی بھر تو میرے سامنے محبوب رہا
تیری نسبت میں کہیں خوب رہا خوب رہا

تجھ میں جب بات محبت کی نہ پائی میں نے　　تیرے کوچہ کی نہ پھر خاک اڑائی میں نے
دیکھ تو طبع کہاں جا کے لڑائی میں نے　　کیسی تصویر خیالی یہ دکھائی میں نے

حال آشفتہ ہوا اے بت خود بیں تیرا
نخل ماتم ہوا لعل لب شیریں تیرا

میری باتوں سے کٹی ایسی طبیعت تیری　　نمک افشاں ہو جراحت پہ ملاحت تیری
طعن و تشنیع تجھے کرتی ہے غیرت تیری　　زعفرانی ہوئی اندوہ سے صورت تیری

اپنی صورت پہ تجھے آپ ہنسایا میں نے
اب نہ بگڑے گا کبھی ایسا بنایا میں نے

قصہ کوتاہ سخن مختصر قطع کلام　　تنگ ملنے سے نہیں ہے جو نہ لو غیر کا نام
تم کو ان سے ہو سروکار نہ اس سے مجھے کام　　ہے اگر میری شکایت کا تمھیں رنج تمام

کاٹیے میری زبان دانتوں سے میں راضی ہوں
باندھیے زلف سے اپنی مجھے میں راضی ہوں

تپ فرقت کا مہینوں سے مجھے ہے آزار　　آپ ہی جانتے ہیں ہوتا ہے بدخو بیمار
اس شکایت سے بھی ہوتا ہے ناصح اے یار　　اپنی خاطر کو مکدر نہ رکھو تم زنہار

ایسی آزردگی کیا ہے یہ غلام آپ کا ہے
آپ سے لطف عجب کیا ہے یہ کام آپ کا ہے

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ناصر کب تک لکھنؤ میں رہے اور کب اور کہاں انتقال کیا۔ یہ دریافت نہ ہو سکا۔ محمد بخش شہید کے ترجمہ پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے یہ تو ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کہ غدر کے بعد یہ لکھنؤ میں اس وقت موجود تھے جب انگریزوں نے لکھنؤ پر تسلط کر لیا تھا اور ۱۸۵۸ء سے نیا انتظام شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ ظاہر ہے وہ اثنائے عشری تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اعتقاد میں بہت غلو رکھتے تھے۔ مثلاً فقیر محمد خاں گویا کے بارے میں جو سنی سے شیعہ ہو گئے تھے لکھتے ہیں:-

"انجام اس کا آغاز سے خوشتر جب دولت مند تھا اب شیعہ امیر المومنین حیدر"

منور خاں غافل کے سلسلے میں جو حکایت لکھی ہے اس کے حسب ذیل جملے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں:-

"...... وہ نہایت تجدید سے ایک چوب اٹھا کر اسکے پیچھے دوڑا۔ وہ بے پناہ دامن تعزیہ میں چھپی۔ غافل بے دین نے ایک چوب دستی تعزیہ پر بلند کی۔ ناگاہ ایک طمانچہ اس کے روئے نحس پر پڑا۔ لقوہ زدہ کی گردن پھر گئی اور ہیئت اس کی اور ہو گئی اور وہ شوخ صبح ہوتے ہوتے داخلِ شام سجین ہوا۔ ؎

بہ آل نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد

دردؔ کے متعلق مینا کا قصہ بھی اس کو واضح کرتا ہے

ناصر کا عہد ناصر کا عہد آخر غازی الدین حیدر کے زمانہ سے لیکر

خاتمہ حکومت اودھ تک معلوم ہوتا ہے۔ اس عہد کے متعلق خصوصاً مصحفی کے انتقال سنہ ۱۲۴۰ھ کے بعد لکھنؤ میں شعر و شاعری کا معیار کیا تھا، ہم کو کسی اور تذکرہ سے نہیں معلوم ہوتا۔ عمدۂ منتخبہ اس سے پیشتر لکھا جا چکا تھا لیکن اس میں صرف سنہ ۱۲۲۴ھ تک کے حالات تھے اور اسی طرح خوب چند ذکا کا تذکرہ سنہ ۱۲۱۳ھ تک کے شعرا کا حال لکھ چکا تھا لیکن یہ دونوں تذکرے لکھنؤ سے باہر تیار کیے گئے تھے ریاض الفصحا میں مصحفی نے صرف سنہ ۱۲۲۱ھ سے سنہ ۱۲۳۶ھ تک کے شعراء کے ترجمے مندرج کیے تھے۔ اس کے بعد لکھنؤ میں احمد علی خاں یکتا نے دستور الفصاحت سنہ ۱۲۴۹ھ میں مرتب کیا تھا لیکن وہ بہت مختصر تھا اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مصحفی کے بعد ناسخ اور آتش نیز ان کے شاگردوں نے جو کمالات فن دکھائے ان سب کے مفصل حالات اور ان تمام امراء و رؤساء کے ترجمے جو شعر و ادب میں دلچسپی لیتے تھے کچھ شنیدہ اور کچھ دیدہ سب ناصر نے قلم بند کر دیے ہیں سنہ ۱۲۳۵ھ میں جبکہ غازی الدین حیدر کو انگریزوں نے بادشاہ بنا دیا اور ان کی تاجپوشی کرا دی اس وقت سے اہل لکھنؤ اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگے تھے اور دہلی کے تمدنی یا ادبی برتری کو اب ماننے کے لیے تیار نہیں تھے جیسا کہ فسانۂ عجائب میں رجب علی بیگ سرور نے میر امن پر طعن کر کے اسی عام جذبہ کا اظہار کیا ہے۔ یا جس طرح ناسخ نے زبان کی تراش و خراش میں دلی والوں کی تقلید سے انحراف کیا۔

اس زمانہ میں لکھنؤ میں شعر و شاعری کا بہت زیادہ چرچا تھا۔ بادشاہ، امراء، وزراء اور رؤساء سے لے کر معمولی شُد بُد رکھنے والے اہل حرفہ تک شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے مثلاً ان کے تذکرہ میں ہم کو اگر ایک طرف حسب

ذیل ممتاز رؤساء کے نام نظر آتے ہیں۔

۱۔ وزیر الممالک، نواب آصف الدولہ بہادر تخلص آصف
۲۔ مرزا احمد علی خاں شوکت جنگ تخلص سوزاں۔
۳۔ نواب محبت خاں تخلص محبت۔
۴۔ مرزا سلیمان شکوہ تخلص سلیمان
۵۔ مرزا محمد ذکی خاں بہادر تخلص ذکی
۶۔ مرزا زین العابدین عرف مرزا محمدی تخلص سرسبز
۷۔ راجہ جسونت سنگھ تخلص پروانہ
۸۔ نواب جرار الدولہ مہدی علی خاں بہادر تخلص مہدی۔
۹۔ مرزا سیف علی خاں بہادر تخلص شگفتہ
۱۰۔ امین الدولہ مرزا محمدی تخلص امیر
۱۱۔ نواب حسن علی خاں بہادر تخلص عبرت
۱۲۔ مرزا مظفر علی خاں تخلص برآں
۱۳۔ نواب مرزا محمد تقی خاں تخلص ہوس۔
۱۴۔ نواب جرار الدولہ محمد ہادی علی خاں بہادر عظیم جنگ تخلص آشفتہ
۱۵۔ حسن علی خاں تخلص حسن
۱۶۔ نواب سید محمد خاں بہادر تخلص رند
۱۷۔ مرزا محمد جعفر تخلص نصرت
۱۸۔ شاہ مرزا تخلص آزاد
۱۹۔ شہزادہ مرزا نور الدین تخلص نور الدین
۲۰۔ شہزادہ علی گہر مرزا حیدر تخلص حیدر

۲۱۔ نواب عاشور علی خاں تخلص عاشور
۲۲۔ نواب امیر مرزا خاں تخلص شگفتہ۔
۲۳۔ نواب حسین علی خاں تخلص اثر
۲۴۔ نواب اصغر علی خاں تخلص اعجاز
۲۵۔ کلب حسین خاں ڈپٹی کلکٹر تخلص نادر
۲۶۔ امین الدولہ سید آقا علی خاں تخلص مہر
۲۷۔ نظام الدولہ سید آقا علی خاں تخلص سید
۲۸ شاہ واجد علی شاہ تخلص اختر
۲۹۔ اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علی خاں بہادر ضیغم جنگ تخلص حسن

وغیرہ تو دوسری طرف علماء و فضلاء بھی شعر و شاعری سے ذوق فرماتے دکھائی دیتے ہیں جن میں سے چند کے نام درج ذیل کئے جا رہے ہیں

۱۔ قاضی محمد صادق خاں تخلص اختر
۲۔ مظلوم شاہ تخلص مظلوم
۳۔ نواب عاشور علی خاں تخلص عاشور
۴۔ شاہ غلام اعظم تخلص افضل وغیرہ

اسی کے ساتھ ساتھ اہلِ حرفہ میں ہم کو حسب ذیل نام نمایاں طریقہ پر نظر آتے ہیں۔

۱۔ صغیر علی طبیب تخلص مروت (حکیم)
۲۔ مرزا علی اکبر تخلص مضطرب (سپاہی پیشہ)
۳۔ میر ماشاء اللہ خاں تخلص مصدر (طبیب)
۴۔ الٰہی بخش خاں تخلص الٰہی (حجام)

۵۔ گوربخش تخلص ادیب (کمہار)
۶۔ اشرف علی خاں تخلص خاںؔ (شہسوار)
۷۔ امام علی خاں تخلص بانغ (آتش باز)
۸۔ شیخ ہدایت حیدر تخلص ذاہب (ستار نواز)
۹۔ مرزا علی حسین تخلص آدرج (نجومی)
۱۰۔ امراؤ مرزا تخلص شمیم (سپاہی پیشہ)
۱۱۔ لالہ رام دیال تخلص سخن (گھڑی ساز)
۱۲۔ محمد باقر تخلص فریاد (طبیب)
۱۳۔ قادر علی خاں تخلص مجرم (دلال جفت فروشاں)
۱۴۔ میر عسکر تخلص سالم (وکالت پیشہ)
۱۵۔ حکیم نواب مرزا شوق (طبیب) وغیرہ

ان کے تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس کس جگہ کیسے کیسے شاعرے ہوتے تھے۔ وہاں ایک دوسرے پر کس انداز سے چوٹیں کی جاتی تھیں یا ایک دوسرے کے کلام پر کس طرح اعتراضات ہوتے تھے اور ان کا کس طرح جواب دیا جاتا تھا۔ ان باتوں کی تفصیل جاننے کے لئے مرزا مولوی ندرت، ضاحک، میر حسین علی خاں تاسف، جعفر علی حسرت، انشاء، مصحفی لالہ موجی رام تپش، ناسخ، نظیر اکبر آبادی وغیرہ کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں۔

ان تمام حالات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت لکھنؤ شعر و شاعری میں گویا مبتلا تھا۔ دیگر فنون لطیفہ میں مصروفیت کے ساتھ شعر و شاعری کا بھی تقریباً ہر ایک کو شوق ہو چکا تھا۔ ارباب نشاط اور قوالیوں کی محفلوں کے علاوہ مذہبی مجلسوں میں بھی مرثیہ اور سلام میں اعلیٰ سخن وری کا ثبوت دیا جاتا تھا۔

ریختی گو اور فحش گو شعرا کی بھی کمی نہیں تھی اور یہ مذاقِ شعر گوئی صرف مسلمانوں ہی میں نہیں ہندوؤں میں بھی سرایت کیے ہوئے تھا مثلاً موجی رام موجی، لالہ شاذی لال اسیر، کنور سنگھ بے ریا، جس ونت سنگھ پروانہ، راجہ جوالا پرشاد تسکین، لالہ ٹیکا رام تسلی، لالہ چنی لال حریف، روشن لال دانا، پنڈت رتن ناتھ دریا اور لالہ گنگا پرشاد رند وغیرہ وغیرہ۔

ناصر نے اپنے تذکرے میں ان سب چیزوں کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اس عہد کی اس حق سے زندگی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور یہی اس تذکرے کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ بہت سے ایسے واقعات مثلاً مصحفی اور انشا کا معرکہ، انیس و دبیر کے شاگردوں کی چپقلش، میر حسن کی مثنوی کی تحریک کا واقعہ وغیرہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے محض سنے سنائے لکھے ہوں لیکن یہ شنیدہ باتیں بھی بتاتی ہیں کہ اس زمانہ میں کیسی کیسی روایتیں لکھنؤ میں رائج تھیں۔ یہ انکشافات اور واقعات ہم کو کسی دوسرے تذکرہ میں نہیں ملتے۔ خصوصیت سے ان کے درج ذیل واقعات بہت دلچسپ ہیں یا ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں جو ہم کو کسی اور تذکرے میں نہیں ملتیں۔ مثلاً:۔

۱۔ سودا کا وہ معرکہ جو غلام حسین ضاحک کے ساتھ ہوا اور جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سودا فرخ آباد سے نواب شجاع الدولہ کے بلانے پر تو نہیں آئے لیکن میر غلام حسین ضاحک نے سودا ہی کے ایک قصیدے کو ان کی مذمت میں الٹ کر لکھا اور اسے فرخ آباد بھجوایا جس کا جواب دینے کے لئے سودا وہاں سے اُفتاں و خیزاں لکھنؤ روانہ ہوئے اور پھر یہاں آکر ان سے ملاقات کی اور آپس میں ہجو بازی شروع ہوئی جو درست نہیں ہے کیونکہ سودا فرخ آباد سے مہربان خاں رند کے انتقال ۱۱۸۲ھ کے بعد شجاع الدولہ کے پاس فیض آباد

آئے نہ کہ لکھنؤ۔

۲۔ میر حسن کے متعلق یہ لکھا ہے کہ بارہ برس کی عمر میں دلی سے لکھنؤ آئے اور "بسبب تقاضائے جوانی محل کی ایک عورت سے محبت و موانست ہوئی۔ چونکہ طبیعت موزوں تھی بپاس خاطر معشوقہ مثنوی بے نظیر تصنیف کی۔ یہ تلازم کی مثنوی ہے شنیدہ نہیں دیدہ ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ نواب قاسم علی خاں بہادر نے جب اسے سنا تو فرمایا مجھے دو کہ تمھاری طرف سے حضور میں نواب آصف الدولہ کے لے جاؤں مصنف نے بخیال اس کے کہ بار اور کسی کے نام سے گذرے انکار کیا بعد چندے اور کسی تقریب سے حضور میں باریاب ہو۔ نواب سابق الذکر کہ انسانہ رنجش سے آزردگی رکھتے تھے نواب صاحب کی تعریف میں بول اُٹھے کہ یہ جو کہتے ہیں ع

کہ اک دن وہ شالے دیئے سات سے

حضور نے تو ہزاروں دوشالے آنِ واحد میں بخش دئے ہیں۔ شاعری میں مبالغہ ہوتا ہے۔ یہاں بیان واقعہ میں بھی کمی ہے۔ نواب نامدار کا دل اسکے سننے سے اچاٹ ہوا۔ یہ نقطہ کم نصیبی میر موصوف کی تھی کہ ایسے حاتم زمانہ کی سخاوت سے ناکام اور محروم رہا یہ بھی کیا لطیفہ کہ جب مرزا رفیع سودا نے وہ مثنوی سنی نہایت خوش ہوئے اور علی بشاشت میں فرمایا۔

"تم نے یہ مثنوی ایسی کہی کہ میر غلام حسین کے بیٹے نہیں معلوم ہوتے یعنی فخران کے ہو۔"

۳۔ شیخ بقاء اللہ بقا کے متعلق بتایا ہے کہ پہلے یہ غمیں تخلص کرتے تھے جب شاگرد حاتم کے ہوئے بقا قرار دیا۔ آخر عمر میں پاگل ہو گئے تھے اور ناعتمہ بناتے ہیں کہ :-

"بعد کم ہونے اس وحشت کے عازم بیت اللہ کا ہوا۔ اسباب خانہ معہ خانہ چار سو روپیہ کو بیچا اور اس کا غلّہ خود خرید کر کے کشتی میں بھر لیا۔ وقت رخصت مرزا جعفر کی ملاقات کو آیا۔ مرزائے موصوف اس وقت دربار جاتے تھے۔ جب ارادہ اس کا سُنا خدمت گار اپنا اس کے ہمراہ کیا کہ جہاں یہ فروکش ہوں وہ مکان دیکھ آئے۔ دوسرے روز اسی خدمت گار کے ہاتھ پانسو روپیہ زاد اور راحلہ کے واسطے بھیجے۔ اس خدمت گار کو دریافت ہوا کہ کل کے روز کشتی روانہ ہوئی، سبحان اللہ کیا بے نیازی تھی کہ امیروں کے بھی احسان کا انتظار ناگوار تھا"

۴۔ مظہر جانِ جاناں کے متعلق ایک حکایت دل چسپ لکھی ہے وہ یہ ہے:-

"جب استیلائے فوج نادرہ شاہ مردم دہلی پر ہوا اور لشکر مخالف ہر گھر میں غارت کو در آیا۔ مرزا کی امتعہ پر بھی دست ستم دراز کیا۔ اس وقت برائے چاشت نفرا دیگ کھچڑی کی اوجاغ پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ بیمون سرقت اسے اُبالی کھانے لگے۔ مرزا نے باوجود جور و ستم کے ان سے کہا روغن و اچار طاق پر دھرا ہوا ہے۔ اس سے کھاؤ کہ مزہ دے۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری"

۵۔ فدوی لاہوری اور سودا کی چشمک چلتی تھی۔ ناصر نے لکھا ہے کہ ایک

مرتبہ جب مرزا رفیع السودا نے یہ بند مخمس کا اس کے بالمشافہ پڑھا۔

جہاں میں کون بناتا ہے الو بنیے کا
کسی سے بن کے نہیں آتا ہو الو بنیے کا
بہت ہی جان لبھاتا ہے الو بنیے کا
بنا مجھی کو یہ آتا ہے الو بنیے کا
کہ ندوی جگ میں کہاتا ہے الو بنیے کا

چونکہ یہ مصرعہ پڑھنے والے کی طرف عائد ہوتا ہے۔ ندوی نے کہا اللہ نیاز کرے۔ یہ فقرہ نثر کا سودا کی نظم پر اس وقت غالب آیا۔

۲۔ میر تقی میر کے متعلق ناصر نے کئی روایتیں درج کی ہیں پہلی تو یہ کہ :-

"جب اکبر آباد سے میر صاحب یورپ کی طرف چلے حسب اتفاق ایک بنیے کے ساتھ گاڑی پر سوار ہوئے مگر وقت سواری کے کچھ رات باقی تھی جب روز روشن ہوا اور اس کی صورت دیکھی منھ ادھر سے پھیر لیا اور لکھنؤ تک اس کی طرف منھ کر کے نہ بیٹھے۔ سبحان اللہ کیا عالی دماغ لوگ تھے کہ ضرورت میں بھی ناگوار کو گوارا نہ کرتے تھے"

دوسری روایت ناصر مرزا مغل سبقت کی زبانی یوں نقل کرتے ہیں :-

"جب میر صاحب لکھنؤ میں تشریف لائے بندہ ان کی شرف ملازمت کو گیا۔ خبر ہونے کے بعد زیریں تشریف لائے میں نے دولت دست بوسی حاصل کی بعد قیل و قال کے ملتمس ہوا کہ کچھ اپنے کلام سے مستفید فرمائیے بہ تعجیل فرمایا کہ تمہارے بشرے سے شعر فہمی معلوم نہیں ہوتی سخن کے ضائع کرنے سے حاصل"

اس روایت کے بعد ناصر لکھتے ہیں کہ انسان کو اتنی بھی خود پسندی زیبا نہیں کہ مثل من دیگرے نیست فضلنا بعضکم علیٰ بعض مرزا مغل اچھے شاعر تھے

بلکہ اردو پر سبقت رکھتے تھے۔

تیسری روایت یہ ہے کہ :-

"ایک دن شاہ قدرت اللہ قدرت تخلص اور میر صاحب کشتی پر سوار تھے قدرت نے چند غزلیں اپنے دیوان کی پڑھیں میر صاحب نے کچھ نہ کہا آخر وہ ملتمس ہوا کہ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ میر صاحب نے فرمایا کہ جواب دید یہ ہے کہ دیوان کو اپنے دریا میں ڈال دو۔

چوتھی روایت یہ ہے کہ :-

"عماد الملک نواب غازی الدین خاں لب دریا بیٹھے ہوئے تھے اور مرغان آبی و سرخاب دریا میں واسطے سیر و تماشہ کے چھوٹے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میر صاحب ادھر سے نکلے نواب صاحب نے چند قصیدے اپنے میر صاحب کے روبرو پڑھے اور داد طلب ہوئے۔ میر صاحب نے فرمایا کہ میری تعریف کی کیا احتیاج ہے ہر بط کو صاحب کے اشعار پر حالت وجد و سماع ہے نواب صاحب کو یہ سخن نہایت ناگوار گذرا۔ دوسرے روز میر صاحب کو پھر طلب فرمایا اور خود ایک کرسی پر بیٹھے اور زمین پر سوائے خاک کچھ فرش نہ بچھوایا میر صاحب نے لمحے انتظار چوکی اور مونڈھے کا کیا کہ بعد ازاں دوپٹہ اپنا دوتا کر کے بچھایا اور بیٹھ گئے۔ نواب صاحب نے کہا کہ عنایت فرمائیے اور اپنے کلام سے مستفید کیجئے میر صاحب نے یہ قطعہ پڑھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا — یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

پانچویں روایت ہے:۔

جب سرکار نواب آصف الدولہ بہادر میں میر صاحب صیغۂ شاعری میں نوکر ہوئے۔ ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانہ میں جلوہ گر تھا اور دواوین زیر و بالا رکھے ہوئے تھے۔ ایک جلد نواب نامدار کے ہاتھ سے دور تر تھی اور میر صاحب سے نزدیک فرمایا مجھے اٹھا دیجئے۔ میر صاحب نے ایک خادم سے کہا سنو تمہارے نواب صاحب کیا فرماتے ہیں۔ نواب صاحب نے راست ہو کر اس کو اٹھا لیا۔ گو یہ مزاجی نہایت ناگوار خاطر ہوئی بعد ایک لمحہ کے فرمایا کیوں میر صاحب مرزا رفیع السودا کیسا شاعر مسلم الثبوت تھا۔ میر صاحب نے کہا کہ ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است۔ حضور پر نور نے کہا ہم عیب پسند ہیں ایک نہ شد دو شد۔ اسی درمیان میر محمد سوز صاحب کہ استاد جناب عالی کے تھے واسطے مجرے کے حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ کچھ اپنے شعر پڑھو۔ حسب الحکم میر سوز نے دو تین غزلیں اپنے دیوان میں سے پڑھیں نواب فلک جناب نے تعریف میں ان کی مبالغہ فرمایا۔ میر صاحب کو دلیری میر سوز کی اور تعریف نواب صاحب کی بہت ناگوار گزری۔ میر سوز سے کہا کہ تمھیں اس دلیری پر شرم نہ آئی۔ میر سوز نے کہا صاحب بندہ کیا میں شاہجہان آباد میں بھاڑ جھونکتا تھا۔ کہا بزرگی اور شرافت میں تمہاری کیا تامل مگر رتبہ شعر میں میرے کسی کو ہمسری نہیں موقع اور محل تمہاری شعر خوانی کا وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈ کلیا پکتی ہو نہ کہ میر تقی کے سامنے میر سوز سے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ جو

میر صاحب کی طلب کو حضور پُر نور نے لکھا تھا جیب سے نکال کر حضور کے آگے رکھ دیا اور یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے خانہ آباد دولت زیادہ۔ نواب نامدار نے فرمایا خدا حافظ۔ وہ تین مہینے بعد خواجہ تحسین علی خاں نے ذکر ان کی عسرت اور غریب الوطنی کا تقریباً حضور میں گذارش کیا۔ اس حاتم زماں نے اول شکایت ان کی بے اعتنائی کی بہت سی کی بعدہ شفاعت خواجہ سرا کی قبول فرمائی۔ خواجہ سرا خوش خوش میر صاحب کے پاس آیا اور وہ ذکر سنایا۔ میر صاحب نے حاضر ہونا دربار میں اس کی مروت ننگ مروی سمجھ کر انکار کیا۔ ایک روز وہ جوہر شناس ہنرمنداں علیق اللہ کے امام باڑہ کی طرف آیا اور تحسین کو اشارہ کیا کہ میر صاحب کو لے آئے خواجہ سرا نے میر صاحب سے کہا کہ چلو تمھارے لینے کو حضور آئے ہیں۔ سبحان اللہ کیا قدر شناسی تھی کہ اپنے نوکر کی رئیسوں کو یہ خاطر تھی۔ چھٹی روایت یہ درج کی ہے۔

جب مرض الموت سے بیمار ہوئے وصیت کی کہ میرے جنازے کے اٹھانے میں تعجیل نہ کرنا جو سُنے گا کہ میر نے رحلت کی خواہ مخواہ نقد اور سامان معقول بھیجے گا۔ بموجب وصیت کے صبح سے شام ہوئی کسی نے کچھ نہ بھیجا۔ آخر شیخ امام بخش ناسخ کی اعانت زادِ آخرت ہوئی۔

۷۔ درد کے ترجمہ میں یہ حکایت بھی لکھی ہے۔

" اس صوفی صافی کی نذر کو ایک شخص مینا لایا اور پنجرہ اس کا خلوت خانہ خاص میں لٹکایا۔ اس جانور نے یا علی مدد کی صدا کہی۔ باوجودیکہ طریقہ بولی ٹھولی کا ہے۔ اس متعصب پیشہ نے زبان اس حیوان مطلق کی حلق سے کھینچی۔ نعوذ باللہ

من ہذہ العقیدہ"

۸- میر مہدی علی متخلص بہ داغ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

"داغ عشق سے سراپا داغ میر مہدی متخلص بہ داغ نوجوان دل افروز خلف اور شاگرد میر سوز- تقاضائے عشق و جوانی سے گرفتار بلائے ناگہانی معشوقہ بازاری پر عاشق اور ولولہ محبت صادق- ترک شہر و دیار خوش آیا- آخر آخر تپ فرقت نے بستر موت پر اس کو گرایا- رمقے جان باقی تھی کہ خط اس معشوقۂ بے دنا کا آیا- یہ شعر اس کے جواب میں لکھ کر آپ تاعبد عدم آباد ہوا۔

از جاں رمقے بود کہ مکتوب تو آمد ۔۔۔ دیگر چہ نویسیم خبر خوب گزشتی

میر سوز اس کی مفارقت میں یہ شعر پڑھتے تھے اور دیوانہ وار پھرتے تھے۔

اے میرے جھنڈولے بالوں والے ۔۔۔ آجا مری منتوں کے پالے"

۹- منور خاں متخلص بہ غافل کے ترجمہ میں درج ذیل حکایت لکھی ہے:-

"ایک عورت اس کے عقد میں تھی- محرم کی چاند رات کو اس نے کہا کہ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی ماں کے یہاں جاؤں اور تعزیہ حضرت امام حسین کا لاؤں- اس نے کہا یہاں کون تعزیہ داری سے مانع ہے۔ قصہ کوتاہ تعزیہ اس نے رکھا لہذا رسم تعزیت میں مصروف ہوئی شب ہفتم کو اس غافل ازلی نے خوب شراب زہرمار کرکے اس ہم کو بہ اسلئے لذت بوس و کنار کے طلب کیا- اس نے اجازت کے عوض ناسزا کہا- وہ نہایت تہدید سے ایک چوب اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑا- وہ بے پناہ دامن تعزیہ میں جا چھپی- غافل بے دین نے چوب دستی تعزیہ پر بلند کی- ناگاہ ایک طمانچہ اس کے روئے نحس پر پڑا کہ لقوہ زدہ کی گردن پھر گئی اور ہیئت

اس کی انہ ہوگئی اور وہ شوخ صبح ہوتے ہوتے داخل سجین ہوا۔

یا آلِ نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد"

مختصر یہ کہ اسی طرح کی متعدد سنی سنائی روایتیں، بہت سے پرانے شعرا کے بارے میں درج کی ہیں۔ یہ روایتیں ضرور ان کے زمانہ میں لکھنؤ میں مروج رہی ہوں گی جنھیں انھوں نے قلم بند کر دیا۔ واضح رہے کہ جو واقعات انھوں نے لکھے ہیں وہ غازی الدین حیدر خاں کے زمانہ سے لے کر انتزاع سلطنت اودھ تک کے درج کیے ہیں۔ یہ زمانہ کافی طویل ہے اور ناصر کے چشم دید بیانات پر کافی حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ البتہ انھوں نے متعدد شعرا پر بہت فحش الزامات لگائے ہیں اور فحش اشعار بڑے شوق و لگن سے درج کیے ہیں اس سے ان کی افتادِ طبع کی پردہ دری بھی ہوتی ہے اور مذاقِ سخن کی رسوائی بھی۔

بہر حال اس تذکرے کے مطالعہ سے ہم کو انیسویں صدی کے نصف اوّل زمانہ میں لکھنؤ میں جو شعر و شاعری کا رنگ تھا اور جس قسم کی تہذیب و معاشرت اس زمانہ میں پائی جاتی تھی اس کا بڑی حد تک اندازہ اس تذکرہ سے ہو جاتا ہے یعنی اودھ اور بالخصوص لکھنؤ کے ادبی و ثقافتی ماحول کے خد و خال اس تذکرے کے پڑھنے سے واضح ہو جاتے ہیں۔ لکھنو کی مختلف ادبی محفلوں کا ذکر مرثیوں کی مجلسیں، پڑھنے کے انداز، آپس کی ادبی چپقلشیں بڑے بڑے استادوں کے شاگردوں کی گروہ بندیاں، شیعیت کا عروج اور اس سلسلے میں مرثیوں کے علاوہ مرسیہ گوئی کی محفلیں، ریختی گوئی کا رواج اور ساتھ ہی ساتھ امرد پرستی کے واقعات یہ سب باتیں اس تذکرے کی اہمیت کو بڑھاتی ہیں ویسے اس تذکرے کو ان کے اپنے زمانے میں ان کے ہم عصر ادیبوں نے پسند نہیں

گیا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ویسے یوں بھی اس کا لب و لہجہ عالمانہ نہیں ہے۔ بہت سے شعرا کے متعلق خصوصاً جو ان کے عہد سے تعلق رکھتے تھے سُنی سُنائی باتیں لکھ دی ہیں یا پُرانے ماخذات سے نقل کر دی ہیں اور ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ بعض شاعروں کے حالات کے ضمن میں سنین بھی نہیں دیے ہیں۔ اخلاقاً بھی ان میں زیادہ شرافت مزاج کا دخل نہیں معلوم ہوتا اور اس کے علاوہ دیگر خامیاں اور کمیاں بھی ہیں جن کا تفصیلی ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے بایں ہمہ اس تذکرہ کا مطالعہ ان مصنفوں کے لئے ناگزیر ہے جو دبستانِ لکھنؤ کے شعراء پر تحقیق کا کام کریں۔

شمیم انہونوی

فہرست شعرا

تذکرہ

خوش معرکۂ زیبا

مؤلفہ

سعادت خاں ناصر

مرتبہ

سید محمد شمیم ایم۔ اے

فہرست شعراء

نمبر	نام	تخلص	صفحہ	نمبر	نام	تخلص	صفحہ
۴۰۸	شیخ رضا علی	ابر	۳۹۳	۴۳۴	میر ہدایت علی	جلیل	۴۲۰
۴۰۹	میر الٰہی بخش	نازش	۳۹۴	۴۳۵	میر دوست علی	خلیل	۴۲۹
۴۱۰	عبدالکریم خاں	خا	″	۴۳۶	نواب محمد علی خاں	شمس	۴۳۲
۴۱۱	شیخ تفضل حسین	عزیز	۳۹۷	۴۳۷	لالہ شادی لال	اسیر	۴۳۳
۴۱۲	شیخ کاظم علی خاں	کاظم	۳۹۸	۴۳۸	لالہ مہابلی	انور	۴۳۴
۴۱۳	خواجہ حیدر علی	آتش	۳۹۹	۴۳۹	جگل کشور	ظہور	۴۳۴
۴۱۴	میر صدرالدین	صدر	۴۰۵	۴۴۰	لالہ سیوارام	شائق	″
۴۱۵	میر کمال الدین	فقیر	۴۰۷	۴۴۱	پنڈت دیا شنکر	نسیم	۴۳۶
۴۱۶	میر مصطفےٰ بخش	سالک	۴۰۸	۴۴۲	آغا رضا	عشرت	۴۳۷
۴۱۷	میر جمال الدین	عارف	۴۱۰	۴۴۳	مرزا علی حسین	انج	۴۳۹
۴۱۸	نواب سید محمد خاں	رند	۴۱۱	۴۴۴	مرزا محمد جعفر	نصرت	۴۴۱
۴۱۹	مرزا عنایت علی	ماہ	″	۴۴۵	مرزا مینا	منتہی	۴۴۲
۴۲۰	شیخ احمد شاہ	ناطق	۴۱۲	۴۴۶	سید باقر علی	شرف	۴۴۳
۴۲۱	محمد حسن خاں	شیدا	۴۱۳	۴۴۷	شاہ مرزا	آزاد	۴۴۵
۴۲۲	حسن یار خاں	افضل	۴۱۴	۴۴۸	میر وزیر	صبا	۴۴۶
۴۲۳	مرزا میر	ناصر	۴۱۵	۴۴۹	شیخ تفضل احمد	کیف	۴۴۹
۴۲۴	شیخ ہدایت حیدر	واہب	″	۴۵۰	میر محمد رضا	سیاح	۴۵۰
۴۲۵	مرزا عنایت علی	بسمل	۴۱۶	۴۵۱	میر مہدی حسن	جزا	۴۵۱
۴۲۶	آغا علی رضا خاں	عالی	۴۱۷	۴۵۲	میر بندہ حسن	ذوق	۴۵۲
۴۲۷	صاحب مرزا	شناور	۴۱۹	۴۵۳	امراؤ مرزا	تسنیم	۴۵۳
۴۲۸	مرزا آغا حسن	شرر	۴۲۲	۴۵۴	واجد علی خاں	عادم	۴۵۴
۴۲۹	میر علی حسین	سحر	۴۲۴	۴۵۵	میر محمود علی	جعفا	۴۵۵
۴۳۰	میر عنایت حسین	سید	۴۲۵	۴۵۶	میر نصیر الدین	قدر	۴۵۵
۴۳۱	امیر مرزا	امیر	۴۲۶	۴۵۷	میر سرفراز علی	وحید	۴۵۶
۴۳۲	شیخ رونق علی	رونق	″	۴۵۸	آغا حسن	اذل	″
۴۳۳	راجہ جیا لال	گلشن	۴۲۸	۴۵۹	ولایت حسین	سردید	۴۵۷

۵۱۲	میر وارث علی	جوش	۵۲۵	۵۳۸	— — .. —	حافظ	۵۵۲
۵۱۳	میر کلب حسین خاں	نادر	۵۲۶	۵۳۹	مرزا حاتم علی بیگ	مہر	۵۵۳
۵۱۴	شیخ بدلو	کیوان	″	۵۴۰	راجہ بلوان سنگھ	راجہ	″
۵۱۵	میاں حیدری	اخگر	″	۵۴۱	منشی کفایت علی	تنہا	″
۵۱۶	محمد علی خاں	مسیحا	۵۲۷	۵۴۲	مرزا محمد	خفی	۵۵۴
۵۱۷	مرزا محمد رضا	معجز	۵۲۸	۵۴۳	مرزا ببر علی	ناصر	″
۵۱۸	مرزا بندہ علی بیگ	خضر	۵۲۹	۵۴۴	میر علی اوسط	رشک	۵۵۵
۵۱۹	شیخ ذوالفقار علی	فکر	″	۵۴۵	سید آغا علی خاں	مہر	۵۵۹
۵۲۰	مولوی محمد بخش	شہید	۵۳۰	۵۴۶	سید علی خاں بہادر	سید	۵۶۰
۵۲۱	میاں امداد علی	یاور	۵۳۶	۵۴۷	مرزا علی محمد	آزاد	۵۶۱
۵۲۲	یوسف بیگ	یوسف	۵۳۸	۵۴۸	میر علی احمد	رسا	۵۶۲
۵۲۳	پنڈت سنگم لال	واحد	″	۵۴۹	سید کاظم حسین	تنویر	۵۶۳
۵۲۴	راجہ سید یوسف علیخاں	عزیز	۵۳۹	۵۵۰	میر اسمٰعیل حسین	منیر	۵۶۴
۵۲۵	بہاری لال	عادل	۵۴۱	۵۵۱	مرزا مغل	صغیر	۵۶۵
۵۲۶	مرزا مہدی	کوثر	۵۴۲	۵۵۲	پنڈت سندر لال	فہیم	۵۶۶
۵۲۷	خواجہ مصاحب علی	راوی	۵۴۴	۵۵۳	لالہ کنھیا لال	تاثیر	
۵۲۸	مرزا کاظم علی	کاظم	۵۴۵	۵۵۴	نواب واجد علیخاں	رضوان	″
۵۲۹	مرزا مہدی	قبول	۵۴۶	۵۵۵	شیخ فیض اللہ	محو	۵۶۷
۵۳۰	مرزا محمد حسن	ثبات	۵۴۸	۵۵۶	محمد غنی	غنی	″
۵۳۱	آغا نجف	سعید	۵۴۹	۵۵۷	غلام سعید	مجروح	۵۶۸
۵۳۲	آغا حسن	ظہور	۵۵۰	۵۵۸	میر محمد باقر	فرزند	″
۵۳۳	میر رضا علی	قایل	۵۵۰	۵۵۹	میر محمود خاں	اوج	۵۶۹
۵۳۴	میر محمد شفیع	ندیم	۵۵۱	۵۶۰	سید اکبر علی	ساحل	۵۷۰
۵۳۵	اجودھیا پرشاد	سحر	″	۵۶۱	سید علی خاں	قایل	۵۷۱
۵۳۶	میر امیر علی	حشم	۵۵۲	۵۶۲	منشی احمد حسن خاں	عروج	″
۵۳۷	مرزا عسکری	نادر	″	۵۶۳	شیخ عبداللہ	عاجز	۵۷۳

نمبر	نام	تخلص	صفحہ	نمبر	نام	تخلص	صفحہ
۵۶۴	علی اشرف خاں	عشق	۵۷۳	۵۹۰	خواجہ اسد	قلق	۶۰۰
۵۶۵	میر نوازش علی خاں	طوفان	〃	۵۹۱	خواجہ بادشاہ	صفیر	۶۰۲
۵۶۶	رتن ناتھ پنڈت	دریا	〃	۵۹۲	میر علی حسین	عیش	〃
۵۶۷	غلشی الٰہی محمد	عیش	۵۷۴	۵۹۳	جواہر سنگھ	جوہر	۶۰۳
۵۶۸	تفضل امام خاں	شاد	۵۷۵	۵۹۴	میر ہادی علی	نجور	۶۰۴
۵۶۹	شیخ کاظم علی	قیس	〃	۵۹۵	شیخ بہادر علی	اسجاد	۶۰۵
۵۷۰	مرزا علی	بہار	۵۷۶	۵۹۶	میر محمدی	سپہر	〃
۵۷۱	میر ہادی حسن	محرور	〃	۵۹۷	میر مینا	طوبیٰ	۶۰۷
۵۷۲	شیخ الٰہی بخش	عشقی	۵۷۷	۵۹۸	میر عباس	عباس	۶۰۸
۵۷۳	لالہ کنھیا لال	غافل	۵۷۸	۵۹۹	نادر علی	مجرم	۶۰۹
۵۷۴	میر محسن علی	محسن	〃	۶۰۰	نظر علی بیگ	خطا	۶۱۰
۵۷۵	صادق حسین خاں	صادق	۵۸۱	۶۰۱	سید محمد	آشنا	۶۱۱
۵۷۶	امیر علی خاں	ہلال	۵۸۲	۶۰۲	.. .. .. –	یوسف	۶۱۲
۵۷۷	شاہ غلام اعظم	افضل	۵۸۴	۶۰۳	میر حسن عسکری عرف میر کلو	عرش	〃
۵۷۸	سعادت خاں	سعادت	〃	۶۰۴	سید ابو تراب عرف منجھو صاحب	انسخ	۶۱۷
۵۷۹	میر مہدی	جنون	۵۸۵	۶۰۵	میر ابو طالب	انسب	۶۱۹
۵۸۰	میر رضی	شوق	〃	۶۰۶	بندے علی خاں	قرار	۶۲۰
۵۸۱	علی مرزا	انور	۵۸۷	۶۰۷	مرزا محمد رضا	برق	۶۲۲
۵۸۲	شیخ شرف الدین	شرف	〃	۶۰۸	مرزا حیدر خاں	حیدر	۶۲۴
۵۸۳	میر کاظم حسین	موج	۵۸۹	۶۰۹	میر بہادر حسین	فلک	۶۲۷
۵۸۴	میر بہادر علی	شین	۵۹۰	۶۱۰	مرزا علی رضا	علی	۶۲۹
۵۸۵	شیو پرشاد پنڈت	محبت	۵۹۱	۶۱۱	.. .. .. –	ناجم	۶۳۰
۵۸۶	مرزا آسمان قدر	نمود	۵۹۲	۶۱۲	مرزا محمد رضا	ظہور	۶۳۱
۵۸۷	مرزا علی حسین	کیوان	۵۹۳	۶۱۳	میر علی حسین	طوفان	۶۳۲
۵۸۸	سید عطا محمد خاں	نامی	۵۹۴	۶۱۴	میر دلدار	نور	۶۳۳
۵۸۹	خواجہ نذیر	نذیر	۵۹۶	۶۱۵	مرزا سرفراز علی	جری	۶۳۴

٦١٦	اللہ یار خاں	سحاب	٦٣٦	٦٤٢	.. .. ..	اعلا	٦٦٣
٦١٧	علی نقی خاں	نقی	٦٣٨	٦٤٣	نصیر الدین حیدر	بادشاہ	٦٦٤
٦١٨	میر محمد علی	حکیم	〃	٦٤٤	مرزا عبد القادر خاں	بیدل	〃
٦١٩	مرزا کریم بیگ	شفا	٦٣٩	٦٤٥	منشی برکت علی خاں	برکت	〃
٦٢٠	خوشوقت علی خاں	خورشید	〃	٦٤٦	قدرت اللہ	بلیغ	٦٦٥
٦٢١	میر ہادی علی	اشک	٦٤١	٦٤٧	شاہ علیم اللہ	جیاب	〃
٦٢٢	شیخ امان علی	سحر	〃	٦٤٨	سلوک رائے	〃	〃
٦٢٣	محمد تقی خاں بہادر	حسام	٦٤٣	٦٤٩	.. ..	بسمل	〃
٦٢٤	نواب مرزا حسین علیخاں	ممتاز	٦٤٥	٦٥٠	حسین بخش	بیزار	٦٦٦
٦٢٥	سید ابو تراب	ثمر	٦٤٧	٦٥١	راجہ بینی بہادر	بہادر	〃
٦٢٦	شیخ امداد علی	بحر	٦٤٨	٦٥٢	میر صلاح الدین	پاکباز	〃
٦٢٧	.. .. ..	گرداب	٦٥١	٦٥٣	تراب شاہ	تراب	〃
٦٢٨	مرزا علی خاں	شفق	〃	٦٥٤	شاہ تجلی	تجلی	٦٦٧
٦٢٩	میر عسکری	یالم	٦٥٣	٦٥٥	امجد علی	تمنا	〃
٦٣٠	مرزا محمد بیگ	تحیر	٦٥٥	٦٥٦	میر صلاح الدین	تمکین	〃
٦٣١	شاہ عالم	آفتاب	٦٥٩	٦٥٧	محمد اسحاق	تمنا	〃
٦٣٢	مرزا امجد علی	اختر	〃	٦٥٨	شجاعت خاں	ثابت	〃
٦٣٣	مرزا محمد تقی خاں	اختر	٦٦٠	٦٥٩	اصالت خاں	ثابت	〃
٦٣٤	امداد علی خاں	امداد	٦٦٢	٦٦٠	امانت علی	ثابت	〃
٦٣٥	قزلباش خاں	امید	〃	٦٦١	میر شیر علی	جرات	٦٦٨
٦٣٦	شیر محمد خاں	ایمان	〃	٦٦٢	محمد روشن	جوشش	〃
٦٣٧	مرزا اسعد	اسعد	٦٦٣	٦٦٣	مرزا کاظم علی	جراں	〃
٦٣٨	.. .. ..	اسفان	〃	٦٦٤	غلام ناصر	جراح	〃
٦٣٩	.. .. ..	آزاد	〃	٦٦٥	میر حسین علی	جلال	٦٦٩
٦٤٠	میر محمد علی	آثم	〃	٦٦٦	جہاندار شاہ	جہاندار	〃
٦٤١	.. .. ..	آشنا	〃	٦٦٧	سید غلام حسین	خسین	〃

۶۶۸	محمد تقی علی خاں	حشمت	۶۴۰
۶۶۹	نواب ابراہیم خاں	حدت	//
۶۷۰	.. ..	حزیں	//
۶۷۱	میر مراد علی	حیرتی	//
۶۷۲	میر محبوب علی	حالی	۶۴۱
۶۷۳	مولوی ابوالحسن	حسن	//
۶۷۴	میر محمد یار	خاکسار	//
۶۷۵	.. ..	نفس	//
۶۷۶	نواب فخر الدین خاں	[illegible]	۶۴۲
۶۷۷	عبداللہ خاں	خستہ	//
۶۷۸	میر غلام حسین	خیال	//
۶۷۹	خادم علی خاں	خادم	//
۶۸۰	شیخ غلام	دوست	۶۴۳
۶۸۱	شیخ فضل علی	دانا	//
۶۸۲	.. ..	داؤد	//
۶۸۳	محمد عابد	دل	//
۶۸۴	.. ..	ذرہ	//
۶۸۵	شاہ ذوقی	ذوقی	//
۶۸۶	منشی آسارام	ذوق	۶۴۴
۶۸۷	سید رضی خان بہادر	رضی	//
۶۸۸	آفتاب رائے	رسوا	//
۶۸۹	میر محمد علی	راحم	۶۴۵
۶۹۰	مرزا محمد تقی	ردا	//
۶۹۱	حمزہ علی	رند	۶۴۶
۶۹۲	جعفر خاں	راغب	//
۶۹۳	سبحان قلی بیگ	راغب	//
۶۹۴	غلام علی خاں	راسخ	۶۷۶
۶۹۵	میر مظہر علی	زار	۶۷۷
۶۹۶	جعفر علی خاں	زکی	//
۶۹۷	سراج الدین	سراج	//
۶۹۸	مرزا ایزد بخش	سلطان	۶۷۸
۶۹۹	خواجہ سلطان خاں	//	//
۷۰۰	مرزا محمد جان	ساقی	۶۸۰
۷۰۱	عبد الستار	ستار	//
۷۰۲	.. ..	سجاد	۶۸۱
۷۰۳	مرزا مغل	سیف	//
۷۰۴	مرزا ابراہیم	شرر	//
۷۰۵	میر محمد علی	شرف	۶۸۲
۷۰۶	خواجہ عاصم خاں	شرر	//
۷۰۷	رائے امر سنگھ	شایق	//
۷۰۸	میر نظیر الدین	//	//
۷۰۹	شیخ امین الدین	//	//
۷۱۰	پنڈت امرناتھ	شعلہ	//
۷۱۱	شاکر علی	شاکر	۶۸۳
۷۱۲	شیخ محمد شاکر	//	//
۷۱۳	مرزا محمد بیگ	شہید	//
۷۱۴	شمس الدین	شمس	//
۷۱۵	شیخ قطب علی	شاداں	//
۷۱۶	رائے چند	//	//
۷۱۷	شیخ بہادر علی	شجاعت	۶۸۴
۷۱۸	تقی حسین خاں عرف حکیم نواب	شوقی	۶۸۶
۷۱۹	شیخ محمد اشرف	ثواب	۶۸۷

نمبر	نام	تخلص	صفحہ
۷۲۰	میر حسین	صابر	۶۸۷
۷۲۱	....	صدق	″
۷۲۲	میر عبد اللہ	صفدری	۶۸۸
۷۲۳	....	صفا	″
۷۲۴	میر غلام حسین	ضاحک	″
۷۲۵	حکیم سید شاہ	طبیب	″
۷۲۶	طرہ باز خاں	طرہ	″
۷۲۷	میر شمس الدین	طالع	۶۸۹
۷۲۸	محمد خاں	طاہر	″
۷۲۹	مرزا عبد المقتدر	طفل	″
۷۳۰	ظہور اللہ بیگ	ظہور	″
۷۳۱	شیو سنگھ	″	″
۷۳۲	مرزا ظہور علی	″	″
۷۳۳	شیخ ظہور اللہ	ظاہر	۶۹۰
۷۳۴	مہدی علی خاں	عاشق	″
۷۳۵	.. ..	عالیجاہ	″
۷۳۶	محمد عارف	عارف	۶۹۱
۷۳[illegible]	اعظم خاں	عاشق	″
۷۳۸	سید ہدایت علی	″	″
۷۳۹	سید غیاث الدین	″	″
۷۴۰	میر زین الدین	عشق	″
۷۴۱	.. ..	عشقی	″
۷۴۲	آغا قاسم علی	″	″
۷۴۳	.. ..	عازم	۶۹۲
۷۴۴	عاقل شاہ	عاقل	۶۹۳
۷۴۵	خواجہ برہان الدین	عاصی	″

نمبر	نام	تخلص	صفحہ
۷۴۶	غازی الدین حیدر	غازی	۶۹۳
۷۴۷	بہادر بیگ خاں	غالب	″
۷۴۸	غلام محمد	غلامی	۶۹۴
۷۴۹	شیخ محمد غنی	غنی	″
۷۵۰	عبد الغنی	″	″
۷۵۱	شیخ نصیر الدین احمد	غریب	″
۷۵۲	پریم کشور	فراقی	″
۷۵۳	شیخ فرحت اللہ	فرحت	۶۹۵
۷۵۴	مرزا یا لطف بیگ	فرصت	″
۷۵۵	مرزا نقی علی خاں	فراق	″
۷۵۶	....	فارغ	″
۷۵۷	امام الدین	فدا	″
۷۵۸	میر قربان علی	قربان	″
۷۵۹	میر محمدی	″	۶۹۵
۷۶۰	....	قدر	۶۹۶
۷۶۱	.. ..	قلندر	″
۷۶۲	مرزا کامل بیگ	کامل	″
۷۶۳	مرزا امداد علی	گوہر	″
۷۶۴	میر ہدایت علی	کیفی	″
۷۶۵	میر شمس الدین	لطیف	۶۹۷
۷۶۶	مرزا [illegible]	مخلص	″
۷۶۷	عالم شاہ	محزوں	″
۷۶۸	.. ..	منصور	۶۹۸
۷۶۹	شیخ ولی اللہ	محب	″
۷۷۰	مرزا ہدایت علی	مائل	۷[illegible]
۷۷۱	نواب مہدی علی خاں	مہدی	″

۷۷۲	منشی کھیم چند	مجروح	۷۰۰
۷۷۳	نواب مرزا	مرزا	"
۷۷۴	مرزا حسن علی	مستان	"
۷۷۵	مرزا ابراہیم بیگ	مشتاق	"
۷۷۶	قاضی نور الحق	منعم	۷۰۱
۷۷۷	شاہ مزمل	مزمل	۷۰۱
۷۷۸	خواجہ بخش	منتظر	"
۷۷۹	مقبول نبی	مقبول	"
۷۸۰	باقر علی خاں	محرم	"
۷۸۱	حکیم محمد علی	مسیح	۷۰۲
۷۸۲	نقی علی خاں	نقی	"
۷۸۳	غازی الدین خاں	نظام	"
۷۸۴	شیخ محمد وارث	نالاں	۷۰۳
۷۸۵	.. ..	نیاز	"
۷۸۶	میاں ولی	ولی	۷۰۴
۷۸۷	مرزا محمد علی	"	"
۷۸۸	نواب وجیہہ الدین خاں	وجیہہ	۷۰۵
۷۸۹	حکیم سید وحید الدولہ خاں	وحید	"
۷۹۰	نواب وزیر علی خاں	وزیر	"

۷۹۱	مرحمت خاں	نالہ	۷۰۵
۷۹۲	شیخ محمد	وارث	۷۰۶
۷۹۳	میر محمد	[illegible]	"
۷۹۴	.. .. ..	یکرنگ	۷۰۷
۷۹۵	میر احمد	یار	"
۷۹۶	.. ..	شمع	۷۰۹
۷۹۷	.. .. ..	زوجہ منعم	"
۷۹۸	دلہن بیگم صاحبہ	دلہن	"
۷۹۹	بیگم جانی	جانی	۷۱۰
۸۰۰	جینا بیگم	جینا	"
۸۰۱	زوجہ عماد الملک	گنا	"
۸۰۲	گنا بیگم	شوق	"
۸۰۳	نور جہاں بیگم	سیرت	۷۱۱
۸۰۴	مسماۃ نازک	زینت	"
۸۰۵	موتی طوائف	موتی	"
۸۰۶	چھوٹی بیگم	دلبر	۷۱۲
۸۰۷	فاطمہ بیگم	صاحب	"
۸۰۸	نجو طوائف	نزاکت	"
۸۰۹	بیگا طوائف	شیریں	"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی۔ امابعد پریشان خاطر، اضعف العباد سعادت خاں متخلص بہ ناصر عفی اللہ عنہ سخنوروں کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہے[1] کہ اس احقر کو ایک مدت سے یہ خیال تھا کہ تذکرہ شعرائے ہند کا ترتیب دے مگر بسبب عدم دریافت احوال قدما ارادہ صورت پذیر نہ ہوتا تھا، ان روزوں کہ تذکرہ تالیف کیا ہوا میاں مصحفی (صاحب مغفور) کا دستیاب[2] ہوا۔ تقاضائے شوق نے ہمت کو کام فرمایا اور برخلاف میاں صاحب کہ ان کا تذکرہ عبارت فارسی میں ہے، فقیر نے ہندی میں لکھا کہ دو رنگی سے یک رنگی بہتر ہے اور قید حروف تہجی کی اس لیے نہ رکھی کہ جس استاد کا جو شاگرد ہو[3] نام اس کے پاس نام لکھا جائے کہ عبارت ہندی اور طرز اسامی شعراء ایجاد میرا ہو۔ اور نہ شاعر جن کی استادی اور شاگردی نامعلوم اور نام و نشان غیر معلوم ہو خاتمہ اس کا ان پر کیا جائے شروع اس کو مرزا رفیع السودا سے کرتا ہوں کہ اول تو وہ بزرگ موجد ریختہ گوئی کا[4] ہے۔

---

[1] ن۔ پ رکھتا ہے۔ [2] مصحفی نے دو تذکرے لکھے تھے ایک تذکرہ ہندی (۱۲۰۹ھ) دوسرا ریاض الفصحا (۱۲۲۱ھ) لیکن ناصر نے یہ نہیں لکھا کہ انھوں نے ان کا کون سا تذکرہ پیش نظر رکھا ممکن ہے دونوں تذکرے اُن کی نظر سے گزرے ہوں [3] ن۔ پ نام اس کا پانے نام اس کے لکھا جائے [4] یہ بات ناصر نے استاد سے عقیدت کے تحت لکھی ہے ورنہ وہ حقیقت سودا ریختہ گوئی کے موجد نہ تھے۔

رہے یہ سلسلہ اس ہیچمداں کی شاگردی کا اس سے ملتا ہے۔

ذکر اول چاہیئے اس صاحب ارشاد کا سلسلہ سودا سے ملتا ہے مرے استاد کا
جاری ہمارے دم سے ہے سودا کا سلسلہ تا صر اب اس گھرانے میں باقی ہیں ایک ہم

حق جل شانہ توفیق اس کی تمامی کی کہ یہ نسخہ مسمی بہ خوش معرکۂ زیبا ہے عطا کرے۔

سودا یکہ تاز میدان فصاحت، شہسوار عرصۂ بلاغت، سرآمد شعراء مرزا محمد رفیع متخلص بہ "سودا" خلف الصدق مرزا محمد شفیع اصفہانی کہ اعزۂ روزگار سے تھے اور مادر گرامی اُن کی دختر خجستہ اختر خاندان نعمت خان عالی[1] میں سے۔ ایک فقیر روشن ضمیر نظر توجہ کی مرزا موصوف کے حال پر مبذول رکھتے تھے بعد وفات اُن کے پدر بزرگوار کی، اس گوہر یتیم سے فرمانے لگے یہ وقت ہے کہ اس دعا جستہ کی درگاہ قاضی حاجات[2] میں مقبول اور مستجاب ہو جو چاہو سو مانگو۔ اس نے عرض کی آپ کی دولت سے استغنا تمام رکھتا ہوں اور اگر آپ بجد ہیں تو دولت سخن کہ عبارت اس سے شعر گوئی ہے عنایت فرمائیے۔ اس مستجاب الدعوات نے تبسم فرمایا اور دیوانہ لاؤ بالی کے تخلص کے واسطے حرف "سودا" زبان پر لایا۔ بعد اس عنایت بے غایت کے کہا انشاء اللہ تعالے شہرت تیری چار دانگ ہندوستان میں بے حد و حساب اور رتبہ تخلص کے ہم عدد ہوگی۔ الحق یہ تاثیر اسی دعا کی ہے کہ سارے ہندوستان میں طوطی کی طرح مشہور ہے اور دیوان اس کا مانند تبرک[3] کے گھر گھر ہے۔ شاہجہان آباد کہ پایہ تخت تھا اور اہل فضل و ہنر سارے زمانے کے

---

[1] شیخ چاند نے بھی تذکرہ شاہ کمال کے حوالہ سے سودا کی والدہ کو نعمت خاں عالی کی بیٹی بتایا ہے لیکن مظہر بن مظفر روشن الدولہ رستم جنگ نے اپنی تصنیف "خلاصۃ العیش عالم شاہی" میں سودا کی والدہ کو مرشد قلی خاں کی بیٹی بتایا ہے۔

[2] ن۔ ب۔ التجاجات [3] ن۔ ب۔ کرم

وہاں فراہم نہ کوئی اس سے عہدہ برآنہ ہوسکا۔ مولوی ندرت کاشمیری کہ فاضل اور علامۂ عصر تھا اس کے مقابلہ سے ایسا شرمندہ ہوا کہ ترک دہلی[1] کے سوا کچھ نہ بن آیا۔ یہ ایک شعر مولوی ندرت کی غزل کا کہ سودا کی مذمت میں ہے لکھا جاتا ہے۔ ندرت[2]

خود بخود در جنگ باشد آن رفیع پست قدر   بر سر سودا بخود[3] از جہل صفرا ریختہ

صاحبانِ بصیرت ملاحظہ فرمائیں کہ اس ریختہ گو نے اس کی بیت[4] کو کیا خوب مصنف کی مذمت میں تضمین کیا۔

قاضی[5] کو تو دال سے لے جاتے ہیں تا بصدر   جنگ کا میدان ترے گھر ہے و نہ رشک ماہ و بدر
پھر مجھے کہتا ہے اے بھڑوے تو یہ از راہ عذر   خود بخود در جنگ باشد آں رفیع پست قدر
بر سر سودا بخود از جہل صفرا ریختہ

بعد برہمی سلطنت شاہجہان آباد فرخ آباد میں تشریف لائے اور نواب احمد خاں بنگش کی سرکار میں نوکر رہے[6]۔ مہربان خاں رند کہ متبنیٰ نواب کا تھا ان کا شاگرد ہوا باوجودیکہ[7] محمد میر[8] متخلص بہ سوز مدت سے عیحدہ شاگردی میں نوکر تھے اس عالی ظرف نے کبھی تحقیر[9] سے ان کو نہ دیکھا بلکہ (ہمیشہ) حاضر و غائب بہتر کہا۔ جب نواب شجاع[10] الدولہ بہادر نے سُنا کہ مرزا رفیع فرخ آباد میں آیا ہے شقہ خاص اس کی طلب میں قلمی[11] فرمایا

---

[1] ن۔ پ۔ سوا ترک دہلی کچھ اس سے بن نہ آیا [2] ن۔ پ دلہ
[3] ن۔ پ بے خود [4] ن۔ پ۔ اس کی جدتی اور اس کا سر کیا خوب کیا۔ دلہ
[5] ن۔ پ۔ اور [6] سودا فرخ آباد میں ۱۱۸۶ھ تک رہے [7] باوجود اس کے کہ
[8] ن۔ پ میر محمد [9] ن۔ پ۔ میر سوز کو چشم تحقر سے نہ دیکھا۔
[10] ن۔ پ۔ نواب شجاع الدولہ بہادر نے جب یہ سنا [11] ن۔ پ ارقام

سبحان اللہ کیا وضعداری تھی کہ نواب کے رقعہ کے جواب میں یہ رباعی لکھی ؎

سودائے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے کہ تا دنیا ہو — بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

حضور پر نور اس رباعی سے خیلے گراں خاطر ہوئے۔ میر غلام حسین متخلص بہ ضاحک کہ نمک مجلس کے تھے واسطے رفع ملال (کے) یوں بول اٹھے اگرچہ حضور پر نور کے رقعہ سے نہیں آتا ہے غلام بے طلب کھینچ بلاتا ہے قصیدہ سالگرہ کا کہ نواب عماد الملک غازی الدین خاں کی تعریف میں سودا کا کہا ہوا تھا تمام اسی مصنف کی مذمت میں الٹا چنانچہ یہ شعر ؎

پاؤں لکڑی پہ رکھو ہاتھ میں لو آئینہ — بال مقعد کے چنو ناک پہ دھر کر عینک

جب وہ مزخرفات سودا نے سنی بحکم آں کہ دیوانہ را ہوئے بس است روانہ لکھنؤ کو ہوا[1]۔ میر سابق الذکر نے کہ دلیری اور شوخ چشمی ان پر ختم[2] تھی بے سابقہ معرفت مرزا کی ملاقات کو تقدم رنجہ کیا[3] اس فروتنی سے غبار عناد کا سودا کے دل سے مطلق صاف ہوگیا[4]۔ سودا حسب قاعدہ ہندوستان عطر دان کے واسطے اندر تشریف لے گئے[5]، اس عرصہ میں کہ بر آمد ہوں، اس مٹھول نے قلمدان کھولا اور یہ مطلع ایک پرچہ پر لکھا دیکھا ؎

رستم سے تو کہہ پیارے سر تیغ تلے دھر دے — پیارے یہ نہیں ہے ہو ہر کار دے و ہر مردے

اس کے برابر یہ مطلع لکھ دیا ؎

---

[1] ن۔ پ۔ لکھ بھیجی [2] ناصر نے یہ بات محض سنی سنائی لکھی ہے۔ ان کے لکھنؤ آنے کا سبب یہ تھا کہ مہربان خاں رند کا انتقال ۱۱۹۲ھ میں ہوگیا تھا اس وجہ سے سودا لکھنؤ آنے پر مجبور ہوئے۔

[3] ن۔ پ۔ اس [4] ن۔ پ ہوا [5] ن۔ پ ہوا [6] ن۔ پ۔ واسطے عطردان حسب قاعدہ ہندوستان کے اندر تشریف لے گئے

سودا نے اٹھا جو ترجیب پا دیا بھڑ دے — یہ اُن سے ابھی ہوتا ہے ہر کار ے دہر مرد ے

بعد دو چار گھڑی کے جب نہ صحبت بہم ہوئی سودا[1] نے قلمدان کھولا اور وہ مطلع پڑھا[2]
یقین کلی ہوا کہ یہ سید ناسید اور مرد نامعتمد ہے، بے اختیار یہ شعر زبان پر گذرا۔

رحم مادر سے پلٹ نکلا ہے میر — ریم سوز اک پدر ہے تو شریر

اول یہ ترجیع بند کیا بعد اس کے یہ قصیدہ

ضحاکا کیوں نہ وہ پرواز کرے زیر فلک — پہنچی پشتین سے ہو نطفہ کی حلت جس تک
پشت در پشت تیری قوم میں ہوتا آیا — وہ عمل جس سے کہ لرزے زسما تا بسمک
اس گھرانے میں سدا بیٹی پہ مائل ہے باپ — ہر گھڑی دل کو چچا کے ہے بھتیجی پہ لپک
نہیں وہ ماں جو بیٹی کی نہ ہو[3] اپنی سوت — نہیں وہ ساس جو داماد سے جائے نہ اٹک
بھانجا جس کا جوانی سے ذرا گدرایا — کہ اس کی خالہ بھی پھرے راتوں کو بھاڑے خشک
اسکی پھوپھی کے بھی بھر آئے ہے منہ میں پانی — جس بھتیجے کے ہو چہرے پہ جوانی کا نمک
بھانجا جس کا ہے ماموں کا خسر پورا ہے — نانا جس کا ہے نواسی کا خسر ہے لاشک

خانہ داماد سے یوں لپٹیں نساءیں گھر کی
سرو کی چوب کو جس طرح لگے ہے دیمک

بعد خرابی بصرہ با استدعائے میر حسن پسر میر غلام حسین ضاحک
یہ ہجو مولوی ساجد شاہ آبادی کے نام پر ہوئی۔ باقی ترجیع بند

---

[1] ن۔ پ مرزا
[2] ن۔ پ لکھا دیکھا
[3] ن۔ پ نہیں اپنی سوت

اور مخمس اور مثنوی ہنوز بدستور۔ ہر چند نواب بہادر اس کی طرف سے گراں خاطر تھے لیکن بمقتضائے جوہر شناسی اس کے حال پر مہربان ہوئے اور عزیز محترم کیا۔ محمد قائم[1] نقل کرتے تھے کہ جب حضرت سودا شیخ علی حزیں کی ملاقات کو گئے تھے میں بھی ہمراہ تھا[2]۔ بمجرد خبر ہونے کے شیخ صاحب نے ان کو طلب کیا حالانکہ اُن کی خدمت میں کم کوئی باریاب ہوتا تھا۔ ارشاد ہوا کچھ پڑھو مرزا نے یہ شعر فارسی کا پڑھا۔

سیہ چوڑی بدست آں نگار نازنیں دیدم
بشاخ صندلیں پیچیدہ مار عنبریں دیدم

فرمودند، نازنین دیدم، زیادہ است۔ ہندی بخواں، یہ مطلع پڑھا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ــــ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

پرسیدن "تڑپے" چہ معنی دارد؟ کہا ہندی میں طپیدن کا۔ فرمودند خوب گفتہ دیگر بخواں۔ یہ رباعی پڑھی

ایوان عدالت میں تمھارے پاشاہ ــــ کیا ظلم کو ہو دخل عیاذاً باللہ
جب طاق سے شیشے کا رہتا ہے پاؤں ــــ پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

یہ رباعی بھی بعد سمجھانے کے پسند فرمائی۔ ایسے استاد مسلم الثبوت کو میاں مصحفی[3] اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ بسبب عدم دریافت اغلاط صریح دارد، خیر ہر چہ بود روانی طبع نظیر نداشت[4]۔ سعدی کیا خوب کہتا ہے ؎

نام نیکو رفتگاں ضایع مکن ــــ تا بماند نام نیکت یادگار

---

[1] ن۔ ب۔ یہ نقل ہے کہ [2] ن۔ ب۔ ساتھ [3] ن۔ ب۔ آبی [4] ن۔ ب۔ نے "تذکرہ ہندی" میں پوری عبارت یہ ہے "بعضے اوراز ریختہ گویان بہ ملک الشعرائی پرستش می کنند۔ بعضے بہ سبب دریافت اغلاط صریح نتوارد عاف نز بعضے اشعارش بہ جہل و سرقہ اش نیز نسبت می دہند، غرض ہر چہ بود در روانی طبع نظیر خود نداشت"

چند محاورے ٹھیٹ ہندی کے جو اس کے کلام میں واقع ہیں بسبب اُن کا اوائل زبان اُردو ہے اور کتنے روزمرے ایسے ہیں کہ ہنوز دلی (کے رہنے) والے وہی بولتے ہیں چنانچہ لفظ سیران کی السنہ پر اب بھی اندکر ہے (یعنی سیر کیا) اس صورت میں الزام اُن کا متقدمین پر عائد نہیں ہو سکتا (قصیدہ گوئی میں کیا کوئی اُس سے برابر ہو) مرثیہ اُس کا کہ ہر استاد نے اس پر رشک کھایا مگر ایک بھی بند اس کے برابر نہ ہوا، وہ مرثیہ یہ ہے۔

یارو سنو تو خالق اکبر کے واسطے انصاف سے جواب دو حیدر کے واسطے
وہ بوسہ گہ بنی تھی پیمبر کے واسطے یا ظالموں کی برّش خنجر کے واسطے

میاں جرأت کے مرثیہ میں ایک بند قابل انتخاب ہے سو لکھا جاتا ہے ؎

چلتی تھی تیز دار وہ جب انتروں سے مل خوں چشم اہل بیت سے جاری تھا متصل
اُن موم سے دلوں پہ لگاتے تھے سنگ دل وہ ضرب جو کہ چاہیے پتھر کے واسطے)

قصہ کوتاہ عہد (نواب) شجاع الدولہ سے تا (بہ) آصف الدولہ (بہادر) اُس کی آبرو کے ساتھ بسر ہوئی اور ایک سرکار سے دوسری سرکار نہ دیکھی کل نفس ذائقۃ الموت، جب اس سرائے فانی سے مسافر عالم جاودانی کا ہوا۔ خاک اُس کی آقا باقر کے امام باڑے کی زمین سے ملی۔ میر فخر الدین ماہر (دلی کے رہنے والے) کہ شاگرد اُن کے تھے اُنھوں نے یہ تاریخ کہی اور سنگ بالیں پر کندہ ہوئی ؎

خلد کو جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کی ماہر ہوا
بولے منصف دُور کر پائے عناد شاعران ہند کا سرور گیا

۱۱۹۹ - ۴ = ۱۱۹۵ھ

میاں مصحفی کہتے ہیں ایسے شخص کی تاریخ ایسی چاہیے جیسی میں نے کہی

ہے۔ الحق[1] تاریخ میاں صاحب کی اس سے بہتر ہے۔

مرزا رفیع آں کہ ز اشعار ہند لیش ۔۔۔ ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستاں غلو
اگر چو در نوشت بساط حیات را ۔۔۔ گردید مدفنش ز قضا خاک لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی ۔۔۔ سودا کجا و آں سخن دل فریب کو[2]

شیخ ناسخ مغفور نے اُس کی تاریخ یہ کہی ہے

مضمون تازہ جستن شعر لطیف گفتن ۔۔۔ با خویش مرد اے وا مرزا رفیع سودا
تاریخ رحلتِ اُو گفتم بہ تربت او ۔۔۔ امروز مُرد اے وا مرزا رفیع سودا

من کلام (معجز نظام) مرزا رفیع السودا

موجِ نسیم آج ہے آلودہ گرد سے ۔۔۔ دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا
سونپا تھا کیا جنوں نے گریباں کو مرے ۔۔۔ لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا
ٹوٹے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا ۔۔۔ پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا
دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر ۔۔۔ لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے ۔۔۔ دریا میں ہے ہنوز پھپھولا حباب کا

ہر مژہ پر تیری لخت دل ہے اس رنجور کا ۔۔۔ خون ہے سودا رپہ ثابت مرے منصور کا
پوچھتے ہی پوچھتے گذرے ہے مجکو روز و شب ۔۔۔ چشم ہے یارب میری یا منہ کسو ناسور کا
آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے ۔۔۔ حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا
کیا کروں گا لے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام ۔۔۔ ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا
اس قدر بنت العنب سے دل ہی سودا کا بھرا ۔۔۔ منہ کبھی دیکھا نہ اُس کے زخم نے انگور کا

---

[1] ن ۔ ب ۔ الحق اس تاریخ سے میاں صاحب کی تاریخ بہتر ہے۔
[2] کو کے بجائے او ہونا چاہئیے کو سے تاریخ صحیح نہیں نکلتی۔

رخصت ہے باغبان سے ذرا دیکھ لیں چمن جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

لطف اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں رحم اے آہ شرربار کہ جل جاؤں گا
قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے نظارے سے کیوں خفا ہوتا ہے پل مارتے ڈھل جاؤں گا

دیکھ لی ساقی تری دریا دلی لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا
فائدہ اب کیا کرے تریاقِ وصل زہرِ غمِ ہجر اثر کر گیا
دیکھیے وا ماندگی اب کیا دکھائے قافلۂ یاراں کا سفر کر گیا
جز کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

آج تک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
قابلِ شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

عشق کی خلقت سے آگے میں ترا دیوانہ تھا سنگ میں آتش تھی جب تو شمع میں پروانہ تھا
اک برہمن[1] زادہ کل کہتا تھا یہ مل مل کے ہاتھ ہم میں اور سودا میں یارو کس قدر یارانہ تھا
چشمِ اہلِ قبلہ میں آج اس نے کی جوں سرمہ جا حیف ایسا شخص جو خاکِ درِ بت خانہ تھا

سوچی تدبیر نہ تقدیر کو بہلانے کی جب تجھے قتل پہ عاشق کے مچلتے دیکھا
برنگِ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے جو اپنے دل پہ کسی شکل[2] سے غبار آیا

---

[1] ن۔ پ اک برہمن زادہ یوں کہتا تھا کل مل مل کے ہاتھ
[2] ن۔ پ۔ شخص

بھلا ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا　　الٰہی اس نے داڑھی کے سوا کس چیز کو چھوڑا

گرچہ رویا ہوں بہت عمر میں اپنی لیکن　پ　اپنے رونے کا مجھے رات تسلسل بھایا
خون کے قطرہ سے یہی کہتا تھا ہر لخت جگر　پ　تو مژہ تک بھی نہ پہنچا کہ [illegible] پھر لے آیا

ہمیشہ تھی میری چشم پر آب در تہ آب　　سوائے اس کے نہ دیکھا حباب در تہ آب

آتش ہے تیری گرمیٔ بازار محبت　　کیا لے گا بجز داغ خریدار محبت
دعویٰ ہمیں میری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے　　بچتے نہیں دیکھا کوئی بیمار محبت
[illegible] ہزار اغم دوری نے تری آہ　پ　کس منہ سے کروں گا میں پھر اقرار محبت
[illegible] زدلی پر مرے تو رحم کر اے یار　　ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگار محبت
باتوں سے کچھ اپنی نہیں تیرا اگلا منظور　پ　شکوہ سے مزہ دیتی ہے گفتار محبت
ہر خار سے الجھا ہے مرا دامنِ پرواز　　ہوں رشتہ بپا بلبلِ گلزار محبت

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ　پ　جوں غنچہ گو زبان ہے اس کے دہن کے بیچ
آتش کدے میں دیکھ کہ شعلہ ہے بے قرار　　آرام دل جلوں کو نہیں ہے وطن کے بیچ

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گالی ہے پیام　　کچھ تو اے خانہ خراب اس دل کے بھانیکی طرح
بلبلوں کو دوں ہوں دیدانِ فغانی کا میں درس　　ورنہ گلشن میں مرے ہے کون سی جانیکی طرح

کھینچ کر پوست کرے گردش ایام سفید　پ　چاہے تجھ چشم کے آگے ہو جو بادام سفید

پہ چوٹ جو دل میں ہے وہ سبزۂ پیری ہے | موئے چینی نہیں کرتا غم ایام سفید

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز | جا بہ جا سوت، ہے پانی کی تہ خاک ہنوز
گل زمیں سے جو نکلتا ہے برنگ شعلہ | کون جاں سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس | پ تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

ہیں صفائے بادہ و دُردِ تہ پیمانہ ہم | نور شمع مجلس و سوز دلِ پروانہ ہم
چشم شیخ و برہمن میں ہے کہیں جوں سرمہ جا | گرد راہِ کعبہ و خاک در بت خانہ ہم
واعظا سوز جہنم سے ڈراتا ہے کسے | داب پھرتے ہیں بغل میں دل سا آتش زا ہم

کس طرح نکلیں اسیری سے تری اے سروِ ناز | طوق قمری کی طرح رکھتے ہیں مادر زاد ہم
خندۂ گل بے نمک فریاد بلبل بے اثر | اس چمن سے آہ جا کر کیا کریں گے یاد ہم
اے جنوں مصرعہ ترا سودا کا ہے زنجیر پا | پ قید سے تیری نہ ہوں گے اب کبھی آزاد ہم

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں | تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
کیوں کر نہ چاک چاک گریبان دل کروں | دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں دست شانہ میں
پایا ہر ایک بیت ہم اپنے میں یوں سمجھے | معنی کو جس طرح سخن عاشقانہ میں

جی تک تو دے کے لوں جو تو ہوگا اگر کہیں | پ اے آہ کیا اگر یوں نہیں نکلتا اثر کہیں
ہوتی ہے صبح اور نہ آتی ہے مجکو نیند | جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

شیخ ناسخ اس شعر مرقوم الصدر کو پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے۔

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

پھرنے لگے تو جوں کف دریا بہا بہا دامن اگر نچوڑیے اے ابر تر کہیں

جادو بھری ہے چشم تو مت آئینہ کو دیکھ دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

یہ رنجش میں ہے ہم کو بے اختیاری تجھے تیری کھا کر قسم دیکھتے ہیں

حباب لب جو ہیں اے باغباں ہم چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا[1] ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں پ کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

شیخ علی حزیں کے روبرو کسی نے اس شعر کو پڑھا دیر تک حالت وجد اُن پر طاری رہی

مثل شاخ گل تر یہ قد نازک تیرا کیا لچکتا ہے اٹھاتے ہوئے بار دامن

اے نالہ مت سبک ہو نکل کر جگر سے تو مدت سے گر گیا[2] ہے اثر کی نظر سے تو

دل نے کے تجھ سے برق کے شعلہ کو دیکھئے پر ہے یہ ڈر کہ اس کی بھی ایسی ہی خو نہ ہو

سودا جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے ہوں میں وہ جنس کہ آتش نہ دے خریدار مجھے

---

[1] ن۔ ب ساقی

[2] ن۔ ب چکا

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے جلوۂ حسن اُسے حسرتِ دیدار مجھے

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے یہ خواب زیر سایہ بالِ طیور ہے

قامت نے تیرے باغ میں جا خط بندگی لکھوالیا ہے سروِ چمن سے کھڑے کھڑے

خوب دیکھا میں جہاں اہل جہاں بھی دیکھے ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گنہگار کئی

اے فلک کس قدر رعنا کو زمیں میں گاڑا سرو جو کھینچے ہے سر خاک سے وہ موزوں ہے

یاں بسا چشم سرمہ سا کا مارا کوئی دبا ہے پہ ہر سرو اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے

گر لے چلا وہ دل کو بیگانہ وار سودا تو ہی کر اب تغافل جانے دے آشنائی

منہ لگاوے کون مجکو گر نہ پوچھے تو مجھے عکس بھی دیتا نہیں اب آئنہ میں رو مجھے
ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں نسیم نت لیے پھرتی ہے دوش اوپر برنگ بو مجھے

خشک ہونے سے ہمارا دیدۂ تر پاک ہے جوں حباب اس گھر میں جب دیکھو ہوا نمناک ہے
منھ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک سمجھے ہیں ہم ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے
مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے پہ ٹپکے ہے رنگ خوں مری ہر شاخسار سے
ساقی پہنچ شتاب کہ تجھ بن نہیں ہے مجھے موج آئے دو آتشہ کم ذوالفقار سے

اتنی ہے بعد مرگ بھی پاس شکست دل — ٹوٹے نہ آئنہ مرے سنگِ مزار سے

اثر سے ہٹے ہی نالہ تصرف سے ہے دم خالی — نیستاں ہو گئے شیروں سے یارب یک قلم خالی

گر مرتبے بلندی میں ہوا تو وہ چند (رباعی) پستوں کی طرف دیکھ کے مت ہو خورسند
جتنے کہ بلند دل کی ہیں نظروں میں پست — پستوں کی بھی نظروں میں ہیں اتنے یہ بلند

(رباعی)

گر کچھ بھی حسینؑ اضطراری کرتا — طوفان دہاں نوح کا جاری کرتا
سودا تھا رضا کا ورنہ اے آب فرات — پانی کی حسینؑ انتظاری کرتا

شوق | صاحب ذوق مرزا عبداللہ تخلص "شوق" شاگرد مرزا رفیع السودا؛ من کلامہ

شمع سیر لحد بادہ کشاں ہے شیشہ — مصرعۂ آہ، دل غم زدگاں ہے شیشہ
اگر چہ مطلع میں ایطا ہے مگر خوب ہے

حال ساقی سے میرا کچھ نہ کہا اور چلا — میں جو دیکھا تو عجب بینہ دہاں ہے شیشہ

شوق گو عشق میں رسوائے دو عالم ہے ولے — شکر صد شکر ترے پیچھے تو بدنام نہیں
گئی ہے نیند مرے اشکوں کے شوق طوفاں سے — محال عقل ہے آنکھوں کو خواب ورنہ آب

۱؎ ن ۔ پ میں

۲؎ ن ۔ پ نالے

۳؎ ن ۔ ب تخلص بہ

شہید | مرد صالح و سعید، نام نامعلوم تخلص "شہید" شاگرد (مرزا) سودا[1] یہ کلام اُس کا۔

گئے برباد اپنے نالہ و فریاد یا قسمت | بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت
شہید آخر مقدر تھا یہیں حسرت میں جی دینا | ہمارے سر پہ آکر پھر گیا جلاد یا قسمت

شیدا | عصائے پیری سودا، میر فتح علی تخلص "شیدا" (پسر خواندہ[2] و شاگرد مرزا رفیع السودا یہ اس سے یادگار) فدوی کی مذمت میں اس شعر کو اس نے خوب تضمین کیا۔

کس نیاید بزیر سایۂ بوم | ور ہما از جہاں شود معدوم

یہ دو شعر "تذکرہ احباب" سے اس کے لکھے جاتے ہیں۔

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں | اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
آئے تجھے کیوں عدم سے کیا کرنے جہاں میں | یہ مرگ و زیست دونوں آپس میں ہستیاں ہیں

قربان | شاعر خوش بیان میر جیون تخلص "قربان" شاگرد (مرزا رفیع) سودا من کلامہ

یوں بند قبا کھل گئے جو آن میں گل کے | کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے

نالاں[3] | میر احمد علی تخلص "نالاں" شاگرد حضرت سودا یہ اس کا بیان

کہاں مجال کہ تم سے کہیں یہاں رہیئے | مزاج خوش ہے جہاں آپ کا دہاں رہیئے

---

[1] ن۔ پ من کلامہ [2] پسر خواندہ بھر سوز (تذکرہ میر حسن)

[3] ن۔ پ ان کا ذکر نہیں ہے۔

نظیر | نظیر (باشندہ بنارس) شاگرد (مرزا رفیع) سودا رخنے والا بنارس کا۔

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں	رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

ہاشمی | صاحب معنی میر ہاشم تخلص "ہاشمی" شاگرد (مرزا) سودا[1] یہ طرز اس کے سخن کا۔

مرا سو بار اس تک نامہ بر آرزو پہنچا	جواب صاف پہنچا پر اُدھر سے جب کبھو پہنچا
گیا افسانہ میں نے راز عشق اے دیدہ گریاں	بہ گوش خلق ورنہ کس طرح یہ گفتگو پہنچا
دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا سنبل کی نکہت سے	مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا
وہ دعوے سب کے باطل محکمہ میں ہاشمی ہوں گے	اگر حاکم تلک وہ شوخ بار وئے نکو پہنچا

آہ و نالے کے دو مصرعے جو کئے ہیں موزوں	صاحب درد اسے شعر فغانی سمجھا

شائق | کاشف حقائق (شیخ) میر محمد تخلص "شائق" شاگرد (میر ہاشم) ہاشمی (حسن کلامہ)

کفر شیخ و برہمن دیر اور کعبہ کو کہتے ہیں	رہ دل سے ہیں غافل ورنہ دونوں ایک رستے ہیں
جو لے کر جان عاشق کبھی ملیں خوباں نہ ہنستا ہے	نگفتہ مت گراں شائق انھیں یہ تو بھی سستے ہیں

ظالم کا شیوہ کچھ آخر ظالم کو ایسا یاد ہے	ہر گھڑی ہر لحظہ ہے وہ اک ستم ایجاد ہے
ہاشمی کی وضع ہے گر گفتگو تو اختیار	ورنہ فن شعر میں شائق ہر اک استاد ہے

فدا | طبیعت کو رسا پچھمی رام تخلص "فدا" شاگرد (مرزا) سودا۔ (یہ دو شعر اس کے ہیں)

---

[1] ن۔ پ اشعار اس سے یادگار۔ [2] ن۔ پ سے
[3] ن۔ پ اک تازہ [4] ن۔ مپ یہ نہ گفتگو کر

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے ۔ نہ ہوں فریفتہ کیوں کر کہ آن باقی ہے

کہا جو اس سے کہ میں دل تو کر چکا ہوں فدا ۔ تو ہنس کے بولے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

ممتاز | شاعر باامتیاز امانت علی تخلص "ممتاز" شاگرد[1] سودا

ہمارے رونے سے دل کا بخار اٹھتا ہے ۔ کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے

معین | شاعر متین، کلام اس کا نمکین محمد معین تخلص "معین" شاگرد (مرزا رفیع) سودا (من اشعارہ)

جوں نگیں منہ کیا کالا ہیں سیہ کار تو ہے ۔ رو سیاہی میں بھی اک نام و نشاں رہتا ہے

خون پیتے ہیں اب تو مے کا پینا معلوم ۔ دل کے ہاتھوں ہمارا جینا معلوم

گر جیب پھٹا ہو تو رفو ہو ناصح ۔ یہ چاک جگر ہے اس کا سینا معلوم

قائم | طبیعت درست، ذہن اس کا سالم، شیخ قیام الدین تخلص "قائم" ساکن چاند پور، پرگنہ نگینہ۔ ضلع مراد آباد۔ شاگرد رشید (مرزا رفیع) سودا۔ اوائل میں توپخانہ بادشاہی میں نوکر تھا بعد اس کے سرکار[2] محمد یار خاں بہادر میں صیغہ شاعری میں معزز اور محترم ہوا۔ غزل اور قصیدے میں روش بدروش اور قدم بہ قدم اپنے استاد کا[3] ہے۔ ایک مثنوی لدھا شاہ فقیر کے احوال میں کہی[4] ہے اور داد شاعری کی دی ہے مطلع اس کا یہ ہے۔

الٰہی شعلہ زن کر آتش دل ۔ تپ دل دے بہ قدر خواہش دل

---

[1] ن۔ پ شاگردی سودا اس کا مایہ ناز [2] ن۔ پ صیغہ شاعری میں سرکار نواب محمد یار خان بہادر میں معزز و محترم رہا۔ [3] ن۔ پ سے [4] ن۔ پ تھا [5] ن۔ پ کہی اس کی خوب ہے اس میں داد شاعری کی دی ہے مگر مطلع میں فرق قافیہ کا خیلے بدا سلوب ہے اور وہ یہ ہے۔

صفاہان میں اُس کی تکیہ کے جہاں وہ رہتا تھا کیا خوب کہتا ہے۔

اگر تنکا کوئی واں ڈھونڈھ لائے[1] بجز لاغر تن لذّت نہ پائے[2]

یہ اشعار کہ اُس کے انتخاب کیے (ہوئے ہیں لکھے جاتے ہیں)

پڑھ کے خط[4] قاصد[3] مرا اس بد زباں نے کیا کہا کیا کہا پھر کہہ کہ اُس[5] نا مہرباں نے کیا کہا
غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے پر سنا ہوگا کہ تم کو اک جہاں نے کیا کہا

جو کوہ کن تجھے قوت ہی آزمانا تھا عوض پہاڑ کے شیریں سے دل اٹھانا تھا

اس شعر کو سودا کے دیوان میں بھی دیکھا ہے۔ مضائقہ نہیں (کہ) استاد کے مال پر شاگرد کو ملکیت پہنچتی ہے۔

معاملہ ہے جو[6] دل کا اُسے کہے گا وہ کیا پیام بر کے ہمیں ساتھ آپ جانا تھا
کہو کہ گورِ غریباں میں رکھیں قائم کو کہ اُس کا جیتے جی اکثر وہیں ٹھکانا تھا

کیا کہیے ناتوانی غم کی خرابیاں گر دل کو اپنے جمع کیا جی بکھر گیا

ہم دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا پہ تم کو خواہندہ بہت ہم کو طرحدار بہت
قائم آتا ہے تجھے رحم جدائی پہ تری مر گئے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

یاں سے اٹھ غیر کے گھر شب کو گیا کہتے ہیں ہائے اے ننگ محبت اسے کیا کہتے ہیں

---

[1] ن۔ پ لاوے [2] ن۔ پ پاوے [3] ن۔ پ قاصد
[4] ن۔ پ خط [5] ن۔ پ بت [6] ن۔ پ یہ

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں یاں کی شادی کا اعتماد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہی ایک اور باور نہیں تو لا میں ترے روبرو کروں

لائق وفا کے خلق سزائے جفا ہوں میں جتنے یہاں ہیں نیک ہیں بس اک برا ہوں میں
آگے مرے نہ غیر سے گو تم نے بات کی سرکار کی تو نظروں کو پہچانتا ہوں میں

قبول عذر تو واں ہو جہاں ملال بھی ہو بجان پاک صفایاں جو کچھ خیال بھی ہو
قصور خدمت احباب اسقدر قائم کچھ آدمی کو ہے لازم کہ انفعال بھی ہو

شمع سال جلنے کو صانع نے بنایا مجکو جس کے میں ہاتھ پڑا اُس نے جلایا مجکو
تھا بد و نیک جہاں سے میں عدم میں آزاد آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجکو

نہ ہم فلک کے کبھی ریو رنگ سے چھوٹے پڑے بھنور میں جو کام نہنگ سے چھوٹے
نہ اُس کی زلف سے چھٹنے کا قصد کر قائم کوئی سنا ہے کہ قید فرنگ سے چھوٹے

یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے پ دشمن کو بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے
صورت میں تری گر نظر آئے ملک الموت جی دینا کسی طور سے دشوار نہ ہووے

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہ ہوں گے — یہ چرچے یہیں رہیں گے اور ہائے ہم نہ ہوں گے

شاید وہ بھول کر کبھی یاں بھی قدم رکھے — یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اسکے ساتھ تھی — میں تھا اور کوچہ تھا اسکا اور اندھیری رات تھی

دامانِ گل تلک ہے کہاں دسترس مجھے — تکلیف سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے
قائم میں عندلیب خوش آہنگ تھا ولے — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

یوں دل زار ملا آہ کے سر رشتے سے — سوزن گم شدہ جوں آئے نظر رشتے سے

شیطان کب تک یہ باد بھکتے پھرنا — ہر فرد کے ذائقہ کو چکھتے پھرنا
سجدہ نہ کیا دادا کو تب نخوت سے — اب پوتوں کے آگے ـــ رگڑتے پھرنا

ظاہرا یہ رباعی بعد . . . کے کہی تھی (رباعی دیگر)

پھرنا خوباں کے ساتھ کب کا چھوٹا — بوسہ لینا بھی اُن کے لب کا چھوٹا
اِک خوشی رہی ہے دیکھنے کی قائم — سب کچھ چھوٹا پہ یہ نہ لپکا چھوٹا

کلیم طبیعت مستقیم، ذہن سلیم، محمد حسین تخلص "کلیم"۔ محمد قائم نے اس کو اپنے[۱] تلامیذ میں بہت تعریف کے ساتھ لکھا ہے۔ من کلام

آتی ہے دل پہ تلقل مینا سے اب شکست — وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

۱؎ ن۔پ شاگرد اپنا

قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہے　　شور کرکہتی رہی بانگ درا کیا کیا کچھ

شاداب[1] | کچھ فکر اس کی انتخاب، خوش وقت رائے تخلص "شاداب"۔
شاگرد قائم

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو سے نہ بڑھا　　تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو

بیتاب | شاگرد (محمد) قائم۔ یہ مقطع (اس کے اشعار سے) انتخاب

بیتاب بھی کیا جواں تھا اسے وائے　　ہو خیانہ خراب اس اجل کا

حافظ[2] | دفتر اشعار کا محافظ، کریم الدین خاں تخلص "حافظ" ساکن قصبہ بچھراؤں شاگرد قائم۔ من کلام

ہے صحبت ناکس سے زیاں اہل صفا کو　　موتی کا سدا رشتہ سے سوراخ جگر ہے

فارغ | "فارغ" ساکن بریلی، شاگرد قائم۔ یہ بیت اس کی۔

دور سے دیکھ کے وہ چیں بجبیں ہوتا ہے　　تا میں کچھ کہہ نہ سکوں لب بے رکھائی تیری

نعیم[3] | رشک کلیم، نعیم اللہ تخلص "نعیم" شاگرد قائم۔
سا[4]　　خیال کر کے تری مو کمر کو روتا ہوں
(کذا)

کبیر | علم و ہنر سے ممتلی، حکیم کبیر علی تخلص "کبیر" شاگرد (محمد) قائم (چاندپوری)، یہ اس کی تقریر

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر　　ذلیت معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

پروانہ | وحید زمانہ، پروانہ علی شاہ (مرادآبادی)، تخلص "پروانہ" شاگرد (محمد) قائم

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے
[3] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [4] اس شعر کا دوسرا مصرعہ پڑھا نہ جا سکا

آج ثابت نہ رہا دل نہ کوئی جان درست　　اس کی مژگاں نے کیے تیر و پیکان درست
ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد　　چند ایام میں کر لیجے دیوان درست

شوق | ملائے زماں، فاضل دوراں، شاعر باذوق، مولوی قدرت اللہ تخلص بہ "شوق" ساکن رام پور۔ شاگرد محمد قائم۔ ان بیتوں کا ناظم۔

بہکی بہکی ہم سے باتیں آج کرتا ہے وہ شوق[1]　　کچھ نہیں معلوم یہ کس کا[2] ہے بہکایا ہوا
آتش غم سے نہ کیوں ہو چشم میری اشک بار　　کہتے ہیں برسے ہے با دل خوب گرمایا ہوا
کہتے ہیں اس کو نزاکت چہرہ اس کا پھول سا　　گرمی نظارہ سے جاتا ہے کمھلایا ہوا
جوں نگیں منہ گیا کالا ہیں سیہ کاری سے پ روسیاہی میں بھی اک نام ونشاں رہتا ہو

رفعت | شاعر خوش طبیعت، مولوی غلام جیلانی تخلص "رفعت" شاگرد قدرت اللہ شوق۔

اٹھ گیا رات جو اُس ماہ جبیں کا پردہ　　ہو گئی چادر مہتاب زمیں کا پردہ
نظر عشق سے محروم نہیں جلوۂ دوست　　مردم چشم ہے اُس پردہ نشیں کا پردہ

یار نے جب غزل تازہ سنائی مجکو　　صوت بلبل دہن غنچہ سے آئی مجکو

صنعت | صاحب شوکت[3]، شیخ کریم الدین تخلص "صنعت" (مسکن اس کا رام پور) شاگرد شوق۔ یہ[4] اس سے یادگار

نہ مونس، نہ ہمدم، نہ ہم یار ٹھہرے　　فقط غم کے[5] کھانے کو غم خوار ٹھہرے
یہ مانا کہ ہیں آپ دلدار لیکن　　ہمارا ہی دل لے کے دلدار[6] ٹھہرے

---

[1] ن۔ پ بہکی بہکی آج باتیں ہم سے کرتا ہے وہ شوخ　[2] ن۔ پ ہے کس کا یہ
[3] ن۔ پ جاہ و ثروت　[4] ن۔ پ منہ　[5] ن۔ پ کے　[6] ن۔ پ دلبر

کئے میں نے نالے جو سنتے تو بولے یہ کہہ دو اسے زیر دیوار ٹھہرے

طالب | کنز الدقائق مطالب ملا الہداعرف شیرانی تخلص "طالب" شاگرد (قدرت اللہ) شوق۔ من کلامہ

بزم اغیار میں دیکھو ہو تماشہ بیٹھے کیا تماشہ ہو کہ طالب کو خبر ہو اسوقت

جی سے جاتا ہوں مجھے تھا کام کسی صورت سے کام دل نے بت خود کام کسی صورت سے
شکل ہے خوب کسی کی تو مجھے کیا طالب میں تو رکھتا نہیں کچھ کام کسی صورت سے

غفلت | مجمع فصاحت و بلاغت، احمد خاں (افغان) تخلص "غفلت" شاگرد مولوی قدرت اللہ شوق۔ من کلامہ

رہتی تھی زلیست ہی میں نہ شام و سحر کھلی ہے گور میں کبھی جوں خم مے چشم تر کھلی
گریہ نے اپنے عقدۂ مشکل کو حل کیا یہ طرفہ تر گرہ تھی کہ ہوتے ہی تر کھلی

سر فرہاد جو خسرو نے لگایا غفلت کیا کوئی کنگرہ کم شیریں کی تعمیر میں تھا

کرم | صاحب تیغ و قلم، کریم اللہ خاں تخلص "کرم" ساکن رام پور، شاگرد (قدرت اللہ) شوق۔ منہ

لبوں پہ ہو جو نہ کہ ہنسی دلدار بہتر ہے اسی ہائے دو چشمی کا سبق ہر بار بہتر ہے
کرم یہ سہ سے اس سیب ذقن کی ہم کو سیری ہے یہی میں یعنی بے برگی میں ہم کو بار بہتر ہے

ماہر | نیکو شاعر، غلام محمد خاں "ماہر" رہنے والے رام پور کے شاگرد (قدرت اللہ) من کلامہ

۱؎ ن۔ پ وطن ۲؎ ن۔ پ والا
۳؎ ن۔ پ سکا

جنوں کے اب تو دنوں کی ہوئے ہے مجکو دیوانی بجا ہے لے چلے مجنوں قلمدان کا مرے بستہ
ترے کاکل کے پیچوں میں دل اپنا بندھ گیا کیونکر پ وبال جاں ہوئے طے کرنا شب تار یک میں رستہ

سب سے مشکل ہے محبت میں سخن پروانہ دوش پروانہ پہ تہمت ہے کفن پروانہ
شمع تک کا ہے کو ہوتا گذر پروانہ ہے وبال سر پروانہ پر پروانہ

حیرت | خوش فکر، پاکیزہ طبیعت، میر مراد علی (شاہ) تخلص "حیرت" (ساکن مراد آباد) شاگرد شوق۔ من کلامہ

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار تاج سر پہ ہے گرا مثل حباب آخر کار
سادہ رویوں کی دلا مہر و محبت پہ نہ جا منہ پہ دیویں گے تجھے صاف جواب آخر کار

سرشک و آہ ہے شور جنوں ہو وحشت ہے عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا

ہم اُس بزم سے یوں پر ارمان نکلے جوانی میں جس طرح سے جان نکلے

شہیدی | شاعر منتہی، کرامت علی خاں (تخلص) "شہیدی" ساکن بریلی، اگرچہ شاگردی اس کی مفصل معلوم نہیں لیکن شعرائے رام پور اور بریلی میں (اس کو) لکھا جاتا ہے، ایک مدت ہوئی کہ وہ عازم بیت اللہ کا ہوا تھا، بھر حال اس کا ظاہر نہ ہوا کہ زندہ ہے یا سایل مرگ کا لبیک گو[1] یا ہوا۔

---

[1] منشی کرامت علی خاں شہیدی ہڑیا پور ضلع اوناؤ اودھ کے رہنے والے تھے جوانی میں لکھنؤ گئے۔ شیخ ناسخ سے ملاقات کرنا چاہی لیکن وہ نہ ملے جس سے یہ بہت آزردہ ہو کر واپس چلے آئے۔ لوگوں نے ان کو ناسخ کا شاگرد مشہور کیا۔ صاحب "خمخانۂ جاوید" نے ان کو ابتدا ئً مصحفی کا شاگرد اور بعد کو شاہ نصیر دہلوی کا بھی شاگرد بتایا (القیہ نوٹ صفحہ دوم)

حکایت۔ جن ایام میں سید احمد علی خاں پسر سید ناصر خاں داماد منور الدولہ بہادر ناظم علاقہ بیسواڑہ کے تھے یہ مولف (بھی) رفاقت میں اس والاجاہ کی شرف امتیاز رکھتا تھا، منشی اکرام حسین صاحب رہنے والے (رائے) بریلی کے ایک دن یہ مطلع (کرامت علی خاں) شہیدی کا پڑھ کر کہنے لگے کہ ایسا کہنا خیلے دشوار ہے۔

قاتل نے پیش قبضۂ شمشیر سے نمک	رگڑا کباب پہلوے نخچیر سے نمک،

میں نے اُن کے کہنے پر اعتنا نہ کی اور واسطے دلیل دعویٰ کے بدیہتہ یہ مطلع کہا

پہنچا نہ جب وہاں کسی تدبیر سے نمک	زخم جگر میں اس نے بھرا تیر سے نمک

حضار نے بہت سی تحسین کی۔ قصہ کوتاہ یہ اشعار شہیدی[1] سے یادگار

گر کچھ مزا ملا تو شہیدی اسی کے ساتھ	خنجر تو یوں[2] گلے پہ مرے بار رہا پھرا

عام ہے اس کا تو الطاف شہیدی سب پر	تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ۳۴)

ہے۔ حالانکہ مصحفی نے اپنے تذکروں میں اُن کا ذکر نہیں کیا ہے۔

صاحب خمخانہ جاوید شہیدی کے سفر حج کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۵۵ھ میں حجاز گئے تھے۔ ادائے حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کو روانہ ہوئے ۴ صفر ۱۲۵۶ھ کو ابھی مدینہ کے قرب وجوار ہی میں تھے کہ دُور سے گنبد روضہ مبارک کو دیکھ کر عالم بیتابی میں رحلت فرمائی اور اس طرح ان کا وہ شعر

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے	قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

حرف بہ حرف صحیح ہوا (خمخانہ جاوید جلد پنجم صفحہ ۲۱۷ و ۲۱۸)

[1] ن۔ پ کے ہیں	[2] ن۔ ب یہ

جلد انصاف چکا خلق کا اے داورِ حشر پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستمگر آیا
نام مرنے کا سنے سے جسے غش آتا ہو وہ شہیدی کے جنازہ پہ مقرر آیا

ظالم کبھی تو بام پر آ جا کہاں تلک بہلائے کوئی جی در و دیوار دیکھ کر

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رو یا کیے

لطف | طبیعت اس کی پاکیزہ اور لطیف، لطف علی بیگ تخلص (لطف) شاگرد (رفیع) سودا۔ من کلامہ[1]

اس سے کیوں چشم مروت تجھے اے یار نہیں تیرے الطاف کا کیا لطف سزاوار نہیں

عشرت | شاعر کثیر الہمت "میر غلام علی تخلص" عشرت "ساکن بریلی بقول مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ "گلشن بیخار" شاگرد (لطف علی بیگ) لطف کا قصہ پدماوت تصنیف کیا ہوا اس کا مولف کی نظر سے گذرا ہے۔ تلاش کم اور بے ربطی بہت (سہی) اس میں ہے چنانچہ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں پدماوت کی تعریف میں کہتا ہے۔

زنخ پر اس کے ہے یوں خوشنما تل کسی عاشق کا جل کر رہ گیا دل

دوسرا شعر جب رتن سین اپنی ماں[2] سے رخصت ہوا ہے وہ یہ ہے

رتن بولا کہ سن اے میری مائی تجھے چھتیس[۳۶] دھاریں تیں پلائی

من کلام عشرت

رگ لیلیٰ پہ جو فصاد نے نشتر مارا قیس کے خون نے بھی جوش برابر مارا

---

[1] ن - پ یہ شعر اس کی یادگار

[2] ن - پ مادر

چل جائے اگر اس ستم ایجاد پہ جادو تو جانیں کیا لاکھ پری زاد پہ جادو

بسانِ جام خالی پھوڑ ڈالوں چشم پرخوں کو
نہ دیکھوں گر صراحی دار اس مخمور کی گردن

غیروں سے ہنسا وہ جو مرے سامنے عشرتؔ کچھ بس نہ چلا اپنے بس آنسو نکل آئے

آزاد | خوش اعتقاد، شیخ امیر الدین تخلص "آزاد" شاگرد (میر غلام علی) عشرتؔ[1] یہ بیت اس سے یادگار۔

بن ترے سیر چمن کو نہ گئے ہم ورنہ خندۂ گل نے ہمیں خوب رلایا ہوتا

شوکت | لامذہب[2] بد حقیقت، منشی منیف علی تخلص "شوکت" ساکن بجنور پرگنہ نگینہ شومیِ بخت سے دینِ محمدی ترک کر کے بطمع دنیا نصاریٰ ہوا اطرفہ یہ ہے کہ وہ متبع دجال مسیح مشہور (ہے) اور شعر اس کا عشرتؔ[3] کا منظور۔

کاٹ ہے جو ابروے خمدار میں وہ برش کب ہے کسی تلوار میں

مجھ میں اور یار میں ہو معرکہ آرائی آج سرخ رو رکھیو تو اے دیدۂ خونبار مجھے

ذکی[4] | صاحب ارشاد، علم معما در تاریخ میں استاد، شیخ مہدی علی تخلص "ذکی" ساکن مرادآباد یہ اشعار اس سے یاد

شبِ تصور ہو جو اس کے روے پرتنویر کا چودھویں کے چاند کو سمجھے نہ رق تصویر کا
عکس پڑ جائے جو اس کی نقرئی زنجیر کا موج دریا میں ہو جلوہ مارگی تنویر کا

---

[1] ن۔ پ۔ من کلامہ [2] ن۔ پ بد اعتقاد
[3] ن۔ پ شاگرد عشرتؔ [4] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

زندگانی تازہ پاتے ہیں ترے لب کے شہید — آب حیواں ہے مگر پانی تری شمشیر کا
تیرے دیوانے کی مشہد پر دل مجنوں پڑھے — حلقہ ماتم میں نوحہ شیون زنجیر کا
قطرہ زن ہو تو بھی اس کے ساتھ او پیک سرشک — قافلہ گرم سفر ہے نالۂ شبگیر کا
آب خنجر بن گیا زہراب راہ عشق میں — پاؤں کا ہر آبلہ چھالا بنا شمشیر کا
برق سا نالہ چمک جاتا شب فرقت اگر — ہم چراغ اُس کو سمجھتے خانۂ زنجیر کا
گر جٹائے خون شہد لب کا او بیداد گر — ریزۂ یاقوت ہو جوہر تری شمشیر کا
بے پر و بالی تپش سے ہم نے پیدا آگ کی — شکوہ کیا صیاد کا اور کیا گلہ تقدیر کا
چرخ گرداں تو وہ طوفاں نظر آیا مجھے — ہر ستارے کو میں اک سو فا رسمجھا تیر کا
صورت محبوب رہتی ہے نظر میں جلوہ گر — دیدۂ حیراں ہے آئینہ تری تصویر کا
حسرت وافسردگی سے ذوق ہو دل کو زکی — رنگ خوش آتا ہے مجکو غنچۂ تصویر کا

حسن شیریں سخن، کامل پُرفن، سیدِ والا نژاد میر حسنؔ ولد میر غلام حسین ضاحکؔ۔ ہمت اس کی شعر و سخن میں وسیع۔ شاگرد (رشید) مرزا رفیع۔ دوازدہ سالی[۱] کی عمر میں شاہجہان آباد سے لکھنؤ آیا۔ نواب سالار جنگ کے بیٹے سردار جنگ تھے اُن کی سرکار میں نوکر رہے[۲] بسبب تقاضائے جوانی محل کی ایک عورت سے محبت اور موانست ہوئی چونکہ طبیعت موزوں تھی بپاس خاطر معشوقہ "مثنوی بےنظیر" تصنیف کی، یہ تلازم کہ اس[۳] میں ہے شنیدہ نہیں دیدہ ہے۔ الحق مثنوی کارنامہ اور شاعری پر حجت ہے اس قدر (اس کی) زمانے میں شہرت کہ ہر وضیع و شریف کو اشعار اس کے یاد کار۔ نواب قاسم علی خاں بہادر نے جب اُس[۴] سے سنا فرمایا (کہ) مجھے دو کہ (میں) تمھاری طرف سے حضور میں نواب آصف الدولہ (بہادر)

---

۱ ن۔ پ سالگی ۲ ن۔ پ معزز و محترم رہا
۳ ن۔ پ مثنوی ۴ ن۔ پ مثنوی اُن سے سُنی

کے لے جاؤں، مصنف نے بہ خیال اس کے مبادا اور کسی کے نام سے حضور میں گذرے (مثنوی کے دینے میں) انکار کیا بعد چندے (میر حسن صاحب مثنوی) اور کسی کی تقریب سے حضور میں باریاب ہوا تو نواب سابق الذکر کا افسانہ رفتہ سے آزردگی رکھتے تھے نواب صاحب کی تعریف میں بول اٹھے یہ جو کہتے ہیں ؎

کہ اک دن دو شالے دیے سات سے

حضور نے تو ہزارہا دو شالے آن واحد میں بخش دیے ہیں۔ شاعری میں تو مبالغہ ہوتا ہے یہاں بیان واقعی میں (بھی) کمی ہے۔ نواب نامدار کا دل اس کے سننے سے [illegible] ہوا۔ یہ فقط کم نصیبی میر موصوف کی تھی کہ ایسے حاتم زوراں کی سخاوت سے ناکام (اور محروم) رہا۔ یہ بھی کیا خوب لطیفہ ہے کہ جب مرزا رفیع سودا نے وہ مثنوی سنی نہایت خوش ہوئے اور عین بشاشت میں فرمایا تم نے یہ مثنوی ایسی کہی ہے کہ میر غلام حسین کے بیٹے نہیں یعنی فخر ان کے ہو۔ اس مثنوی کے سوا دو مثنوی اور ہیں ایک مسمیٰ بہ "رموز العارفین" (ہے) اور دوسری چھڑیوں کے احوال میں۔ چنانچہ یہ شعر اس کا ہے ؎

سدا اس قافلے کا تھا چھڑی پر ۔۔۔ چلے ہم واں سے چھڑیوں ساتھ مل کر

جب میر حسن شاگرد (مرزا رفیع) سودا کے ہوئے جو مزخرفات ان کے دل کو [illegible] ڈالا اس سے وہ مشہور نہ ہوا۔ میاں مصحفی صاحب نے تاریخ ان کے انتقال کی (یہ) کہی ہے وہ یہ ہے

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں ۔۔۔ رد از ایں گلزار رنگ و بو بتافت
بس کہ شیریں بود طبعش مصحفی ۔۔۔ شاعر شیریں زباں تاریخ یافت

من کلامہ

شب وصل صنم ہے آج اے ہمدم کسی ڈھب سے ۔۔۔ گریبان سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

ضیاؔ دکی مرضی ہے کہ اب گل کی ہو ہوس میں
نالہ نہ کرے مُرغ گرفتار قفس میں

دھیان رہتا ہے جو اس کوچے میں اکثر اپنا گھر میں ہم رہتے ہیں اور ڈھونڈتے ہیں گھر اپنا

یہ[1] مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے مشاعرے کی طرح تھی جب میر حسن نے مطلع مرقوم الصدر پڑھا حضرت نے اس کی تعریف میں ایسا مبالغہ فرمایا کہ بار تسلیم سے کمر اس آزاد کی خم ہو گئی اور شیخ ناسخ مغفور بھی اس مطلع کو اکثر پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے۔

ساتھ سونے کو ہمارے سیمبر آتے نہیں جن سے چھپن آتا ہے جی کو وہ نظر آتے نہیں
دل ہی اک پامال کر جاتے ہو بس دیکھا انھیں تم کو آنکھوں پر کسی کی پاؤں دھر آتے نہیں
رات دن بیخود رہا کرتے ہیں اس کی یاد میں اب مدتیں گذریں حسنؔ ہم اپنے گھر آتے نہیں

غصہ میں جوش مارا جو دریائے حسن نے جلوے نزاکتوں کے پسینے پہ آ رہے
دو دن کی چاندنی جو حسنؔ کی تھی ہو چکی اب پھر رفتہ رفتہ اپنے قرینے پہ آ رہے

دل اب تو بات بات میں پستا ہے اے حسنؔ کیا جانے اس میں کس کی نزاکت سما گئی

---

[1] ن - ب - شاہ عالم مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے یہاں مشاعرہ تھا "دلبر اپنا" اس کی طرح جب میر حسن نے مطلع مرقوم الصدر پڑھا حضرت نے بار بار اس کی ایسی تعریف کی کہ کمر اس آزاد کی بار تسلیم سے خم ہو گئی اور اس مطلع کو شیخ ناسخ بھی اکثر پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے

کیوں ان دنوں حسنؔ تو اتنا جھنگ گیا ہے ٭ ظالم کہیں ترا دل کیا پھر اٹک گیا ہے

اتنی جا گر نہ ملے اور کہیں مجھکو کیا ٭ تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھکو کیا
میں ہوں آئینہ تو اپنا ہی تماشہ ہے آپ ٭ تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں مجھکو کیا

دیکھتے ہی مے کے ساغر کا نہ کھینچا انتظار ٭ مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا
تا اشارے کو سمجھنے نہ لگے غیر کہے وہ ٭ میں نے اس ڈر سے کبھی اس کو اشارہ نہ کیا

مجھے آتا ہے رونا دیکھ کر زانو کو اب اپنے ٭ کہ تھا اک وقت میں تکیہ کسی کے سرہانے کا

اکثر اس بزرگ کی غزلوں میں قطعے خوب ہوتے ہیں دو چار لکھے جاتے ہیں
سوال یار سے میں نے کیا بہ وقت وداع ق کہ اک نشانی کی تجھ سے امیدواری ہے
لگا وہ کہنے کہ تو بے شعور ہے کتنا ٭ یہ داغ دل پہ ترے تھوڑی یادگاری ہے
میں کہا دل میں درد ہے میرے ٭ ہنس کے کہنے لگے خدا نہ کرے
پھر جو کچھ دل میں آگیا تو کہا ٭ ہمیں پیٹے اگر دوا نہ کرے

ہوئی رات ناز دستہ کچھ عجب ق جب اس لب سے ہم بوسہ لینے اڑے
ملاتے ہی بس لب سے لب جان دی ٭ حسنؔ اور لینے کے دینے پڑے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخ کی محفل میں کبھی ق ساتھ لے جاؤں میں یک اپنے طرحدار لگا
اور یہ عرض کروں جنس ہے دل کی حاضر ٭ عوض بوسہ پہ دیتا ہوں میں اچار لگا

آپ لیتے ہیں تو لیں ورنہ کہو اسکو دوں ساتھ پھرتا ہے کئی دن سے خریدار لگا

گیا تمری تمرکھی دل میں ابھی گذرا تھا مرے پ کیا مزہ ہوئے کہ ایسے میں وہ دلدار ملے
بارے تم آن ہی پہونچے مرا دل شاد ہوا میں نے یہ جانا کہ ہیں دونوں کے اسرار ملے

نادر | خوش ظاہر لالہ گنگا پرشاد تخلص "نادر" شاگرد میر حسن، من کلامہ

قاصد تو اس نرم سبب سے پاس اس کے جائیو کس کا یہ خط ہے مجکو ذرا پڑھ کے سنائیو

احقر | بزرگ مخمور مرزا جواد علی تخلص "احقر" (شاگرد میر حسن) من دار دائۂ[1]

بزم میں اس کی جو شب جا ہمکا نہ گور چلا اٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت مغرور چلا

تو نے جو کہا پیار سے مجکو ادھر آنا آنکھوں میں لہو مدعیوں کی اتر آیا

خلق | میر احسن تخلص[2] "خلق" خلف و شاگرد میر حسن یہ اشعار ان سے یادگار

عجب عالم ہیں بیہوشی کے وہ مجکو نظر آیا کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا
گئے ہیرا اس کی میں کس کس توقع پر گیا لیکن نہ دیکھا جا کے واں اس کو تو آہ سرد بھر آیا

گل کے آنے کی خبر بھی اب صبا لاتی نہیں موسم گل شاید اس ایام سے جاتا رہا

نہ وہ آتا ہے میرے یاں نہ میں جا سکتا ہوں اس تک
دل ناشاد کی حسرت کہو کیوں کر بھلا نکلے پ

رباعی

آئے ہیں علاوہ سے چھکے روتے ہیں پڑے دو دن کی یہ زیست ہے سو کھوتے ہیں پڑے

---

[1] ن ۔ پ من کلامہ [2] ن ۔ پ خلق تخلص نام میر احسن

اے خلق خوش احوال انھوں کا وہ جو آرام سے زیر خاک سوتے ہیں پڑے

فرہاد[1] | میر مہر علی، تخلص فرہاد" شاگرد میر حسن۔ یہ اس سے یاد

دیکھئے یا لنصیب یا قسمت۔

شوق[2] | مرزا احسن علی تخلص شوق" شاگرد فرہاد۔ یہ اس کا ارشاد

دل لے چلا نگہ میں وہ عیار دیکھنا آنکھوں میں گھر کرے ہے ستم گار دیکھنا

رنگین[3] | خوش آئین راجہ بلاس رائے تخلص" رنگین" شاگرد شوق۔ من کلامہ

سن کر تیرے جمال کو پھرتا ہے ڈھونڈتا لے کر سحر سے شام تلک گھر گھر آفتاب۔

راجہ[4] | راجہ بلاس رائے بر اور بلاس رائے تخلص" راجہ" شاگرد شوق

غیروں کے پاس جانا ہمیں کبھی نہ ملنا افسوس ہے تو یہ ہے ارمان ہے تو یہ ہے

حجام | اہل حرفہ اور موزونوں تمام عنایت اللہ تخلص" حجام" رہنے والا

سہارن پور کا مرزا رفیع سودا کے خط کے بنانے سے اصلاح پذیر ہوا بحیثیت

اہل فضل و کمال کی خاصیت پارس کی رکھتی ہے کہ آہن باوجود تیرہ روزی کے زر

خالص ہوتا ہے جیسے کہ اس پیشہ ور کو دولت نقد سخن کی حاصل ہوئی اور تمام

شاہ جہان آباد میں مورد تحسین[6] ہوا۔ من کلامہ[7]

ہر دم نظر آتے ہیں نئے یار تمھارے ہم جی چکے گر ہیں یہی اطوار تمھارے

اک روز نصیبوں سے کہیں واں تئیں پہنچوں پھر سر ہے مرا اور در و دیوار تمھارے

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] مصرعہ پڑھا نہیں جا سکا ہے

[3] ن پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [4] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے اور

صاحب خمخانہ جاوید نے ان کے شعر کو راجہ بلاس رائے کا شعر قرار دیا ہے (خمخانہ جاوید سوم ص ۲۱۸)

[5] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [6] ن۔ پ تحسین و آفریں تھا۔

[7] ن۔ پ یہ چند شعر اس کے

[illegible] ایک روز ان آنکھوں سے یہ پوچھوں — بیٹھے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے

اس شوخ کے کوچہ میں نہ جایا کرو حجام — چھلنی جائیں گے ایک روز نہ چھیا تمھارے

فلک کے جور کے مارے ہوؤں سے یہ کوئی پوچھے

کہ جب زیر زمیں بھی دکھ میں یا آرام کرتے ہیں — پ

رقیبوں پر [illegible] پانی — بلا حجام کو جس روز نہ حمام کرتے ہیں

اب تو حجام شیخ کی داڑھی — تا بہ موئے زہار پہونچی ہے

بسان ناقہ لیلےٰ کے یک دو گام غلط — خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں — عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں

ہے تعجب ضعف سے کل دم لیا جاتا نہ تھا — آہ و نالہ کی کہاں سے آج طاقت ہو گئی

آج[1] اس کوچے میں ان کی کیسی حجامت ہو گئی

رضا | بلبل خوش نوا مرزا محمد تخلص "رضا" شاگرد (مرزا رفیع) سودا۔ من[2] کلامہ

شام ہجراں گر نہ بیتابی کرے دل کیا کرے — دمبدم ہوتی ہے آفت سر پہ نازل کیا کرے

جو آپ یاں سے تشریف لے جائیگا — ہمیں بھی کبھی یاد فرمائیے گا

---

[1] ن۔ پ میں یہ شعر نہیں ہے اور لکھنؤ کے نسخہ میں پہلا مصرعہ پڑھا نہ جاسکا

[2] ن۔ پ۔ یہ شعر ان سے یادگار

سمجھتے ہو تم خوب غیروں سے ملنا کرے کو بہت اپنے پچھتائیے گا

سائل | مرد قابل مرزا یار بیگ تخلص "سائل" قوم کا ازبک (سپاہی پیشہ) پہلے شاگرد حاتم کا تھا پھر[2] سودا سے بہرہ ور ہوا (من کلامہ)

حاتم کی تو خدمت سے تھا فیض بہت مجکو سودا کی ولے صحبت اکسیر نظر آئی

اٹھ گیا جب کہ تعین تو جہاں اپنا ہے جس جگہ بیٹھ گئے پھر وہ مکاں اپنا ہے

وہ حمائل ہو گیا دست شکستہ کی طرح آہ جس کو میں نے اپنا قوت بازو کیا

اسد | شاعر معتمد میر مانی تخلص "اسد" (خندہ رو، شگفتہ سیما) شاگرد (رشید مرزا) سودا۔ من کلامہ

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی گو آکے سفارش کرے اللہ کسی کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہو کھڑی شمع یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

زلفیں ہی دیکھ کر نہ فقط رات ہو گئی مکھڑا جو کھل گیا تو سحر بات ہو گئی

ناگنی زلف کی رہتی نہیں بن جان لیے کیا ہی بپھری ہے بلا اف نہ اٹھا دینا

ہر ایک لالہ کا گل چار داغ لے نکلا گذرے ہے تیرہ زیر بوئے خدا نے سینہ اگلا

---

[1] ن۔ پ تو ہو [2] ن۔ پ بعد کو سودا کا ہوا

شرار و شعلہ و پروانہ و دلِ بیتاب — یہ ایک ایک سے ہیں بیقرار کتنے ایک

مجذوب شاعر خوب سخنور خوش اسلوب مرزا غلام حیدر تخلص "مجذوب" پسر خواندہ اور شاگرد مرزا رفیع سودا سے

وعدے کی دنا اس سے بہت دور پڑی ہو — فہرست شب و روز سے باہر وہ گھڑی ہو
خاموش جو رہتا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو — اک عرض تمنا ہے کہ آمنہ پہ اڑی ہو
غفلت میں بسر کر نہ شب وصل کو مجذوب — ایام جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہو

شاید اس غزل پر اسے نازش تھی کہ سودا نے مقطع اپنی غزل کا یہ رکھا ہے

گو پیر ہوئی شاعری سودا کی جوانو — تم سے نہ کھنچے گی یہ کماں سخت کڑی ہے
چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے — ہیں ایک یار کم نہیں دو چار کے لیے
ہے درد سر ہی بلبل آزاد کی صفیر — موزوں ہے نالہ مرغ گرفتار کے لیے
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار — جنت میں تیرے سایہ دیوار کے لیے

رکھیے لگائے اس کو گر بس چلے ہمیشہ — پر دینے پہ دل کے کیجیے آرے بلے ہمیشہ
مجذوب ان دنوں میں پھر روگ کچھ لگا یا — پر رہتے تھے بیشتر جو اچھے بھلے ہمیشہ

اے میر مخصوص مجذوب کو اور وں سا — ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہے

ماہر عالم فارسی اور عربی پر دارند سایہ میر فخر الدین تخلص "ماہر" شاگرد نامی (اور گرامی) مرزا (رفیع) سودا کے تھے (من کلامہ)

جدا اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھے ہیں وہ در کس کا — ہوئے جب لیک آ وہ نہ کہتے ہیں کہ گھر کس کا
ملی فرصت نہ اتنی بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی — ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کار گر کس کا

ذاکر متجر بیان سید میر جان (عالی خاندان خوش تقاسر) تخلص "ذاکر" خلف

(الصدق) اور شاگرد میر فخر الدین ماہر (طاب مسواہ) صحبت دیدۂ ہزوران، روشناس اہل[۱] جہاں مقام رمز و کنایہ میں زبان اس کی تیر برجستہ حاسد (اس سے) شکستہ اور خستہ (یہ تیل و قال اس پہ دال کہ) مرزا محمد رضا برق کے مشاعرے میں کسی شعر میں اُس[۲] کی "شغل بازی شب" بندھا ہوا تھا مرزا حیدر صاحب (فیض آبادی) نے فرمایا میر صاحب شغل بازی شب کو اصطلاح میں اور کچھ کہتے ہیں اس نے بے تامل ان کے جواب میں کہا

نکر ہر کس بقدر ہمت اوست

دوسری نقل (کہ کوئی اسے نہیں پہونچتا ہے) یہ ہے کہ میاں دبیر (مرثیہ گو) نے از روئے مذاق[۳] کے کہا میر صاحب (لفظ) الف[۴] کو تخلص سے اپنے دور کیجئے میر صاحب نے کہا بشرطیکہ لفظ یا تمھارے یہاں سے دور ہو جائے (قصہ مختصر) یہ اشعار مغتنم روزگار اس سے یادگار

الٰہی کس طرح دیکھیں گے اسکے روئے روشن کو   فلک نے آجتک دیکھا نہیں ہے جسکے دامن کو

عجب طرح کی نزاکت ہے اپنے گلرو میں   جو بھول جھک کے اٹھایا تو ورز شملہ تھا

۱؎ ن۔ ب۔ مردم   ۲؎ ن۔ ب سید ناکے

۳؎ ن۔ ب مزاح

۴؎ نوٹ حاشیہ نسخہ پٹنہ میں کسی اور خط سے یہ نقل اس طرح درج ہے اور کچھ اس نقل کو اس طرح کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے کہا .... کہ میر صاحب آپ کے تخلص میں جو حرف الف ہے وہ حرف علت ہے یعنی گر جاتا ہے جواب میں میر صاحب نے کہا کہ میرے تخلص میں جو لفظ علت ہے یعنی یہ اگر دور ہو جائے تو جو ٹھ اس کا اور اس کا خوب ہو گر لفظ میر اس صاحب کے شاگرد بنائی معلوم ہوتی ہے ویسے مرزا صاحب کی تہذیب سے یہ بات بہت بعید دکھائی دیتی ہے واللہ اعلم

منہ بند کلی گل کی سمجھو نہیں اے دل زیرے کے لیئے برگ گل تر ہے کفن پھول

ہمیں تو ایذا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں چبھے ہے پھانس ہوئی تیری رشتہ دار انگشت
بھرے ہے میل نہیں دیکھو اس کے ناخن میں نہ رکھے ہماری طرف سے ہے یہ غبار انگشت

یہ ناتواں ہوا ہوں الجھ کر کے گر پڑوں چھو جائے عنکبوت کا گر تار پاؤں میں
نہ مناوہ نہ مناوہ نہ مناوہ ظالم پہ مر گئے آپ کی تو ہم منتیں کر تے کرتے
درد دل (کذا) اپنا کہا ڈرتے ڈرتے پہ لب ہلایا نہ کبھی سامنے مرتے مرتے
کھال تاشے پر نہ ہو جھلی سہی فوج والی بجا بلی سہی (کذا)
رکھ دیا ہو ان کے جب ایمان پر پہنچ اگر بلی کہیں بلی سہی
کیا کرے گا سامنا ذاکر کا وہ آئے تو علامہ حلی سہی
عشق میں اس کے ہوا کیا نہ کچھ پہ آگے تو پتھری تھی اب تلی ہی سہی
کھیلنا منظور ہے تو آیئے پہ میرا ڈنڈا آپ کی گلی سہی
لڈو ایسا وہ نہ کبھی کھایا نہ ہو پیڑا کھاتے اب کی کلی سہی کذا

دو شعر اول کے تذکروں سے لیئے تھے باقی ان کے خوف سے لکھے گئے بندہ معذور ہے۔

احسن | آبروئے شعر و سخن مرزا احسن علی تخلص "احسن" (جوان خوش خلق) طالب علم مستعد تھے اوائل میں خواجہ محمد یونس خاں کی سرکار میں معزز اور محترم رہے بعد اس کے نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے حضور[۱] میں (شیفتہ شاعری) (میں) ملازم ہوئے نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کے رفیق بلکہ خاص الخاص تھے۔ ابتدا میں چراغ دانش و بینش میر ضیاءالدین ضیا کی خدمت سے روشن کیا ثانی الحال تلمذ سے مرزا رفیع سودا کے

---

[۱] ن - کے یہاں

ترقی تمام پیدا کی والد ماجد اس فقیر کے استاد کے تھے۔ دو دیوان مع قصاید و مثنویات ترتیب دیئے ہوئے اس[1] فیض بنیاد کے ہیں مرزا (سودا) کے تلامیذ میں مرزا احسن سا متحسن کوئی نہ تھا من کلامہ۔

کل بوسہ کے سوال پہ کیا کیا وہ کہہ گیا[2] — میں اس کے آگے اپنا سا منھ لے کے رہ گیا
اٹھا سحر صبا نے جو گوشہ نقاب کا — دیکھ اس کو رنگ زرد ہوا آفتاب کا

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا — بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا
رہی جو جان مرے تن میں ایک رمق باقی — لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا
اسی لیے تو میں تجھ سے خفا ہوں اے احسن — کھڑے کھڑے مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

شب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا
کام دل لینے میں اس شوخ سے میں باز رہا
ٹکڑے اڑ جائیں گے سینہ میں جگر کے احسن
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

کب اس کی تیغ سے حق میں مرے قصور ہوا — لگی یہ صاف کہ زنگ اس کے دل سے دور ہوا

کل جو اس شوخ نے سنکے ہو لڑائیں آنکھیں — برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنی نہ کیجیو نرگس — آنکھیں کھل جائیں گی جب اسنے دکھائیں آنکھیں

---

[1] ن۔ ب۔ ان کے ہیں
[2] ن۔ پ۔ نہ

مل گئے خاک میں ہم تس پہ بھی اس کافر نے[۱] نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں
کل عجب طرح سے تڑپے تھا ترے کوچے میں دیکھ کر حال کو احسنؔ کے بھر آئیں آنکھیں

نہ خلوت نہ جلوت کے ہم یار ٹھہرے فقط دیکھنے کے گنہگار ٹھہرے
تسلی نہ تھی دل کو دیر و حرم میں ترے در پہ ہم آکے ناچار ٹھہرے
یہ کہنے لگا دیکھ مجھ کو مسیحا خدا ہی ہے جواب یہ بیمار ٹھہرے

شب جو محفل میں ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
گفتگوئے شب کا اے احسنؔ بیاں کیا کیجئے پہلے تو چل بے تھی بعد از اسکے لام و کاف تھا

یہ کیا تجھ سے تقصیر احسنؔ ہوئی پ کہ پھر تیری اور اس کی ان بن ہوئی

مذنب | طالب علم نامی، شاعر گرامی، صاحب رائے صایب، حضرت استاد مرزا محمد حسن (مغفور) تخلص "مذنب" عرف چھوٹے مرزا صاحب نور اللہ مرقدہ خلف (الصدق) اور شاگرد مرزا احسن ابن (مرزا) عبدالرحمٰن (شامی) ہمیشہ عمدہ روزگار اور صاحب اقتدار رہے (فن) شاعری اور سخنوری ارث لیکن وہ جناب طرف کتاب خوانی اور نثر نویسی کے مصروف نظم کی نسبت نثر مشہور و غزل کے بدلے[۲] سلام مشہور تر اور ہر شخص کا منظور نظر حکیم ظفر علی خاں کی فرمائش سے تمام "جلاء العیون" کو نظم کیا۔ اور اس کے صلہ میں سرمایہ دین و دنیا لیا۔ نثر اور نظم ان کی مثل ظہوری ید بیضا کلام معجز نظام مطبوع خلق خدا برض زہرباد

۱ن۔ پ ظالم
۲ن۔ پ کی نسبت

سے حلاوت جان شیریں تلخ ہوئی اور اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت[1] کی۔ اس مولف نے کہ کم ترین تلامذہ میں سے ہے یہ تاریخ (ان کے انتقال کی) کہی

(قطعہ تاریخ)

چوں غنچہ ز خار الم ماتم مذنب گردید بخون غرق دل مضمحل ما

چوں سرمہ اگر چرخ بسایدتن زارم دشوار کہ ایں غم رود از آب و گل ما

چوں شیشۂ ساعت نہ تہی شد دلم از گرد اشک آمد و گردید بسے متصل ما

آیند بروں بس کہ شکست است بجانم صد نشتر و خار چو بیز ند گل ما

ایں مصرع تاریخ فرو ریخت ز کلکم بنہادہ عجب داغ جدائی بدل ما
۱۲۲۵ھ

(یہ چند اشعار اس وحید روزگار سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں)

سرگزشت سینۂ سوزاں نہ پوچھی یار نے کی نہ کچھ تاثیر اپنی آہ آتش بار نے

سرخ منہ آیا نظر مانند مل[2] خردہ ذہن دی گواہی عرق پیکاں کی لب سوفار نے

نامے چھپ چھپ کے وہ غیروں کو رقم کرتے ہیں اس پہ گر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

ناخن بدل ہے ابر و از بس کہ مہوشاں کا شیوہ ستارہ ریزی ہے چشم خوں فشاں کا

گل سیخ خار ٹھونکیں نرگس کی چشم بد میں گلزار میں ہے جاری یہ حکم باغباں کا

جو پان کھا کے سر نعش آیا وہ قاتل میرے عزیزوں نے میرا وہ خوں بہا سمجھا

ہوئی جو اس سے دل مضطرب کو کچھ تسکیں میں اپنے نالے کو وقت سحر دعا سمجھا

---

[1] ن ۔ پ انتقال کیا

[2] ن ۔ پ ۔ پان

اب جو پھر ملنے کا ہم سے نامہ و پیغام ہے نامہ بر کہیو تمھارا یہ خیال خام ہے

منحرف جس وقت ہم سے یار پرفن ہو گیا اپنا ہی دل آخر اپنے جی کا دشمن ہو گیا
دیکھ اے رشک پری اسکی کبھی آکر تو سیر گلشن لالہ ترے کشتہ کا مدفن ہو گیا

نخوت حسن سے ہرگز نہ دیا اس نے جواب حال دل ہم نے کہا اگرچہ مکرر اپنا

لاکھ اگر صدمے ہوں اک آہ رسا کرتے نہیں پر ترے بیمار غم ہجراں دوا کرتے نہیں

کم ہوتی نہیں ہے کسی عنواں طپش دل ہے دامن مژگاں سے فروزاں طپش دل

ہوئی ہے عیاں جب سے الفت ہماری پر اسے غیر لگتی ہے صحبت ہماری

خاطر اغیار کی منظور ہو جس دلبر کو بے خطا کیوں نہ وہ ٹھہرائے گنہگار ہمیں

شائق۔ ضیا سید صحیح النسب۔ نجیب الطرفین (برگزیدۂ دارین) شاعر خوش تقریر سید محمد میر خلف العدق میر محمد تقی ابتدائے شوق میں شائق تخلص کرتے تھے اب تخلص "ضیا" (ضیا بخش مقطع غزل کیا) قرار دیا ہے شاگرد حضرت (محمد حسن) مذنب

من کلامہ

ن۔ ب گرچہ کہا اس سے ن۔ ب یہ اشعار ان سے یاد گار

ہوا ہے سابقہ دل کا یہ کس زلف معنبر سے ‏ کہ خوشبو ہے دماغ اپنا شمیم روح پرور سے
گزرتے ہیں نظر کی طرح وہ آنکھوں کے پردوں سے ‏ ادائے یار کی ہے نوک جھونک افزوں نشتر سے

نظر ہرگز نہیں کرتا ہے میری جانفشانی پر ‏ پہ ملا ہے آشنا نا آشنا مجکو مقدر سے

آیا آغوش میں کس روز وہ رشک بلقیس ‏ تختۂ[1] خواب ہوا تخت سلیماں کس دن
آہ وہ سوختہ جاں ہوں کہ مری حالت پر ‏ دل جلاتی نہیں آہ شرر افشاں کس دن

شرر رات سوز جگر نے اڑائے ‏ گریباں کے پرزے سحر نے اڑائے
شب ہجر گذری فغاں کرتے کرتے ‏ سحر ہوش آہ سحر نے اڑائے
خدا جانے یہ قتل کے ڈھنگ کس سے ‏ ستمگر کی تیغ نظر نے اڑائے
رخ یار سے کرکے کسب تجلی ‏ مزے چاندنی کے قمر نے اڑائے

دل میں بتوں کی الفت کامل نے راہ کی ‏ پتھر سے ہم نے شکل نکالی نباہ کی
آؤ زلف غم کی عیادت ثواب ہے ‏ بس ہو چکی تلافی ہمارے گناہ کی

کھائی جو چوٹ عشق کی جان نزار نے ‏ سینہ سپر شک گرم لگے بیرا دھار نے
ہجر بتاں میں نکلی ہے اس کی تڑپ کے جاں ‏ ظاہر کیا یہ کندۂ لوح مزار نے
گلچیں کے دست ظلم سے گلشن میں اے نسیم ‏ سو گل ہیں ایک سینے پہ کھائے ہزار نے
بوئے عروس کو میری جاں تازہ کر دیا ‏ باسی ملے دلے تیرے پھولوں کے ہار نے

---

[1] ن - سپ بستر

پڑا ہے عربدہ جو سے معاملہ دل کا　　بگڑ رہا ہے جا کے کہاں بل بے جو معاملہ دل کا
پسند یار ہوا ہے جو آب آتش رنگ　　حباب شیشہ بنا ہے ہر آبلہ دل کا
نہ ہوگا حشر کو ماخوذ صاحب شورش　　نجات کا یہ وسیلہ ہے ولولہ دل کا
خدا ہی جانتے اس آغاز کا ہو کیا انجام　　پہ ہوا ہے عشق سے اب تو مقابلہ دل کا

قاصر | معنی یاب بر طبیعت اس کی قادر سید آقا میر تخلص "قاصر" شاگرد استاد نا محمد حسن مذہب عارضہ جذام بہانہ مرگ اس نیک نام کا ہوا۔ یہ اشعار اس سے یادگار

نہ اشک دیدۂ مرغ چمن ٹپکتا ہے　　گلوں کا رنگ سبھی اے گلبدن ٹپکتا ہے
شکستگی ہے عیاں اس کی چار بند دوں سے　　تمام گنبد چرخ کہن ٹپکتا ہے
تمام جسم ہے ناسور داغ ہجراں سے　　بسان شمع ہمارا بدن ٹپکتا ہے

تایب | زینت بزم سخن تخلص "تایب" نام (اس کا سید) میرن، زود رنج، دیر آشنا، حوصلہ بلند، بخت نارسا، آوارہ وطن، عظیم آباد مسکن، شاگرد مذہب یہ شعر اس کا زبانی میر اسمٰعیل حسین منیر کی (سننے میں آیا ہے) لکھا جاتا ہے

سینے میں کعبہ رو نہیں دل بے قرار ہے　　حاجی ہوں حج کو آیا ہوں دنبہ نثار ہے

یہ شعر اس کے قدیم (کہ اس مولف کو یاد ہیں لکھتا ہے)

مستی بادہ ہے نے غفلت میخواری ہے　　ہم نے پی ہے جو مئے عشق وہ سرشاری ہے
اضطراب شب ہجراں سبب زاری ہے　　قبر میں سونے سے اذیت دیدہ بیداری ہے
روسیہ کیوں نہ ہو تقلید[1] سے اسکی عنبر　　تار گیسو کا ترے نافہ تاتاری ہے
بند تقریر سے بلبل کی زباں ہوتی ہے　　پہ خوش خرامی سے تری کبک دری عاری ہے

جرمیح | صاحب عقل و ہوش تخلص "جرمیح" نام فراموش شاگرد (حضرت) مذہب

---

[1] ن۔ پ تشبیہ

نمونۂ کلامہ۔

ہوا ہوں دیکھ کر میں کشتۂ مل خوردہ دہن اسکا | میرے مرقد پہ رکھنا چاہیئے لعل بدخشاں کو
سمجھتا ہی نہیں عاشق کو اپنے جاں فشاں ہرگز | بھلا کس طرح سمجھائے کوئی اس طفل ناداں کو

کاشف | شعر و سخن سے آگاہ اور واقف شیخ کاشف علی تخلص "کاشف" شاگرد مذنب یہ شعر (اشعار) اس سے یادگار

کیوں نہ آشفتہ رہے سنبل بزیر آسماں | خار سے پیوند ہے ہر گل بزیر آسماں

تنہائی تھی فرقت بھی کاشانہ تھا اور میں تھا | یا ورد زباں اس کا افسانہ تھا اور میں تھا
کس لطف سے ہوتے تھے اوقات بسر میرے | جب ہاتھوں میں ساقی کے پیمانہ تھا اور میں تھا

طپش | "طپش" تخلص معلوم نام نامفہوم شاگرد حضرت مذنب ا۔

یہ شعر اس سے یادگار

کون کرتا ہے یہاں قابل اوقات سلوک | رازق کل کا مرے ساتھ ہو دن رات سلوک

ایک دن وہ یہ مصرعہ کہہ کر حضرت استاد کی خدمت میں آیا اور مستدعی دوسرے مصرعہ کا ہوا۔

صاحب لگا نا تیر ذرا دیکھ بھال کے

اتفاقاً یہ بندہ (بھی اس وقت) حاضر تھا۔ میری زبان پر بے قصد و تامل (یہ) گذرا

حیرت زدہ نہ بھیس میں ہوئے غزال کے

استاد نے مصرعہ ثانی کو نہایت پسند فرمایا اور میری فکر پر (نہایت) تحسین آفریں کی

مغموم | موزوں الطبع کلو خاں قوم افغان اور شیعۂ حضرت چہاردہ معصومین تخلص

۱؎ ن۔ پ یہ شعر اس سے یادگار ۲؎ ن پ یاں ۳؎ ن۔ پ ماہر
۴؎ ن۔ پ نام اس کا معدوم ۵؎ ن۔ پ کے پاس

مغموم شاگرد مذنب - من کلامہ

ظاہر انداز نگہ سے ہے رقیبوں کا جور (گلذا) بے طرح اس کو سکھایا ہے خدا خیر کرے
کل سے کچھ اور بر افروختہ تھا غصہ ہیں حال دل اسکو سنایا ہے خدا خیر کرے

تمام عمر تصور سے ہے ہمسر آغوشی نہ مجھ سے دور ہوا اس سے میں جدا نہ ہوا

لخت دل چشم سے رہتے ہیں رواں کیا کیجیے بر ملا آہ ہوا راز نہاں کیا کیجیے
باندھتے اس کو رگ جاں سے نازک لیکن نظر آتی نہیں ہے تیری میاں کیا کیجیے
خط کبھی قاصد کبھی کبوتر کبھی سبھی حاضر ہیں ہو رسائی نہ جہاں ہائے وہاں کیا کیجیے
یاد کو نام سے ننگ آتا ہے ہے خلق بہ تنگ کھینچئے گردن پہ جو خنجر نہ رواں کیا کیجیے
شربت لعل لب یار تھا شافی ہم کو وہ مسیحا کبھی ہوا دشمن جاں کیا کیجیے
حسب حال اپنے ہے مغموم کسی کا شعر کہ جہاں بس نہ چلے آہ وہاں کیا کیجیے

جو کہ مشتاق تھے اس رشک قمر کے مغموم جا سر راہ وہ ارباب نظر بیٹھ رہے

محفل غیر میں وہ شوخ جو شرماتا ہے شمع کا دیکھنے سے رنگ اڑا جاتا ہے
پنجتن پاک سے ہو گی تیری آساں مشکل انکا مغموم ثنا خوان تو کہلاتا ہے
ان دنوں ہے چشم خوں افشاں کا مسکن آب میں ٭ لعل کے پیدا ہوئے گویا کہ معدن آب میں
عکس ساق یار ہے ظاہر اطلس آبی سے یوں ٭ جس طرح سے شمع کافوری ہو روشن آب میں

فاطر | خوش تلامیذ پیر بخش خاں تخلص "فاطر" کہ کا نواب نصیر الدولہ بہادر شاگرد محمد حسن مذنب - جب نواب سابق الذکر محمد علی شاہ بادشاہ ہوئے ،

پیربخش کو بسبب رشتہ (برادر) رضاعی کے حمید الدولہ رضا قلی خاں خطاب عطا فرمایا اور رتبہ نے اس کے نہایت عروج پایا۔ یہ مؤلف کی فرمائشات میں اس کی شریک محنت استاد (رہتا) تھا۔ مقدمہ فی ما بین کو واحد سمجھ کر چند روز اس کے گھر میں آیا گیا۔ حکیم میر مددعلی صاحب کہ وہ بھی اشخاص اعزہ میں سے ہیں پہلے اس سے ایک قصیدہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں کہہ کر ان کو دیا تھا چونکہ اپنے ہم وطنوں سے حکیم صاحب چشم پوشی اور اغماض کو عین حکمت سمجھتے ہیں وہ قصیدہ انھوں نے حمید الدولہ کو یہ کہہ کر دیا کہ میری جرأت نہیں پڑ سکتی تم اسے حضور بادشاہ میں گذرانو کہ مجھ سے حق ان کا تم پر زیادہ ہے کہ ایک استاد کے شاگرد ہو۔ قصہ کوتاہ اس خود غرض نے وہ قصیدہ حضور بادشاہ میں اپنے نام سے پڑھا اور صلہ شایگاں لیا شکر صد شکر کہ غریب کا احسان دولتمند پر ہوا اور میں بار منت سے سبکدوش رہا۔ یہ شعر اس کے کہ قدیمی ہیں لکھے جاتے ہیں۔ اب تو کلام اس کا بسبب شرکت منشی میٹھا کی پیٹھے کی مٹھائی ہے۔ من کلامہ

ہم سمجھتے تھے محبت میں بہل جائیگا دل	یہ نہ معلوم تھا نگ اور ہی دکھلائیگا دل
ٹھوکریں جیسی کھلاتا ہے ہمیں گلیوں میں	ویسا کم بخت ہمارا یہ سزا پائے گا دل
رحم کر حال پہ ناظر کی یہ مضطر ہے مدام	مہربانی سے تری اس کا سنبھل جائیگا دل

ناصر | مؤلف تذکرہ بندہ پریشان خاطر سعادت خاں متخلص بہ "ناصر" دعائے خیر کا طالب شاگرد محمد حسن المذنب صاحب پنج دیوان کہ ہر ایک قصائد اور (مثنوی) سے مالامال اور (مسودہ رادو ر) مثنوی مسمّیٰ بہ مظہر معجزات اخیار میں حضرت حضرات کے اور (مثنوی مختار نامہ" اور "قصہ اگر گل" اور (قصہ مسمّیٰ بہ "گلشن سرور" زبان اردو میں تصنیف کیا ہوا اس کا نیز بدستور (ہے) یہ چند شعر حسن کے وسیلے سے شریک تذکرہ سخنوران ہوا لکھے جاتے ہیں۔ دیوان اول

ساقی مرا ہے نام جناب امیر کا — پیمانہ دل ہے بادۂ خم غدیر کا
شیرینی اس میں شہد و لائے علی کی تھی — مہمانی نبی میں جو کاسہ تھا شیر کا
نور ایک ذات ایک حسب ایک بات ایک — مُہرِ رسول ہے شجرہ میرے پیر کا (کذا)
دست خدا ہے پیر مددگار ہے رسول — گویا ہے معجزہ وہ رسول بشیر کا
نازک بہت ہے وہ جو تفاوت انھوں میں ہے — ہے فرق جو حسنین صغیر و کبیر کا
روشن ہوا مثل مہر جو وہ جسم نازنیں — خط شعاع نقش تھا اس پر حصیر کا
مخصوص ہے یہ شان جناب امیر میں — قرآں میں ہے جو ذکر یتیم و اسیر کا
ہے وہ امیر جس کو ہمیشہ کہے امیر — اجماع کب درست ہے جم غفیر کا

آگیا چھنے میں یاں ہر جا جو دامن زیر پا — اے زمیں کیا ہے کسی عریاں کا مدفن زیر پا
کیا کسی سے پائمالی کی شکایت کیجیے — روندتے تھے ہم بھی خاک دوست و دشمن زیر پا
نونہال تو اے پر غرور اسکو نہ جان — ہیں یہ اہل قبر جو کرتے ہیں شیون زیر پا
سرخ ہو جاتے نہیں ہیں دو قدم چلنے میں پاؤں[لہ] — آگیا ہوگا ترے کشتہ کا مدفن زیر پا

نہ بدلے رو برو تیرے تو سب نے سنگ ٹھہرایا — ہمارے صبر نے آخر ہمیں بے ننگ ٹھہرایا
نہ چھوڑا نام رکھنے سے اسے بھی اہل عالم نے — خط آیا تو رخ روشن کا اس کو زنگ ٹھہرایا

نزاکت سے اٹھانا ہوا جسے دشوار دامن کا — بھلا ان ہاتھوں سے اترے بوجھ کیونکر میری گردن کا
بغل میں ہاتھ تہمت قتل بھی تھا میرے دشمن کا — خدا اترا اسے ہے دست تیغ سے بوجھ اپنی گردن کا
چمکتا ہے وہ یوں جیسے طلوع مہ مشرق سے — مرے دل میں جو ہے مضمون اسکے دندانے روشن کا

لہ ن - پ - مجھے

چمنی افشاں تو برہم کر دیا عقد ثریا کو ملی مسی تو غنچہ ہو گیا پھول اس سے سوسن کا

یہ قصد اس کا ہے وہ ماہ دو ہفتہ کے مقابل ہو بڑا ہی حوصلہ ہے یار کے یک ہفتہ جوبن کا

ہنسو منہ کھول کر جو تیغ خندہ کارگر بیٹھے نہ ہو دشوار زخموں سے نکلنا تار سوزن کا

یہ میرا خواب بھی کچھ کم نہیں ہے خواب یوسف سے کہ نقشہ خواب میں دیکھا ہے اسکی نعل توسن کا

تجلی طور کی موسیٰ کہیں اس کو میں شاعر ہوں سمجھتا ہوں اسے مضموں کسی کے روئے روشن کا

کمر جس روز سے باندھی ہے اس سفاک عالم نے ہمیشہ تیغ پر پڑتا ہے ڈورا میری گردن کا

گلا کیا کیجئے کانٹوں کا سر کار جنوں سے یہ دشالہ ہم کو خلعت میں ہوا ہے کار سوزن کا

چلے کیا ہے زباں کے سامنے تیری زباں مندی زلیخا کھل گیا پردہ جو تھا یوسف کے دامن کا

مجھے رہ رہ کے کیوں میر حسن کی لہر آتی ہے میرے عنصر میں کیا پانی ملا ہے چاہ گلشن کا

قدم باد صبا کا باندھنا صیاد لازم ہے حریف اس سے نہ سیکھے پھاندنا دیوار گلشن کا

ہوا یا قوت وہ ہیرا جو باندھا اس نے بازو پر کہ ہے اس بازوئے گلگوں کا پرتو ڈانک کندن کا

تیغ آتش شیریں زباں کا ہے یہ اے ناصر اور اب تا چند اے دست ہوس قاتل کے دامن کا

جو قیمت اس کی ہو نقد دل و جاں مول لیتے ہیں تیرا سودا ہم اے زلف پریشاں مول لیتے ہیں

دیوان دویم

ہوا بدشکل سے ہی گر مجھے رشتہ محبت کا بری اس کو کہا دیوانہ ہوں اپنی طبیعت کا

سینہ سے یار کا جو دوپٹہ سرک گیا انگیا کا گھر وہ میرے دل میں کھٹک گیا

زنجیر کی صدا ہے نہ آواز زنگ ہے مجنوں کے ساتھ ناقہ لیلیٰ بھی تھک گیا

---

[1] [illegible] نہر

پھائے سے یہ نہ ہو گا میرا زخم دل کبھی ؛ تھیلی چڑھاؤ خوشۂ انگور پک گیا

آئینہ روئے صنم ہے میری حیرانی کا ؛ زلف مجموعہ ہے خاطر کی پریشانی کا
سر جھکائے ہوئے ہیں وہ مرے تابوت کے ساتھ ؛ کم جنازہ سے نہیں بار پشیمانی کا

تصور رخ جاناں مجھے پسند ہوا ؛ فقیر بھی جو ہوا میں تو نقش بند ہوا
یہ رشک طالع دزد حنا پہ ہے مجھکو ؛ کہ میرے قتل کا سودا نہ منت بند ہوا

خواہ پردے میں رہے خواہ وہ دلبر باہر ؛ ایک سا جلوۂ معشوق ہے اندر باہر
وہ نہ ہو حلقۂ اسلام سے کیونکر باہر ؛ گبر و ترسا بھی جسے کہتے ہیں باہر باہر
ہو کے مجنوں ترے دامن سے لپٹ جاؤں گا میں ؛ یا خدا آپ سے کر دے تری ٹھوکر باہر
روح پیکر سے نکلتی ہے تڑپنا وہ ہے ؛ تم سمجھتے ہو کہ رشتے سے ہو دے پر باہر
خار خار غم ہجراں ہے پس مردن بھی ؛ قبر میں کانٹے ہیں اور پھولوں کی چادر باہر
انتظار آمد ساقی کا مری چشم کو ہے ؛ شیشۂ دل تو ہے میخانہ میں ساغر باہر
شیشۂ دل نہیں پہلو میں جو وہ ٹوٹے گا ؛ کیوں ہیں پتھر کی سلیں قبر کے اندر باہر
رند ہوں کیوں نہ لحد سے ہو نمو نرگس ؛ شیشۂ بادہ ہے آغوش میں ساغر باہر

اشک خونیں سے رنگے ہم نے بھی سارے ہاتھ پاؤں ؛ ہاتھ پاؤں اپنے بھی ہیں آخر تمہارے ہاتھ پاؤں
قتل کیا تم نے کیا کھولے ہمارے ہاتھ پاؤں ؛ خوب لوٹے خوب تڑپے خوب مارے ہاتھ پاؤں
کیا ہی روشن ہاتھ ہیں کیا ہی مبارک ہیں قدم ؛ ہیں کلیم و خضر کے گویا تمھارے ہاتھ پاؤں
روز پھر جاتے ہیں آنکھوں میں نگاہوں کی طرح ؛ ننھے ننھے گورے گورے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

ہر نیک و بد کی آئنہ دل میں دید ہے — منہ پر کسی کا عیب رکھوں یہ بعید ہے
بین السطور ابروئے پیوستہ میں نہیں — ثابت ہوا کہ نشرِ کلام مجید ہے

دیوان سویم

بلندی اس کے سینہ کی نہیں ہر نارپستاں سے — یہ وہ مٹی ہے نکلی ہے جو اس چاہ زنخداں سے
آنکھ میری جو ادھر اے بت رعنا دیکھی — برق نے بھی تجھے دیکھا مری دیکھا دیکھی
ہوتمرہ شدتِ گریہ سے نہ کس طرح خراب — لب دریا کبھی دیوار نہ برپا دیکھی

رخ تاباں کو ترے اس سے ملا کر ہم نے — لاکھ الزام رکھے آج سحر پر ہم نے

ترک غرض سے صاحب مقدور ہو گئے — بیٹھے جو پاؤں توڑ کے تیمور ہو گئے

دیوان چہارم

اس برق طور کی ہیں تماشا ہتھیلیاں — شمعیں کلائیاں ید بیضا ہتھیلیاں
ہر چند بے جواب مگر لاجواب ہیں — دو ہونے پر ہیں یار کی یکتا ہتھیلیاں
بیکار ایک بال سے ہوتا ہے آئنہ — اس کی لکیروں پر ہیں مصفا ہتھیلیاں

نہیں رہنے کو نسیم چمنستاں آئی — باغباں یہ بھی ہے دورِ دوزکو جہاں آئی
خدمت شانہ کشی کی یہی اجرت پائی — مجھ پہ بڑھ بڑھ کے تری زلف پریشاں آئی
رات بھر گرم رہے گا مرے داغوں کا الاؤ — غم نہیں مجکو اگر فصل زمستاں آئی
ہوئی تعریف جو وہ مصحف رخسار آیا — بھول کس سے ہوئی کب نوبت قرآں آئی
توڑ ڈالا مرے پیکر کو ہزاروں نے ترے — شیر کی طرح سے تو اے شب ہجراں آئی

یار کے ساتھ مری روح نے کبھی کوچ کیا　　تیری نوبت کبھی نہ یاں اے شب ہجراں آئی

دیوان پنجم

رنگ نازک ہو جو اس کے کف پا سے پیدا　　شوخیاں یہ نہیں ہوتی ہیں حنا سے پیدا

خط ترے ہوگا میری آہ رسا سے پیدا　　دود شعلہ میں ہو تا تیر ہوا سے پیدا

تھا ہم آغوش ابھی مجھ سے خیال گیسو　　مشک نافہ کی ہے بو چین قبا سے پیدا

دم شمشیر دکھا دو تو ابھی ہو انبوہ　　کوچہ کوچہ سے ہوں دو چار بپا سے پیدا

نالہ و آہ سے رسوا ترے دیوانے ہیں　　اثر تا فلک ہوتا ہے ذرا سے پیدا

آہ کیوں کر نہ عیاں ہو دل پرداغ کا حال　　بوئے گل ہوتی ہے تحریک ہوا سے پیدا

عجب کیا جو حباب چشم سے آنسو نکلتے ہیں　　کہ پیمانے خم لبریز سے مملو نکلتے ہیں

کبھی ابر بہاری چشم سے آنسو نکلتے ہیں　　کہ دم ساگر گہر ہیں صاف پہلو نکلتے ہیں

میں گریاں ہوں شرر افشاں مرے نالے نہ کیونکر ہوں　　کہ یہ خاصہ برسات میں جگنو نکلتے ہیں

دل و جان و جگر کے واسطے اک تیر کافی ہو　　کہ ہر پیکاں سے ایذا کے کئی پہلو نکلتے ہیں

نہ دیوانہ تری آنکھوں کا ہوں میری زیارت کو　　چراگاہوں سے اپنی حلقہ آہو نکلتے ہیں

وہی خم ہے وہی پیر مغاں کا ہاتھ کیا باعث　　کبھی خالی پیالے اور کبھی مملو نکلتے ہیں

جمع ہے دولت نہ مال ان کا خدا کے گھر میں　　ڈر کس طرح پڑے اہل سخا کے گھر میں

استخواں میرے فتیلہ ہیں تپ فرقت سے　　ڈر ہے یہ آگ نہ لگ جائے ہما کے گھر میں

میرے دامن پہ لگا لائے ہیں خار صحرا　　ڈھیر کانٹوں کا ہے مجھ آبلہ پا کے گھر میں

گوشہ وہ ہے کہ بچاتا ہے ہر اک آفت سے　　ڈر نہیں عیاذ نہیں قبلہ نما کے گھر میں

فقر و فاقہ کو سنت تو سمجھ اے ناصر　　بے فقرہ فاقہ ہی رہا آل عبا کے گھر میں

ہے سیر ممکنات حقیقت کی آنکھ سے ۔ کثرت کو دیکھتا ہوں میں وحدت کی آنکھ سے
بدلے گا مثل آئینہ وہ بھی نگاہ کو ۔ دشمن کو بھی نہ دیکھو عداوت کی آنکھ سے
وہ رند ہوں کہ شیشۂ صہبا ہو سنگ سخت ۔ میری پڑے نگاہ جو رغبت کی آنکھ سے
بہتر پری سے بھی وہ سمایا نگاہ میں ۔ دیکھا جو زیبؔ کو بھی محبت کی آنکھ سے

علم آہ اٹھے گا تو یہ شہرت ہوگی ۔ مثل درگاہ مرے گھر کی زیارت ہوگی
ہاتھ سے ہاتھ ملا رفع کدورت ہوگی ۔ تیری انگشت مجھے شمع محبت ہوگی
اپنے نالوں پہ جو نازاں ہو تو وہ کہتا ہے ۔ ان کو آہوں کی عدالت میں سماعت ہوگی

خال روئے یار آتے ہیں ہمارے خواب میں ۔ مثل یوسف دیکھتے ہیں ہم ستارے خواب میں
اشک کے قطرے سے تاریکی ہو ساری آنکھ میں ۔ کیا برا اترا ہے یہ پانی ہماری آنکھ میں

حسن | رئیس رؤسا امیر امرا شاعر خوش آہنگ با فرہنگ اقتدار الدولہ محتشم الملک نواب مہدی علی خاں بہادر ضیغم جنگ تخلص[1] "حسن" یہ بندہ مدت سے اس سرکار دولت مدار میں نوکر اور شرف استادی سے نامور ہے کلام حضور پر نور سے

سنہ رکھے قبر پہ حسرت سے وہ جاناں ہوگا ۔ تربت عاشق صادق پہ یہ قرآں ہوگا
دانت پر تیغ کا دم دیکھا ہے اس قاتل نے ۔ میرے زخموں سے رواں چشمۂ حیواں ہوگا
دولت تیغ سے ہو جائیں گے سب مالا مال ۔ ہر گلی کوچہ میں ایک گنج شہیداں ہوگا
پستی جاہ تیری جاہ زنخداں کی ہے دلیل ۔ تیرا انجام بخیر اے مہ کنعاں ہوگا

آہ یہ کیسا حجاب اسکے ہمارے ہو گیا ۔ جب گئے ہم بزم میں وہ اک کنارے ہو گیا

---

[1] ن ۔ پ ۔ متخلص بہ

غش مجھے آیا کیا تم جھوٹ اسے سمجھا کئے — کام اس غفلت میں میرا اے پیارے ہو گیا
جب تلک قاصد نہ آیا تھا امید وصل تھی — اس جواب صاف سے میں بے سہارے ہو گیا
کیا پریشانی نے مجکو دور رکھا آپ سے — میں بگولا بن کے کوچے میں تمھارے ہو گیا

اشک میں پارۂ جگر آیا — نخل اُمید میں ثمر آیا
تپ ہماری بگڑ گئی ایسی — اس مسیحا کو بھی حذر آیا
دیکھا ابرو جو انتظار کے بعد — عید کا چاند سا[ل] نظر آیا
ابھی نکلا ہے دم مرا قاصد — ایک دم تو نہ پیشتر آیا
ایسا کاہیدہ میں ہوا کہ بدن — تیرا موئے کمر نظر آیا
نامۂ یار ہم اُسے سمجھے — کبھی اڑتا جو کوئی پر آیا
حسن کس طرح آپ میں رہتا — یار جب آیا بے خبر آیا

کیا گلا دیوانے کا تیری رسن میں رہ گیا — اے پری وہ ذکر باقی انجمن میں رہ گیا
اے جفا جو یہ تیری دزد حنا کا ہے اثر — بہ جور اس سے میرے ہر زخم کہن میں رہ گیا
ہو گیا میرے دل دیوانہ سے شانہ بھی تنگ — بہ زمیں بگڑی کہ زلف پرشکن میں رہ گیا
کیوں نہ پڑھوائے وہ خط اپنا کہ پردہ چاہیئے — میرے دانتوں کا نشاں سیب ذقن میں رہ گیا
ہو مبارک تم کو سنبل کا تماشہ بلبلو — ب دل ہمارا اس کی زلف پرشکن میں رہ گیا
اس کے گنگرِ دل جو تھی آوازہ جاتی رہی — نعرۂ شیون میرے بیت الحزن میں رہ گیا
بلبل و پروانہ کے باکنفوں کی یک ہم نہیں — ب وہ چمن میں رہ گیا یہ انجمن میں رہ گیا
دل تیرے گیسو میں ہو پاس بدن کیا ہو نہیں — جب وہ یوسف ہی نہیں پھر کیا وطن میں رہ گیا

ل ن۔ ب وہ

تیرے عریاں کی تسلی شورِ محشر سے ہوئی — لاشہ جو تکفین تھا کیا وہ کفن میں رہ گیا
طوطی کیا گویا ہو اس آئینہ رو کے سامنے — حسنؔ سا حاضر جواب اس سے سخن میں رہ گیا

تقریر میں جھڑتے ہیں جو مانند سخن پھول — کیا منھ میں بھرے ہیں ترے اے غنچہ دہن پھول
رکھتا ہے اگر کان میں وہ غنچہ دہن پھول — کہتی ہے نزاکت کہ گراں ہیں یہ کرن پھول
عریاں نہ رہو گرچہ نسیم سحری ہے — کمھلائے گا اس سے کہ تمھارا ہے بدن پھول
آغوش گل تر میں نہ ہو تیری سمائی — اتنا بھی خوشی سے نہ تو اے مرغ[51] چمن پھول
بل کھائے گی قامت جو اٹھانے کو جھکوگے — یہ فرض کیا ہم نے کہ ہے برگ سمن پھول
نیرنگ فلک ہے یہ پس مرگ بھی اے حسنؔ — ہیں زیر کفن داغ تو بالائے کفن پھول

نہ اٹھے کوچہ دلدار سے زنہار قدم — ہو گئے بے حرکت، صورتِ دیوار قدم
ہاتھ نکلیں نہ کہیں قبر سے یہ دل میں سمجھ — ہٹ گیا مرقد عاشق سے وہ دو چار قدم

وہ راحت کیا ہے جس سے تجھ کو اے یار ہم کھینچیں — ترا دامن تو کھینچے خار[52] اور آزار ہم کھینچیں
خدا کے واسطے اے وحشت دل اتنی فرصت دے پ — کھٹکتے ہیں جو تلوؤں میں ہمارے خار ہم کھینچیں
کیسے اس کشمکش کا ہے دماغ اے کافر بیدیں — ہماری سبحہ تو کھینچے ترا زنار ہم کھینچیں
جو تم بیزار ہو تو شوق نظارہ نہیں ہم کو — یہ پردہ کیا ہے فرماؤ تو اک دیوار ہم کھینچیں
جنھیں پہچانیں نہ کیوں کر دل میں اپنے رشک سے زن سے — وہ گوندھے ہار تیرے محنت صد خار ہم کھینچیں
فزوں اے حسنؔ ہو جائے غبار اپنی طبیعت کا — گلی میں یار کی نالے اگر دو چار ہم کھینچیں

---

۵۱ ن ۔ پ رشک
۵۲ ن ۔ پ غیر

پاک الفت بھی اگر ہو جز عزر حاصل نہیں　　کونسا قبلہ نما ہے وہ کہ جو بسمل نہیں
جب غضب ہوتا ہے وہ پھر مہر پہ مائل نہیں　　کیا جلالی نقش ہے جس کا کوئی عامل نہیں

طلسم عشق بتاں ہے جو ہر زمانے میں　　طرح طرح کی حکایت ہے اک فسانے میں
یقیں ہے آتش گلشن سے کوئی گل پھولے　　پہ دھواں سا اٹھا ہے بلبل کے آشیانے میں
جو کہ عیار ہے واں پاؤں وہ نہیں رکھتا　　مگر ہے سنگ محک اس کے آستانے میں
بخیل کو دم مردن رہے گا یہ ارماں　　کہ نقد جاں بھی ہو داخل مرے خزانے میں

از بس کہ ہے تصور دلدار روبرو　　تصویر ایک رہتی ہے ہر بار روبرو

وقت مردن غیر کو دیکھا جو اس قاتل کے ساتھ　　جان نکلی میرے جسم زار سے مشکل کے ساتھ
ہے تماشہ گاہ تیرا وہ اگرچہ گھر نہیں　　کچھ رعایت چاہیئے تجکو ہمارے دل کے ساتھ

خلش ہجر مرے دل سے مٹاتے جاتے　　جاتے جاتے مجھے ایک ہاتھ لگاتے جاتے
چلتے ایسے ہیں تو واں ہم کو جگہ مل جاتی　　پر خالی شیشے ہیں وہ محفل سے اٹھاتے جاتے
سالہا سال میں زنجیر قدم اتری ہے　　پاؤں کا میرے ورم جائیگا جاتے جاتے
مستی بادہ نہیں جس کو جا ہی کھودے　　نشہ عشق ہے یہ جائے گا جاتے جاتے

نالہ کا ضبط اے دل نالاں ضرور ہے　　پاس و لحاظ خاطر جاناں ضرور ہے
لالہ کے کھیت پھولے ہوئے ہیں قدم قدم　　اے یار سیر گنج شہیداں ضرور ہے
زاہد سے شرم کیا کہ در توبہ ہے کھلا　　پیمانہ ہو تو توڑنا پیماں ضرور ہے

سیراب اس سے ایک نقطہ خضر خط ہوا پ نیراد ہن بھی چشمہ حیواں ضرور ہے
رہنے دے مجکو در پہ کہ دولت ہے تیرا حسن دروازۂ امیر کو درباں ضرور ہے

شوق | شاعر خوش شعار حکیم (نظر) تجربہ کار دوست صادق یار موافق
صاحب حال و ذوق مرزا امیر علی خاں تخلص "شوق" خلف الصدق نواب
سیف الدولہ بہادر، مرثیہ و سلام میں تخلص "امیر" شاگرد سعادت علی خاں
(متخلص بہ ناصر کہ مولف اس تذکرہ کا ہے) من کلامہ

غم پہ غم سہتے رہے صدمہ پہ صدمہ کھینچا بے زباں وہ تھے نہ ہم نے کبھی نالہ کھینچا
بابلو تم نے دم گرم پہ کیا کھینچا پ اپنے پتے کا ہر اک نخل نے پنکھا کھینچا
زلف شب تا گمر آئی نہ وہ آئے اب تک ایک چوٹی کے بنانے نے یہ عرصہ کھینچا
لالہ رو کہنے سے یہ لال ہوا آخر اس نے لالہ کی طرح پوست ہمارا کھینچا
ایسی تصویر پہ پھڑکتی ہوئی کم دیکھی ہے کیا تری موئے کمر سے ترا نقشہ کھینچا
جز خدا ستر علی ہو نہ کسی پر ظاہر پ رمز یہ تھی شب معراج جو پردہ کھینچا
کھینچی نقاش نے جب دامن یوسف کی شبیہ چاک دامن کے عوض دست زلیخا کھینچا
نسبت اس کو ترے دامن سے ہوا دہ للہ خلاف جب تو آنے میں قیامت نے یہ عرصہ کھینچا
ہمعدد جب وہ ہوا میم دہن سے تیرے میم نے مکتب ایجاد میں چلہ کھینچا
کیوں رگیں کھنچتی ہیں اے شوق بدن کی میرے اس نے بیدردی سے کیا زلف میں شانہ کھینچا

پردہ رکھتا ہے سری چشم کا پردہ ان کا مثل خورشید ہے دشوار نظارہ ان کا
چھپ کے ہنسنے میں تو ہے رعب زیادہ ان کا ہے یہ مشہور کہ دروازہ ہے تیغا ان کا

لہ ن ۔ پ اشعار کہ اس وحید روزگار سے مشہور ہیں یہ ہیں

ظلم کرتے ہیں تو ہوتی ہے ترقی ان کی — مثل مریخ ہے خونریز ستارہ ان کا
آبرو کھوتا ہے کیوں پنجۂ مرجاں اپنی — نہیں پھرتا ید بیضا سے بھی پنجہ ان کا
دست گلخوردہ کو دامن میں چھپایا میں نے — گرچہ محفل میں ہوا رات کو چھلا ان کا
پائی جاتی ہے مری آنکھوں سے ابتک یہ بات — ان سراؤں میں کبھی ہوتا تھا اتارا ان کا

طاؤس پھڑکتے ہیں تری جلوہ گری سے — چنگاریاں اڑتی ہیں دم کبک دری سے
رو یا ہوں ادھر اس نے دکھایا ادھر ابرو — سچ ہے کہ رہ کعبہ ہے نزدیک تری سے
انگشت نما خلق میں ہوتا ہے [illegible] — اس غیرت خورشید کی نازک کمری سے
پابند نہیں ہوتے ہیں پاکیزہ طبیعت — بیٹھا نہیں جاتا ہے نسیم سحری سے
مانی نے جو کھینچی ہے شبیہ کمر یار — پر کیا مرقوم اس کا تھا پر بال پری سے
تکلیف شریعت نہیں دیوانہ [1] ہرگز — چھٹکارا ہے دنیا میں تو بے خبری سے
ہے روز ازل سے ہے مری خلط میں داخل — تخمیر ہے اس خاک کی ساغرکی تری سے

یوں مجکو نہ کر ذبح کہ تجسا کہے کوئی — پر کس نے اسے مذبوح کیا بے ہنری سے
اے شوق مجھے پیری سے داغ جگر اپنے — رخصت ہوئے پروانے چراغ سحری سے

لہریں آتی ہیں سیہ مار کو ان بالوں سے — موزیوں کو نہ ملایا کرو تم کالوں سے
صاف رکھتا نہیں جب تو انھیں رومالوں سے — پر ایک دن گال رگڑنے ہیں ترے گالوں سے
دوش کو کیجئے آراستہ پھر بالوں سے — مچھلیاں بازو کی ہوں جب نہ اٹھیں جالوں سے
کیوں رقیبوں کو نہ ساتھ اپنے لیکے وہ یوسف — نرخ ہر چیز کا بڑھ جاتا ہے دلالوں سے

---

[1] [illegible] کو

بوسہ دیتے ہو تو منہ بھر کے ہمیں بوسہ دو | نقش دنداں کوئی دن تو، نہ مٹے گالوں سے
وہ حرارت ہے لہو میں کہ عیاذاً باللہ | تیری تلوار ہوئی میری زباں چھالوں سے
حسب دلخواہ حسیں میری نہ آنکھوں پہ چڑھا | خالی پایا انھیں آئینہ کو تمثالوں سے
رخ و گیسو پہ فقط ہم نے قناعت کی ہے ﭖ | اب نہ گوروں سے ہے مطلب ہمیں کالوں سے
بیٹھ پیچھے بھی بلائیں نہیں ہم لے سکتے | دیکھتے رہتے ہیں نہ سرمہ کے دنبالوں سے

عشق ابرو دم شمشیر پلائے گا مجھے | سبزۂ خط صنم زہر کھلائے گا مجھے
دام میں وہ بت صیاد نہ لائے گا مجھے | ایک عیار ہے باتوں میں اڑائے گا مجھے

یاد ابرو میں رہا کرتے ہیں ﭖ دل میں کعبہ کی بنا کرتے ہیں
خال ابرو پہ بنا کرتے ہیں ،، سنگ اسود کی بنا کرتے ہیں
سجدۂ سہو نماز کعبہ ،، خم ابرو میں ادا کرتے ہیں
چاہیئے یار کو رشتہ کا خلال ،، موتی ہیرے سے بندھا کرتے ہیں
طرہ یہ حسن خداداد پہ ہے ،، خال کاجل کے بنا کرتے ہیں
شوق آئینہ ہمیں شوق نہیں ،، رخ سے رخ اس سے ملا کرتے ہیں

حاتم | شاعر مسلم، شیخ ظہور الدین شاہ تخلص "حاتم" صاحب دیوان، وطن اس کا شاہجہان آباد مشہور نزدیک و دور، تاریخ اس کے تولد کی اظہار ظہور، موجد ان دو باتوں کا، عنوان غزل پر تقطیع اس کی (بحر کی اوزان) دیباچہ میں دیوان کے نام شاگردوں کا، چنانچہ (نام) مرزا رفیع السودا کا (بھی)، اسامی تلامذہ میں داخل اور شاگردوں کو استفادہ سودا سے حاصل تھا، [illegible]

لہ ن - ب من کلام حاتم

رات میں خواب میں زلفوں کو جو پیچاں دیکھا — صبحدم حال دل اپنے کو پریشاں دیکھا
نظر آئے ترے دندان مسی آلودہ — رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا
کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیر خدا — کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

تو صبحدم نہ نہا بے حجاب دریا میں — پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

تو اذیت پیشہ دشمن ہی بغل میں دل نہیں — دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

خوش حال ان کا جن کو ہوئی رخصت چمن — ہم جھانک جھانک کر پس دیوار رہ گئے

تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو — اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل تو چاہ ذقن میں ڈوب گیا[1] — آشنا تھا غریق رحمت ہو
مفلسی اور دماغ اے حاتم — کیا قیامت کرے جو دولت ہو

مجھے تو دیکھ کر کیا تک رہا ہے — ترے ہاتھوں کلیجہ پک رہا ہے

عظیم | صاحب ذہن سلیم، مرزا عظیم بیگ تخلص "عظیم" شاگرد (شاہ) حاتم اگرچہ متعلم[2] تھا لیکن[4] شعر[3] خوب کہتا تھا۔ اکثر مشاعرے میں (آتا اور) صدر پر بیٹھتا تھا بسبب غرور کے کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

---

۱ ن۔ پ معا ۲ ن۔ پ معلم ۳ ن۔ پ شعر میں تلاش ہائے نمایاں رکھتا تھا۔
۴ ن۔ پ دعوئ شاعری ایسا دماغ میں سمایا تھا۔

یہ[1] اس سے یادگار

کل چشم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا ۔۔۔ دامن کا تھا جو تختہ اک تختۂ چمن تھا
اک دن جو نکلا گھر سے خط شعاع کی صورت ۔۔۔ بکھرا ہوا بدن پر ہر تار پیرہن تھا

شعاع کا عین تقطیع میں نہیں آتا یہ اس کے کبر و غرور کا عین نتیجہ ہے۔

یاں عذر پذیرا ہو برے سے نہ بھلے سے ۔۔۔ جوں غنچہ زباں نکلے ہے ٹک لب کے ہلے سے
ابھرے ہے تو اے شیشہ کبھی اپنے دموں پر ۔۔۔ نکلا ہے ترا ہاتھ تو پتھر کے تلے سے
بجتے تھے ولا شیریں لبوں سے نہ ملی تنا ۔۔۔ اب اشل مگس فائدہ کیا ہاتھ ملے سے
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا ۔۔۔ سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
گل ریز کی مانند جز آتش کر عظیم اب ۔۔۔ لائے نہ مری بیل کبھی پھول پھلے سے

فارغ ہیں کشمکش سے جہاں کے شکستہ دل ۔۔۔ پہنچے نہ ہاتھ شانہ کا چینی کے بال پر

اکبر | خوش سخنور شیخ بھجو تخلص "اکبر" شاگرد (شاہ) حاتم من[2] کلامہ

یہ جتنے خوب رو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہے ۔۔۔ گئے پر حسن کے ہر ایک کے وہ پاؤں پڑتے ہیں
خدا چاہے سو ہوئے اب ہمارے حق میں ای اکبر ۔۔۔ صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسہ پہ اڑتے ہیں

گرفتار | سبک گفتار مرزا سنگی بیگ تخلص "گرفتار" شاگرد (شاہ) حاتم یہ بیت اس سے[3] یادگار

درد ہوئے تو کچھ دوا کیجے ۔۔۔ جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجے

رنگین | صاحب کلام متین سعادت یار خاں تخلص "رنگین" پسر طہماسپ بیگ خاں تورانی کہ وہ سرکار میں نواب نجف خاں کی اقتدار کلی رکھتا تھا مشارالیہ فن سپہ گری اور سواری اسپ میں بے نظیر (اور عیب و صواب اسپ سے خوب آگاہ) "فرس نامہ" تصنیف کیا ہوا اس کا نہایت دلپذیر

---

[1] ن: نہ بیت من کلامہ [2] ن۔ پ: یہ دو شعر اس سے یادگار [3] ن۔ ر۔ پ: کی

ریختی[۱] کا کہنا ہے اس کا ایجاد چنانچہ مادہ سے یاد

زبس ہے ریختی ایجاد رنگیں — اسی خاطر کہا کرتا ہے اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے — چہ خوش اس چیونٹی کو بھی لگے پر

شاگرد[۲] شاہ حاتم یہ اس سے قایم

دل رہتا جو بساط اپنی سو گذران چکے ہیں — جی نذر کریں جی میں یہ اب ٹھان چکے ہیں
مت چوک ادھر دیکھ یہ ہو مفت کا سودا — ایک بوسہ پہ دین و دل و ایمان چکے ہیں
سو بار کہا آوں گا اور آئے نہ ہرگز — بد عہد ہو تم ہم بھی یہ پہچان چکے ہیں
پھر چیل نہیں کچھ فائدہ بس ہونے دے رنگیں — وہ منہ پہ دو چٹے کے تیس تان چکے ہیں

قسمیں کرو رچن کے ملنے کی کھائیاں ہوں — یہ سوچ ہو اب ان سے کیونکر صفائیاں ہوں
نرگس کو وہ چمن میں کیا پھر نگاہ دیکھے — وہ انکھڑیاں نشیلی جس کو خوش آئیاں ہوں

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے — مجکو تنہائی میں پہروں خفقان رہتا ہے
شکوہ ہم رکھتے ہیں کیوں ہم ہو دنیا کی یہی — دل جو لگتا ہے تو پھر پاس کہاں رہتا ہے
جو ترے پاس سے آتا ہے میں پوچھوں ہوں کبھی — کہہ[۳] تو کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہے
اس ستمگر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا — قا کوئی رنگین ترے کوچہ میں میاں[۴] رہتا ہے
تو کچھ اک ناؤ سا کھا چیں بجبیں ہو کے نہیں — گالی دے کر یہ کہا اس سے کہ ہاں رہتا ہے

نشہ حسن سے جس وقت وہ مخمور ہوئے — ہاتھ سے انکے کئی شیشۂ دل چور ہوئے
بدگماں اتنا ہوں گزرے مجھے لاکھوں ہی خیال — تم جو نظروں سے میری ایک گھڑی دور ہوئے

---

[۱] ن - پ ریختی گوئی کا موجد چنانچہ کہتا ہے [۲] ن - پ مشہور یہ شاگردی شاہ حاتم یہ اشارہ اس سے یادگار رہے ن - پ کیوں جی [۳] ن - ب یہاں

جی بیچ گے یہ عشق کا جنجال خریدا   اس جنس کو کھو ہم نے عجب مال خریدا

عبث ہے قصد دلا اس سے چاہ کرنے کا پ   نہ ہوئے جس میں سلیقہ نباہ کرنے کا

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے پ   تیری اس منصفی کو آگ لگے

بھلا کرنے آئے برا کر چلے   ہم آئے یقے کیا اور کیا کر چلے

جو کوچہ میں اس نازنین کے نہ ٹھہرے   تو پھر یہ کہو ہم کہیں کے نہ ٹھہرے

شب کو جو آپ اٹھ گئے نیند میری اچٹ گئی
تارے ہی گنتے گنتے پھر رات ساری کٹ گئی   پ

طوطے چھوڑنی تھی کیا کیا خلق پ   جی لگا نا بلا سے جان ہوا

چند شعر ریختی کے بھی لکھے جاتے ہیں کہ ذکر[1] اس کا ہو چکا ہے۔

وارثی تیرے جالوں یہ اخلاق ہو تو خلقت کا   کب مجھ سے بیاں ہوئے ذرہ تیری قدرت کا
کچھ مجھ کو گنہ ہوں کا خطرہ نہیں محشر میں   چھوڑو دل کو نہیں دامن ناتوان قیامت کا
تو وہ ہے جو الٰہی جس نے پیر کر کے زلیخا کو   یوسف کو کیا مفتوں اس چاند سی صورت کا
اور حضرت عیسیٰ کو بن باپ کیا پیدا   مریم کے سر سے ڈالی شاید ہو تو تہمت کا

تو خریدار کی میدی ہے خریدار اصیل (کذا) مارے گردن کبھی نے کو کرکی تلوار جمیل

---

[1] ن - پ دہ بد جدا ان کا ہے

ڈھیلی گرہ لگاؤں تو اتا کہے ہو بولو ل آیا نہ باندھنا تجھے داری ازار بند
باندھوں جو کھینچ کر تو وہ کہتی ہو لوٹیں مجھے کیا کس کے باندھتی ہے تو داری ازار بند
رنگیں تری قسم ہے کہ ہو نیلیا سر عشہ میں مت کھول کر کے منت دزاری ازار بند

جب میں نے کہا کہ مجکو تم سے ملنے کا ہے اشتیاق از حد
یک بار وہ کھل کھلا کے رنگیں بولی کہ چہ خوش چرا انبا شد

خاں | صاف گو خوش بیاں محمدی خاں تخلص "خان" شاگرد رنگین۔
یہ بیت اس سے یادگار ہے

یاد جس وقت تیری آتی ہے مجھ کو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

منیر | خوش تقریر خواجہ آفتاب خاں تخلص "منیر" شاگرد رنگین
من کلامہ

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کروں شانہ کے دانت توڑ کے انچا زباں کروں

بقا | دقت پسند نازک ادا شیخ بقا اللہ تخلص "بقا" پسر حافظ لطف اللہ خوش نویس اکبر آبادی پیشتر "عیش" تخلص قرار دیا تھا جب شاگرد شاہ حاتم کا ہوا بقا تخلص کیا۔ حاتم کے شاگرد تمام مرزا رفیع سودا سے رجوع لائے مگر بقا کہ نام حاتم کا اس سے بقا رہا مگر سودا غایب و حاضر بلکہ اہانت سودا کی اس کے کلام سے ظاہر اور میر تقی میر سے بھی ناصاف (اور) غلطی کا اس کی اعتراف ہر دو بزرگوار کی مذمت سے آلودہ اور خامہ صفحہ ہجو پر فرسودہ رکھتا تھا۔ آخر عمر میں وحشت نے اس کی طبع پر راہ پائی، دیوان کو اپنے اس

۱؎ ن۔ب۔ یہ ۲؎ ن ب۔ زبان ۳؎ ن۔ ب۔ کریں
۴؎ ن۔ ب۔ تخلص نہیں کرتا تھا ۵؎ ن ب قرار دیا۔

کے مکافات میں کہ بہت سے پردۂ ناموس پارہ کیے تھے کاغذ مشکوک کی طرح پارہ[1] کیا چند شعر اس[2] کے کہ احباب کی بیاضوں میں رقم تھے جمع ہوئے حکایت[3] بعد کم ہونے اس وحشت کے عازم بیت اللہ کا ہوا۔ اسباب خانہ مع زمین[4] چارسو روپیہ کو بیچا اور اس کا غلہ (نخود) خرید کر کے کشتی میں بھر لایا۔ وقت رخصت مرزا جعفر صاحب کی ملاقات کو آیا مرزائے موصوف اس وقت دربار جاتے تھے جب ارادہ اس کا سنا خدمت گار اپنا (اس کے) ہمراہ کیا کہ جہاں یہ فروکش ہوں وہ مکان[5] دیکھ آئے۔ دوسرے روز اسی خدمت گار کے ہاتھ پانچسو روپیہ زاد راہ (اور راحلہ) کے واسطے بھیجے۔ (اس) خدمتگار کو دریافت ہوا کہ کل کے روز کشتی روانہ ہوئی۔ سبحان اللہ کیا بے نیازی تھی کہ امیروں کے بھی احسان کا انتظار ناگوارا تھا۔ خواجہ وزیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں جو شخص شعر تہ دار[6] کہہ کے لاتا ہے فرماتے ہیں اب تم نے شغل بقا اہل کوئی اختیار کی (ہے) من کلام بقا

کعبہ تو سنگ و خشت سے اے شیخ مل بنا کچھ رنگ بچ رہا تھا سو اس بت کا دل بنا

یہ مطلع[7] اس کا مرزا رفیع سودا کا جواب ہے۔ اب اگر کوئی کسی کے جواب میں ایسا شعر کہے نافہم اسی کا مضمون تصور کرتے ہیں۔ سودا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

حاصل یہ کہ اس راقم نے مطلع پر خواجہ حیدر علی آتش کے یہ مطلع کہہ کر ایک صاحب کے روبرو پڑھا۔ کہنے لگے وہی مضمون ہے۔ دونوں مطلعے لکھے جاتے ہیں۔ آتش

---

[1] ن۔ پ چاک کیا [2] ن۔ پ کہ یادگار ہیں و احباب کی بیاضوں میں جمع ہوئے ہیں [3] ن۔ پ نقل ہے کہ [4] ن۔ پ خانہ [5] ن پ اہل

[6] ن۔ پ مرزا رفیع کے مطلع کا یہ جواب ہے۔

اٹھائے بارِ عشق اس عالم غدار میں آئے کہاں سے ہم کہاں پکڑے ہوئے بیگار میں آئے
نہیں ہم آپ سے اس وادی پرخار میں آئے (ملونہ) جنوں سرہنگ تھا پکڑے ہوئے بیگار میں آئے

من کلامش[۱] - بقاؔ :-

اتنا ہوا ضعیف کہ میرے مزار پر جو برگ گل پڑا سو وہ چھاتی کی سل بنا
ہو کر سیہ بقا کا ستارہ نصیب کا روز نخست عارض خوباں پہ تل بنا

قضا نے حال کل جب صفحہ تقدیر پر لکھا مری دیوانگی کا ماجرا زنجیر پر لکھا
نہیں تجھ سے ہمیں دعوائے خوں گو شمع نے قاتل
اب اپنے خون کا محضر گریزن گل گیر پر لکھا [پ]
یہ سب مضمون ہے شیریں کوہکن کی رو سپیدی کا جہاں تک موج سطروں کی ہر جوئے شیر پر لکھا
بقا کے دل میں آ آئینہ تیری قدر کیا جانے پر عبث ہے نقش گل کو بلبل تصویر پر لکھا

خالِ لب آفت جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا پر دام دانے میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

(مضمون فارسی)

خالِ لب آفت جاں بود نمی دانستم پر دام در دانہ نہاں بود نمی دانستم
خواہش سود تھی سودے میں محبت کے تئیں پر سر بسر اس میں زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
میں تو آیا تھا بقا باغ میں سن جوش بہار پر یہ ہنگام خزاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

دست ناصح جو مری جیب کو تک[۳] یار لگا پھاڑ دوں ایسا کہ پھر اس میں نہ پیوند لگا

۱؎ ن - پ کلام بقا ۲؎ ن - پ ہے

۳؎ ن - پ اس

پہونچی اس بت کو خبر نالۂ تنہائی کی   مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا
مرغ زیرک تھے تہ دام نہ آئے ہرگز   اڑ گئے ہم سر صیاد پہ منقار لگا

مت تنگ ہو کرے جو فلک تجھ کو تنگ دست   آہستہ کھینچیے جو دبے زیر سنگ دست

کیوں نہ شانہ سے دب چلیں یہ شوخ پر ان کی جو لٹ[1] دبی ہے اس کے ہاتھ

لاؤں جو شکوۂ شب ہجراں سخن کے بیچ   جوں شمع پھر زباں نہ سمائے دہن کے بیچ
بانگ تکبیر تو ایسی ہے بقاؔ سینہ خراش   انگلیاں آپ مؤذن نے رکھیں کان کے بیچ
رکھتا ہے یوں وہ زلف سیہ فام دوش پر   صیاد جس طرح سے رکھے دام دوش پر
اک دن لے گا شیخ تو پھر مے کشوں کے ساتھ   سر پر لیے پھرے گا سبو جام دوش پر
ہے دل میں گھر کو شہر سے صحرا میں لے چلیں   اٹھوا کے آنسوؤں سے در و بام دوش پر
ڈالا نہ بار عشق زمیں پر بقاؔ نے یار   پر سر سے گرا تو اسکو لیا تھام دوش پر

مجکو بقاؔ بہر سخن خامہ دار پر   سارے بدن میں یہ زباں ہے عزیز

آدیں شبی میں جو وہ رخسار آتش رنگ و شمع   تو نہ ہو ہم سنگ یک دیگر مگر یا سنگ و شمع
بزم آرائی کریں وہ باغ میں شب کو تو ہو   فندق اس کے دست زیبا کی نہ یہ تہ زر رنگ شمع

اس لب سے رس نہ چوسے قدح اور قدح کے[2] ہم   تو کیوں نہ لے سبو سے قدح اور قدح سے ہم

---

[1] دیوان بقاؔ مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی۔ لگی [2] ن۔پ کرے

بوسے تیرے دہن سے یہ ہنگام میکشی / لے ہے کس آرزو سے قدح اور قدح سے ہم
پلتے ہیں میکدے میں بقا روز فیض سے / خم سے سبو قدح سے قدح اور قدح سے ہم

قتل سے عاشق کے تونے اب تو کھائی ہے قسم / آخر اے قاتل یہ باتیں پیش پا افتادہ ہیں

آہیں افلاک میں مل جاتی ہیں / محنتیں خاک میں مل جاتی ہیں
صورتیں آبلہ ہائے دل کی / خوشۂ تاک میں مل جاتی ہیں
صید بسمل کی نگاہیں صیاد / تیرے فتراک میں مل جاتی ہیں

مجھ سے کب تک اس دل صد چاک کا پیوند ہو / اب یہ دیوانہ الٰہی خاک کا پیوند ہو

تونے اس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو / پہ کہ مرے پہ بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو

شب گزری اب اے سحر کے نالو / پھر چرخ پہ برچھیاں سنبھالو
گر قتل کیا بقا کو تم نے / تو بات یہ منہ سے مت نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق / جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

وہ روداں کہتے ہیں جس کو جرس محمل ہے / پہ محنت راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے
آستین حشر کے دن خون سے تر ہو جسکی / پہ بہ یقیں جانیے اس کو کہ مرا قاتل ہے
چمن میں لالہ نہیں تجکو دیکھ کر قاتل / زمیں سے خون شہیداں نے جوش مارا ہے

لہ ن. پ بوسہ

مری چشم میں کیوں نہ خونناب اترے   کہ دریا میں البتہ سرخاب اُترے
کوئی موج ہے تا بہ گردن نہ گزرے   پ   یہ دریا کئی بار پایاب اُترے
بقا اور اک جام ساقی سے لے تو   پ   کہ سر سے خمار مے ناب اُترے

مرا دل اب تو جوں شبنم بندھا ہے گل کے پلے سے
پ
ڈرا مت مجکو اے مرغ چمن تو اپنے گلے سے
پ

تھے ہم استادہ ترے سو رہ دل لے بیٹھ گئے   پ   تو نے چاہا تھا ٹلے پر نہ ٹلے بیٹھ گئے
گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے تیرے   پ   در پہ نالے کئے یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
اشک دریا کی شدت نہ تھمی گرچہ بقا   پ   گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے چلے بیٹھ گئے

گر اپنا قد رعنا تم مجکو دکھا دوگے   پ   تو میرے تئیں گویا پیری میں عصا دوگے
اے کاش یونہی ملتے دو چار برس آگے   پ   خط آنے پہ ملتے ہو کیا خاک مزا دوگے

رخ اس کا صفائی ترے طوے کی نہ پادے   پ   خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ پہ چڑھا دے

اگر بزیر مژگاں لوہو دل کا لخت دم لے   پ   جیسے کوئی مسافر زیر درخت دم لے

سپاہ عشرت پہ فوج غم نے جو مل کے مرکب بہم اٹھائے   پ   ادھر تو نالے کا تاشہ کڑکا اُدھر فغاں نے علم اٹھائے
سبب لے رقیبوں کے بزم میں جا ب گئی وہ آپس کی ہم نشینی   پ   ہم آن بیٹھے تو اٹھ گیا وہ، وہ آن بیٹھا تو ہم اٹھ آئے

ہاں میاں سچ ہے تمھاری تو بلا ہی جانے   جو گزرتا ہے مرے دل پہ خدا ہی جانے

دل سے مت پوچھ جو ہے کاٹ ترے ابرو کا ل جوہر برش شمشیر سپاہی جانے
طور برا اپنے سخن کو نہ برا کہتا ہے ل پھر یہ انداز جو پوچھو تو بقاؔ ہی جانے

در ہجو میر

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر اس میں ہوئے جو نام شاعر کا
لے کے دیوان پکارتے پھریے ہر گلی کوچہ نام شاعر کا"

میر نے تو ترا مضمون دو آبے کا لیا پر بقاؔ تو یہ دعا دے جو دعا دینی ہو
یا خدا میر کی آنکھوں کو دو آبہ کر دے اور بینی یہ بہا اس کی کہ تربینی ہو

در ہجو مرزا و میر

مرزا و میر باہم دونوں تھے نیم ملّا فن سخن میں یعنی ہر ایک تھا ادھورا
اس واسطے بقاؔ اب ہجو دل کی ریسماں سے دونوں کو باندھ باہم میں نے کیا ہے پورا

عیب ہے گرچہ کثرت یک فنا سخن فارسی سے تا ہندی
پر جدا ہے تمام عالم سے طرز سودا و وضع میر تقی
یعنی دو ان لفظ تو ہے پرکن شعر نہیں نہ یاں ہے کلام کی بھرتی
کھول دیوان دونوں صاحب کے اے بقاؔ ہم نے جب زیارت کی
شعر سودا و میر کے دیکھے وہ تو تو تو کرے ہیں یہ ہاہا ہی

(رباعی)

زاری کی میری کا نہ یار کو شرم ہوئی پر رونے سے نہ اس کی طبیع کچھ نرم ہوئی
ہر آہ خنک بقاؔ تھی اس پر پر اب نالہ گرم سے بہت گرم ہوئی

ل ن ۔ پ میر و مرزا کی ہجو و مذمت میں جو زہر اس کے قلم سے ٹپکا
ہے وہ یہ ہے ۔ ن ۔ پ کھی

آوارۂ وادی طلب کو افلاک ٭ ہر گاہ کرے جور تعدی سے ہلاک
پیوند زمیں کر کے کبھی آرام نہ دے ٭ پھر شیشۂ ساعت میں بھرے اسکی خاک

می خواست بقاشام دسحراز پے نام ٭ کاغاز کلام را رساند بہ تمام
بسیار بگفت وگفتۂ انجام نیافت ٭ بس کرد کلام ختم شد ختم کلام

نوا سخنور بے مثل شاعر یکتا ظہور اللہ خاں تخلص "نوا" قوم شیخ قصبہ بداؤں اس کا وطن (پیش گاہ سرکار) شاہزادہ مرزا جواں بخت کی سرکار سے بہ خطاب خانی ممتاز (ہوا) بقاءُ اللہ بقا سے حاصل فن سخن (اس نے کیا تھا) قلندر بخش جرأت سے بر سبیل شاعری اس سے مکابرہ و مناظرہ ہوا۔ آخر نوبت ہجو و مذمت پر پہونچی دو ایک بند اس مخمس کے کہ جرأت نے اس کی ہجو میں کہے ہیں (بطریق مذکور) لکھے جاتے ہیں۔

اب ان کو دے شفق چرخ شال نارنجی ٭ بنا جو کرتے تھے لیل و نہار شطرنجی
یہ دیکھ کیونکہ نہ الجھے بخانۂ تن جی ٭ ظہور حشر نہ ہو کیوں جو بکلہڑی گنجی
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی

فلک گدائی کو دے چرخ منصب شاہی ٭ جو گھس کھدے ہوں وہ اوڑھیں دُشالہ کاہی
ستم ہے پائے جو دھیور مراتب و ماہی ٭ غضب ہو جغد کی مادہ کبھی ہو کے جب داہی
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی

ظہور اللہ خاں جو اس کی ہجو میں نوا سنج ہوئے ہیں اس کا بھی ایک بند لکھا جاتا ہے۔

ایک دن کہنے لگا جورو کے منہ پر ہاتھ پھیر ٭ قدرت حق سے لگی ہے ہاتھ اندھے کے بٹیر
وہ لگی کہنے کہ ایسا ہے یہ بھڑوا نیم سیر ٭ بدگماں بھائی سے اپنے ہو لگے گر مجکو دیر

کور بے ایمان حرامی سخت نرم ساق ہے

دو چار شعر نوا کے[1]

ہے دل یار تجلی کدۂ برق غضب ‏ ‏ ‏ ‏ بس بس اے آہ یہاں جلتے ہیں تاثیر کے پر

ان دنوں ایسے ہیں انفاس مسیحا مہلک ‏ ‏ ‏ ‏ کترے تقدیر نے ایسے مری تدبیر کے پر

اب اشک تو کہاں ہے جو چاہوں ٹپک پڑے ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھوں سے وقت گریہ مگر خوں ٹپک پڑے

یاں تک ہے جوش اشک کہ آنکھوں سے تجھ بغیر ‏ ‏ ‏ ‏ یک قطرہ آب چاہوں تو جیحوں ٹپک پڑے

نثار سخن ور ریختہ کار، شیخ محمد امان تخلص "نثار"۔ بزرگ اس کے پیشۂ معماری کا کرتے تھے۔ بنیاد شاہجہاں آباد کی، طرح ڈالی ہوئی ان کی ہے چونکہ معمار ہے ریختہ اس کا پایدار و استوار۔ حاتم کے شاگردوں میں نامور، دیوان ضخیم اور بزرگ تر اس سے یادگار دلی میں اس کا اشتہار (من کلامہ)

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے ‏ ‏ ‏ ‏ نظروں ہی سے چاہے جسے مار رکھے ہے

خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے ‏ ‏ ‏ ‏ لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہے

اس رشک سے ہم کیوں کہ نہ سر سنگ سے ماریں ‏ ‏ ‏ ‏ آئینہ ترے حسن کی لوٹے ہے بہاریں

شیخی کو آفتاب کی ذرہ گھٹائیے ‏ ‏ ‏ ‏ پ برقع اٹھا کے یار کا مکھڑا دکھائیے

نامہ کو میرے پڑھ کے پٹک دے ہے زمیں پر ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک

---

[1] ن ۔ ب یہ دو چار شعر کہ اس سے یادگار ہیں

جاتے ہی اڑی گرد نشاں اس کی گلی کو — کی عشق نے اس شوخ کی تاثیر سو کیا خاک

خواہش دل کی تھی جو کچھ وہ بات بن آئی نہ ہائے — آہ کیا کیا سودے تھے دل میں ٹھہراتے رہے
آئینہ نے دی جو تیرے خط کے آنے کی خبر — اپنی زلفوں کی طرح یہ دل میں بل کھاتے رہے

مظہر تارک الدنیا، درویش با سروسامان، صاحب دو زبان، ہندی گو، فارسی خواں، شاعر بہتر مرزا جان جاناں تخلص "مظہر" مشائخ کبار، ابراہیم ادھم شعار، میر عبدالحئی تاباں کی محبت میں زار و نزار تھا۔ بپاس خاطر میر موصوف کے کبھی کبھی شعر ہندی زبان پر بھی جاری ہوتا۔ (والاّ) وہ فارسی گوئی میں ناموری رکھتا تھا۔ حکایت جب استیلائے فوج نادرشاہ مردم دہلی پر ہوا اور لشکر مخالف ہر گھر میں غارت کو در آیا مرزا کی امتعہ پر بھی دست ستم دراز کیے اس وقت برائے چاشت فقرا دیگ کھچڑی کی ادجاغ پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ میمون سرشت اسے ابالنے کھانے لگے۔ مرزا نے باوجود جور و ستم کے ان سے کہا روغن اور اچار طاق پر دھرا ہوا ہے اس سے کھاؤ کہ مزا دے

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

چونکہ مرزا موصوف تعزیہ داری کو بسبب تصوف کے بدعت جانتے تھے ہفتم ماہ محرم کی کسی نے ایک قرابین ان پر سر کی کہ وہ بہانہ ان کی موت کا ہوا۔ تاریخ ان کی وفات کی جو سودا نے کہی تھی وہ یہ ہے

مظہر کا ہوا جو قاتل ایک مرتد شوم — اور اس کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات اس کی لکھی از روئے درد — سودا نے کہ ہائے جان جاناں مظلوم

(من کلام مرزائے ذوی الاحترام)

اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ — اس سے لگا ہوا ہوں چمن کی ہوا کے ہاتھ
برگ حنا پہ یارو میرا حالِ دل لکھو — شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے — کہاں اُس کو دماغ اور دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

لوگ کہتے ہیں موا مظہر بیکس افسوس — کیا ہوا اس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

یقین | شاعر خوش ظاہر کلام اس کا متین انعام اللہ خاں تخلص[۱] "یقین" پسر اظہر الدین خاں مزاج[۲] داں، شیریں زبان، حسن و وجاہت میں یوسف کنعان، مرید اور شاگرد (میرزا) مظہر دیوان اس کا صحیح اور مرتب کیا ہوا۔ مرزا کا اکثر شعرا نے بہتر اور نایاب سمجھ کر اس کے مضمون پر تصرف کیا۔ چنانچہ یہ شعر حجت

حقِ یقیں کو یارو برباد مت دو آخر — طرزِ سخن کی تم[۳] نے اس کی اڑائیاں ہیں،

ٹک اک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہے جفا کوئی — پر کرے گا بعد میرے کس تو قع پر وفا کوئی
عجب ڈھب سے کیا ہے قتل مجکو اسکو مت ٹوکو — طلب کرتا ہے اپنے قاتلوں سے خونبہا کوئی

بُت کرے سجدہ تیرے حسن خدا داد کو دیکھ — سرو بندہ ہے[۴] تیری قامت آزاد کو دیکھ
ان گنہگاروں میں ہوں میں کہ مرے کے مارے — جی نکلتا ہے میرا دور سے جلاد کو دیکھ
عشق کے جور و جفا میں تجھے گر شک ہو یقیں — عشق پرویز کو اور محنت فرہاد کو دیکھ

---

[۱] ن۔ پ تخلص بہ [۲] ن۔ پ میرزا مزاج [۳] ن۔ پ اسکی تم نے [۴] ن۔ پ ہو

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح　　رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کفِ پا بے طرح

نہیں معلوم اب کی سال میخانہ پہ کیا گزرا　　ہمارے توبہ کے کرنے سے پیمانہ پہ کیا گزرا
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے　　پ خدا جانے مری صورت سے بتخانہ پہ کیا گزرا

سر پر سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا　　مجھے ظلِ ہما سے سایہ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں　　کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند　　بوئے گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقیں　　گھر سے جو باہر ہوا لڑکا وہ ابتر ہوگیا

باغباں بے رحم اور در بند دیواریں بلند　　پ بلبلِ بے بال و پر جاوے چمن میں کس طرح

اس لسبتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے　　جی میں ہے اس مصرعہ موزوں کو تضمیں کیجئے
عشق میں راحت نہیں ملتی مگر جوں کوہکن　　جان شیریں دیجئے تب خواب شیریں کیجئے

چھٹے اس زندگی کی قید سے اب زاد کو پہنچے　　وصیت ہے ہمارا خونبہا جلاد کو پہنچے
نکلا صبر سے کچھ کام اب فریاد کرتا ہوں　　یہ ری فریادہی شاید مری فریاد کو پہنچے

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجکو　　ل کیا عیش کر رہا ہے ظالم دوانہ بن میں
جبکہ میر تقی نے اس شعر میں دخل کیا ہے　　خوش نصیبی کو خوش ہواشی بنایا ہے

دکھ تو دیتا ہے کروں تجکو بھی حیراں تو سہی | باغباں اب کی اجاڑے یوں گلستاں تو سہی
اب تو ناصح کے تئیں سینے دو میرا چاک جیب | تار تار اس ضد سے کر ڈالوں گریباں تو سہی

نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جائیں چھوڑ بت خانہ | پ کرے واعظ ہمیں ارشاد جتنا اسکا جی چاہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں | یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے اور جلا بھی ہے[1]
یہ آرزو ہے کہ اس بے وفا سے یوں پوچھوں | کہ میرے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

سایہ بے شخص نہیں رہتا ہے کہتا ہے یقیں | پ آپ سے مجکو جدا حضرت مظہر نہ کرو

یکرنگ | شاعر بافرہنگ (شیریں زباں) مصطفیٰ خاں تخلص "یکرنگ" شاگرد مرزا[2] جان جاناں ہے[3] اشعار اس سے یادگار

ہر گز تم اب کسی کے سخن آشنا نہیں | سب خوبیاں ہیں تم میں ولے اک وفا نہیں
یک رنگ نے تلاش کیا ہے بہت سنو | مظہر سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں

حشمت | طبیعت اس کی رواں، سخن میں متانت، محتشم علی خاں تخلص "حشمت" پسر میر باقی۔ شعر (فارسی) نہایت مزہ[4] کے ساتھ کہتا تھا۔ (کبھی کبھی شعر ہندی زبان پہ آتا اور مرزا مظہر کی صحبت میں اٹھتا تھا) تتبع مرزا مظہر جان جاناں۔ یہ اس کا بیان۔

گور کے بھی سونے والوں کو جگاتی ہے بہار | شور ہے غل ہے قیامت مست آتی ہے بہار
حشمت اپنا زرد[5] دل تو اس برس مظہر سے کہہ | ہم نے گی ہے تو یہ اور دھوم مچاتی ہے بہار

---

[1] ن۔ پ کچھ [2] ن۔ پ منظہر [3] ن۔ پ من کلام
[4] ن۔ پ لطافت [5] ن۔ پ دکھ

تاباںؔ مشہور یوسف کنعاں، میر عبدالحئی تخلص "تاباں" [۱] چار سوئے دہلی میں اس کے حسن کی شہرت نہایت تھی۔ چونکہ عنفوان جوانی میں وہ یوسف جمال طعمۂ [۲] گرگ اجل کا ہوا تھا ہر شخص نے واسطے تسلی خاطر کے صورت اس کی کھنچوائی تھی (اور پاس رہتی تھی) حشمت کی شاگردی کا اقرار اور یہ اشعار [۳] اس سے یادگار

زبس تیری مژگاں کی [۴] ہے محکو الفت جہاں دیکھ لیتا وہاں لوٹ جب تا

رہتا ہے خاک وخوں میں صدا لوٹتا ہوا پ میرے غریب دل کو خدا جانے کیا ہوا

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح یارب کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا

تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم کھودی بہار خانے تمھاری بھلا ہوا

جفا سے اپنی پشیماں نہ ہو ہوا سو ہوا تری بلا سے میرے دل پہ جو ہوا سو ہوا

سبب جو تیری شہادت کا یار سے پوچھا پ کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو ہوا سو ہوا

ندیمؔ مرثیہ گو قدیم، مرزا علی نقی تخلص "ندیم" یہ [۵] شعر اس کا واسطے یادگاری کے ترقیم ہوا

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

فغاںؔ شاعر خوش بیاں کوکہ خان تخلص "فغاں" شیرینی شیر و شکر اس کے کلام میں اور [۶] شاگردی ندیم کا اقرار خاص وعام میں یہ چند شعر کہ مزہ ان میں شیر خالص کا ہے لکھے جاتے ہیں۔

---

[۱] ن۔ پ حسن اس کا چار سوئے دہلی میں شہرت تمام رکھتا تھا [۲] ن۔ پ لقمہ
[۳] ن۔ پ شعر [۴] ن۔ پ سے [۵] ن پ ایک شعر اس کا لکھا جاتا ہے
[۶] ن۔ پ اور اقرار شاگردی ندیم خاص وعام میں کرتا تھا۔

ہر چند کہ ندیم کا شاگرد ہے فغاں ۔۔۔ دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہوئیگا

مت قصد کر صبا تو دل داغ دار کا ۔۔۔ ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا
کرتا ہے وصل میں در و دیوار پر نظر ۔۔۔ تجکو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمی بازار ۔۔۔ مرتے ہم اگر سایہ دیوار نہ ہوتا

رفتہ رفتہ بت خوش قد مرا آفت ہوگا ۔۔۔ قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا ۔۔۔ قصہ[۱] ٹلا عذاب چھٹا[۲] اور خلل گیا

آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہو گیا ۔۔۔ ایسا فغاں کے نام سے بیزار ہو گیا

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کیا سنا نہیں ۔۔۔ خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئے ۔۔۔ دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

دل بسکہ قفس سے یہاں تنگ ہوئی مجھے ۔۔۔ گویا مرا قفس میں کبھی آشیاں نہ تھا

---

[۱] ن ۔ پ اب
[۲] ن ۔ پ عذاب سے چھوٹے خلل

تم کو روزی ہو مری جان دعائیں لینا[1] مجکو ہر شب، تری زلفوں کی بلائیں لینا

قاتل کا داد خواہ میں کیوں کر ہوں روز حشر پ لوہو مرا بہائے دیا شست دشو کے بیچ

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہوئے رکاب میں تجھ کو خدا نہ لادے ہمارے مزار پر

توشۂ راہ سبھی ہم سفراں رکھتے ہیں تیرے دامن میں فغاں لخت جگر ہے کہ نہیں

تا حشر کم[2] نہ ہوئے گی ظالم طپش دل کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں بے بال و پر ہوں اے مرے صیاد کیا کروں
نے زندگی میں وصل میسّر نہ بعد مرگ پ عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں لینا نہ نام[3] کو مرے اے نامہ بر کہیں

رکھتا ہے دوست چرخ مرے دود آہ کو زلف سیہ سے ربط ہے بخت سیاہ کو
جہر علی ہے دل میں گر خوف روز حشر تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کو

صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

---

[1] ن۔ پ تجکو [2] ن۔ پ نہ کم [3] ن۔ پ میرے نام کو

نقد دل لے کر فغاں کا چھوڑ دینا ہے عبث ٭ گرم کرتی ہے خریداری ترے بازار کو
مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو ٭ اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی ٭ اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
شکوہ تو کیوں کرے ہے سرے اشک سرخ کا ٭ تیری کب آستیں مرے لو ہو سے بھر گئی
تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں ٭ انصاف کو نہ چھوڑ مروت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے ٭ یوں بھی گذر گئی مری وہ بھی گذر گئی
آخر فغاںؔ وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا ٭ وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی

آتا ہے سری خاک پہ ہمراہ رقیباں ٭ یعنی مجھے تربت میں بھی آرام نہ ہوئے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے ٭ میں صید بلاکش ہوں مرا دام یہی ہے
بھر لیجیو دامن میں فغاں لخت جگر کو ٭ ہم خانہ بدوشوں کا سرانجام یہی ہے

یہ فن کسے نہیں آتا جو دل میں راہ کرے ٭ فغاںؔ میں اس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلانہ دے ٭ یہ دل بھی دل نہ ہوے جو تجکو دعا نہ دے
بے طرح جوش گل نے چمن میں لگائی آگ ٭ ڈرتا ہوں آشیانہ کو کافر جلا نہ دے

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے ٭ عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے

لہ ن۔پ تو

یار اگر جفا کرے چاہیئے دل وفا کرے　　یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے　　مرے تو مر نہیں سکتا جیئے تو خاک جیے

صابر فقیر[1] اور شاگرد صابر علی شاہ تخلص "صابر" ہم عصر (رفیع) سودا ہیں کلام

نظر بھر کے ہمیں اک دیکھنا اسکا کفایت ہے　　جو ہم بستر نہ ہو ہم سے تو کیا اسکی شکایت ہے

فدوی مغرور بہت اور کم دستگاہ "فدوی" لاہوری شاگرد صابر علی شاہ،

بقال پسر (اور) نو مسلم تھا مرزا (محمد) رفیع السودا نے (کہ) قصہ بوم اور بقال کا اس کی ہجو میں بیان کیا ہے وہ[2] اشارہ ہے۔ دعوی شاعری اس کے دماغ میں حد سے زیادہ اور مرتبہ شاعری سے گذر کر قدم جادۂ امرو پرستی پر آمادہ تھا۔ اس فعل شنیع پر بارہا نوبت خانہ جنگی کی پہنچی تھی بدن اس کا زخموں سے چور چور مگر علت سے ناصبور تھا۔ قصہ یوسف زلیخا کو حسب فرمائش نواب ضابطہ خاں کے اس نے ہندی میں نظم کیا تھا اور اسے اپنا مایۂ انبساط جانتا[3] تھا حالانکہ اس پر یہ مثل عاید ہوتی تھی کہ ساری زلیخا پڑھی مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ زلیخا مرد ہے یا عورت۔ جب مرزا رفیع نے یہ بند مخمس کا اس کی مذمت میں (اس کے) بالمشافہ پڑھا

جہاں میں کون بناتا ہے الو بنیے کا　　کسی سے بن کوئی جاتا ہے الو بنیے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے الو بنیے کا　　بنا مجھی کو یہ آتا ہے الو بنیے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے الو بنیئے کا

مصرعہ[4] آخر پڑھنے والے کی طرف عاید ہوتا ہے فدوی نے کہا اللہ مبارک کرے یہ فقرہ

---

[1] ن۔ پ بے نوا اور شاگرد　[2] ن۔ پ اس سے اشارہ دعوے شاعری کا
[3] ن۔ پ سمجھتا　[4] ن۔ پ چونکہ یہ مصرعہ

نثر کا سودا کی نظم پر اس وقت، غالب ہوا۔ اسی سے یہ نقل مزار لکھی ہے۔ ایک دن فدوی نے سر بازار سودا کو گالیاں دیں۔ سودا نے کہا فدوی اسی قابل ہے۔ اس مقام پر یہ حدیث کتنی مناسب ہے من منتخب ضحک۔ دو چار شعر فدوی کے لکھے جاتے ہیں۔

ابرو کے تیری تیغ سے سورج ڈرے ہوئے | پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوئے
آنسو نہیں ہیں دیدہ تر میں بھرے ہوئے | موتی ہیں آبدار صدف میں بھرے ہوئے
فدوی ہمارے دیدہ گریاں کے فیض سے | اشجار کوہ و دشت ہیں یکسر ہرے ہوئے

سودا کے مقطع کو اس نے مقطع کیا ہے (مضمون) سودا سے

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے | یہ دیدے وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

فدوی :-

ٹلتے ہیں کوئی ہاتھ چلے یا زباں چلے | ہمزاد خواہ ساتھ ہیں اس کے جہاں چلے
کب ہمسری ہے تیر کی اس تیر آہ سے | اک تیر ہے یہی کہ سدا بے کماں چلے
سر پہ تو دھر کے نعش ہماری کو، تا مزار | ہر اک قدم پہ روتے ہوئے خونفشاں چلے
لائے تھے سر پہ دھر کے کس اخلاص سے ہمیں | بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی اے دوستاں چلے

واللہ عالم میاں مصحفی نے کیا سمجھ کر ان دو شعروں کو داخل انتخاب کیا ہے۔ ایک ناموزوں دوسرے میں حشو زاید

یاروں نے اپنی راہ لی فدوی ہمیں رہے | پ وہ چیز اب کہاں ہے جو پوچھے کدھر چلے
یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی | پ نرگس یہاں تکتا ہے چمن راہ کسی کی
اک دن اس نے دکھائی تھی مجھے گردش چشم | وہ ادا یاد رہی یار گئی مرتے مرتے

لہ ن۔ ب آیا۔ من ضحک منتخب دو چار شعر فدوی کے لکھے جاتے ہیں

لہ ن۔ پ سمجھ کر ن پ۔ کے داخل انتخاب ان دو شعروں کو کیا

نہیں تابِ خموشی ہے نہ یارائے سخن	بات بھی تجھ سے (جو) کرتے ہیں تو ڈرتے ڈرتے

تماشہ ہے اگر آئینہ بے زنگار ہو پیدا	تحیر کے مکاں سے عکس روئے یار ہو پیدا
جسے کچھ نکتۂ تحقیق سے پہنچے خبر قدری[1]	اسی کے دل میں عشقِ حیدرِ کرار ہو پیدا

آرزو | شہسوارِ عرصۂ گفتگو، سخنورِ مسلم، (شاعر) آبرو سراج الدین خاں تخلص بہ "آرزو" یہ اشعار بقول اعظم الدولہ میر محمد خاں تخلص سرور (خاں) مولف[1] تذکرہ چار باغ اس سے یادگار

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے	چمن میں آج گو یا پھول تھے تیرے شہیدوں کے

اگرچہ قافیہ عندلیب کا غریب ہو سکتا ہے مگر چند نسخوں میں یہی دیکھا ہے ۔۔۔ اللہ اللہ خان آرزو کہ تمام عالم پر دست تصرف اس کا دراز اور اس مطلع سے کہ ایطائے جلی ہے بے نیاز

آتا ہے ہر سحر اٹھ اس کی برابری کو	کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

شوق | شاعر پاکیزہ (خو) حسن خاں تخلص "شوق" شاگردِ خان آرزو ۔ یہ (دو شعر) اس سے یادگار

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے[3] گزرا	مرا فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گزرا
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے	ہر علم نہیں کمر کہاں ہے

سرور | شاعر معتبر (امیر مفتخر) اعظم الدولہ امیر محمد خاں تخلص "سرور" صاحب تذکرہ مسمیٰ بہ چار[4] باغ ۔ شاگرد خان آرزو ۔ یہ اس سے یادگار

فرہاد و قیس کے سے یک بار مار ڈالے	اس عشق کینہ جو نے کیا یار مار ڈالے

---

[1] ن ۔ پ صاحب [2] ن ۔ پ یہی دیکھنے میں آیا ہے [3] یہ شعر غیر منقوط [4] سرور کے تذکرے کا نام عمدہ منتخبہ ہے تذکرۂ چار باغ نام کا کوئی بھی تذکرہ نہیں ہے ممکن ہے ۔ یہی تذکرہ ان کے زمانہ میں اس نام سے مشہور ہو گیا ہو ۔ سرور نے اپنے تذکرہ عمدہ منتخبہ میں کسی کی شاگردی کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ صاحب خمخانہ جاوید نے اپنے تذکرے کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۰ پر سرور کو ان ہی کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

لگایا اس کماں ابرو سے جب[1] سے اپنا دل ہم نے — کیا تیر ملامت کا نشانہ ایک عالم نے

ہم دیکھتے ہی یار کو بے ہوش ہو گئے — شکوے جو یاد تھے وہ فراموش ہو گئے

نامہ کس سوختہ جاں کا یہ لیے جاتا ہے — بازوؤں سے جو ہلاتا ہے کبوتر پنکھا

ہاتھ اپنے رہے زیر بغل بعد فنا بھی — ہے[2] بسکہ ہم آغوشی دلدار کی حسرت

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا — یوسف مصر مگر تو بھی ہے اے یار عزیز

رو برو غیروں کے کیا شکوہ[3] کروں میں آپ کا — ہو رہیں گی پھر کہیں باتیں ہماری آپ کی

جگ میں ہے یہ بیٹھی رہتی کیجئے فریاد سے — بے ستون کو پھینک دیجئے کھود کر بنیاد سے

محو صورت اسے نو خط جو بنایا تو نے — باغ سبز آئنہ کو خوب دکھایا تو نے

مضمون دہاں یار کا مجھ سے نہاں نہیں — مانند میرے اور کوئی نکتہ داں نہیں

(بسلسلہ حاشیہ صفحہ ۹۳)

والد ابوالقاسم خاں سامی کا شاگرد بتایا ہے۔ تذکرہ محولہ نغز میں مرزا جان بیگ سامی کو ان کا معلم اور میر فرزند علی موزوں کو ان کا استاد بتایا گیا ہے دیگر تذکرہ نویسوں نے نیز سرور نے خود اپنا نام میر محمد خاں لکھا ہے (نسیم)

[1] ن۔ پ اپنا جب سے [2] ن۔ پ تھی

[3] ن۔ پ شکوہ کیا۔

سبزہ خط جلوہ گر ہے یوں رخ دلبر کے پاس — جس طرح پھولا ہو ریحاں لالۂ احمر کے پاس

فارغ[۱] "فارغ" تخلص میر احمد خاں مہین پور اور تربیت[۲] یافتہ اعظم الدولہ سرور۔ یہ اس کا بیان

اپنے دیوانے کا تو شوق گرفتاری تو دیکھ — پاؤں مر کر بھی نہ نکلے حلقہ زنجیر سے

بہار شاعر ارجمند، نیک شعار، ٹیک چند تخلص "بہار" مولف "بہار عجم" شاگرد خان آرزو۔ یہ (شعر) اس سے یادگار

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں — کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

مضمون[۳] میاں شرف الدین تخلص "مضمون" اولاد سے فرید شکر گنج کی تھے اور شاگرد خان آرزو کے۔ بزرگی اس کے نسب کی اس سبب سے ظاہر

کرے کیوں نہ شکر لبوں کو مرید — کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے — مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

مضموں تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب — غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

میر تقی صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اسم کی جا نام تھا۔ خان آرزو نے اسم بنایا۔ کیا خوب اصلاح ہے۔ کس واسطے اہل دعوت اسم پڑھتے ہیں نہ نام۔

آبرو جگہ اس کی چشم پر مثل ابرو شیخ نجم الدین دعرف) شاہ مبارک تخلص "آبرو" شاگرد (خان آرزو) نبیرہ محمد غوث (نور اللہ مرقدہٗ اپنے وقت میں مشہور اور نامور تھا) چونکہ چشم (راست) اُس ثانی دجال کی بسبب گل (دکے)، بدنامی کے نور بصارت سے عاری تھی۔

---

[۱] ن۔ ب۔ یوں ہے [۲] ن، پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [۳] سرور نے اپنے تذکرہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ ناصر نے گلشن بے خار سے یہ عبارت نقل کر دی ہے (ضمیمہ) [۴] ن۔ ب میں انکا ذکر نہیں ہے [۵] میر تقی میر نے اپنے تذکرے نکات الشعرا میں زمانہ کو دجال بتایا تھا جس نے ان کو یک چشم کر دیا تھا ناصر نے خود انھیں دجال ثانی بنا دیا۔

مرزا مظہر اور اس میں مکابرہ ہوا۔ یہ بیت اس کی مذمت میں مظہر نے کہی

آبرو کی آنکھ میں اک گانٹھ ہے　　آبرو سب شاعروں کی جھٹ ہے

آبرو[۱] نے اس کے جواب میں یہ کہا

جب[۲] سنی سنت پر چڑھے تو یاں کھانا سم ہے　　آبرو جگ میں رہے تو جان جاناں پشم ہے

من کلام آبرو

کتابت کا پہنچنا آہ سے میری ہوا مشکل　　جلے جاتے ہیں گرمی سے ہوا کی پر کبوتر کے

دامن دشت کیا نقش قدم سے ہر گل　　کس بہاراں کا یہ دیوانہ تماشائی ہے

سجا ہے نرگسی بوٹے کا جامہ　　کرے کیوں کر نہ مجھ سے چشم پوشی

عبث کیوں روبرو ہو نکی کھاتے ہو قسم جھوٹی
بن آئینہ کے تم اک دم بھی رہ سکتے ہو نہ دیکھو　　ب

شوق ہے اس کو اشک باری کا　　آبرو چشم تر قیامت ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے　　خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

---

[۱] ن۔پ جواب از آبرو

[۲] ی۔پ بیں اس شعر کے دونوں مصرعے مقدم دموخر ہیں۔ آبحیات میں محمد حسین آزاد نے پہلا مصرعہ یہ لکھا ہے ؎ کیا کروں حق کے کیے کو کہ میری چشم ہے۔

گاہے گاہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ مہرباں ہوتا چلا ہے اب تو بارے اسقدر

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی اس دل بے قرار کی صورت

تمھارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے کہاں ہے کسطرف کو ہے کدھر ہے

محمد[1] قائم اپنے تذکرے میں کہ اس کا نام مخزن نکات ہے لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اس شعر پر خوب لطیفہ کہا کہ کانے نے شعر اندھا لکھا ہے۔

کیا ہے بے خبر دونوں جہاں سے محبت کے نشہ میں کیا اثر ہے

تخلص آبرو برجا ہے میرا ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے

فدوی | صاحب سخنوری میر محمد حسن تخلص "فدوی" ولد میر غلام مصطفٰے خاں۔ شاگرد آبرو۔ من کلامہ

یار کیوں ہم سے سدا چیں بجبیں رہتا ہے نہیں معلوم بلا کون سی پیش آئی ہے

ہو ساتھ کہ حسرت دل مرحوم سے نکلے عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ثاقب | عالی مراتب شیخ شہاب الدین تخلص "ثاقب" شاگرد شاہ مبارک آبرو۔ من کلامہ۔

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

ناجی | شاعر فارسی و ہندی محمد شاکر تخلص[1] "ناجی" شاگرد (نجم الدین) آبرو

---

[1] ن۔ ب۔ متخلص بہ

کفن ہے سبز ترے گیسوؤں کے ماروں کا ۔ مکان غم ہے ترے در کے بیقراروں کا
باہر وہ جب سفید پوشش ہوا ۔ ہر طرف چاندنی کا جوشش ہوا
دیکھ ہم صحبت کی دولت نہ رکھ چشم کرم ۔ لب صدف کے خشک ہیں ہر چند ہو گوہر پر آب
گر سلیمان تخت دے مت لے ۔ کہ سب آخر کو جائے گا برباد
تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو پ ۔ ہمارے سینہ میں تو وہ بنا ہے تیروں کا

سکندر | بہتر[2] اور برتر خلیفہ محمد علی تخلص " سکندر " ابتدا میں مرثیہ گو (حضرت سید الشہدا کا) تھا ۔ آخر آخر غزل سرائی[3] سے آشنا ہوا ۔ شاگرد ناجی ہے (شعر) اس سے یادگار

سحر گذرا چمن[4] میں کون سا خورشید رو یارب
کہ شبنم گل کے منھ میں اب تلک پانی چواتی ہے

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا ۔ وہ دیکھ لے مری چشم پر آب میں دریا

احسان | حافظ عبد الرحمن تخلص " احسان " شاگرد خان آرزو ۔ یہ اس کی گفتگو[5]
ربط آہ سرد ہے یوں دیدۂ گریاں کے ساتھ ۔ جس طرح ہوتی ہے اک ٹھنڈی ہوا باراں کے ساتھ
مجھ پر نہ ایک بار ہی کچھ خشمگیں ہوا ۔ نامہ کبھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا
جنت میں مجکو اس کی گلی میں سے لے گئے پ ۔ کیا جانیے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

میر | استاد استاداں ، امام شرع سخنوراں ، عدیم المثال ، و بے نظیر ، محمد تقی تخلص[6] " میر " پسر رشید میر عبد اللہ ساکن اکبر آباد ۔ ہمشیر زادہ سراج الدین خاں آرزو (غالب ہے کہ تربیت یافتہ بھی اسی کے ہوں) بقول خود فرماتے ہیں کہ عنفوان شباب[7] میں اسس وحشت اور استیلائے سودا طبیعت پر غالب ہوا اور کام[8] و زبان

---

[1] ن ۔ پ ترنہیں [2] ن ۔ پ بہتر [3] ن ۔ پ گوئی [4] ن ۔ پ سے
[5] ن ۔ پ یہ اس کے اشعار [6] ن ۔ پ متخلص بہ میر [7] ن ۔ پ جوانی [8] ن ۔ پ زبان و کام

ہرزہ گوئی پر راغب ترک ننگ و نام (بلکہ) رسوائے خاص و عام، لہذا ہر کسی کو دشنام دینا شعار اور سنگ زنی کاروبار تھا۔ خان آرزو نے کہا کہ اے عزیز دشنام موزوں دعائے ناموزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے سے تقطیع شعر خوشتر ہے چونکہ موزونی طبیعت جوہر ذاتی تھی جو دشنام زباں تک آئی مصرع یا بیت ہو گئی۔ بعد اصلاح دماغ و دل کے ہرزہ شعر گوئی کا طبیعت پر رہا۔ کبھی کبھی دو چار شعر جو خان آرزو کی خدمت میں پڑھے پسند فرمائے اور تاکید شعر و سخن کی زیادہ سے زیادہ کی۔ ایک دن خان آرزو نے کہا کہ آج مرزا سودا[1] (آئے اور[2]) یہ مطلع اپنا نہایت مباہات کے ساتھ پڑھ گئے۔

چمن میں صبح جو اس جنگجو کا نام لیا صبا نے تیغ کا آب رواں سے کام لیا

میر صاحب نے اس کو سن کر بدیہتہً یہ مطلع پڑھا

ہمارے آگے ترا جب کسو[2] نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم[3] نے تھام تھام لیا

خان آرزو اسے سن کر فرط خوشی سے اچھل پڑے اور کہا خدا چشم بد سے اسے محفوظ رکھے۔ اب سنئے جب میر صاحب اکبر آباد سے پورب کو[4] چلے[5] حسب اتفاق ایک بنیئے کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے مگر وقت سوار ہونے کے کچھ رات باقی تھی جب روز روشن ہوا اور صورت اس کی دیکھی منھ اپنا ادھر سے پھیر لیا اور لکھنؤ تک اس کی طرف منھ کر کے نہ بیٹھے۔ سبحان اللہ کیا عالی دماغ لوگ تھے کہ ضرورت میں بھی ناگوار کو گوارا نہ کرتے تھے۔ مرزا مغل سبقت[6] کہتے تھے جب میر صاحب لکھنؤ تشریف لائے بندہ ان کی شرف ملازمت کو گیا۔ خبر ہونے کے بعد دیر میں تشریف لائے۔ میں نے دولت دست بوسی حاصل کی اور بعد قیل و قال کے ملتمس ہوا کہ کچھ

---

[1] ن۔ پ آج مرزا رفیع آئے اور [2] ن۔ پ کسی [3] ن۔ پ اپنے
[4] ن۔ پ کی طرف چلے [5] یہ صحیح نہیں میر اکبر آباد نہیں بلکہ دہلی سے پورب کی طرف آئے تھے (تمیم) [6] ن۔ پ نقل کرتے تھے

اپنے کلام سے مستفید فرمائیے۔ بے تامل فرمایا کہ تمھارے بشرے سے شعر فہمی معلوم نہیں ہوتی سخن کے ضائع کرنے سے حاصل۔ انسان کو اتنی (بھی) خود پسندی زیبا نہیں کہ مثل من دیگرے نیست۔ فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ علیٰ بَعْضٍ۔ مرزا منعل اچھے شاعر تھے بلکہ اوروں پر سبقت رکھتے تھے۔ ایک دن شاہ قدرت اللہ (قدرت تخلص) اور میر صاحب کشتی پر سوار تھے قدرت اللہ نے چند غزل اپنے دیوان کی میر صاحب کے آگے پڑھیں۔ میر صاحب نے کچھ نہ کہا (آخر) وہ ملتمس ہوا کہ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ میر صاحب نے کہا صواب دید یہ ہے کہ دیوان کو اپنے دریا میں ڈال دو۔ (اور ایک) نقل ہے کہ عماد الملک نواب غازی الدین خاں لب دریا بیٹھے ہوئے تھے اور مرغان آبی؛ بط اور سرخاب دریا میں واسطے سیر و تماشہ کے چھوٹی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً میر صاحب بھی ادھر سے آنکلے نواب نے چند قصیدے اپنے (میر صاحب کے روبرو پڑھے اور) ان کو پڑھ کر داد طلب ہوئے میر صاحب نے فرمایا میری تعریف کی کیا احتیاج ہے۔ ہر بط کو جناب کے اشعار پر حالت وجد و سماع ہے۔ نواب پر یہ سخن نہایت ناگوار گزرا اور دوسرے روز میر صاحب کو پھر طلب کیا[۱] (اور) آپ (ایک) کرسی پر بیٹھے زمین پر سوائے خاک کے فرش (کچھ فرش) نہ بچھوایا میر صاحب نے لمحہ کے لمحہ انتظار مونڈھے[۲] چوکی کا کیا بعد ازاں دوپٹہ اپنا دو[۳] تہ کر کے بچھایا اور بیٹھ گئے نواب صاحب نے فرمایا[۴] کچھ ارشاد کیجئے میر صاحب نے یہ قطعہ پڑھا۔

---

[۱] ن۔ پ و [۲] ن پ فرمایا [۳] ن۔ پ چوکی اور مونڈھے
[۴] ن۔ پ دوتا [۵] ن۔ ب کہا کچھ عنایت فرمائیے۔ یعنی اپنے کلام سے مستفید فرمائیے۔

کل پاؤں اِک کاسۂ سر پر جو آگیا یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا
تھا وہ تو رشک حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

جب سرکار نواب آصف الدولہ بہادر میں میر صاحب صیغۂ شاعری میں نوکر ہوئے۔ ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانہ میں جلوہ گر تھا اور دواوین زیر و بالا رکھے (ہوئے) تھے۔ ایک جلد نواب نامدار کے ہاتھ سے دور (تر تھی) اور میر صاحب سے نزدیک تھی فرمایا مجھے اٹھا دیجئے۔ میر صاحب نے ایک خادم سے کہا سُنو۔ تمھارے آقا کیا فرماتے ہیں۔ نواب نے راست ہوکر (اس کو) اٹھا لیا۔ مگر یہ میرزائی نہایت ناگوار[1] گذری بعد (ایک) لمحہ کے فرمایا کیوں میرؔ صاحب مرزا رفیع سوؔدا کیا شاعر مسلم الثبوت تھا۔ میرؔ صاحب نے کہا بجا۔ مصرع

ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

حضور پر نور نے کہا "ہم عیب پسند ہیں یک نہ شد دو شد"۔ اتنے میں میر (محمد) سوؔز کہ استاد جناب عالی کے تھے[2] واسطے مجرے کے حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا کچھ (اپنے شعر) پڑھو۔ حسب الحکم میر سوز صاحب نے دو تین غزلیں (اپنے دیوان میں سے) پڑھیں۔ نواب فلک جناب نے تعریف میں ان کی مبالغہ فرمایا۔ میرؔ صاحب کو دلیری میر سوؔز کی اور تعریف نواب کی بہت ناگوار گزری۔ میر سوؔز سے کہا۔ تمھیں اس دلبری پر شرم نہ آئی میر سوز نے کہا صاحب بندہ! کیا میں شاہجہان آباد میں بھاڑ جھونکتا تھا۔ کہا۔ بزرگی اور شرافت میں تمھاری کیا تامل مگر (رتبہ) شعر میں میرؔ سے کسی کو ہمسری نہیں موقع

---

[1] ن۔ پ ناگوار خاطر ہوئی۔ [2] یہ بات اور تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھی ہے

د محل تمھاری شعر خوانی کا نہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہند کلیاں
پکتی ہوں نہ کہ میر تقی کے سامنے۔ میر سوز سے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ (جو)
میر کی طلب کو حضور ریذیڈنٹ نے لکھا تھا جیب سے نکال کر حضور کے آگے
رکھ دیا اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے خانہ آباد دولت زیادہ۔ نواب (زمانہ)
نے فرمایا خدا حافظ۔ دو تین مہینے کے بعد (محمد) تحسین علی خاں خواجہ سرانے
ذکر اس کی عسرت اور غریب الوطنی کا تقریباً حضور میں گذارش کیا اس حاتم
زماں نے اول شکایت اس[1] کی بے اعتنائی کی بہت سی کہی بعدہ شفاعت
خواجہ سرا کی قبول فرمائی۔ خواجہ سرا خوش خوش میر صاحب کے پاس آیا اور
وہ ذکر سنایا۔ میر صاحب نے (حاضر ہونا) دربار میں خواجہ سرا کی بوقت
ننگ مردی سمجھ کر انکار کیا۔ ایک دن وہ جوہر شناس ہنر مندان عشق اللہ
کے امام باڑے کی طرف آیا اور تحسین کو اشارے[2] سے کہا کہ میر صاحب
کو لے آؤ۔ خواجہ سرا نے میر صاحب سے کہا چلو تمھارے لینے کو حضور آئے
ہیں۔ سبحان اللہ کیا قدر شناسی تھی کہ اپنے نوکر کے رئیسوں کی یہ خاطر
تھی۔ آخر آخر میر صاحب کے دل عشق پیدا ہوا اور صورت کسی کی آئینہ
خورشید میں معاینہ ہوتی تھی[3][4]۔ پیر جواں ہمت ایسوں کو کہتے ہیں کسی نے
پوچھا کہ (اس) پیرانہ سالی میں کدخدا ہونے کا کیا باعث ہوا۔ فرمایا
(فقط) اس واسطے کہ سسرال والے کہیں لڑکا آیا میاں مصحفی تذکرے میں
لکھتے ہیں کہ دیوان فارسی ہم دارد لیکن در فارسی گویا محبوب نمی شود اور

میر صاحب یہ شعر فارسی کا پڑھتے تھے اور کہتے تھے

روئے ترا شگافت دگر نظارہ کرد — اے یار رشک ہیں کہ دلم پارہ پارہ کرد

[1] ن۔ پ ان کی [2] ن۔ پہلے اشارہ کیا کہ [3] ن۔ پ ہونے لگی۔
[4] میر صاحب کی یہ کیفیت دہلی میں ہوتی تھی۔ جگہ وہ جوان تھے

شیخ علی حزیں بہ شمر یہ شعر مجھ سے پڑھواتے تھے اور وقت رخصت ایک اشرفی دیتے تھے اور یہ اتفاق ایک ہفتہ میں دو روز ہوتا تھا۔ جب مرض موت سے میر صاحب بیمار ہوئے وصیت کی میرے جنازے کے اٹھانے میں تعجیل نہ کرنا۔ جو سن لے گا کہ میر نے انتقال کیا ہے۔ خواہ مخواہ نقد اور سامان معقول بھیجے گا۔ بموجب وصیت کے صبح سے شام ہوئی کہیں سے کچھ نہ آیا۔ آخر شیخ امام بخش ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے

شد ز جہاں میر محمد تقی — داغ ز بے مہری اہل جہاں
ناسخ تاریخ وفاتش نوشت — وا ویلا مرد شہ شاعراں

۱۲۲۵ھ

من کلام میر صاحب

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے — ٹہنی جو زرد بھی ہے وہ شاخ زعفراں ہے
کم اٹھانا تھا نقاب آہ کی طاقت رہتی — کاش یکبار ہمیں منھ نہ دکھایا ہوتا
جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا — طپش کی یاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر — سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

استاد نا حضرت مرزا مغفور فرماتے تھے (کہ) میں نے یہ مقطع میر سے سن کر یہ شعر فارسی کا پڑھا

زفرط نشہ چو واگشت طرۂ دستار — سمند ناز تر ا تازیانہ دیگر شد

میر صاحب نے کہا یہ دل و دماغ اور فرصت و فراغ کسے (ہے) کہ اوروں کا کلام دیکھے۔

من کلامہ۔

لہ ن۔ پ بننے کا۔ ۲ہ ن۔ ب رحلت کی ہے۔ ۳ہ ن۔ پ کسی نے کچھ نہ بھیجا
۴ہ ن۔ ب آخر شیخ امام بخش ناسخ کی اعانت زاد آخرت ہوئی میاں مصحفی نے تاریخ ان کے مرنے کی "مو انیظیری آہ" کہی ہے۔ اور شیخ امام بخش ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے (بقیہ حاشیہ ص ۱۰۴)

باغ میں جس شب گئے ہم زلف کے مارے ہوئے ۔۔۔ جان کو اپنی گل مہتاب انگارے ہوئے

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ ۔۔۔ ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

آستیں رکھتے ہی رکھتے دیدۂ خونبار پر ۔۔۔ حلق بسمل کی طرح لوہو کے فوارے ہوئے

استخواں ہی رہ گئے تھے یاں دم خونریز میرؔ ۔۔۔ دانتے پڑ پڑ گئے اس شوخ کے آرے ہوئے

جم گیا خوں کف قاتل پہ ترا میرؔ ز بس ۔۔۔ ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

ہم ہیں مجروح ماجرا ہے یہ ۔۔۔ وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم ۔۔۔ اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ

ہے رہی بیگانگی کبھی اس نے ۔۔۔ نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ

مدت سے لگ رہی تھیں آنکھیں در حرم سے ۔۔۔ پردہ اٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں ۔۔۔ وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو ۔۔۔ جی الجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

ایک بھی چھوٹی صورت نہ بگڑ ہی پیش یار ۔۔۔ دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں

واویلا مردنہ شاعراں حاشیہ بسلسلہ صفحہ ۱۰۳ ۔۔ موانظیر کی آج " سے صرف ۱۲۲۱ برآمد ہوتے ہیں حالانکہ میرؔ نے ۱۲۲۵ میں انتقال کیا تھا مصحفی نے خود اپنے تذکروں میں ان کی وفات کا ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ اسوقت یہ زندہ تھے ۔۵ن۔ مثلاً مسرلہ ن۔ پ نے

رقعہ ہمیں جو آئے ہے سو تیر میں بندھا   کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا

تاب مہ کی تاب کب ہو نازکی سے یار کو   چاندنی میں آفتابی کا مگر سایہ کرو

کہتا ہے کون میرؔ کہ بے اختیار رو   اتنا تو رو کہ رونے پہ تیری ہنسی نہ ہو

بھرے رہتے ہیں سارے پھول ہی جسکے گریباں میں   وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں
جہاں سے دیکھیے اک شعر شور انگیز نکلے ہے   قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
ہوائے ابر میں کیا میرؔ ہنستا باغ میں وہ تھا   گری پڑتی تھی بجلی آج کچھ صحن گلستاں میں

رو چکا خون جگر سب اب جگر میں خوں کہاں   پ غم سے پانی ہو کے کب کا بہہ گیا میں ہوں کہاں
عاشق و معشوق[1] یاں آخر فسانہ ہو گئے   جائے گریہ ہے جہاں لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں

جاویں تو جاویں کہاں[1] جو گھر رہیں کیا کر رہیں   یار بن لگتا نہیں جی کاش کے ہم مر رہیں
وہ نہیں جو تیغ سے اُن کی[2] گلا کٹوا ئیے   تنگ آئے ہیں بہت اب آپ جوہر کر رہیں

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں   پ دل کلیجہ نکال لیتے ہیں

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا   واں کام ہی رہا تجھے یاں کام ہو چکا

---

[1] ن۔ پ اور

[2] ن۔ پ اس کی

جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہوگا ؎ تہ خاک بھی خاک آرام ہوگا

گرم مجھ سوختہ کے پاس یہ جانا کیا تھا ؎ آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لیے منہ پہ نقاب ؎ آخری وقت مرے منہ کا چھپانا کیا تھا

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں ؎ ہم نے بھی اب کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ہم ہیں وہ خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیرے ؎ ابرو کی جنبش اوپر تلواریں کھائیاں ہیں

غیروں سے وہ اشارے ہم سے چھپا چھپا کر ؎ پھر دیکھتے ہو ایدھر آنکھیں ملا ملا کر
ہر گام سد رہ تھی بتخانہ کی محبت ؎ کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی ؎ میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر ؎ تیوری چڑھائی تو نے یہاں جی نکل گیا

طالع پھرے سپہر پھرا قلب پھر گئے ؎ چندے وہ رشک ماہ جو ہم سے جدا پھرا
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا ؎ مرتے موا پہ اس کے کبھی گھر نہ جا پھرا

جنوں نے گر کیا رخصت کبھو سیر بیاباں کو ؎ نکالا جائے مو سرت مرے خار مغیلاں کو

سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آگئی تھی مٹی ؎ جو چرخ زن قضا نے یہ آسماں بنایا
وہ ٹوٹا گیا تھا تربت بھی میر جی کی ؎ وہ چار اینٹیں[1] رکھ کر پھر یہ نشاں بنایا

---

[1] نا۔ پ لے

مبادا کار دل جاتا ہے تو صبح سوتا ہو بہت ڈرتا ہوں میں اے تیر تیری دیر خوابی سے

ہر بات پر خشونت طرز جفا تو دیکھو ہر لحظہ بے ادائی اس کی ادا تو دیکھو
سائے میں ہر پلک کے خوابیدہ ہو قیامت اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

باغ گو سبز ہو ہریالی سر گلزار کہاں دل کہاں وقت کہاں عمر کہاں یار کہاں
دل کی خواہش ہو کسی کو تو کوئی دل کی نہیں پ اب بھی یہ جنس بہت ہو پہ خریدار کہاں

تدکھنچے ہے جس وقت تو ہو طرفہ بلا تو کہتا ہے ترا سایہ پری سے کہ ہے کیا تو

نہ کچھ یعقوب رویا اس الم میں کنوئیں اندھے ہوئے یوسف کے غم میں

رہتا ہے ہڈیوں سے جو میرے ہما لگا کیا درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھوں میں مرے آنسو ہر دم جو نہ آجاتا تو کام مرا اچھا پردے میں چھلا جاتا
کہتے ہیں کہ یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

خواب میں کل پاؤں اپنے دوست کے ملتا تھا میں آنکھ دشمن کھل گئی سو ہاتھ مل کر رہ گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا رہا نہیں لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

بارہا گور دل جھکا لایا اب کے شرطِ وفا بجا لایا

دستۂ داغ و غمِ الم لے کر[1] ہم کبھی نکلے ہیں اک حشم لے کر
ضعف یاں تک کھنچا کہ صورت گر رہ گیا ہاتھ میں قلم لے کر
مرگ اک زندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
تناسب بہ اعضا کے آتا تبختر بگاڑا مجھے خوبصورت بنا کر

کون کہتا ہے منھ کو کھولو تم کاش کے پردہ ہی میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے ہے یہ حسن پہ بہتے دریا میں ہاتھ دھولو تم

میں بندہ ہوں تیرا خدا جانتا ہے خدا جانے تو مجھکو کیا جانتا ہے
جفا اس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ پہ جسے یار اہل وفا جانتا ہے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی سب مزے میر در کنار رہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز اسی خانہ خراب کی سی ہے
میراں نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

رباعی

تسبیح کو مدتوں سنبھالا ہم نے خرقہ بر دوش گلے میں ڈالا ہم نے

---

[1] ہم بھی پھرتے ہیں اک حشم لے کر دستہ داغ و فوج غم لے کر
(کلیات میر مرتبہ آسی)

اب آخر عمر میں مے کی خاطر سجادہ گرو رکھنے نکلا ہے ہم نے

فیض | سخنور خوش لہجہ شاعر شیریں زبان میر "فیض" (تخلص فیض) مشہور بہ میر جوان خلف الصدق میر تقی (شاگرد نادر) تربیت یافتہ اپنے پدر بزرگوار کا تھا۔ من کلامہ[1]

نہ مانی میری تو نے اپنی ضد اے بے وفا رکھی[2] کہیں اب کس سے ہم تو نے ہماری بات کیا رکھی[3]
کدورت جب نہ تب انداز سے نکلا ہی کی تیرے ہماری خاک اس کوچہ میں تو نے کب صبا رکھی

دَور میں ساقی ترے آنکلے ہیں مدہوش ہم جام خالی دے ہے کیا اتنے نہیں بے ہوش ہم
سرخرو لائے نہیں ژولیدہ مویاں عشق کے پ سایہ بال ہما پہ مارے ہیں پاپوش ہم
شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے بحر حسن موج کے مانند ہو جاتے ہیں ہم آغوش ہم

گل کھائے تھے جنھوں کے لیے جسم زار پر[4] وہ پھول بھی نہ لائے ہمارے مزار پر
یاری کی مت امید رکھا کر رقیب سے اک میں ہی ناتوان ہوں بھاری ہزار پر
کیا کیا طیور آگے سر تیر پھر گئے کچھ ان دنوں نہیں ہے ترا دل شکار پر
اے فیض ساری صورتیں ہیں مٹنے والیاں مت بھولیو یہاں کے تو نقش و نگار پر

روش بھائی ہے کیا ان خوبصورت گلعذاروں کو لئے آئینہ دیکھا کرتے ہیں اپنی بہاروں کو

---

[1] ن۔ پ اشعارہ [2] ن۔ پ نہ مانی تو نے میری
[3] ن۔ پ کہیں اب کس سے ہم جا کر ہماری تو نے کیا رکھی
[4] گل کھائے تھے جن کے لیے جسم زار پر وہ پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر (گلشن بیخار)

نہیں معلوم کس پرشان قمر کی راہ تکتے ہیں — کہ ساری رات آنکھوں میں گنا کرتے تاروں کو
خدا جانے کہ تجھ سے فیض کیا ہو اس کو ہزاری — جہاں دیکھا تجھے اس نے پکارا اپنے یاروں کو

تجلّی | شاعر منتہی میاں حاجی تخلص تجلّی ولد میر محمد حسین ہمشیرہ زادہ[1] شاگرد میر[2] (تقی) ریختہ گوئی میں بے نظیر، مثنوی لیلیٰ مجنوں بہ فصاحت تمام کہی ہوئی اس کی ہے، چنانچہ یہ مطلع (اس کا)

الٰہی یہ مجنوں دل زار ہے — کہ جویائے لیلائے دیدار ہے

یہ اشعار[3] اس سے یادگار

کئی دن سے روٹھ رہے ہیں وہ نہ پیام ہے نہ سلام ہے
جو یہی طرح رہی ہمنشیں تو ہمارا کام تمام ہے
نہیں اس کی جو بلاتے ہو تو ہزاروں باتیں سناتے ہو
مرے صاحب اتنا تو جانیے کوئی کیا تمہارا غلام ہے

طرب کا رنگ رخ گل پہ آشکار آیا — کلی سے کھل گئے جوں ہی وہ گلعذار آیا
تڑپ کے جان نکل جائے گی ابھی صیاد — تو کہیو باغ میں پھر موسم بہار آیا
یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلّی نے — کفن میں کھولدیں آنکھیں سنا جو یار آیا

ضیا | شاعر با مزہ و صفا میر ضیاء الدین تخلص ضیاء شاگرد میر، یہ اشعار اس سے یادگار

یارب تو خیر کیجیو قاصد نے دیر کی ہے — یا گھر[4] ہے اس کا بھولا یا راہ پھیر کی ہے

---

[1] ن - پ و [2] ن - پ محمد تقی میر [3] پ ن کلامہ
[4] ن - پ گھر کہ ہے اس کے بھولا -

باد بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا
کل کی رسوائی تجھے کیا بس نہ تھی اے ننگ خلق اس کے کوچے میں ضیا پھر آج تو جانے لگا

کہا کیا جانے کیا میری طرف سے تجھ سے بدگو نے پ کہ رفتہ رفتہ یہ احوال پہنچایا مرا تو نے

بلادے آب خنجر ہم کہ قاتل تشنہ جاتے ہیں جو مرتا ہے تو اسکے حلق میں پانی چواتے ہیں
کس دیوانے کا ماتم ہے یارب آج صحرا میں کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں

مجنوں | مفتوں و دل ریش۔ مجنوں۔ درویش مشہور سر برہنہ شاگرد میر[1] من کلامہ

چڑھا کر ساغر لبریز تو جس دم نکلتا ہے تر انداز ہنسنے کا گلوں[2] کا ہونٹ ملتا ہے

سر کٹائیں گے ہم اپنا تری کا ہی شمشیر سے لڑ گئی تدبیر اپنی گر کبھی تقدیر سے

بیٹھا تھا مجکو دیکھ بہانے سے اٹھ گیا حسن سلوک آہ زمانے سے اٹھ گیا

کیا پوچھتا ہے مجنوں غیروں سے آشتی ہے رہتی ہے اس کی مجھ سے ہر دم لڑائی اب تو

مشتاق | مجمع الطاف و اشفاق عبد اللہ خاں تخلص مشتاق۔ شاگرد (محمد) میر تقی (میر) یہ[3] اس سے یادگار

شہید عشق تمھارے کی نعش اٹھتی ہے بنے تو آپ سے چلئے نماز پڑھنے کو

---

[1] ن۔ پ یہ ابیات اس سے یادگار [2] ن۔ پ کے
[3] ن۔ پ من کلامہ

رنگ کیوں سبز ہے مشتاق ترے چہرے کا   کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

کی یک نگاہ یاس جو مژگان یار پر   سو برچھیاں پڑیں دل اُمیدوار پر
مشتاق تیرا کشتۂ تیغ نگاہ[1] ہے   تقریب فاتحہ تو[2] چل اس کے مزار پر

خرد کو رد کروں یا اس دل انیس ناز پرور کو   کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو
مکدر ناقہ لیلی چلا آتا ہے صحرا سے   صبا کس نے ستایا آج قیس خاک بر سر کو

آن لاحق عشق کی جب سے یہ بیماری ہوئی   بارہا نبضیں چھٹیں اکثر غشی طاری ہوئی
دل سنبھل چل و زبی بوسہ، شب دیگر یہ رکھ   یار جو نکلا پاسبانوں میں خبرداری ہوئی
کھینچ تیغ اے دشمن جاں امتحاں کرتا ہے کیا   کر چکے ہم عاشقی جب زندگی پیاری ہوئی

وحشت | صاحب جاہ و ثروت مرزا باقر علی خاں (ابن[3] حسین علی خاں صوبیدار بریلی تحصیل)" وحشت" خلف الصدق حسین علی صوبیدار بانس بریلی، شاگرد (محمد) میر تقی (میر). آخر آخر بسبب قرابت نصیر الدین حیدر بادشاہ مرتبہ ان کا بیش از بیش ہوا. یہ[4] اشعار ان سے یادگار

اضطراب دل رقم خط میں جو[5] یکسر ہو گیا   اپنا مرغ نامہ بر لوٹن کبوتر ہو گیا

ٹھہرا نہ کوئی بھی سر آزار دیکھ کر   آنکھیں تلک تو پھر گئیں بیمار دیکھ کر

---

[1] ن۔ پ فراق [2] ن۔ پ سے [3] ن۔ پ خان ابن حسین علی خاں صوبیدار بریلی تخلص وحشت شاگرد محمد تقی میر آخر آخر مرتبہ ان کا بسبب [4] یہ چند شعر کہ یادگار اس سے ہیں صفحہ قرطاس پر لکھے جاتے ہیں [5] ن۔ پ جو خط میں یکسر

منشی تقدیر کا ہوں گا گریباں گیر میں   بن پڑھائے لکھ دیا کیوں خطِ پیشانی مجھے

جل نکلتا ہے وہ بادہ کی طرح جوش میں آ   کیا بہکتا ہے سخن اس لب مے نوش میں آ
آرزو رہتی ہے یہ روز و شب اے وعدۂ وصل   دہن یار سے ہو کر تو مرے گوش میں آ
تو نے کونین فراموش کیا اے وحشت   اتنی بیہوشی نہیں خوب ذرا ہوش میں آ

فنا | فنون سپہ گری سے خوب آشنا، شیخ ببر تخلص "فنا" شاگرد میر تقی۔ من کلامہ[۱]

کیوں نہ کہیے گیسوؤں کو اس کے جوڑا سانپ کا   صاف دونوں میں اثر ہو تھوڑا تھوڑا سانپ کا
پیچ سے نکلا نہ دل ہرگز تمھاری زلف کے   سب پڑھے باقی کوئی منتر نہ چھوڑا سانپ کا

شکیبا | طبع اس کی ہوش ربا، شیخ غلام حسین تخلص "شکیبا" شاگرد میر۔ یہ اس کی تقریر۔

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا تو اس کا غم نہیں   پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا
تری چین جبیں ہے موج طوفاں   اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں
نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے   مہ تاباں نہیں ہے سر پہ خورشید قیامت ہے

جان | شیریں زباں میر جان علی تخلص "جان" شاگرد میر۔ من کلامہ[۲]

ذکر اس زلف کی درازی کا   صبح سے تا بشام رہتا ہے

برشتہ | شیریں زبان، خوش تقریر، آغا "برشتہ" شاگرد محمد تقی میر فارسی خواں، ہندی گو۔ یہ (اشعار) اس سے یادگار

جو مدرسۂ عشق میں مجنوں کا سبق تھا   سو اپنے وہ دیواں کا برآوردہ ورق تھا

---

۱ ن۔ پ۔ یہ شعر اس سے یادگار   ۲ ن۔ پ یہ شعر اس سے یادگار

منھ پھیر لیا میری طرف سے دم بسمل   اس حسرت دیدار کو جلاد نہ سمجھا
بس دیکھ لی تاثیر تری عشق کہ ہم کو   دیوانہ بھی اپنا وہ پریزاد نہ سمجھا

کوئی دن میں اے برشتہ ہوتا ہوں صحرا نوردل   آدمی ہوں عشق کے صدموں سے دل گھبرا گیا
بیچین کیا تو نے ہمیں سخت برشتہ   نالوں سے ترے ہم کو شب آرام نہ آیا
ہائے مل ڈالا ہے ہمارا دل   کس نے رے پنجۂ حنائی سے
اے برشتہ کہیں بھی نکلا ہے   عشق کا کام میرزائی سے

مرزا | شاعر خوش ادا آغا مرزا تخلص "مرزا" شاگرد (محمد تقی) میر[1] یہ اسکی تقریر

بولے برہم ہو کے میں بولا جو انکی بات میں   آپ بھی دینے لگے اب دخل معقولات میں

مجنوں کی عیادت کو سب جاتے ہیں اے لیلیٰ   کیسی ہے تو عاشق کی غمخوار نہیں چلتی

فرصت جو ایک دم کی پائیں گے غم کے ہاتھوں   گم گشتہ دل کی اپنے ہم جستجو کریں گے
عاشق کی تب پڑھیں گے خوباں نماز میت   جب قتل کر کے اس کے خوں سے وضو کرینگے

فقیر | عزیز بے نظیر میر شمس الدین تخلص[3] "فقیر" بقول اعظم الدولہ میر محمد خاں[4] سرور مولف[5] تذکرہ (مسمی بہ چار باغ و بہاریہ) ۔ دو شعر ہندی اس (عالی مقدار) سے یادگار

دم کا آنا حباب ہے گویا   زندگی موج آب ہے گویا
خال اس کے بیاض گردن کا   نقطۂ انتخاب ہے گویا

---

[1] ن ۔ پ: دو تین بتیر، اس سے تقابلہ ن پ نوں سے ایک کہ ن ۔ پ: متخلص بہ [illegible] ن ۔ پ: صاحب

موزوں شاعر یگانہ، میر فرزند علی تخلص "موزوں" ساکن سامانہ (خوش تقریر) شاگرد فقیر۔ من کلامہ۔

نرگس کا پھول بھیجئے نامہ میں یار کو
معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو

کیا خاک دل لگاؤں آئینہ طلعتوں سے
حاصل کدورتیں ہیں مٹی کی مورتوں سے

ابرو کی کروں یا صف مژگاں کی میں فریاد
بلوے میں ہوں مارا گیا قاتل نہیں معلوم

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں موزوں غم کی داد
کوہکن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو سہی

پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے
حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

مشہور ہے ہماری آنکھوں کی نیزہ بازی
تیرے ستم کشوں سے ہم فوج میں علم ہیں

منت شاعر پاکیزہ طبیعت میر قمرالدین تخلص "منت" (ساکن سینت) شاگرد میر شمس الدین فقیر میاں مصحفی (صاحب) نے تاریخ اس کے انتقال کی یہ کہی ہے۔

منت کہ ہیچ گہ بہ فنون کمال شعر
از ہمسران نکردہ کسے ہمسری او

واحسرتا کہ سال وفاتش نوشتہ شد
منت بجاد زمرۂ شاعری او (۱۲۰۸)

(اشعار اس کے)

مدعی اس سے سخن ساز بسا لوسی ہے
پھر تمنا کد بیاں مژدۂ پابوسی ہے

آہ اے کثرت داغ غم خوباں کہ تمام
صفحۂ سینہ پراز جلوہ طاؤسی ہے

تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ پر منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خوشی ہے کذا

کیسے عجز حال غم دل کا رو ہے
گرہ زیر لب نغمہ آرزو ہے

قدم رکھ گیا کون سینہ پہ اپنے
گل داغ میں آج مہندی کی بو ہے

گر اس لب جاں بخش کی کچھ بات سناؤں
عیسیٰ بھی جو بولے تو میں صلوات سناؤں

ہم سے وہ جو شش زدہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

ممنون | متلاشی سخن نو، جویائے تازہ مضمون (شاعر یگانہ) میر نظام الدین تخلص ممنون۔ خلف اور شاگرد میر قمر الدین منت (سخن میں اس کے طاقت اپنے پدر بزرگوار سے سخن سرا) متبع میرزا رفیع سودا۔ معاصرین سے[1] فکر اس کی بالا۔ یہ اشعار اس سے یادگار،

کل جو خلوت میں وہ بت محو خود آرائی تھا
آئینہ پشت بدیوار تماشائی تھا

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا
مشک ختن سے بھر گیا دامن نسیم کا

بس ہے یہ لطف صبا بہر گرفتار قفس
راہ بوئے گل کرے سوراخ دیوار قفس

منکر ہا ... قتل سے ہوتا ہے تو ہنوز
رنگیں ہے اپنے خون سے وہ خاک کو ہنوز

آگے ... آئینہ پتھرا گئیں مری
اے خود نما نہ آیا مرے سمت تو ہنوز

... ار ... ہے مانند گرد باد
گو ہو گئے ہیں خاک پہ ہے جستجو ہنوز

---

[1] ... سے برابر بلکہ برتر

بندہ ہوں حسن صورت عشق مجاز کا　　ہر آئینہ میں جلوہ ہے اُس جلوہ ساز کا
اے آہ بے ادب نہ اسے پھونکیو کہ ہے　　دل جلوہ گاہ پردہ نشینانِ راز کا
ہے آستانِ دیر پہ اپنی نشست و خاست　　کب ہو حرم میں ہم کو ارادہ نماز کا
ہم جان تک بھی دے چکے پروا وہاں نہیں　　پر جھگڑا چکے گا کیونکہ یہ ناز و نیاز کا
ممنون[۱] ستم زدہ نہیں ہے عشق کا حریف　　یاں ہے دو چار صعوۂ بے بال باز کا

قدم رکھا یہاں کس نے کہ گل تصویر قالی کا　　پہ رکھے ہو رنگ اُس پائے حنا بستہ کی لالی کا
نگاہ شوخ یوں گستاخ مت جا اسکے عارض پر　　خطر ہے سبزۂ نوخیز خط کو پائمالی کا
لکھا جو شعر تعریف جمال یار میں ممنونؔ　　نہ حسن نظم میں ہمسر ہے اشعار جمالی کا

کب گل ہے ہوا خواہ صبا اپنے چمن کا　　واجنبش دم سے ہے رفو زخم کہن کا
بیتابیِ دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے　　کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا

ہے رد کشِ نشتر ہر آبلہ دل کا　　یہ حوصلہ ہے کوئی بل بے حوصلہ دل کا

کیوں مسکی چولی ہے اور بکھرے بکھرے بال　　گر اختلاط غیر سے باہم نہیں رہا

دور فلک میں کس کو نہیں ذوق مے کشی　　رکھتا ہے ماہ ہاتھ میں ساغر بلور کا
ممنونؔ بر رنگ حضرت سودا جو دیکھئے　　ہر سنگ میں شرار ہے اس کے ظہور کا

۱؎ ممنون دل ستم زدہ ہے عشق کا حریف ("تذکرہ ہندی مصحفی")

۱؎ عین راحت ہو جو کچھ ہم پہ ستم کیجیے گا ‏ سر جھکائیں گے اگر تیغ علم کیجیے گا
دیکھ کر مجکو یہ کہتے ہیں بتان خوشخط پ ‏ ایک دن سر کو ترے تن سے قلم کیجیے گا

اپنی راحت گاہ تھی آغوش بیتابی رہی ‏ کب ہمیں طفلی میں میل جنبش گہوارہ تھا

کاوش غم نے ستم رات یہ مجھ پر توڑا ‏ کہ ہر اک مو نے بدن پر مرے نشتر توڑا
کس قدر شرح گرانباری غم لکھی تھی ‏ کہ مرے نامہ نے بازوئے کبوتر توڑا

گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا ‏ جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا
یہ سینہ ہے یہ جگر ہے یہ دل ہے بسم اللہ ‏ اگر خیال ہے تلوار آزمانے کا

ہے سایہ فگن زلف سیہ فام زمیں پر پ ‏ یا صبح قیامت کی ہے یہ شام زمیں پر

شب ہم کو کشت و خون رہا فوج غم کے ساتھ پ ‏ سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ

حاجت ہے کیا جو خاک پہ اپنی وہ لائے گل پ ‏ ہیں اس کے نقش پائے نگاریں بجائے گل

لذت نظارہ اک نگہ آرزو نہیں ‏ جس کی کہ حسرتوں کا ٹپکتا لہو نہیں
شکوہ لفظ و معنی ریختہ میں شرط ہے ممنونؔ پ ‏ جو خالی اس سے ہو وہ بھولنا ہو لب طفلاں ہو

۱؎ ان دونوں اشعار پر ن۔ پ میں یہ نوٹ درج ہے "قافیہ اور ردیف دونوں بیہودہ اور مطلق معنی ندارد"۔ ن۔ پ حاشیہ اگر 'اپنے' کی جگہ 'ایک' ہوتا تو مناسب تر تھا۔

مرہون | خال و خط خوباں کا مفتوں مرزا رضا علی تخلص "مرہون" (وطن اس کے بزرگوں کا خراسان) شاگرد میر نظام الدین ممنون۔ سخن کلامہ

جز یک نگاہ چشم کبھی اُس کی خو نہیں   قسمت تو دیکھ یہ بھی کبھی ہے کبھو نہیں

عرق اس لطف سے ہو زیرِ زلف اس روئے تاباں پر   شبِ مہتاب میں جلوہ ہو جوں عقدِ ثریا کا
سراپا ہو گیا آئینہ ساں جو محوِ حیرانی   دلِ مرہوں ہوا ہے محو کس کے روئے زیبا کا

پڑا ہے شور دل میں جب سے اس کانِ ملاحت کا   یہاں ہر زخم ہے یہاں نمکدانِ صباحت کا
اگرچہ حوصلہ طاقت کا برگِ کاہ سے کم ہے   دلے رو کش صدا رہتا ہوں میں صد کوہِ محنت کا
شہیدِ لطفِ قاتل ہوں کہ بعد از قتل کل اس نے   پہ کیا محرم لبِ افسوس انگشتِ ندامت کا

فدا | بلبلِ داستان سرا مرزا فدا حسین خان تخلص "فدا" نبیرہ نواب حاتم خان شاگرد (میر نظام الدین) ممنون یہ اس[۱] سے یادگار

چاہت سے بے خبر ہے ہمارے تو یار حیف   ہم چاہیں اور ہمیں تو نہ چاہے ہزار حیف

ادھر تیرا گذر جس روز اے بادِ صبا ہو گا   تو کہیو جان کنی میں تھا فدا اب مر چکا ہو گا
نہیں کھاتا نہ وہ قسم غیر کے گھر جانے کی   پہ سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مر جانے کی

غیر کی تم نے کی خوشی اور ہمیں خفا کیا   پہ خوب کیا بجا کیا خیر بہت بھلا کیا

لے تو ہی کچھ عزیز نہیں تجھ سے یار دل   قربان تیری جان پہ ایسے ہزار دل

---

[۱] ن۔ پ منہ   [۲] یہ شعر اس کے یادگار رہ جاں

کچھ اپنے تو نزدیک خطا ہم نہیں کرتے آپہی ہو خفا تم کو خفا ہم نہیں کرتے
یں بھی جو کسی بات میں بولا کرو یوں تو کہنے لگے تیرا کہا ہم نہیں کرتے

تیروں کا ان بتوں کے دل آماجگاہ ہے یاں آہ آہ کرتے ہیں واں واہ واہ ہے
واں ہمکنار غیر سے رشک ماہ ہے یاں کنج غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے

شفا پائے ابھی بیمار تیرا جو دیکھے اک نظر دیدار تیرا
مختار رہا[1] ہے وہی ہم تو ہیں بے بس واللہ جو کرتے ہیں فدا ہم نہیں کرتے

بشیر | موزوں اور خوش تقریر، میر بشارت علی، تخلص "بشیر" شاگرد میر نظام الدین ممنون ہے[2] اسکی تقریر۔

یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی وابستہ ہے واں خاطر دلگیر کسی کی
شاید دل بیتاب کو تسکین ہو اپنے کھنچوائے رکھو سینے پہ تصویر کسی کی
دیوانہ بشیر آیا ہے اس شہر میں شاید پھر کھڑکے ہے اُس کوچہ میں زنجیر کسی کی

مظفر | خوش سخنور، مظفر علی خان (بہادر) تخلص "مظفر" شاگرد (میر نظام الدین) ممنون یہ بیت اس سے یادگار

تجھ کو ہی پوچھتا تھا کل نزع میں مظفر آیا بہت ہی رونا ہم کو جو تو نہ آیا

آشوب | شاعر خوش اسلوب، میر مراد علی تخلص "آشوب" (خلف میر روشن علی فروغ) شاگرد ممنون۔ یہ اشعار اس سے برقرار

ناوک غم سے چھنایاں تک تن اس ناکام کا اٹھواں پر ہے گماں میرے ہاگے دام کا

---

[1] ن۔ پ میں اس شعر پر یہ نوٹ بھی ہے کہ بے بس کی جگہ مجبور رکھتے تو خوب تھا
[2] ن۔ پ من کلامہ

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہنچ نہ سکے　　اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا

پوچھا جو میں نے یار سے انجام سوز عشق　　شوخی سے اک چراغ کو اس نے بجھا دیا

دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئیں گے　　ہائے اپنا ہی ہوا واں سے پھر آنا مشکل

پاس آلودگیِ دامن قاتل نہ رہا　　کس قدر شوق تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں　　ہائے کیا ہی شب ہجراں میں پریشاں ہوں میں

عذر جفا کے کب تلک تم کرو ہم گلا کریں　　وصل کی رات کم ہوئی آؤ معاملہ کریں

جعفری | میر باقر علی تخلص "جعفری" پسر[1] کو چک میر قمر الدین منت۔ یہ دو شعر اس سے یادگار۔

آیا نہ چین دن کو جھپک کر نہ سو آیا[2]　　آرام وعدے کی شب یکدم کبھو نہ آیا

تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ　　ناخدا ترس تو کعبہ میں تو تلوار نہ کھینچ

تسکین | کلام[3] اس کا متین لائق تحسین میر سعادت علی تخلص "تسکین" صاحب تقوی و صلاحیت، شاگرد میر قمر الدین منت۔ یہ[4] اشعار اس سے یادگار

---

[1] ن - پ پسر　　[2] ن - پ میں دوسرا مصرعہ پہلے ہے
[3] ن - ب لائق تحسین کلام اس کا متین ہے　　[4] ب اس کا جوشش طبیعت۔

حال دل کہیئے تو ہم سے وہ صنم رکتا ہے اور چپ رہیئے تو مشکل ہے کہ دم رکتا ہے
کس کا کوچہ ہے یہ یارب نہیں معلوم ہمیں خود بخود یاں کے پہنچتے ہی قدم رکتا ہے

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے ہے مجھ میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

میاں دلگیر صاحب کہتے تھے کہ ایک دن میں شیخ ناسخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ میر سعادت علی (تسکین) تشریف لائے۔ شیخ ناسخ نے کہا کچھ ارشاد فرمایئے۔ میر موصوف نے شعر مرقوم الصدر پڑھا۔ ناسخ نے کہا شعر آپ کا خوب ہے اگر "کم سخن" کی جگہ "بے زبان" ہو تو کمال آپ کا ظاہر اور وہ نادر ہو جائے۔ میر صاحب نے دخل ان کا قبول فرمایا۔ (منہ)

یوں مجھ بیراں سمجھ بگڑی سدا اور سدا بنی پر کچھ اب کی ایسی بگڑی کہ بس دم ہی پر آ بنی

قدرت | شیریں گفتار درویش کامل، شاہ قدرت اللہ اولاد شاہ عبدالعزیز شکر بار برادر عموی میر شمس الدین فقیر سخن (اس کے) ہیں نہایت متانت تخلص "قدرت" ہر شعر اسکا نایاب۔ ہر مصرع انتخاب (ہے) منہ

منہ اس کا ہے دل اسکا ہے جگر اس کا ہے تیر بیداد جدھر منہ کرے گھر اس کا ہے

دست امید ہے اور دامن مایوسی ہے دل پر داغ ہے اور حسرت پابوسی ہے
سرمہ آلودہ نگاہوں سے ہیں ہوا دل ٹکڑے اشک خونیں سر مژگاں پہ مرے طوسی ہے

شب تو جو گذری ہے سو یہ کچھ بلا انگیز ہے روز بھی تجھ بن مگر روز رستا خیز ہے

سلہ ط۔ یہ درویش کامل شیریں گفتار ہے۔ ن۔ پ من کلام سے ن۔ اپ نے کیا۔

آہ اس کم فرصتی[1] پر نشہ سے کیا ہو سرور　　شیشہ تا خالی ہو جام زندگی لبریز ہے

جرم پر اپنی سیہ بختی کی روز حشر کو　　ہاتھ میں قدرت کے تیری زلف دستاویز ہے

زم تیغ کا ہوں میں تشنہ لب مجھے تیغ سے سروکار ہے
اے آب خضر نصیب ہو جسے زندگی پہ مدار ہے

حسرت اے صبح وطن ہم سے وطن[2] چھوٹا ہے　　مژدہ اے شام غریبی کہ چمن[3] چھوٹے ہے

ہوا ہے عشق سے گر مقابلہ دل کا　　بھرا پہاڑ سے دل بل بے حوصلہ دل کا

جوں نقش پا جہاں کہ یہ مجبور رہ گیا　　بے طاقت وہاں سے چل گئی مقدور رہ گیا
واماندگی تو میری رفاقت نہ چھوڑیو　　گو قافلے سے یک دو قدم دور رہ گیا

جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کب ہو زندگی　　کون رہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگے

جبکہ وہ رخ تہ نقاب چھپا　　ہو گئی شام آفتاب چھپا
سنکر بادہ محتسب آیا　　ساقیا شیشہ و شراب چھپا
اس بناگوش کی خجالت سے　　در شہوار زیر آب چھپا

---

[1] ن۔ پ ہو نشہ سے کیا سرور۔ [2] ن۔ پ چمن
[3] ن۔ پ وطن

ہے قصور نظر یہاں قدرتؔ ✽ ورنہ کب حسن بے حجاب چھپا

ہم پر ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا[1] ✽ یار گھر جانے لگا اے وائے گھر جانے لگا
کب تلک اے نالہ زیر لب رہے گا تو گرہ ✽ حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
رنگ ہستی مٹ چلا اس دل کا موج اشک سے
غنچۂ تصویر تھا پانی سے کھلانے لگا ✽

اہل عدم کو رنگِ فنا کا تھا کب شعور ✽ ہر نقش رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا
آداب عاشقی کوئی سیکھے پتنگ سے ✽ تا شمع جلوہ گر ہدیہ مشت غبار تھا

بر سر جلوہ جو کل وہ بت ہرجائی تھا ✽ سو جگہ چاک مرا جیب شکیبائی تھا
جلوہ حسن نے کھولی ہی نہ تھی منہ سے نقاب ✽ کہ یہاں حد نظر کو چشمِ رسوائی تھا

عسکری | افسر سخنوری مرزا "عسکری" شاگرد[2] قدرت۔ من کلامہ

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم ✽ تجھے تیری طرف جدھر گئے ہم

دردؔ | رنگ کسب ریاضت سے زرد، تن میں نالہ لب پر آہ سرد،
(حضرت) خواجہ میر (صاحب) تخلص "درد" خلف الرشید شاہ گلشن[3]،
سحر بیان، شیریں سخن، مصنف کتاب "نالہ عندلیب[4]"، شغل حسن پرستی
سے ناشکیب، اوائل میں سپاہی پیشہ، صاحب خنجر و تبرزین[5] (آخر) آخر
ترک لباس کرکے سجادہ نشیں ہوئے علم موسیقی میں کوک ساز اور علم تصوف

---

[1] ن۔ پ میں نوٹ ہے "ایام جمع لیویں" کی ہے "آنے لگا چاہیئے"۔ [2] ن۔ پ تلامذہ سے شاہ قدرت اللہ کے لکھا یہ شعر اسی سے۔ یاد [3] درد شاہ گلشن کے بیٹے نہیں بلکہ خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیٹے تھے جو شاہ گلشن کے مرید تھے [4] یہ کتاب خواجہ محمد ناصر عندلیب کی تصنیف ہے۔ [5] تبرزن؟

کے ہمراز تھے۔ سلسلہ ان کا نقشبندیہ، سرور اور غنا پسند، ایک رسالہ مختصر حلت غنا میں مریدوں کی ہدایت کے واسطے تصنیف کیا ہوا ان کا اور وفات شریف بھی بیشتر اوقات محو سرود و غنا۔ دوسری تاریخ ہر مہینہ کی مجلس حال و قال ان کے پدر بزرگوار کی[1] قبر پر مقرر تھی۔ ایسا انبوہ ہوا کرتا تھا کہ سلاطین بھی آتے تھے۔ حتیٰ کہ بادشاہ عالی گہر بیشتر شریک صحبت (ہوتے تھے) ایک دن دو زانو بیٹھنے کا دیر تک اتفاق ہوا[2]۔ قدم مبارک درد کر اٹھا بادشاہ نے اس[3] زانو کو اس پر لیا ناگاہ نظر خواجہ (صاحب کی) بادشاہ پر جا پڑی وہ گھنڈی کہ فقیروں کے پاس ہوتی ہے بقوت تمام بادشاہ کے زانو پر ماری بادشاہ نے شکوہ کے عوض درد پا پیش کیا۔ (میر) درد (صاحب) نے کمال بیدردی سے فرمایا "این خانہ درد است، سراپا درد شو دگرنہ از اینجا بیرون رو"۔ خواجہ صاحب موحد ایسے تھے کہ اس صوفی صافی کی نذر کے واسطے ایک شخص مینا لایا اور حضرت نے پنجرہ اس کا (خلوت) خانہ خاص میں لٹکایا اور اس جانور نے یا علی مدد کی صدا کہی باوجودیکہ طریقہ فقیری بولی ٹھولی کا ہے۔ شاہ[4] صاحب نے زبان اس حیوان مطلق کی حلق سے کھینچی۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخبیثہ یہ اشعار اس سے یادگار (ہیں) رقم ہوتے ہیں۔

مژگاں تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں ۔۔۔ جو کچھ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
ہر شام مثل شام رہوں ہوں سیاہ پوش ۔۔۔ ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

جاؤں ہوں گو ادھر جو لگا بازی مجھے گردوں جانے نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ ادھر سے

---

[1] ن۔ پ کے مزار [2] ن۔ پ رہا
[3] ن۔ پ ایک زانو کو دوسرے زانو پر رکھ لیا [4] ن۔ پ اس تعصب پیشہ نے

کہیں ہوا ہے سوال و جواب آنکھوں میں | یہ بے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

نزع میں ہوں پہ وہی نالہ کیے جاتا ہوں | مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے | اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں | گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
کچھ اور کنج غم کے سوا سوجھتا نہیں | آتا ہے یاد جبکہ وہ کنج نہاں مجھے

ہم چشمی ہے وحشت کو میری چشم تر سے | آتے ہو نظر پر وہی غایب ہو نظر سے

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا | برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
اذیت مصیبت بلائیں ملامت | ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں | کبھی تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے | ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے | مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے | درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اس اثر میں دو معنی ہیں ایک تو تاثیر دوسرے نام سجادہ نشیں کا
کہ ان کے بعد ہوا۔

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہو دل نظر میں ہوتی ہے بت پرستی انکو خدا کے گھر میں

یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

درد درویش ہوں مری تعظیم کرتے ہیں لوگ کہہ کے بسم اللہ[1]

بے کسی کو عبث کیا بے کس قتل کر مجکو کیا کیا تو نے

جان پہ کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا جی نہ رہے یار ہے مجکو ادھر دیکھنا

ذکر وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو کہتے ہو[2] کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

سو کبھی نہ تو ایک دم دیکھ سکا اے فلک اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

نالہ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

باہر نہ آسکی تو قید خودی سے اپنی اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

---

[1] ن۔ پ یا اللہ [2] ن۔ پ کہتے ہو یہ کس سے تم

جان سے ہو گئے بدن خالی   جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا   تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے   مری یاد تجھکو دلاتا رہے گا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا   ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے   غم رہ گیا کبھی کبھی آرام رہ گیا
ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر   لب تشنہ تیرے عہد میں یہ جام رہ گیا

ہر چند کیے ہزار نالے   پر یہ دل سے نہ اضطراب نکلا

آشیانے میں درد بلبل کے   آتش گل سے آج پھول پڑا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا   پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

حیران آئینہ دار ہیں ہم   کس سے یارب دو چار ہیں ہم
کوئی کیونکر نظر میں لاوے   تگ چشم شرار ہیں ہم
مجنوں ہو خواہ کوہ کن ہو   عاشق کے دستدار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر   پر اس میں بے اختیار ہیں ہم

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں   ہمی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی | کہ مثل بحر سراسر کنارہ رکھتے ہیں
بلا ہے نشۂ دنبالہ تا قیامت آہ | سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں
نہ برق ہیں نہ شرر ہیں نہ شعلۂ بیتاب | وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں
وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں ٹھہرا | اگرچہ درد اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں | دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی | دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اُس کی بہار حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے | فصل بہار جس کے یاں آگے یہ گلفروش ہے
بخت سیہ برنگ شب نت ہی کا گلیم پوش ہے | شمع کبھی اپنے یاں اگر ہے تو سدا خموش ہے
نالہ و آہ کیجیے خون جگر بھی پیجیے | پ عہد شباب کہتے ہیں موسم نای و نوش ہے
آفت جان و دل یہاں وہ بت خود فروش ہے
پ پہلے ہی جس کی پیشکش صبر و قرار و ہوش ہے
دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی جو ہوش ہے
پ کہتے ہیں کعبہ اس کو اندر کعبہ سیاہ پوش ہے
کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
پ غنچے سبھی وہاں سبزے گل بھی تمام گوش ہے
اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں | درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے | لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

کان کا موتی نہیں عاشق کا اشک   مردِ جوہری ہے تری یوں جم رہا

الم | خوش تقریر، مردِ بے غم، صاحب سیر تخلص "الم" خلف میر درد۔

دو رباعی اس سے یادگار

نے دل کو قرار بیقراری کے سبب   نے چشم میں خواب اشکباری کے سبب

واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی   یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

سودا کب تھا اسے یہ کب تھی وحشت   بس دیکھ تجھے ہوا پریشان حالت

زلفوں کے دام میں الم سا آزاد   اگر پھنس جائے یوں خدا کی قدرت

طپش | سودائے سفر سے خاطر اس کی مشوش، محمد اسماعیل عرف مرزا جان تخلص "طپش" اولاد سے سید جلال بخاری کے (تھا) ابتدا میں محمد یار بیگ سایل کا شاگرد بعد اس کے خواجہ میر درد کا۔ من کلامہ

رشک سے تیرے لعل گلگوں کے   غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

اس گلشن جہاں میں جو آیا سو داغ ہے   گلچین روزگار سے کس کو فراغ ہے

ہرگز نہ سلاسل سے ہو تسخیر ہماری   چوں زلف بتاں چاہیئے زنجیر ہماری

کچھ تیرے سلیقہ سے پھنسے ہم نہیں صیاد   لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری

دشنام سکا نہیں کبھی انعام کا نہیں   خود کام وہ میرا تو کسی کام کا نہیں

دینے لگے طپش جو دلاں کو تو بول اٹھے   رہنے دو پاس اپنے کسی کام کا نہیں

---

۵ ن۔ پ کبھی کبھی رباعی کہتے تھے منہ

خاک سے جام کیا جام کو پھر خاک کیا   تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردش افلاک کیا

کس کی طرف سے آج طپش تجکو پاس ہے   پر سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

خدا کسی کو نہ آزار عشق دیوے یار   کبھی ہمیں بھی یہی عارضہ تھا اب ہے دور

ہے خدا جب سے دیکھ کر یہ طپش   خال[لہ] کا تیرے گال پر نقطہ
جن دنوں میں کہ تھا یہ تیرا سبق   ذال خالی ہے ذال پر نقطہ

کبھی تو پاؤں کی ٹھوکر سے ہم بھی آشنا ہوتے   اگر خوابیدہ کوچہ میں ترے جوں نقش پا ہوتے

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ   سو بعد مرگ ہوا وہ بھی قبر کا تعویذ

ترے شہید کے اسباب غم نظر آئے   شب فراق کے کالے علم نظر آئے

قطعہ

دا حسرتا کہ پہنچے جو ہیں تا سواد شہر   بولا یہ ساربان سے یہ دل پکار کے
از نامراد ناقہ لیلےٰ نہیں ہے یہ   آتا ہے کس امید پہ پیچھے قطار کے

ہدایت | سرد جو بار سوز دو نیت، ہدایت خاں تخلص "ہدایت" معاصر اور ہم طرح محمد قایم شاگرد میر درد من کلامہ

لہ ن . پ شام

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو   لگتی ہے بھٹیں نکہت گل سے دماغ کو

دیکھا نہ دور سے بھی میں اُٹھ کے چمن کبھو   پر آنکھوں سے میری رخنۂ دیوار ہی کھلا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا   نہیں بعد میرے کوئی بیلی کسی کا
کیا حسن سے اپنے آگاہ اس کو   الٰہی ہو خانہ خراب آرسی کا

ٹھہر چکی تھی جی پہ یوں جائیں[۱] نہ کوئے یار میں   آہ پر اس کو کیا کروں دل نہیں اختیار میں

بے آب و دانہ مرتے ہیں ان کا ثواب لے   ظالم خبر اسیروں کی اپنے شتاب لے

مرتا ہے اس کی چشم سیہ فام کے لیے   دل میرا ہے دو نیم دو بادام کے لیے

انجام کار دل کا پہ آیت ہیں کیا کہوں   آنسو کی بوند ساتھ لہو کے ٹپک گئی

نالہ سے میرے اور تو اب چاہتا ہے کیا   پانی تو کر دیا ہے دل کوہسار کو

محشر | شاعر خود نگر مرزا علی نقی[۲] تخلص "محشر" بزرگ اس کے اہل خطہ اور آپ ہند کا پرورش یافتہ، دعوائے شاعری دماغ میں پیچیدہ، قدم راہ صواب سے کشیدہ تھا، دل احباب اس کی یاوہ گوئی سے نفور۔ میر درد کا شاگرد مشہور یہ شعر اس سے یادگار

۱؎ ن ۔ پ یہ جاؤں   ۲؎ ن ۔ پ نقی

آنکھوں نے جو اس شوخ سے یاں راہ نکالی ساتھ اپنے ڈبویا مجھے اور چاہ نکالی

گو جان سے جاوے تو فراق اس کے [illegible] پر دیکھیو تو نے جو کبھی آہ نکالی

وصال | سخنور بے مثال نصر اللہ خاں تخلص "وصال" پسر و شاگرد نثار اللہ خاں فراق یہ اس سے یادگار

آئینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

بیدار | چشم مست کا بیمار، میر محمد علی تخلص "بیدار" شاگرد [illegible] اللہ فراق یہ اس علیہ سے یادگار

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیے گا ایک نہ ملنے کو نہ کم کیجیے گا
گر یہی زلف یہی مکھڑا ہے پہ غارت دیر و حرم کیجیے گا

قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرا منزل ہو دور خواب سے اٹھ دن تو ڈھل گیا

صبا کو یہ میں تیرے اس لیے ہر صبح آتی ہے کہ تیری بو سے جا گلشن میں پھولوں کو [illegible] آتی ہے

جان تک تو نہیں ہے تجھ سے دریغ اے میں قربان کچھ [illegible] ہم کو
گاہ رونا ہے گاہ ہنسنا ہے عاشقی کا بھی نہ [illegible] ہم کو

سلام بھی ہے زمانہ میں اور دعا بھی ہے ہمارے یار نے [illegible] کچھ کہا بھی ہے

جس دن تم آ گئے ہم سے ہم آغوش ہو گئے شکوے جو دل میں تھے وہ فراموش ہو گئے

۱؎ ن۔ پ سخن سنج ۲؎ ن۔ پ خلف ۳؎ ن۔ پ منگا [illegible]

مان کہنے کو، نہ جا چھوڑ کے اسوقت مجھے — بات رہ جائیگی اور دن تو گزر جاتے ہیں

ہم تری خاطر نازک سے حذر کرتے ہیں — ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

جان مشتاقوں کی لب پر آئیاں — بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

شیدا | موزون الطبع، ذہن کارسا، نام فراموش تخلص شیدا شاگرد (میر محمد تقی) بیدار یہ (شعر، اس سے یادگار)

لے کے دل اے بیوفاؤ تو قسم کھاتے ہو تم — ہم دغا بازوں کے آگے سے کہاں جاتے ہو تم

اک نرالے شہر میں بانکے بھی پیدا ہوئے — ہر گھڑی تیغ دو سیرے کے دھمکاتے ہو تم

مقبول | مرد معقول، مقبول علی خاں تخلص بہ مقبول، پسر انعام اللہ خاں یقین شاگرد فراق من کلامہ

دل گرفتاری کو اس لٹ کی کب چاہے تھا — عشق نے ڈالی ہے پاؤں میں یہ زنجیر بہ زور

قاصر | طبیعت اس کی حاضر مرزا بر علی بیگ تخلص "قاصر" شاگرد ثناء اللہ خاں فراق من کلامہ

یاد کس گل رو کی اس دل کو نزاکت آ گئی — آہ کر سکتا نہیں ایسی نقاہت آ گئی

قربان | تیر خوردہ کمان ابروے خوباں، میر محمدی، تخلص "قربان" شاگرد فراق یہ اس سے یادگار

کس کی برگشتہ نگہ کا ہو رہا بیمار کہ آہ — یاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

حکیم | عقیل و فہیم، محمد پناہ خاں تخلص "حکیم" ابتدا میں تخلص اس کا نثار تھا جب خواجہ میر درد کے بعد شاگرد فراق کا ہوا۔ حکیم تخلص کیا من کلامہ

ف ن سل "گذر" جائیں گے" تھا مگر ن۔پ اور دیگر تذکروں میں "جاتے" ہیں اس لئے صحت کر دی گئی ہے ۲ ت۔پ یادگار ۳ ن۔پ کمیں ہم ۴ ن۔پ تخلص بہ ۵ ن۔پ من کلامہ ۶ ن۔پ نثار بعد حکیم منہ

کہتے ہیں حکیم آیا بت خانے سے مسجد میں — ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

ترے لیے خلقِ خدا در بدر ہے — اے خانہ خراب تو کدھر ہے

عشق | خوش مذاق، میر عزت اللہ خاں تخلص "عشق" شاگرد ثناء اللہ خاں فراق۔ من اشعارہ

ترا اے صانع نقدیر کیا[1] ہم نے بگاڑا تھا — کہ اس نازک بدن کا دل بنایا سنگ خارا سا

سبز خط کی دل سے الفت ہم بھلا سکتے نہیں — جو خدا نے لکھ دیا ہے وہ مٹا سکتے نہیں

بلبل تو عبث بھولی ہے اس گل پہ کہ جس کے — کچھ دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو

چل ساتھ مرے تجکو دکھاؤں وہ طرح دار — آنکھوں سے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو

بیتاب کوئی شے نہیں سیماب کے مانند — پر یہ تو کبھی نہ ہوگا دل بیتاب کے مانند

مسرور | شاعر[2] نیک کلام اس کا اہلِ نظر کو منظور، مرزا منگی بیگ تخلص "مسرور" شاگرد عزت اللہ عشق ہے

سدا اس چشم میگوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں

صراحی کی ہوس نے خواہشِ پیمانہ رکھتے ہیں

مسرت | صاحب استعداد و قابلیت شیخ وزیر علی تخلص "مسرت" شاگرد عزت اللہ عشق من کلامہ

اگرچہ روتے روتے پھوٹی آنکھیں — نہ رکھا دیدۂ بیدار پر ہاتھ

---

[1] ہم نے کیا تھا ن۔پ نہیں شے کوئی ستم ن۔پ شاعر نیک منگی بیگ تخلص مسرور بہایت مشہور۔
[2] ن۔پ من کلامہ شد ن۔پ منہ۔

تحیر | غریق بحر تفکر، مصطفیٰ خاں تخلص "تحیر" شاگرد شناء اللہ خاں فراق من کلامہ[1]

تیر اطفال کو ہے سنگ اٹھانے کی — آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

رفیق | قابل او لبیق، مرزا اسد بیگ تخلص "رفیق" شاگرد شناء اللہ خاں فراق من کلامہ

ہم گھر میں تمھارے کہو کس راہ سے آئیں — دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمھارے

رہ دشمن رہے گا داغ دل عاشقاں مدام — مانند نقش پا ترے کوچہ میں [illegible]

آفاق[2] | میر منیر الدین تخلص "آفاق" شاگرد شناء اللہ خاں فراق

ہاتھ کا اس کے خط کب لایا — ترے قاصد میں ہاتھ کٹوا دے

شہرت | صاحب عقل و فراست، امیر بخش تخلص "شہرت" شاگرد فراق منہ[3]

حیرت بڑی ٹپکتی ہے شمع مزار سے — آئینہ کو جلا دو ہمارے غبار سے

قدرت | قادر موزونیت مولوی قدرت اللہ تخلص "قدرت" ساکن اکبر آباد شاگرد فراق یہ اس سے یادگار

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا — یہ دل روز میرا آہ شب تار نہ ہوتا

مائل | شاعر نیک[4] خصائل، میر محمدی تخلص "مائل" شاگرد مولوی قدرت اللہ یہ اس سے یادگار[5]

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس — مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

شگفتہ | طبیعت کا شگفتہ، عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں تخلص "شگفتہ" شاگرد میر محمدی مائل۔ یہ یادگار[6]

1۔ ن۔ پ منہ 2۔ ن۔ پ ان کا ذکر نہیں ہے 3۔ ن۔ پ من کلامہ

4۔ ن۔ پ نیکو 5۔ ن۔ پ منہ 6۔ ن۔ پ منہ

برگشتہ بخت ہم سے دیکھے ہیں کم کسی نے جب ہم ہوئے مقابل وہ منہ کو موڑ بیٹھے

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یاں ہے تازہ شیدا ہیں اس پری کے ہم گرچہ مدتوں سے

نبیؐ کو خاطر اصحاب کیوں نہ ہو منظور کہ زیب و زینت محفل[1] ہے چار یاروں سے

شگفتہ | شاہ حسنی کا فرلفیتہ، حافظ عبدالصمد تخلص "شگفتہ" شاگرد کچھو رخاں

آشفتہ من کلامہ[2]

بے سبب کاکل شکن ہیں یہ شانہ کیا تھا منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانہ کیا تھا

شگفتہ | خانہ ان کا فولاد[3] بدھ سنگھ تخلص "شگفتہ" قوم جاد. شاگرد کچھو رخاں

آشفتہ من اشعارہ[4]

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

نصیر | میاں نصیر الدین عرف میاں کلو پیر زادہ، اولاد سے سید پیر[5]

صدر جہاں کے ساکن شاہجہان آباد اس[6] شہر کے موزونی طبع کا اس ...

حیدر آباد دکن میں خطاب ملک الشعرائی کا اسے ملا اور غلغلہ بیش از بیش

ہوا۔ مگر لکھنؤ میں جب تشریف لائے یہاں سے رنجیدہ خاطر گئے۔ طرز ایہام میں نظیر

تخلص "نصیر" بقول مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بے خار شاگرد مولوی

قدرت اللہ اور وہ شاگرد ثناء اللہ فراق کا، سلسلہ میر درد سے ملتا ہے۔

اشعار اس مرحوم سے یادگار

پھرائی چادر مہتاب شب مہ کش نے جیو پر کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

---

[1] ن - پ مجلس [2] ن - پ اشعارہ [3] ن - پ منہ۔

[4] تذکرہ ہندی مصحفی حیدر [5] ن - پ رئیس اس شہر کے شاگرد اس کے

قد ترا نے سرو نے شمشاد ہے　　مصرعۂ برجستہ استاد ہے

فلک پہ دیکھ مرے دود آہ کا ٹکڑا　　گھٹا ہے شرم سے ابر سیاہ کا ٹکڑا
ہیں کشتہ اس کے خط سبز کا ہوں رکھ دینا　　مرے مزار پہ اک برگ کاہ کا ٹکڑا

دل جلوہ گاہ صورت جانانہ ہو گیا　　شیشہ یہ ایک دم میں پری خانہ ہو گیا

دہن کو دیکھ ترے ہے یہ رنگ غنچہ کا　　کہ قافیہ ہے گلستاں میں تنگ غنچہ کا

مدام دیدۂ نرگس سر مزار رہا　　کہ بعد مرگ بھی تیرا ہی انتظار رہا

دل میں ہے کیا جانیے کس کا خیال نقش پا　　لگ گئیں آنکھیں زمیں سے جوں مثال نقش پا

یوں دل صد چاک کو مت دیدۂ تر بیچنا　　یہ گل پژمردہ ہے اس کو چھڑک کر بیچنا

سر اپنا خاک سے محشر کو جب بلبل نکالے گی　　بجائے نامۂ اعمال برگ گل نکالے گی

ہیں اودی ترے وسمہ کی رعنائی سر پر　　مرے جیتے جی ات یہ تاروں بھری آئی سر پر

بلے ہے زلف رخ پر داغ جگر کے چمکتے ہیں　　کبھی بدلی گھر آتی ہے کبھی تارے چمکتے ہیں
نہ صرف ان جامہ زیبوں کے گریباں گیر ہم ہونگے　　سر لوح مزار عاشقاں دامن جھٹکتے ہیں

بہ یادِ خالِ بتاں اشک کیا نکلتے ہیں مسافر آج یہ تاروں کی چھاؤں چلتے ہیں

ٹھہر جا نا مژہ کا اس دلِ سوزاں پہ آفت ہے کہ خورشید ایک نیزہ پر جب آیا پھر قیامت ہے

کب اس میں طفلِ اشک کا رہنا قبول ہے گھر چشم کا جو ہے سو مکانِ نزول ہے
ترے آنے کی خبر گر گلِ شاداب اڑے پہ بیضۂ غنچہ سے اک بلبلِ بیتاب اڑے

کہے ہے سایۂ مژگاں کو دیکھ قاصدِ اشک کہ چھپ گیا مجھے دریا ہی کے کنارے دن

کس گنہگار کے نامہ کا ہو نہ لیسر کاغذ تو جو قینچی پہ چڑھاتا ہے یہ لے کر کاغذ

کسی دیوانہ کی ہے محو تماشا زنجیر صورتِ چشم بنی ہے جو سراپا زنجیر
تری آنکھوں کو ہے کیا سرمہ کی تحریر سے کام پاؤں میں رکھتے نہیں آہوئے صحرا زنجیر
پاؤں کیونکر ترے کوچہ سے اٹھاؤں اپنا ہاتھ سے ضعف کے ہو ہر رگ اعضا زنجیر
میں تو دیوانہ ہوں تو پاؤں عبث پڑتی ہے سر نہ چڑھ اپنے ہوا ہے تجھے سودا زنجیر

نخلِ مژہ کی چھاؤں میں لوٹے تھا طفلِ اشک یا دیکھتا ہوں خاک پہ اُس نورِ دیدہ کو
اُس گل نے جام مے جو دیا مجھکو باغ میں سمجھا ہلالِ عید میں شاخِ خمیدہ کو

آبلے پڑ گئے ہیں عشق کے سارے دل پر خیمۂ لشکرِ غم ہے یہ ہمارے دل پر

رکھ آئینہ نہ میرے رخِ زرد کے حضور ہو جائے گا یہ برگِ خزاں دیدہ دیکھنا

چاہے جو دل ترا کبھی دریا کی سیر کو پ چشمِ پُر آب عاشقِ غمدیدہ دیکھنا

غنچے کی کھولے ناخنِ موجِ صبا گرہ ہیہات میرے دل کی نہ ہو تجھ سے وا گرہ
رکھتے نہیں ہیں بحرِ جہاں میں حباب وار دل میں کسی کے ساتھ یہ اہلِ فنا گرہ
کب چھوڑتا ہوں وعدہ فراموش یوں تجھے جب تک کہ تو نہ دے سرِ بندِ قبا گرہ
حیران برنگِ غنچۂ تصویر ہوں نصیر کھولیں گے میری حضرتِ مشکل کشا گرہ

چند اس زلف سے قطرے جو چھوٹے پانی کے پڑ گئے سنبلِ پیچاں پہ گھڑے پانی کے

رہ گیا پہلو میں کیا قاتل کا خنجر ٹوٹ کر طائرِ دل کا مرے نکلا ہے شہپر ٹوٹ کر
اشک کے چلنے پہ اے دل تو نہ بھر دم آہ کر طفلِ ابتر گر پڑے گا دیکھ بسم اللہ کر

ہو ملو دیکھئے شبِ زلفِ بتِ مغرور دراز رشتۂ عمر ترا ہو دلِ رنجور دراز
ناوکِ آہِ دلِ گوشہ نشیناں سے بھی ڈر کھینچ نہ آپ کو مانندِ کماں دور دراز
چشمِ مشتاق ترے آنے کی دیکھے ہے فال دستِ مژگاں میں لیے سبحۂ کافور دراز
ہم نے جوں نقشِ قدم وادیِ الفت کو نصیر بیٹھے بیٹھے ہی کیا طے سفرِ دور دراز

غضب ہے اس تری انگیا پہ گھونگھرو کی لہر پ کہ پھر گیا مری چھاتی پہ یاسمن کا سانپ

ثریا عمر

کوئی نہیں کہتا ہے نے قلیاں کو فریاد و فغاں دیکھ کے سرگرم نہ ہو

ئے جو (تذکرہ عمدہ منتخبہ)

دم عشق کے کیا بھرے ہوائے سوختہ جاں آتی ہے ابھی منہ سے ترے دودھ کی بو

مضمون سے نہ فیض یاب معنی تو ہے ہر نقطہ یہ ایک کتاب معنی تو ہے
کہتے ہیں جسے صحیفۂ عشق نصیر وہ نسخۂ انتخاب معنی تو ہے

منیر | خوش تقریر وجیہہ الدین تخلص "منیر" شاگرد و خلف شاہ نصیر بصیرت علمیا میں فخر پدر بزرگوار یہ اشعار اس سے یادگار۔

فرہاد سے کہتی تھی تیشہ کی زباں ہر دم معدوم نہ ہوئی تا داں سنگ آمد و سخت آمد

اس باغ جہاں میں کبھی پھولے نہ پھلے ہم جوں نخل چنار اپنی ہی آتش میں جلے ہم

بیانِ جور خوباں کل ترا اے ابر غم سُن کر یہ کہہ کر مرگیا اک آہ پھر ایسی نہ ہوئی تھی

خون کی دھاریں یہ چھٹیں نہ لہو سے دل افگاروں کے
رونگٹے تن کے کھڑے ہو گئے فواروں کے

دریغ | صاحب قلم و تیغ سیف الدولہ رضی علی خاں تخلص "دریغ" شاگرد شاہ نصیر دہلوی من کلامہ

یوں وہ بولا دیدۂ تر دیکھ کر دو چار کے ڈوبتے کچھ نظر آتے ہیں گھر دو چار کے

وفا | طبیعت کا رسا، مرزا عبد العلی تخلص "وفا" شاگرد نصیر دہلوی یہ اس کی تقریر

وہ دہن زخم جگر ہے عاشق دل گیر کا جس میں جوں انگشت حیرت ہے پیکان تیر کا

۱؎ ن-پ یہ بیت اس سے یادگار

منشی | سخن اس کا عام پسند لالہ سکھ چند تخلص "منشی" شاگرد نصیر دہلوی
من اشعارہ

تو ہے شاہ کشور خوبی و حسن بشری   ماہ تابندہ ترا داغی غلام اے پری

آہ قمری کو، جو اے سرو سہی پایا تو نے   راست تو یہ ہے کہ کچھ پھل بھی نہ پایا تو نے

وقت رخصت کیا بیاں کیجے جو کچھ حالت ہوئی   تم ادھر رخصت ہوئے اور جاں ادھر رخصت ہوئی

اظہر | مرد نامور و شاعر بہتر و تاریخ گوئی کے وصف میں مشہور تر و صحت تاریخ گستر، سعید ازلی، مولوی شیخ کرامت علی تخلص "اظہر" خلف الصدق مولوی (شیخ) امانت علی (مرحوم) ساکن (موضع) شیخ پور (و) تکیہ ضلع فرخ آباد (وارد لکھنؤ) شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی صاحب مرحوم تھا۔ عرصہ سے مولف کا آشنا، شریک صحبت و یار غار خلوت، نظارہ باز حسن حقیقی اور تالیف قلوب میں استاد۔ چند تاریخ اور چار اشعار اس منتخب روزگار سے یادگار۔ تاریخ سریر آرائی

شاہ دہلی یعنی بادشاہ جم جاہ بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ

از یمن جلوس شاہ خسرو عہد   افزود بہار باغ دہلی
گر فکر ترا است بہر تاریخ   اظہر تو بگو چراغ دہلی

۱۲ھ ۵۳

---

۱ ن۔ ب سن کا   ۲ ن۔ ب نام آور   ۳ ن۔ ب تواریخ

۴ ن۔ ب عنفوان شباب میں حسن سادہ رویاں سے بیتاب رہتا تھا اور الفت امردان رشک حور سے نا بصورت یہ احقر محرم راز بلکہ دمساز تھا۔ مختصر یہ چند تاریخ اور چار اشعار منبر نگارش یادگار ہیں۔

تاریخ سبیل امام باڑہ (حضرت امام حسین علیہ السلام)

این مکان سبیل شاہ زماں | چوں بیار است از پے حسنین
خوش ز روے ادب نوشت اظہر | کہ بود این سبیل نذر حسین

۱۲۵۴ھ

تاریخ (پل) آہنی دریائے گومتی دبنا فرمودہ بادشاہ حضرت واجد علی خلد اللہ ملکہ

قبلۂ حاجات عالم مظہر جود و کرم | آفرینش را ببر ذات پاکش افتخار
چوں بنا بر گومتی فرمود جر آہنی | از پے آسودگی خلق آں فرخ تبار
بہر سال ابتدائش خامہ اظہر نوشت | شد جسر آہنیں اعجاز داؤ د آشکار

تاریخ امامباڑہ (بنا نمودہ) خواجہ سرائے خوش نظر اعتماد علی خاں (عرف خوش نظر)

اظہر چو اعتماد علی خان پاک جاں | مومن خجستہ بخت وجواں سال وحق پرست
نذر حسین قصر عزا کرد وہم نوشت | شیون گہ حسین علیہ السلام است

۱۲۵۶ھ

(تاریخ مشاعرہ خانہ حکیم محمد ابراہیم)

در جناب محمد ابراہیم | صحبت شاعراں پسند افتاد
پس تو اظہر بخواں پے تاریخ | صحبت شاعران نیک نہاد

۱۲۶۲ھ

اشعار مولوی موصوف

دل خراب یہ کیوں کر نہ اضطرار آئے | جو غیر سے وہ ہم آغوش و ہمکنار آئے
مزہ تبھی ہے کہ تنہا گھر آپ یار آئے | کہ بد نما ہے اگر گل کے ساتھ خار آئے

چراغ دیر میں روشن کروں میں کعبہ میں شمع — جو شعلہ رویوں سے صحبت مری برابر آئے

صبا کو بھی نہ ہو معلوم تا نشاں اپنا — رکھیں گے دور جہاں سے ہم آشیاں اپنا

خوشی سے پھول کے کیونکر چمن میں بیٹھیں ہم — کسی روش نہ ہوا ہائے باغباں اپنا

ہوس نہیں ہمیں اب بزم عیش کی ظاہر — کہ زعفران ہوا رنگ ارغواں اپنا

ضمیر | گنگا داس[1] "ضمیر" شاگرد شاہ نصیر یہ دو شعر اس سے یادگار

رو کش ابر بہاری کیا یہ چشم زار ہے — خندہ زن گل پر بھی زخم سینہ افگار ہے

میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال — چشم خواب آلودہ[2] اس کی فتنہ بیدار ہے

ذکا | شاعر خوش ادا لالہ خوب چند تخلص "ذکا" شاگرد رشید شاہ نصیر یہ ہے اس کی تقریر

انداز عجب طرفہ ادا آن تماشہ — ہے سر سے قدم تک تو مری جان تماشہ

نقش پا خالق گیتی نے بنایا مجھ کو — جس کے قدموں سے لگا اس نے مٹایا مجھ کو

رُخ پر قطرے ترے گرمی سے عرق کے چھوٹے — پر روز روشن میں یہ بے وجہ ستارے ٹوٹے

اسیر | قوم نصاریٰ تخلص "اسیر" شاگرد شاہ نصیر یہ (دو شعر) اس سے یادگار

نکل اک دن بت ترسا کہیں گھر سے باہر — دیکھنے کو ترے کب تک کوئی تم سے باہر

خانہ مردم چشم کے نہیں یہ لخت دل اسیر — ہیں طفل اشک کے یہ کبوتر نگار بند

معروف | شعر گوئی پر معروف الٰہی بخش خاں، تخلص "معروف" شاگرد

---

[1] ن۔ پ آلودہ   [2] ن۔ پ، تلمذ اس کو نصیر دہلوی سے

(شاہ) نصیر (دہلوی) من کلامہ

کیا چھٹی اس کی تمامی کی وہ انگیا ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوں گئی سونے کی چڑیا ہاتھ سے

طوماس | صاحب تمیز و قیاس، جان صاحب فرنگی تخلص "طوماس" شاگرد (شاہ) نصیر[1] من کلامہ

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

اعظم | خوش قلم، اعظم خاں تخلص "اعظم" شاگرد (شاہ) نصیر (دہلوی) یہ[2] اس کی تقریر

اسی مضمون سے معلوم اس کی سرد مہری ہے جو اس نے نامہ مجکو کاغذ کشمیر پر لکھا

درد دل از بس طبیعت سے نہاں رکھتے ہیں ہم شبنم آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم

امیر | شیخ امیر اللہ تخلص "امیر" شاگرد (شاہ) نصیر (دہلوی) یہ اس سے یادگار

اس تشنہ گلو پر ہی پھرا دیکھو تو قاتل بے آب ترا خنجر براں نہ ہوا ہو

امی | عالم سخنوری، روشن بیگ تخلص "امی" شاگرد نصیر (دہلوی) منہ[3]

جی دھڑکتا تھا کہ پہنچے میں نہ آجائے لچک ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے ترا جان کے ہاتھ

منعم | شیریں مقال فارغ بال طبع اس کی سالم موہن لال تخلص "منعم" شاگرد نصیر (دہلوی) یہ اس کی تقریر[4]

کہیں آیا ہے دلا آج قد یار نظر کچھ قیامت کے سے آتے ہیں جو آثار نظر

مشیر | شیخ قطب الدین تخلص "مشیر" شاگرد شاہ نصیر یہ (شعر) اس سے یادگار

یہ غل ہے کہ وحشی نے ترے پاؤں لگائے پھر دست جنوں سلسلہ جنباں نہ ہوا ہو

---

[1] ن ۔ پ یہ شعر اس سے یادگار [2] ن ۔ پ یہ اس سے یادگار

[3] ن ۔ پ یہ بیت اس کی مشہور [4] ن ۔ پ تخلص منعم نام موہن لال

سہراب | قوت شاعری میں رستم کا جواب، سہراب بیگ تخلص سہراب:
شاگرد نصیر من کلامہ

نہ ہوئی کوئی شب وصل میسر ورنہ — دیکھتے شوق محبت سے میں کیا کیا کرتا

ہم آئے بہ تنگ زیست سے پر — اے خانہ خراب تو نہ آیا

نکہت | گل گلشن موزونیت، سید نذر علی تخلص "نکہت"۔ شاگرد نصیر من اشعارہ[۵۱]

آج تک پر وہ نہیں کو ہے مرے گھر آنا — اب تو آئے ملک الموت تو کہہ کر آنا

مشتاق | میاں "مشتاق" شاگرد شاہ نصیر دہلوی[۵۲] مرید بادشاہ بہادر شاہ بنہ[۵۳]

کہا جو اس سے کہ میری خبر نہیں رکھتے — تو بولے غصے سے یہ درد سر نہیں رکھتے

ہوا میں دیکھ کے آئینہ سا جنھیں حیراں — وہ میرے حال پہ مد نظر نہیں رکھتے

ہزار حیف کہ آئی چمن میں فصل بہار — پہنچتے اڑ کے کریں کیا کہ پر نہیں رکھتے

نشان عمر کا اس کی کہیں ملے کیونکر — عدم کی راہ کا ہم نامہ بر[۵۴] نہیں رکھتے

ہمیں تو آپ سے الفت ہے تا دم آخر — رکھیں نہ آپ محبت اگر نہیں رکھتے

کرم کے ہم ترے مشتاق کیونکر ہوں شاہا — کریم تجھ سا کوئی اے ظفر نہیں رکھتے

دلسوز | "دلسوز" تخلص، خیراتی خاں نجابت اس کی نام سے عیاں، میر سوز صاحب کے تخلص پر دل جلانا آتش[۵۵] کا کام (ادر حوصلہ) شاگرد نصیر دہلوی من کلامہ[۵۶]

---

۵۱ ن۔ ب من کلامہ ۵۲ ن۔ ب دہلی

۵۳ ن۔ ب یہ شعر اس سے یادگار ۵۴ ن۔ پ راہبر

۵۵ ن۔ ب ان ۵۶ ن۔ ب یہ اشعار اس سے یادگار

ارادہ پائے بوسی کا تھا اے بیداد گر اپنا   گر اقد موں تلے تیرے کٹا جو وقت سر اپنا

تپ فراق سے بیمار کی جو دیکھی نبض   طبیب کو بھی کئی روز تک بخار آیا[52]

وہ تو کہتے تھے راز دل اپنا   مت کسی دوستدار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے   روز دو تین چار سے کہنا

صاحب | والا مناقب' مظفر الدولہ (نواب) ظفر یاب خاں تخلص "صاحب" شاگرد ضیائی خاں دلسوز سے ہیں کلامہ

نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا   بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارا اپنا
ہے زلف حلقہ زن خط دلبر کے آس پاس   یا اتر رہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

شوق | سخنور خوش مقال، صاحب حال زندہ وقت شیخ غلام رسول تخلص "شوق" شاگرد نصیر سے ہیں کلامہ

لکھا ہوا تھا یہ اس مہ جبیں کے پردے پر   نہیں ہے اب کوئی الیا زمیں کے پردے پر
مرے مزار کے جو گرد کھینچنا دیوار   ہوا ہوں میں کسی پردہ نشیں کے پردے پر

ذوق | شخصیت شاعری میں معاصرین پر اسے فوق' شیخ محمد ابراہیم تخلص ذوق (شاگرد غلام رسول شوق۔ مخاطب بہ سلطان الشعرا ملقب بہ خاقانی ہند اُستاد بادشاہ دہلی۔ یہ اشعار اس وحید روزگار سے یادگار)

چاندنی شب تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا   مجکو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا
(شیخنا ناسخ مغفور نے اس مضمون کو خوب کہا ہے اور ھو ہذا)

---

[51] ن۔ پ ہی پر   [52] ن۔ پ رہا

دھوپ بہتر ہے شب فرقت کی بدتر چاندنی ۔۔۔ صاعقہ کی طور سے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا ۔۔۔ پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا ۔۔۔ کمی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

تامل کیجیو ذوق طپیدن دیکھنے کیا ہو ۔۔۔ کہ اب تک ذبح کرنے کا نہیں قاتل کو ڈھب آیا

ٹھہری ہے ان کے آنے کی یاں کل پہ جا صلاح ۔۔۔ اے جان بر لب آمدہ تیری ہے کیا صلاح

مجھ میں کیا باقی ہے تو دیکھنے ہے کیا ان کے پاس ۔۔۔ بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے ۔۔۔ مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے[۱]

واہ اے شور محبت خوب ہی چھڑکا نمک ۔۔۔ استخواں میرے ہما کس مزے سے کھائے ہے

قطرہ قطرہ آنسو جس میں طوفاں طوفاں حسرت ہے[۲] ۔۔۔ پارہ پارہ دل ہی جس میں تو وہ تو وہ حسرت ہے

قسمت برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر ۔۔۔ تو بھی آ کر تا سر مژگاں حیا سے رہ گئی

زخمی میں ہوا ہوں تری دزدیدہ نظر سے ۔۔۔ جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے

۱؎ ن ۔ پ جو   ۲؎ تذکرہ گلشن بیخار ۔ شدت

خط پڑھ کے اور بھی ہوا وہ پیچ و تاب میں ــــ کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ ــــ ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے ــــ مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آب پیکاں سے ــــ مگر زیارت دل کیوں کہ بے وضو کرتے
عجب نہ تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم ــــ تیمم آب سے اور خاک سے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے ــــ تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
نہ رہتی یوسف کنعاں کی گرمی بازار ــــ جو ہم مقابلہ میں تجھ کو رو برو کرتے
یقیں ہے صبح قیامت کو بھی صبوحی کش ــــ اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے
سراغ عمر گذشتہ کا کیجئے گر ذوق ــــ تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے ــــ یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

نگہ کا وار تھا دل پر تڑپنے جان لگی ــــ چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے ــــ کر کے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن اپنے

وہ جنازے پر مرے کسو وقت آئے دیکھنا ــــ جبکہ اذن عام اپنے اقربا کہنے کو ہیں

سلہ ن ـ ب ـ وہ ہوا

مجکو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر پ مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

لکھیے اُسے خط میں کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اُٹھ نہیں سکتا

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں بے وفا پوچھے ہو کیا دیر ہے لے جانے میں

وہ اپنے سینہ میں ہو آہ آتشیں اے ذوقؔ پ کہ برق دیکھے تو فی النار و السقر ہو جائے

کہتے ہیں لوگ موت کو سب جانے جائے ہے پ پر میرے پاس سے کبھی کوئی کھائے جائے ہے

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں ابھی چھاتی مری تیروں سے چھنی خوب نہیں

دیکھا دم نزع دلآرام کو عید ہوئی ذوقؔ مگر شام کو

وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
نظر[1] لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ظفرؔ | خلاصۂ دودمان گورگانی، لعل بے بہائے بدخشان جہاں بانی، شہریار نیک کردار، شہنشاہ عالی مقدار، صاحب تحصیل، ذاکر تسبیح و تہلیل، حضرت بادشاہ ظل اللہ (فلک بارگاہ) ملائک سپاہ، بہادر شاہ خلد اللہ ملکہٗ متخلص بہ "ظفر" محمد ابراہیم ذوقؔ عہدۂ شاعری پر جناب فیض الکتاب میں نوکر۔

---

[1] یہ شعر غالبؔ کا ہے (شمیم)

سن کلام معجز نظام

ضبطِ فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن ۔ دل بیتاب کو تھاموں یہ نہیں ہو سکتا

ہمارے آگے ہے ذکر اس کے دوستداروں کا پ ۔ پرانے مردوں کی وہ ہڈیاں اکھاڑتے ہیں

دل دے کے اسکو ایسی اذیت ہوئی ہمیں ۔ اب دل کہیں نہ دیں گے نصیحت ہوئی ہمیں

قاصد اشک چلا ہے کے جز دل کا پیغام ۔ کیا ظفر اس سے ملاقات کی پھر ٹھہرا لیجیے

جیوں میں کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے ۔ کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

نعل شکل مہ نو جب ترے توسن کو لگے ۔ پ چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے

پڑھ لیتے پس صفحہ سے مضموں ترے خط کا ۔ کاغذ میں سیاہی دم تحریر نہ چھوڑی

تیس دن وعدہ پہ غرہ کے پھراتا ہے مجھے ۔ پ جب ہوا چاند تو غرہ ہی بتاتا ہے مجھے

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا ۔ اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا

پانی میں اس نے راہ بری کی کلیم کی ۔ آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا ۔ لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا

پھرتا ہے اس کے حکم سے گردوں یہ رات دن ۔ چلتا ہے یاں عمل کوئی جر ثقیل کا

کیا پائے کنہہ ذات کو اسکی کوئی ظفر ۔ واں عقل کا ہو نہ دخل نہ ہر گز دلیل کا

خار پر جو کم ثباتی قطرۂ شبنم کو ہے | اس سے بھی فرصت یہاں کمتر بنی آدم کو ہے
کیا کہیں ہم کیا نجبت، ہم سے تیرے غم کو ہے | ہم غنیمت غم کو ہیں اور غم غنیمت ہم کو ہے
محرم دل ہے وہی جو محرم اسرار ہے | اس حریم خاص میں کب بار نامحرم کو ہے
ساغر دل میں نظر آتا ہے عالم اے ہمی | رو برو اس جام کے کیا رتبہ جام جم کو ہے
جو لکھا تقدیر کا ہے ہو گا پورا دیکھنا | اے ظفر اس میں نہیں کچھ دخل بیش و کم کو ہے

قابل | مرزا عالی بخت تخلص "قابل"۔ ابراہیم ذوق کی طرف مایل۔
یہ اشعار اس سے یادگار

سامنے میرے غیر سے تو ملے | ستم اس سے زیادہ کیا ہو گا

کیا جو قتل مجھے تو نے آج خوب کیا | کہیں عذاب سے چھوٹا تجھے ثواب ہوا

احوال گریہ سن کے مرا یار نے کہا | اے لو ابھی سے عشق میں اس نے تو رو دیا

تم جو کہتے ہو جاؤ تم یاں سے | ایسے جائیں گے پھر نہ آئیں گے
مر ہی جانا ہے عشق سے بہتر | نہ جئیں گے نہ رنج اٹھائیں گے

عالی[1] | شاعر عالی تخلص "عالی" شاہزادہ دہلی۔ رہبر شوق ابراہیم ذوق منہ

صریح اس کو گر احوال دل جتا نہ سکے | تو کیا غزل میں کبھی پڑھ پڑھ کے تم[2] سنا نہ سکے
بیوں میں دل کی بجھے آگ آہ اس پر سے | ذرا سا دار کے پانی بھی یار لا نہ سکے

دارا | سزا دار تخت و تاج، ولی عہد بادشاہ مرزا دارا بخت تخلص "دارا" شاگرد ذوق من کلامہ

---

[1] ن ۔ پ من کلامہ [2] ن ۔ پ ہم

کسی کی چشم میگوں کا تصور ہے ہمیں دارا   قدم اٹھتا نہیں ہے لغزش مستانہ رکھتے ہیں

الم | مرد بے غم تخلص "الم"[1] ساکن دہلی شاگرد محمد ابراہیم ذوق یہ اس سے یادگار ہے)

نہ تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر   الم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں پہ ہوئے

طالب | پنڈت کشمیری تخلص "طالب" ابتدا میں شاگرد جرأت کا جب میاں نصیر دوبارہ لکھنؤ میں آئے یہ ان کا راغب[2] ہوا اس کلامہ

حسن خوباں سے زیادہ مرتبہ ہے عشق کا   تجھ کو ہرگز مت سمجھنا اے بت بے پیر کم

لاکھ تو مجھ کو ستا تنگ نہیں ہونے کا   سنتا ہیں پسر جنگ نہیں ہونے کا

سخت جاں ہم ہیں کہ ہوتے ہیں مقابل ورنہ   سامنے دل کے مرے سنگ نہیں ہونے کا

قافلہ اشک کا آگے نہ چلے گا ہرگز   جب تلک نالۂ دل زنگ نہیں ہونے کا

دام میں ہم[3] جو کریں زمزمہ سنجی صیاد   آشیاں گم کریں مرغان[4] خوش الحاں کتنے

مومن | مسیحا نفس، ستارہ[5] داں، حکیم بے نظیر شاعر بے عدیل "مومن" خاں شاہجہان آباد کا ساکن، شاعر باجماعت، تلامیذ بے نہایت، عرور شاعری از حد، معاصرین سے کاوش وکد، شاہ نصیر سے تحصیل علم شعر کردا ابا[illegible] الکار یہ (اشعار) اس سے یادگار۔

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں   کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

---

[1] ن - پ ہم کو ہے [2] ن - پ شاگرد [3] ن - پ دام میں زمزمہ سنجی جو کریں ہم [illegible] [4] ن - پ مرغان گلستان - [5] ن - پ معجز بیان -

ادنیٰ جزا جو قائل دلجو خطاب تھا میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
پھرتے ہی شام وعدہ تھکے یہ کہ سو رہتے پہ آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا
وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

خود گلا کاٹ ہوا جبکہ میں بسمل نہ ہوا ان کو آسان ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

بوسے دم غضب لیے الٹی سمجھ تو دیکھ بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرح سے پانی پانی لبکہ اعجاز مسیحا ہو گیا

خدا کی یاد دلاتے ہیں نزع میں احباب ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

دم حساب بار بار روز حشر بھی یہی ذکر ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

نہ تو بن گئے ہم طول شب ہائے جدائی سے پہ کہاں تک نہ کھیے وہ حسن درازی زلف تک ٹھہریگا

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا میں الزام اسکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

آغشتہ بخون دست کو تو پونچھتے ہیں وہ — اس لئے کف جلا دیں دامن ہے ہمارا

ہجر بتاں میں مجھ کو ہی مومن تلاش زہر — غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اس پہ بھی — کہتے ہیں لوگ خاک میرا اس نے ملا دیا

دشمنی دیکھو تو' تا الفت نہ آ جائے کہیں — لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے — شاہد شکایتوں پہ ترے مدعی سے ہم

وہ جفا کش ہیں ہم اے فلک کہ کیا — اس ستمگر نے انتخاب ہمیں
اے شب ہجر دیکھ مومن ہیں — ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

مت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے — کھینچا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں
جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا — وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں
شیریں پہ طعن تلخیٔ فرہاد کس لیے — مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

دامن قاتل کو وقت قتل کیونکر چھوڑتا — پر بےکسی میں جان تھی اپنی کفن کی فکر میں
گر یقینی وہاں رہا ہوتی ہو اے مومن قبول — پر جائیں گے کعبہ کو طفل برہمن کی نگر میں

بسکہ بن آئی مر گئے ہم شب انتظار میں — دن جو بیتے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا — بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی — یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں
ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو — آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو — اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ — بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ لیے ہے تجھے — کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

میرا تعلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم — باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ
جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا — مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے — پہ بے دید تری آنکھ سے دل پہلے بھرا ہو

توبہ گنہ عشق سے فرماتے ہو واعظ — یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار رہا ہو

میں ترک وفا پر بھی وفادار ہوں مشہور — کی تجھ سے جدا دشمن احباب وفا ہے
مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے — وہ بت جو ہے اور دل کا تو اپنا کبھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنیکی ٭ خبر ہے نعش پہ اس بیوفا کے آنے کی

تاب نظارہ نہیں آئنہ کیا دیکھنے دوں ٭ اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تم اُٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا ٭ سایہ سے بھی ہے وحشت اے رشک پری ایسی
کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے ٭ یا خوش نگہی ہو وہ کچھ یا بد نظری ایسی
بے پردہ پس چلمن یکبار تم آ بیٹھے ٭ ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری ایسی

بہر تغیر رنگ کو ست دیکھ ٭ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے
اے قیامت نہ آئیو جب تک ٭ وہ مری گور پر نہ ہو جائے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہو ٭ نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا ٭ اب آگے ہو نہ ہو امید انفعال تو ہے

جاں بلب ہوں خبر یار سنا دے قاصد ٭ لب ہلانے سے ترے کام مرا ہوتا ہے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یاں ٭ فائدہ حرف مکرر کی بھلا تحریر سے

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے ٭ زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

وحشت | خوش بیان، دانائے حقیقت، سید غلام علی خاں تخلص "وحشت"، خلف میر فرحت اللہ خاں رئیس شاہجہان آباد، شاگرد مومن

یہ اشعار اس سے یادگار

وقت مضموں سے لکھا تھا میری تقدیر کا　　کھل گیا اس پر کہ یہ خط ہے اسی دلگیر کا
بسکہ رنج افزاے طبع نازک جاناں نہیں　　آسماں پر ہے دماغ اس آہ بے تاثیر کا
اس نے دکھلایا جو خط غیر منہ فق ہو گیا　　ہاتھ آیا اپنے یہ نسخہ نیا اکسیر کا

غیر سے گر نہیں بے پردہ ہوئے ہو تو پھر　　آپ کا بند نہ کیوں روزن دیوار ہوا
ہے بنا ہی کہ نہ کھینچے کوئی مجنوں کی شبیہ　　اس قدر اب مری صورت سے وہ بیزار ہوا

آیتیں حرمت صہبا کی سناتا ہوں اسے　　ذکر دشمن کے رقیبوں کی مے آشامی کا

منفعل جوشش جنوں سے ہوئے ایسے کہ نہ پوچھ　　طوق آہن جسے سمجھے تھے گریباں نکلا

بڑھی وحشت مری دل بھر کے جو دیکھا اسکو　　گردش چشم ہوئی گردش دوراں مجھکو

میں تو یاں سچ تو یہ ہے دشمن نہ بدلے اے فلک　　ملگیا اس کا دوپٹہ چادر مہتاب سے
میں تو افسانہ ہوں یہ بیتابی دل ہر دم بلا　　ہجر کی شب خواب اڑ جاتا ہے فرش خواب سے

گرم غم خانہ ہے اتنا آہ آتش بار سے　　بھاگتی ہے دھوپ میرے سایۂ دیوار سے
دشمنوں کو بھی ہوا شوق شہادت ان دنوں　　اڑ گئی ہے آب کیا ظالم تری تلوار سے

یاس | خوش آئین، صاحب قیاس، خیرالدین تخلص "یاس" شاگرد مومن خاں من کلامہ[1]

---

[1] ن - پ اشعار ہ

ہوں وہ ثابت رہ الفت میں کہ جوں نقش قدم   جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصلا اٹھتا[1]
زانوے یاس کہاں اور سر دلدار کہاں   ہمنشیں بات وہ کہہ جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں

ربط غیروں سے بڑھا مجھ سے وفا چاہتے ہو   دل میں سوچو تو یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو
عشوہ و ناز و ادا طعن سے کہتے ہیں مجھے   ایک دل رکھتے ہو کس کس کو دیا چاہتے ہو
عاشق زرد رخ اپنے کو جلانے سے حصول   سمجھو تو سونے کو تم خاک کیا چاہتے ہو

شربت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو   کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مرجانے دو
ہے ستم میرا وہ بے تابی سے در پر جانا   اور ترا ناز سے کہنا اسے مت آنے دو

لب بند ہو لذت سے جو نام آئے زباں پر   لے کیا کوئی بوسہ لب شیریں کا تمھارے

دم تو لے تیغ تلے اے طپش دل تھم جا   دیکھ قاتل کا مرے دھیان بٹا جاتا ہے
اس کے جوڑے کے تصور میں کہوں کیا اشعار   دل میں مضمون کی جگہ دھیان بندھا جاتا ہے

اکبر خوش سخنور، اکبر خاں، تخلص "اکبر" شاگرد مومن خاں یہ[2] اسکا بیان
خانۂ غیر میں گر لگنے لگا جی تیرا   ہم کو بھی اور سے آتا ہے لگانا جی[3] کا

ہوا یہ شوق سے اس کوچہ میں گذرا اپنا   ہمیشہ پیچھے رہا ہم سے نامہ بر اپنا
جنون عشق کا درماں نہ ہو کسی سے کبھی   کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

---

[1] گلشن بیخار ۔ ہلتا   [3] ن میں یہ اشعار اس سے یادگار
[2] گلشن بیخار ۔ دل

قتل کر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں   بارے اس نے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

دوش فلک پہ دیکھ کے لاش شہید عشق   حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرش بریں نہ ہو

کون رویا ہے ترے کوچہ میں رات   کیوں سفیدی اڑ گئی دیوار کی

شیفتہ | خوبوں کے خال و خط پر فریفتہ، نواب مصطفیٰ خاں تخلص شیفتہ، مردم دہلی کا رئیس و سردار، صاحب تذکرہ مسمی گلشن بیخار شاگرد (رشید) مومن خاں۔ یہ اشعار اس بزرگوار سے یادگار

قبر سے اٹھ کے بھی نہ دھیان مگر نہ آیا   وہ تو آئے نہیں میں آپ میں کیونکر آیا

ہے خراش ناخن غم میں بھی کیا بالیدگی   جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے   دیکھا اثر یہ نالۂ بے اعتبار کا[1]

کیوں نہ ہو دے طپش دل سے مجھے خواہش مرگ   سب کو دنیا میں پسند آئے ہے آرام اپنا

شب ہجراں نے کہا قصہ گیسوے دراز   شیفتہ تو بھی دل زار نے سونے نہ دیا

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا   سمجھے جو گرمی ہنگامہ جلانا دل کا
دیکھئے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر   نہ سنا تم نے کسی روز فسانہ دل کا

فدا | صاحب تذکرہ رسا[2] شیخ فدا حسین تخلص فدا۔ ولد شیخ کریم اللہ متوطن قصبہ

---

[1] گلشن بیخار۔ اختیار [2] ن ب۔ ان کا ذکر نہیں ہے

ڈبائی ضلع بلند شہر، شاگرد نواب مصطفےٰ خاں صاحب، صاحب تذکرہ گلشن بیخار۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

عزیزو شیفتہ ہوں میں رخ پر نور جاناں کا مرے مرقد پہ ہے تعویذ لازم مہرتاباں کا

کیا جلد وہ خوش خرام آیا وعدہ پہ سحر کے شام آیا

غرض آتش بیانی سے ہماری اے فدا یہ ہے طپش سے دل کی یعنی یار کو آگاہ کرتے ہیں

ملے گا آج گلزار شہادت سبز بختوں کو رفیقو ہاتھ پہ اس شوخ نے مہندی لگائی ہے

یاقوت و عقیق و دُر و مرجاں پہ ہو فائق وہ اشک کہ جو دیدۂ دلگیر سے ٹپکا

تیز کس واسطے یہ خنجر براں کرتا قتل میرا نگہ تیز سے جاناں کرتا

سوزش | شاعر افسوں بیاں، شیخ احمد تخلص "سوزش" شاگرد مومن خاں یہ اشعار اس سے یادگار

کھو رکھے گا مجھ کو میرا دیدۂ تر ایک دن شمع ساں گھل جائے گا یہ جسم لاغر ایک دن

کیا قیامت ہے کہ روز حشر ہو ہر روز ہجر ہے قیامت کے لیے یارب مقرر ایک دن

چشم عاشق کو جو دریا سے کوئی دے تشبیہ بس یہی رونے کا ہو جائے بہانہ مجھ کو

ہمدم شب ہجراں میں اجل بھی تو نہیں ہے حال اپنا کہیں کیا در و دیوار کے آگے

بیتاب — گوہر کی اس کے سخن میں آب و تاب، عباس علی خاں تخلص "بیتاب" رئیس رام پور، شاگرد مومن خاں۔ من کلامہ

ہو گیا اپنے زبس قتل کا ایما مجھ کو — بعد مردن بھی ہے مرنے کی تمنا مجھ کو
داد سے روز جزا کے بھی نہ ہوں گا محروم — یہ نظر آئے ہے طول شب یلدا مجھ کو

پیدا ہوا رقیب کا غم دل میں ان دنوں — بیتاب غم کے کھانے میں بھی کچھ مزا نہیں

کرم — شاعر خوش شیم، شیخ غلام ضامن تخلص "کرم"، شاگرد مومن خاں۔ من اشعارہ[1]

تیر نا خوردہ ہمار رشک سے کیا کیا تڑپا — استخوانوں میں مرے دیکھ کے پیکاں تیرا

فرہاد و قیس عشق میں سر گرم لاف تھے — خاموش ہو گئے جو مرا نام آ گیا

نام کب آسودگاں لیں نالہ ہائے زار کا — سرمہ آوازہ ہے سایہ مری دیوار کا

ہاتھ ہم دوسے گا مرا اور ترا داماں ہو گا — چاک جب صبح قیامت کو گریباں ہو گا

اسیری نے کی پردہ پوشی جنوں کی — کیا طوق گردن نے کام گریباں

نسبت ہے میرے داغ سے کیا گل کو عندلیب — گو آہ سرد و باد سحر دونوں ایک ہیں
روز شمار جان شب ہجر کو کرم — نے شام اس نہ اس کو سحر دونوں ایک ہیں

---

[1] ن۔ ب۔ یہ اشعار اس سے یادگار

مسکین | سزاوار آفرین و تحسین، عبد اللہ خاں تخلص "مسکین" شاگرد مومن خاں۔ یہ[1] اس کا بیان

کیوں نہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو اس نحور سکا — جس کو از خود رفتگی بھی اک سفر ہو دور کا

عظمت | صاحب جاہ (و تمکنت) میر عظمت اللہ خاں تخلص "عظمت" شاگرد مومن خاں۔ یہ[2] بیت اس سے یادگار

نام عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ — کیا ہی اس نام سے گھبراتا ہوں

تسکین | مجلس سخن کی اس سے زینت و تزئین، سید خوش نسبت، میر حسین تخلص "تسکین" شاگرد اور قریب ترین مومن خاں بقول مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار سلسلہ اس کے نسب کا یہ میر سید رجان "قابل وزیر بادشاہ فرخ سیر یعنی حسین علی خاں سادات بارہہ تک پہنچتا ہے یہ مولف بھی اس سے آشنا ہے۔ فی الجملہ وہ بھی جلادت اور شجاعت اپنے اجداد کی رکھتا ہے

یہ اشعار اس سے یادگار

دیکھو خانہ خرابی غیر دال تنہا لیکن ہوا — جس کے گھر کو ہم سمجھتے تھے کہ اپنا ہو گیا

بے بال و پر سی کھوتی ہے تو تیر اسیری — صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا

ہر صبح وہ ڈھونڈھے ہے کوئی تازہ خریدار — صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

یاں آنے سے کس واسطے جلتا ہی ہا ئے — عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

---

[1] ن۔ پ یہ اس سے یادگار [2] ن۔ پ من کلامہ

خوبصورت نہ ہو کوئی تو نہ ہو بدنامی ❊ پر سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہوتا اچھا ہونا

گر سکے دفن نہ اس کوچے میں احباب مجھے ❊ خاک میں اُن کی کدورت نے دبایا اب مجھے
نام تسکیں دیہ مضمون طپش نازیبا ❊ تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

اب یہ حالت ہے کہ ان سا بیدرد ❊ میرے مرنے کی دعا مانگے ہے

تم کو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے ❊ جو ربط کہ اس دست و گریبان میں دیکھا

بھول جائیں گے نہ اغیار کو ہم ❊ مر گئے پر بھی اگر یاد آیا
کوچہ یار میں میں نے تسکیں ❊ پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

غیروں کا اشارہ ہے مرے قتل پہ ناحق ❊ یہ جنبش ابرو ہے تو سر کاہے کو ہو گا

گر مر کے چھٹے دل کی تپش سے تو عزیزو ❊ تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر

ناؔدم [1] (نادم تخلص مردم دہلی، شاگرد میر حسین تسکین یہ دو اشعار اس کے یادگار)
آتے ہی تیرے شام ہوئی جلد کس طرح ❊ کیا آفتاب داغ دل بے قرار تھا

آج یہ دیکھیں کہ ہوتی ہے سحر کس طرح سے ❊ شام ہی سے جوش پر کچھ نالۂ شبگیر ہے

---

[1] گلشن بیخار۔ بچنے [2] ان کا ذکر نسخۂ لکھنؤ میں نہیں ہے

عنایت | صاحب حکومت و ریاست نواب عباس علی خاں تخلص "عنایت"
شاگرد تسکین۔ یہ اس کی فکر متین

بیر اس کے دوش سے محفل میں لگ کے بیٹھ رہا | تو یہ بھی دیکھ کے اغیار بے حیا نہ اٹھے

نسیم | صاحب خلق عمیم، مرزا اصغر علی خاں تخلص "نسیم"۔ ابن نواب
آقا علی خاں (ساکن دہلی) شاگرد مومن خاں۔ واسطے سے کئی شعراء کے لکھنؤ میں دلی
والا مشہور ہے۔ یہ اشعار (کہ) اس سے یادگار (ہیں لکھے جاتے ہیں)

تا عرش تیری شورش بیداد جائے گی | گر میں نہ جاؤں گا مری فریاد جائے گی
ہم پر عبث ہے حوصلۂ نشتر زنی | حرمت تمام عمر کی برباد جائے گی
قاتل سے یہ خندہ ہائے جراحت نہ ہونگے کم | لب ہائے زخم سے نہ تری یاد جائے گی

بڑھتے بڑھتے لاغری پنہاں بدن ہو جائیگا | تن کہاں ہوگا کہاں آخر کو تن ہو جائے گا
اس مطلع پر نہایت فخر و ناز

ہے یہی گر نا تو انی فکر عریانی ہے کیا | دامن نظارہ تن پر پیرہن ہو جائے گا
اشک دیدہ میں ہمیں کیا خانہ ویرانی کی فکر | گر پڑے جس جا وہیں اپنا وطن ہو جائے گا[1]

اللہ کیا تڑپ ہے دل بے قرار کی | صحن فلک زمیں ہے مجھ خاکسار کی
عادت میں فرق آئے نہ مجھ اشکبار کی | چادر کفن کے واسطے دو آبشار کی

نہ کر دل خون ہجراں کی سحر سے | کریں گے شام ہم درد جگر سے
لچک جاتی ہے وہ بار نظر سے | نشاں پایا تو جاتا ہے کمر سے

---

[1] ن۔ پ فساد

جاں نکلنی کیسی مشکل ہو گئی — موت بھی کیا رحم قاتل ہو گئی

چاک ہو خود، وہ لباس ناتواناں چاہیئے — شب کا دامن صبح کا ہم کو گریباں چاہیئے
میں تو خود وہ خاک ہوں ظالم کہ میرے واسطے — اک ہوائے جنبش دامان مژگاں چاہیئے

نہ پائی ضعف سے فرصت جو آتے ڈھل کے داماں پر
وہ آنسو تھے نکل کر رہ گئے ہم نوک مژگاں پر

نہیں ہیں اس درجہ بے ادب ہم کہیں جو ان کے دہن نہیں ہے
دہن تو تیرے ہے تنگ ایسا کہ اس میں جائے سخن نہیں ہے
یہ رحم صیاد کی ستم ہے کرے خزاں میں جو وا قفس کو
بہار دیکھے گی کس کی بلبل کہ اب وہ لطف چمن نہیں ہے
جو تارک لذت جہاں ہیں انھیں قناعت پہ دسترس ہے
ہمیں کفایت ہے برگ سبزہ جو چاہ زر یاسمن نہیں ہے

شرف | اشرف علی تخلص "شرف" نسیم (دہلوی) کا ہم طرف یہ اشعار اس سے یادگار

کافر عشق ہوں اسلام سے کیا کام مجھے — حج اکبر ہے طواف در دلدار مجھے

بزم جاں نثاراں ہی شغل جاں فشانی ہے — زندگی کا ماتم ہے دم کی نوحہ خوانی ہے
بے خبر مرے محرم تنگ ہے بہت عالم — بھر رہا ہوں اُلٹے دم مرگ کی نشانی ہے

شمیم | میر محمد حسین تخلص "شمیم" شاگرد اصغر علی خاں نسیم یہ (اشعار) اس سے یادگار۔

ہوا آئینہ سے دونا غرورِ حسن دلبر کو — عداوت تھی ہمارے نام سے شاید سکندر کو
پنھائیں جوشِ وحشت نے ہزاروں پا میں زنجیریں — کیا دیوانگی نے آشنا ہر سنگ سے سر کو
لکھا ہے بے حواسی سے سراسر حالِ محرومی — کہیں عنقا نہ کر دیوے مرا نامہ کبوتر کو

پہنچا نہ اُڑ کے چرخ پہ میں وہ غبار ہوں — ہر چند ہوں بلند مگر خاکسار ہوں
گردش میں کس لیے مجھے لایا ہے اے جنوں — پیمانہ ہوں نہ چرخ نہ میں روزگار ہوں

غالب | صاحب رائے صائب، مرزا نوشاہ، اسد اللہ خاں تخلص غالبؔ نقاوہ دودمان کریم، خلاصہ دودمان فخیم خوش لہجہ (معجز بیان) شاعر معتمد، کہیں تخلص غالبؔ کہیں اسدؔ (سخن اس کا مستند) کبھی مسکن (اس کا) دہلی، کبھی اکبر آباد۔ یہ اشعار اس سے یاد[1]

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ — جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی — میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا — آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا — قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

---

[1] ن۔ ب، خاندان ۔ ن ۔ خ

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا　　زخم کے بڑھنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گیا

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے　　شعلۂ حسن[1] سیہ پوش ہوا میرے بعد

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار　　نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر　　میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی　　سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے　　بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن　　ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن
غرۂ اوج بنائے عالم امکاں نہ ہو　　اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے　　بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں　　ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے　　ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
سادہ پرکار ہیں خوباں کہ[2] اسد　　ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

دلِ وا‌ماندگی سے دہش پہ زنار بھی نہیں　　یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
گنجائش عداوت اغیار یک طرف　　یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

---

[1] تمام مطبوعہ نسخوں میں عشق　[2] غالب (تمام مطبوعہ نسخوں میں)

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے — خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤں حسرت اظہار کا گلہ — دل فرد جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

ایک جا حرف وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا — ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں — ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا — تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

کارگاہ ہستی میں نالہ داغ ساماں ہے — برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری
ذہن اس کا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری
کردیا ضعف نے عاجز غالبؔ — ننگ پیری ہے جوانی میری

افکار | خوش شعار میر حسین تخلص "افکار" شاگرد (اسد اللہ خاں) غالب یہ اس سے یادگار
دیکھ آئینہ کو اس نے کیا اسلئے ٹکڑے — یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا

کرتا ہے غنچہ تیرے دہن کی برابری — شاید یہ اپنی بھول گیا ہے دہن کی بو

نظیر — بلبل خوش صفیر، شیخ ولی محمد[1] (تخلص "نظیر") ساکن اکبرآباد، وضع قلندرانہ، مرد آزاد، معاش اس کی تعلیم صبیان اور اجرت صدائے فقیران۔ ہنس مکھ اور خرم چہرہ [illegible] یہ چند اشعار اس سے یادگار۔

مقصود گر رہے ہمیں خوناب دل پلانا تھا | فلک ہمیں یہ تجھے زہر کیا کھلانا تھا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد | وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ | حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

میں دست گریباں ہوں دم باز پسیں سے | ہمدم اسے لانا ہے تو لا جلد کہیں سے

کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے | اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

عاشق — شیخ نبی بخش تخلص "عاشق" شاگرد نظیر۔ یہ اس سے یادگار

دام میں لے کر ہمیں صیاد نے کھینچا یا بہت | استخواں آئے نظر جب بال اور پر کے تلے
اب یاد کر کے اسے چبھتے ہیں سو خار بند آ سینہ میں | اس گل کو جو وقت رخصت ہم چھاتی سے لگانا بھول گئے

اسیر[2] — گلزار علی، تخلص "اسیر"، برادر ولی محمد نظیر۔ یہ اس سے یادگار

ہر مکن صید ہر اک جا سے چلے آتے ہیں | تیرے قبضہ میں قضا ہے کہ کماں ہاتھ میں ہے
سادہ رووں کے خط کے نہیں یاد القاب | ورق سادہ مرے نامہ رساں ہاتھ میں ہے

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

مجھ سے گمنام کا نامہ تو وہی ہے قاصد — جو لفافہ ترے بے نام ونشاں ہاتھ میں ہو
مارِ زلفِ بت کافر کی صفت لکھے امیر — شام کا وقت ہے کلک دو زباں ہاتھ میں ہے

ضمیر | شرافت اس کے نام سے عاری، میاں مداری، تخلص "ضمیر" شاگرد نظیر یہ بیت اس سے یادگار

وہ ابھی ہے نوگل آرزو وہ ہنوز تازہ بہار ہے
نہ کچھ آئینہ سے اسے خبر نہ حنا سے کچھ سروکار ہے

عشق | سرگروہ فقرا شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ گھسیٹا "عشق" تخلص ساکن عظیم آباد یہ اس سے یادگار

تیر کے نام پر تڑپتا ہے — اس طرح کا کہیں جگر دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا — نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے — یہ حسرت[1] ہی اس کا سراپا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد — تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفا ہوئی ظالم ہیں نے تیری سہی ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

فدوی | (مشتاق اور مبتلی) مرزا محمد علی مشہور بہ مرزا بھچو تخلص "فدوی" (عظیم آبادی) شاگرد شاہ گھسیٹا عشق عظیم آبادی۔ یہ اس سے یادگار

گالیاں کیونکر نہ دیوے تو نہ فدوی چھیڑ چھیڑ — ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بدخو کر دیا

---

[1] ن۔ ب: سن کلام [2] ن۔ ب: حیرت ہے

گمہ آپس میں ایسا کبھی کبھو تھا تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا

شب ہجراں کی اور تو قدر دی ہیں تقریر کر نہیں آتی
پر یہ وہ رات ہے کہ جسکی ہیں صبح ہوتی نظر نہیں آتی

مستمند | (کلام اس کا عام پسند) یار علی خاں تخلص "مستمند" (شاگرد) مرزا جو فدوی سے بہرہ مند ساکن عظیم آباد۔ من کلامہ

نزع اک وصل کی ہے یار امید ہے مثل ایک دم ہزار امید

محترم | خواجہ سراؤں میں مکرم، محترم علی خاں تخلص "محترم" ساکن عظیم آباد شاگرد (شاہ) گھسیٹا عشق۔ یہ اس سے یادگار

اے محترم اتنی اشک باری کھل جائے ہے ابر بھی برس کر

پیغام کہیں جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

ملول | کلام اس کا مطبوع اور مقبول، عارف اللہ شاہ تخلص "ملول" فارسی میں الہام۔ فارسی گویان لکھنؤ کو شاگردی پر اس کی نازش تمام۔ یہ اشعار اس سے یادگار

قدر کچھ تو نے نہ جانی گو برے یا نیک تھو ناز برداروں میں ظالم تیرے ہم بھی ایک تھے

ارے بیکسی ترے قربان ہوں [1] برے وقت میں ایک تو رہ گئی

نگہ وہ شوخ کے طعنے کٹار پر مارے مژہ وہ تیز کہ خنجر کو دھار پر مارے

---

[1] ن۔ پ سرز دکرم۔ [2] ن۔ پ افتخار

چھٹے عذاب جدائی سے کاش کے گردن   کوئی ملول کی اس رہگذار پہ مارے

کہتے ہیں عیش باغ میں یہ مشاعرہ تھا، نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر، بسبب شوق اور تقاضائے جوانی کے، اُس صحبت میں رونق افزائے صدر تھے۔ جب شاہ ملول نے یہ مقطع پڑھا فرمایا کہ مصرعہ آخر کو پھر پڑھو (چند بار پڑھوایا) اور متبسم ہوئے۔

قرار جان محمد تخلص قرار، آصف الدولہ بہادر کا چوبدار، شاگرد شاہ ملول۔ چونکہ سلام و پیام پہنچانا (کہ) خاصہ اس مردم کا ہے۔ اس کے کلام میں موجود

بے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا   کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

لطف خوش فکر اور رنتیہی[له]، مرزا علی تخلص "لطف"۔ شاگرد شاہ ملول کلام اس کا (مطبوع)

وہ زلف ہے یا قہر کی شب کچھ نہیں معلوم   مکھڑا ہے الہٰی کہ غضب کچھ نہیں معلوم
خاموشی ہماری کے تئیں سحر ہی سمجھو   گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

اب تو ہر بات میں بگڑتے ہیں   واہ کیا پھول منہ سے جھڑتے ہیں

کوئی زخم اور بھی کہ او قاتل   کب سے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں

کھل گیا اب یہ کہ وصل اس کا خیال خام ہے[۲]   آج اُمیدوں کا دل ہی دل میں قتل عام ہے[۵]

له ن۔ ب لطف تخلص نام مرزا علی [۲] ن۔ پ تھا [۵] ن۔ پ تھا

روز وعدہ جان جہاں آنیکو فرماتے رہے | روز واں آ آ کر ہائیاں جی سے ہم جاتے رہے
نامہ دے کہہ دیجیو اتنا زبانی نامہ بر | لطف جی سے جا چکا تم آج تک آتے رہے

(رُباعی)

جو کوئی آفت نہانی مانگے | اور ملک عدم کی کچھ نشانی مانگے
دکھلا دے اسے تو اپنی شمشیر نگاہ | جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

آشفتہ | فکر علائق سے وارستہ، مرزا رضا قلی تخلص "آشفتہ" شاگرد طول منہ

یہ جوش غم ہے کہ سینہ میں دل ابلتا ہے | نہ رکھو ہاتھ کلیجہ پہ میرے جلتا ہے
کسی کے کان کا در دیکھا تو نے آشفتہ | جو اشک آنکھ سے موتی سا ترشا ڈھلتا ہے

وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے | پھر اس چمک سے نہ گردوں پہ آفتاب پھرے
گئے تھے کل مجھے ٹھلا کے میں یہ آتا ہوں | میں اُن کے صدقے وہ جا کر بہت شتاب پھرے

دلا نے کو رات غصہ میں اس سے میں لڑ لیا | پر جب وہ اٹھ گیا میں کلیجہ پکڑ لیا

نہ پوچھیے کہ بہ لبھارت وہ چاند سا مکھڑا | نظر پڑا نہیں مجکو کئی مہینے سے

چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر | خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

برشتہ | مردم اور خصال اُس کے فرشتہ، میاں مشرف تخلص "برشتہ" شاگرد آشفتہ ـ ن کلامہ

دشت تو تھا برشتہ الفت کا | دیکھ اس نے شکستہ حال ہمیں

لہ ن ۔ پ ا ے ۔ ن ۔ ع   تہ ن ۔ پ یہ اشعار اس سے یاد کا ستہ ن ۔ پ میں آگے آنکے صدقے

سوز | شاعر دا ابند، سیدِ ارجمند، خوش لہجہ، سخنور بامزہ، شمعِ شبستان افروز، میر محمد متخلص بہ "سوز"۔ اول آمیر تخلص کرتے تھے جب محمد تقی میر کی شہرت ہوئی میر قدیم نے سوز تخلص کیا۔ الزام کس وناکس اُس سردِ آزاد نے اپنے سر پہ نہ لیا، طرز کا اپنی استاد باوجود گرفتاری علائق (کے) آزاد، طرز اُس کے سخن کی سہل الممتنع، سوائے شعر وشاعری کے اور علم وہنر اس میں جمع، درویش روشن ضمیر، تیر اندازی[1] میں قادر، سواری اسپ بے نظیر، خط نستعلیق اور شفیعا میں صاحب قلم اور کلمۃ الخیر کے کہنے میں علم، خندہ رو، شگفتہ پیشانی مشہور بہمہ دانی، شعر خواں باادا، صورت میں معنی آشنا تھا۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے اجلاس کی تہنیت میں جب (اس نے) یہ رباعی کہی

خالق کہ بہ خلق زندگانی دادہ	دنیا بہ خلانے و فلانی دادہ
ہرچند اجارۂ قضا و قدر است	الحال جہاں را بہ امانی دادہ

صاحبزادگی میں، نواب کو مرزا امانی کہتے تھے۔ رفیع[2] السودا نے اس رباعی کی تعریف نہایت کی اور الحق یہ رباعی تعریف کے قابل ہے۔ اور میر سوز صاحب حریف وظریف بھی ایسے تھے کہ ایک شخص نے سوز پر مرکز وے کر ان سے پوچھا یہ کیا لفظ ہے فرمایا[3] کہ سوز تھا کسی نامعقول نے گوز کیا عمر ان کی ہشتاد سال[4] یہ تاریخ انتقال جرأت کی کہی ہوئی۔ داغ اب سوز کا لگا دل کو

ناسخ نے تاریخ ان کی رحلت کی یہ کہی ہے

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے	ہائے صاحب کمال واویلا
سال تاریخ ہے یہی ناسخ	شاعر بے مثال واویلا

---

[1] ن۔پ تیر اندازی اور شہسواری میں بے نظیر [2] ن۔پ اس رباعی کی مرزا سودا نے نہایت تعریف کی۔ [3] ن۔پ کہا۔

[4] ن۔پ سال ہوئی پھر انتقال کیا شیخ امام بخش نے جو ان کی وفات کی تاریخ کہی وہ یہ ہے۔

من کلامہ

اشک خوں آنکھوں میں اگر جم گئے — دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے
شبنم آسا گلشن دنیا میں آہ — سوز ہم با دیدۂ پر نم گئے

کشور دل میں نہیں کوئی کہ آباد رہے — یوں اجاڑا ہے اسے تم نے بھلا یاد رہے

شہد میں جیسے مگس ہم حرص میں پابند ہیں
وائے غفلت اس سیہ زنداں میں یوں خورسند ہیں پ
رزق کا ضامن خدا شاہد کلام اللہ ہے
تو بھی اپنی صورتوں سے روز حاجت مند ہے

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا — عالم کا جگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب چھپنے کو گھر — جس روز وہ بے نقاب ہوگا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہوگیا — آہ یارب راز دل اپنے[۱] پہ ظاہر ہوگیا

مجھے گر حق تعالیٰ عشق میں کچھ دسترس دیتا — تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی دن بے لیں دیتا
قسم ہے سوز گر وہ قتل کرتا اپنے ہاتھوں سے — تو جی دیتے ہوئے بھی صورت اسکی دیکھ ہنس دیتا

رات آنکھیں تھیں موندیں پر بخت ٹک بیدار تھا
تا سحر دل محو دیدار خیال یار تھا

---

۱ ن. پ ان پر۔

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو
واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا

اگر کچھ سوز نے پایا تو بتخانہ کی خدمت سے
حرم کے در پہ ورنہ بار ہا سر مار مار آیا

غم ہے یا انتظار ہے کیا ہے
دل جو اب بیقرار ہے کیا ہے

وائے غفلت نہ سمجھے دنیا کو
یہ خزاں یا بہار ہے کیا ہے

قفس تن تو جل کے خاک ہوا
آہ ہے یا شرار ہے کیا ہے

کچھ تو پہلو میں ہے خلش دیکھو
دل ہے یا نوک خار ہے کیا ہے

کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس
سوز ہے یا شکار ہے کیا ہے

تھر تھراتا ہے آج تک خورشید
روبرو تیرے آگیا ہوگا

مسی پر سرخی پاں دیکھ میری عقل بھولی ہے
کہ ہے خورشید تاباں لب پہ ایسی شام پھولی ہے

منہ دیکھو آئینہ کا تیری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

تصویر تیری کھینچے مصور تو کیا مجال
ل دست قضا تو پھر کوئی ایسی بنا سکے

پرکار کی روش چلے ہم جیسے چل سکے
پ اس گردش فلک سے نہ باہر نکل سکے

زیبا بھی تھم گیا ترے غصہ کے خوف سے
پ تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے

ل ن۔ پ راکھ۔

غم عاشق سے کون محرم ہے ٭ محرم عشق خلق میں کم ہے
نسخہ کے موتی پکارتے ہیں پڑے ٭ تیرے عاشق کا ناک میں دم ہے

اگر رحیم ہے تو میں بھی ایک عاصی ہوں ٭ جو تیغ زن ہے تو میری طرف سے تحسیں ہو
تو عشق ہے تو میں دل ہوں تو درد ہے تو میں سوز ٭ تو کوہ کن ہے تو مجھ پاس جان شیریں ہو

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا ٭ مرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا
سنے ہے سوز تو ملنے کا قصد مت کر یار ٭ اٹھا سکے گا کوئی ناز بے دماغوں کا

تو جو پوچھے ہے کہ تیرا دل بتا کس نے لیا ٭ بس حیا آتی ہے مجکو مت بکا کس نے لیا

لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں ٭ عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

دامن تلک تو تیرے ہی کہاں دسترس مجھے ٭ تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو ہے بس مجھے
کیا آمد بہار ہے اس گل کو پوچھیے ٭ اے وائے سوجھتا نہیں چاک قفس مجھے

سرشک شمع آخر شوق محفل ایک دن ہوگا ٭ یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہو دل ایک دن ہوگا
تجھے اے دل بغل میں مجنوں سے میں نے پالا تھا ٭ نہ جانا تھا کہ تو میرا ہی قاتل ایک دن ہوگا

آتا ہے وہ جفا جو تیغ ستم کشیدہ ٭ دامن بدست چیدہ ابرو بہم کشیدہ
صورت گر قضا نے تجھ سا کوئی نہ کھینچا ٭ ہاں حسن ماہ کھینچے سو ہے قلم کشیدہ

غرورِ حسن ہے تجکو تو مجکو تمکیں ہے — تو سنگ دل ہے تو میری[1] طرف سے تحسیں ہے
اُمیدیں دل کی اپنی تو بھر پائیں میں نے لیک — پ اے سوزؔ بعد مرگ تو اب مدعا ہے یہ
دامن کشاں وہ لاش پر آ کر مری کہے — پ ہے کسی کے پیچھے تر ستا ہوا ہے یہ

(رُباعی)

بس سوزؔ سنبھل یہ آہ و زاری کب تک — بس ہاتھ نہ مل یہ بیقراری کب تک
آپ ہی عاشق ہے آپ ہی معشوق — پردہ سے نکل یہ شرمساری کب تک

رندؔ: داخل جرگۂ سرداران ہند، مہربان خاص تخلص[2] "رند" متبنیٰ نواب احمد خاں بنگش، مالک سرکار فرخ آباد، علم و ہنر میں وہ استاد، ہنر موسیقی میں بے مثال[3] شاعر خوش خیال تھا، مال شایگان اس شوق میں صرف کیا، شاعروں کو بہت سا (کچھ) دیا، (لیا) میر سوزؔ اور مرزا سوداؔ نسیخہ شاعری میں اس کے سرکار میں نوکر[4] اصلاح اس کے شعر کی میر موصوف پر مقرر۔ چنانچہ مرزا رفیع نے (مثنوی کہ) اس کے دیوان کی تعریف میں مثنوی کہی ہے اس میں یہ شعر ہے

اپنے استاد کو غنیمت جان — پھر ملیں[5] گے نہ سوزؔ سے انسان

رندؔ کا دیوان مولف کی نظر سے گذرا ہے سراسر اس کے (کلام) کی جنون خیز، سوداؔ سے ہم سلسلہ ہے مگر اکثر وہی غزلیں میر سوزؔ (صاحب) کے دیوان میں موجود اور نام رندؔ کا ان میں سے نابود، یہ نہ چاہیے جو چیز بالعوض (کہی)

---

[1] ن۔ پ میری آہ سنگیں ہے [2] ن۔ پ تخلص بہ
[3] ن۔ پ بے نظیر رتبہ شعر میں دلپذیر تھا
[4] ن۔ پ اور دار و مدار استادی میر سوز پر مقرر [5] ن پ کہیں ملتے سوز سے انساں

ہو دعویٰ اس کا انصاف سے بعید ہے (واللہ اعلم بالصواب) من کلام رندؔ[۱]

جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیاں دیکھیاں — جو نہ حل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

جب یار نے اٹھا کر زلفوں کے بال باندھے — سودائیوں نے دل میں کیا کیا خیال باندھے
تیرے ہی سامنے کچھ چوکے ہے تیر نالہ — ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

دام کچھ رندؔ کے ہیں پر گرہ زلف کے پیچ — شانہ کے پاس جا رہے ہے وہ حاصل بھر کے[۲]
ورنہ وہ باندھ کے لے گا کہیں ہو مشمول — یک سر مو بھی ہو نقصان تو حاصل بھر دے

یارب کہیں سے گرمی بازار بھیج دے — دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھیج دے
دیتے ہیں عقد حسن میں عاشق عروس جان — آتا نہیں تو آپ تو تلوار بھیج دے

ہم کو نہ کچھ سیم نہ زر چاہیے — لطف کی اک تیری نظر چاہیے
کس کے لیے تیغ خرید ی میاں — باندھنے کو بھی تو کمر چاہیے

خون عشاق سے بھرے تو پیارے دامن — روز محشر ہے مرا ہاتھ تمہارے دامن[۳]

ہے تری جان کا بھی دشمن — رندؔ اس دل کو خوار ہونے دے

---

[۱] ن - پ: مہرباں خاں رندؔ کا انتخاب۔
[۲] کہو (دیوان میر سوز اردوئے معلی) ۳ ن - تراشہ ...

آصف | وزیر الملک، نواب آصف الدولہ بہادر تخلص "آصف" عدالت سے اُس کی آہو سے شیر خائف۔ سخاوت میں حاتم دوراں جوانمردی[1] میں رستم زماں تھا۔ ابتدا میں میر محمد علی حشمت سے افادت اندوز بعد میں میر محمد سوز سے۔ وہ اشعار کہ نواب نامدار سے یادگار رہے یہ ہیں

تجھے غیر سے جب ہم دیکھتے ہیں — نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ ورنہ میرے مسیحا — کوئی دم کو راہِ عدم دیکھتے ہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف — تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

وحشت بہ کوہ و دشت جو یہ آہ لے گئی — کیا کیا کنوئیں جھکائے تری چاہ لے گئی
کعبہ میں بھی گئے تو ہمیں تیری یاد آہ — پھر سوئے دیرِ اے بت ناخواہ لے گئی
آصف چمن میں آتے ہی اس گل[2] کی یاد آہ — کیا جانئے کدھر مجھے ناگاہ لے گئی

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے — ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح — ایسے بیٹھے[3] نہ پھر وہاں سے گئے

دل تو کہتا ہے یار آتا ہے — پر مجھے کب قرار آتا ہے
میں کروں گا ترا گلہ تجھ کو — یہ بھلا اعتبار آتا ہے
خیر ہے آصف اُس گلی میں آج — دل کو پھر پھر پکار آتا ہے

کس طرح غیر سے ہم تم کو بہم دیکھیں گے — یہ تو ان آنکھوں سے واللہ نہ ہم دیکھیں گے

۱؎ ن۔ پ شجاعت ۲؎ ن۔ پ رنگِ گل کی یاد ۳؎ ن۔ پ ایسے بیٹھے کہ پھر یاں سے گئے

ترقیؔ فیروزۂ معدن نیشاپور ترقیؔ ان کے مدارج کی مشہور امیر با فرہنگ اسد اللہ ولد آغا محمد تقی خاں بہادر فیل جنگ، شمع انجمن افروز تخلص "ترقیؔ" شاگرد میر سوز یہ اشعار اس

لے جائے ہے وہ روز نیا صید مار کے — لائق نہیں ہیں آہ مگر ہم شکار کے
اک عمر بعد آئے ہے اب زیر خاک نیند — تربت پہ میری رو دو نہ یار دیکار کے
دیوانہ اب کی دیکھئے ہوتا ہے کون کون — آتے ہیں زور شور سے پھر دن بہار کے
اے گل شبانہ تو نے مرا حال اور ہیں — سنتا ہوں تیرے واسطے طعنے ہزار کے
وہ یار جن سے رہتی تھیں دن رات صحبتیں پ — ملتے نہیں نشان اب ان کے مزار کے
منع فغاں نہ کر تو ترقیؔ کو ناصحا ب — واقف نہیں ہے غم سے تو اس سوگوار کے

کیا شعاع حسن اس خورشید رو کے تن پہ ہے — پرتو اسا نور کا جو سارے پیراہن پہ ہے
داغ دل روشن یہ ہے کہ رات دن مثل چراغ — روشنی کی احتیاج اب کیا مرے مدفن پہ ہے
قتل کی لذت کا کس منہ سے ادائے شکر ہو — حشر تک احسان قاتل کا مری گردن پہ ہے
جرم کچھ ٹھہرا لے قاتل پھر مجھے تو قتل کر پ — بے گناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے
آتش دل اشک سے سینے میں بھڑکے اور بھی — اب تو آب چشم کو میرے شرف روغن پہ ہے
ہے ترقیؔ میرے اس سینہ میں وہ آتش نہاں — طعنہ زن جس کا شرر ہر شعلۂ گل خن پہ ہے

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل — پھر تجھ سے کس امید پہ کوئی لگائے دل
اک دل تجھے مدام ستانے کو چاہیئے — تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

۱؎ ن ب امیر با فرہنگ اسد اللہ آغا محمد تقی خاں بہادر رستم جنگ فیروزہ معدن نیشاپور ترقی ان کے مدارج کی مشہور رئیس باکرم سردار باحشم انجمن افروز تخلص ترقی شاگرد میر سوز ہیں کلامہ

پہلو کل اس نے چیرا جو دل کے لیے میرا — جز داغ حسرت اور نہ کچھ تھا سوائے دل[1]

ترغیب دے ہے کوئے کعبہ کی، تو ہمیں — زاہد خدا کا گھر نہیں کوئی سوائے دل

اترا نہ آکے یہاں کوئی جز کاروان غم — ماتم سرا ہے کم نہیں یا رو سرائے دل

کہتے ہیں دردمند ترقی کا حال دیکھ — یارب کبھو کسی پہ کسی کا نہ آئے دل

شکل مجنوں کل جو دیکھی ہم نے تصویروں کے بیچ — ایک مشت استخواں تھی لاکھ زنجیروں کے بیچ

وہ تمہاری انکھڑیاں بکھرے[2] ہوئے بالوں میں یوں

جس طرح دو مست جکڑے ہوں زنجیروں کے بیچ

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہونگے — چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

یاران زندگاں پہ کیا روئیں[3] اسنے ترقی — کیا ہم روانہ سوئے ملک عدم نہ ہوں گے

سوزاں | بلبل خوش آہنگ، مرزا احمد علی خاں شوکت جنگ تخلص "سوزاں" خلف نواب مرزا علی خاں شاگرد[4] سوز من کلامہ

مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے — ہرگز ہوے نہ ہوں گے یہ آشنا کسی کے

خوبی ہے کیا ستم گر اس ہفتہ دوستی میں — اپنا کسی کو کیجے ہو رہیے یا کسی کے

فرقت میں[5] اس کی ناحق سوزاں نے جان دی ہے — اس لاابالی کو غم مرنے سے کیا کسی کے

---

[1] ن۔ پ بجائے   [2] ن۔ پ الجھے

[3] ن۔ پ روتے ہو کیا ترقی

[4] ن۔ پ فرقت میں اس کی سوزاں ناحق کو جان دی ہے

داغ | داغ عشق سے سراپا باغ، میر مہدی تخلص[1] "داغ"۔ نوجوان دل افروز، خلف و شاگرد میر سوز، تقاضائے عشق و جوانی سے گرفتار، بلائے ناگہانی معشوقہ بازاری پر عاشق اور دلولۂ محبت صادق، ترک شہر و دیار خوش آیا آخر آخر تپ فرقت نے بستر موت پر (اس کو) گرایا۔ رمقے جان باقی تھی کہ خط اس معشوقۂ بیوفا کا آیا یہ شعر اس کے جواب میں لکھ کر آپ قاصد عدم آباد ہوئے[2]

از جاں رمقے بود کہ مکتوب تو آمد | دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

میر سوز اس کی مفارقت میں یہ شعر پڑھتے تھے اور دیوانہ وار پھرتے تھے

اے میرے جھنڈولے بالوں والے آجا | آجا میرے منتوں کے پالے آجا

یہ رباعی اس سوختہ عشق سے مثل داغ کے (صفحہ روزگار پر) یادگار

یہ چاہ نہیں بھلی بری ہوتی ہے | جی لیتی ہے دوستی بری ہوتی ہے
لگتا ہی نہیں جی کہیں اس بن آہ | سچ کہتے ہیں یہ لگی بری ہوتی ہے

عیش | کاظم غیظ و طیش، مرزا حسین رضا تخلص "عیش"۔ شاگرد میر سوز، یہ اس سے یادگار

وہ اگر آئے پشت بام کہیں | میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں
یہ غزل عیش ہے تصدق سوز | مجھ سے ہوتی ہے التزام کہیں

ہوش | نام فراموش تخلص اس کا "ہوش" شاگرد میر سوز یہ اس سے یادگار

یار ہنستا ہے چشم تر کو دیکھ | گریۂ گرم اپنے تو اثر کو دیکھ
دست و پا گم کرے ہیں مو کمراں | نازنین تیری اس کمر کو دیکھ
تیرے خط کا جواب آیا ہے | ہوش کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ

۱؎ ن ۔ ب تخلص بہ ۲؎ ن ۔ ب ہمہ اثنا "تذکرہ گلشن سخن" میں ان کا نام میر شمس الدین دیا ہے۔

نوازش | خدیو ملک سخن رانی، نوازش حسین خاں عرف مرزا خانی، شخص
باتجمل، خلف الصدق حسین علی خاں ابن نواب ناصر خاں، صوبہ دار کابل،
تخلص "نوازش" شاعری کو اس پر نازش، شاگرد بلکہ قائم مقام میر سوز
بندہ ان کی ملاقات سے گاہے گاہے بہرہ اندوز نزاکت شعر دانی
ان پر تمام (اس کے مقر خاص و عام) ادا بندی کا اختتام، خود فرماتے
تھے کہ میں نے ایک دن) شیخ ناسخ سے اپنے باب میں استفسار[1] کیا تھا
کہ (آیا) میں کیسا کہتا ہوں شیخ صاحب نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں اس پر
کہ معاملات کے شعر جیسے تم کہتے ہو کوئی دوسرا نہیں کہتا باوجود پیرانہ سالی
کے شوق جوان اور اس نقل کو بطریق حجت بیان مجھ سے فرمانے لگے ایک
خدمت گار کہ ذرا صورت دار ہو نوکر رکھا دو، میں نے گستاخانہ کہا کہ
غرور اپنی صورت کا اسے کاروبار سے باز رکھے گا۔ حضرت سلامت کو
دوستوں کے واسطے حقہ اپنے ہاتھ سے بھرنا پڑے گا، فرمایا یہ قبول ہے
سوہان روح تو نہ ہوگا، چند روز سے بسبب خرید کرنے دیہات نیلام کے
کانپور میں تشریف رکھتے ہیں لکھنؤ میں[2] آمد و رفت بہت کم یہ چند شعر ان کی
زبیاض سے) کہ میاں دلگیر کی معرفت دستیاب ہوئے ہیں لکھے جاتے ہیں

نہ خدا تیغ بتوں کو نہ سپر دیتا ہے
قتل کو تیغ[3] برہنہ الفیں کر دیتا ہے

---

[1] ن۔ ب پوچھا
[2] گاہے گاہے لکھنؤ میں بھی آجاتے ہیں
[3] ن۔ ب سیف

اس کے بدلے مجھے برسوں ہی رلاتا ہے فلک ۔۔ اک گھڑی چین یہ کمبخت اگر دیتا ہے
غیر بیٹھا ہے نہ رو کچھ نہ اٹھائے طوفاں ۔۔ کچھ سمجھائی تجھے اے دیدۂ تر دیتا ہے
شب ہجراں کی سحر ہی نہیں ہوتی کیا آہ ۔۔ آج اذاں بھی تو نہیں مرغ سحر دیتا ہے
غیر کے سر کی نوازش جو وہ دیتا ہے قسم ۔۔ رشک تلوار گلے پر مرے دھر دیتا ہے
کب گرا میں پر شکستہ تا سر دیوار باغ ۔۔ سب کہو مجھ سے کہ خوب ابکی چمن پر رنگ ہے

بیجا ہے میری چشم کو چشمہ نہ سمجھنا ۔۔ دریا ہے یہ آنسو اسے قطرہ نہ سمجھنا
تڑپے دل جو شب ہجر تو لرزہ تجھے آئے ۔۔ تاثیر محبت نہیں اچھا نہ سمجھا
غیروں میں مجھے چشم حقارت سے نہ دیکھو ۔۔ ان کو میں بہت ہوں مجھے تھوڑا نہ سمجھنا
پھوڑوں جو اگر سر میں تو بیکل تجھے ہو جائے ۔۔ فرہاد نہیں ہوں مجھے ویسا نہ سمجھنا
آغا نہ نوازش کو نوازش سے کہیں آپ ۔۔ یہ ہے لقب بندہ تم آغا نہ سمجھنا
سنگ طفلاں سے لہو کا پیرہن پر رنگ ہے ۔۔ وحشت انگیز اک مرے دیوانہ پن پر رنگ ہے
آستیں ہے خون میں تر یکدست دامن شور بور ۔۔ چشم بد دور آج تو اس تیغ زن پر رنگ ہے
کس کی چشم مست نے مجلس کی مجلس کی خراب ۔۔ ایک ہی صورت کا ساری انجمن پر رنگ ہے
گلوں کا یہ ہاتھوں پہ کھانا جدا ہے ۔۔ عزیزو محبت کا پانا جدا ہے
سمجھ کر ہنسی مت لگاؤ کہیں دل ۔۔ نہیں دل لگی دل لگانا جدا ہے
یاد ہے تکلیف زنداں آہ و زاری یاد ہے ۔۔ آج تک اگلے برس کی بیقراری یاد ہے
اب تو پانی بھی نہیں پیتا ہے میرے ہاتھ کا ۔۔ کیوں بے او پیماں شکن وہ بادہ خواری یاد ہے

اتنے نظارہ مردم سے کبھی نہ خوب بیٹھے ہم ۔۔ دل کو کیا روتے تھے آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم
نرد بازی کی طرح کھیلا تھا چرخ کج ادا ۔۔ ایک گھر میں بھی نہ قسمت سے جو دو بیٹھے ہم

دور کھینچ آپ کو تم نے تو اٹھائی نہ نگاہ پ بے حیائی سے قریب آن کے گو بیٹھے ہم

مریں ہم مگر سمجھو اے بتاں تم خدا سمجھے ہو کہتے بد گماں تم
کریں بس بس نہ بوڑھے جو چلے آپ ہوئے نام خدا اب نوجواں تم
چمٹ کر وادی وحشت کے کانٹو پ اڑاتے کیوں ہو میری دھجیاں تم
مسافر ہیں ہمارے پاس بیٹھو کوئی دم میں کہاں ہم اور کہاں تم
زمانہ ہے یہی نیکی کا کیوں جی پ دعائیں ہم جو دیں دو گالیاں تم
عزیزو کھینچے نہ تیغ مجھ پر پ نہ آؤ میرے اس کے درمیاں تم
کہاں تجھ سے نوازش لوگ پیدا جو کہتے ہو مجھے اے مہرباں تم
کرم صاحب کا کس لائق ہے بندہ بیاں کرتے ہو اپنی خوبیاں تم

اسی صورت سے چھپائے غم جاناں دکھایا ل دیکھا جیب دل کو لیے ہاتھ پہ قرآں دکھا
سادہ رو بھی رہا نکلا خط زنگاری بھی ل صاف اپنے سے نہ اسکے کسی عنواں دکھا

جو دل میں تجھے رکھتے ہیں غصہ نہیں رکھتے ل کر سینہ کو شق دیکھ لے پتا نہیں رکھتے
مرنے سے ہمیں اپنے بچا جاتے ہیں گو لی ل پائے یہ چڑھا کب وہ تپنچا نہیں رکھتے
گوشہ میں بلاؤ تو ابھی تیر سا پہنچوں ل کچھ یاں سے بڑا آپ تو پلہ نہیں رکھتے
گالی بھی ہے جھڑکی بھی ہے بوسہ بھی ہے پائے ل دینے کو نہ یا چاہو تو تم کیا نہیں رکھتے
جائے طلب بوسہ نوازش ہو ابر خواست ل تنخواہ نہ دی اور کہا جا نہیں رکھتے

کیا کہئے کہ دل ہوتا ہے مجبوب ہمارا زو ہاتھ بڑا ہم سے ہے محبوب ہمارا

آہ! ہے دلا مجکو جوانی پہ تری رحم — کہتے ہیں یہی قیس کو آزار ہوا تھا

پھر کھینچے لیے جاتی ہے وہاں دل کی تمنا — پھر نکلے گی اب خنجر قاتل کی تمنا

شعلہ | شاعر بانمزہ، شیخ محمد سلیمان تخلص "شعلہ"۔ شاگرد (مرزا خان) نوازش[1]

من کلامہ

سنتے ہیں ترا یار ملا اور کسی سے — دل تو بھی چل اب دل کو لگا اور کسی سے

ہم وہ ہیں کہ مر جائیں پرا ے رشک مسیحا — تجھ بن کبھی پوچھیں نہ دوا اور کسی سے

نہ گرد شیفتۂ زلف کو زنجیر عبث — خود گرفتار ہے اسکی ہے یہ تدبیر عبث

راغب | مرزا کریم بیگ تخلص "راغب"۔ علم شعر و سخن میں[2] نوازش سے کسب

گلے آکر لگا یا دلربا نے — مجھے یہ دن دکھایا پھر خدا نے

سوئے عشاق آ اے ناوک انداز — یہی ہیں تیرا الفت کے نشانے

دلگیر | شاعر خوش تقریر، مرثیہ گوئے حضرت شبیرؑ میاں دلگیر، سابق میں ہنود[3] نام چھنو لال، قوم کائستھ سکسینہ برادری مہاراجہ جھاؤ لال اور افتخار الدولہ مہاراجہ بینی رام سے تھا چہار دہ سالگی میں بسبب موزونی طبع کے شاگرد مرزا خانی نوازش کا ہوا اور طرب تخلص کیا آخر شوق مرثیہ گوئی اسے پیدا ہوا اور طرف وسیلۂ نجات کے شیدا ہوا تا اثر غم حضرت امام حسین علیہ السلام سے طرب سے کنارہ کر کے "دلگیر" (اپنا) تخلص قرار دیا سال یک ہزار دو صد و سی سن ہجری میں شرف اسلام سے مشرف اور شیدا اور شیعہ امیر المومنین سے ہم طرف ہوا۔ اور جب مرزا خانی صاحب نے

---

[1] ن۔ پ۔ رمنہ۔ [2] ن۔ پ۔ کا مرزا خانی نوازش سے کسب

[3] ن۔ پ ہنود قوم کائستھ سکسینہ

سکونت کانپور کی اختیار کی حسب الارشاد اپنے استاد کے وہ شیخ ناسخ سے مستفید رہا یہ شعر اس کے کہ سابق کے کہے ہوئے ہیں لکھے جاتے ہیں۔

کس کو دکھاؤں میں یہ بھلا ماجرائے چشم ناسور بن گئے ہیں عزیز دبجائے چشم

باتیں تری سنا کریں اور دیکھیں تری شکل وہ مدعائے گوش ہے یہ مدعائے چشم

اے طرب جو تیرا وہ خوش چشم باغ میں نرگس کے دستے کیجیو تو بھی فدائے چشم

کام اپنا خیال رخ جاناں سے نکالا کار شب عشرت شب ہجراں سے نکالا

یہ طالب ایذا ہیں کہ جو پا میں چبھا خار تم نے جو نکالا اسے پیکاں سے نکالا

امانتؔ[1] صاحب دیانت و متانت، سید آغا حسن تخلص امانت ابن میر آقا علی عرف میر آغا برادر زادہ میر طالب علی، اچھو تے والے مشہور اوائل میں میاں امانت نے برائے چندے میاں دلگیر صاحب سے اصلاح لی تھی پھر خود استاد بن بیٹھے۔ صاحب دیوان و خمسہ و مسدس۔ بس و واسوخت وغزل و مرثیہ بھی و سلام بھی اپنی دانست میں خوب کہے اور ان کے کلام میں جگت و ضلع خوب ہوتا ہے انتہا یہ ہے کہ مرثیے بھی اُن کے جگت سے خالی نہیں ہیں۔ ان کے مرثیے کا ایک مصرع یہ ہے

شامی کباب ہو کے پسند قضا ہوا

اور میاں امانت نے ہر چند چاہا کہ میرے آگے رنگ میر انیس صاحب کا اور مرزا دبیر صاحب کا مٹ جاوے لیکن نہیں خواجہ صاحب اور شیخ صاحب کے روبرو کوئی اور شاعر چمکا ہے کہ میاں امانت اور میاں عشق حباب

---

[1] ۔ ان کا ذکر نسخہ لکھنؤ میں نہیں ہے نسخہ پٹنہ کے اسی صفحہ پر جس پر دلگیر کا ذکر ہے حاشیہ میں ان کا ذکر ہے۔

آگے ان دو صاحبوں کے چمکتے بقول شاعر ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کس پف کند ریشش بسوزد

آمدم بر سر مطلب ۔ میر امانت صاحب کی زبان میں لکنت بھی تھی
اور یہ مرض ان کا آبائی ہے بلکہ اُن کی اولاد تک کی زبان میں لکنت موجود
ہے ۔ مرثیہ تصنیف کیا ان کا ان کے شاگرد پڑھا کرتے تھے اور اُن کے
شاگردوں میں جو ہے اس کے تخلص میں آخر میں "ت" ۔ مثلاً جنت وعنایت
و میاں فرحت وغیرہ ہے ۔ میاں امانت نے ایک رہس کی طرح مثنوی کی
اندر سبھا تصنیف کی تھی اس میں بجائے امانت تخلص استاد اپنا قرار
دیا تھا اور اس مثنوی میں غزلیں اور ہولی وٹھمری اور چھند زبان
بھاکا میں کہی تھی چنانچہ جگو سنگھ پنڈت کشمیری اور بہاری کہار
اور میر حافظ نے چند طفلانِ حسین اور امردان مہ جبین خوبصورت جمع
کر کے اور ان لڑکوں کو مثنوی یاد کرا کے اور تعلیم راگ و ناچ دلوا کے الگ
رہس کھڑا کیا تھا اور وہ پندرہ روپیہ روز ہینہ پر مجرے کو بھی جاتے
تھے چنانچہ خلائق نے یہ جلسہ جدید دیکھ کر بہت پسند کیا اور ہزار لوگ
بازاری جمع ہونے لگے ایک روز مولف تذکرہ ہذا بھی اس جلسہ
رہس اندر سبھا میں گیا دیکھا میں نے کہ ہزارہا لوگ ان امردان حسین پر
مفتوں و شیفتہ بقول شعر حسب حال ؎

ہجوم ماہ رویاں اس قدر تھا
کہ مجکو دل کے پس جانے کا ڈر تھا

اور میاں امانت مسند پر بیٹھے تھے اور ایک لونڈا حسین مہ پارہ گانے

گاتا ہے ہیں یہ دیکھ بس چند سے توقف کے بعد اپنے مکان پر چلا آیا۔
غرضکہ یہ اندر سبھا خوب چمکی اور مشہور خلائق ہوئی۔ جیسے کہ میر حسن
کی مثنوی سے ہزارہا عورات فاحشہ ہو گئیں ویسے اس مثنوی اندر سبھا
سے ہزارہا مرد لوطی و مغلم ہو گئے اور اغلام نے خوب رواج پایا۔ اور
مرثیہ میر امانت صاحب کا اچھوتیوں والے امام باڑے واقع
منصور نگر لکھنؤ میں پڑھا جاتا ہے قابل شنیدنی ہے یہ چند اشعار اچھوتے
میاں امانت صاحب کی غزل کے واسطے یادگار کے لکھے جاتے ہیں
وھو ہذا ۔ غزل امانت

خیال آتا ہے دل کو شکوہ بیداد کیا کیجے — خدا سے اے بت کافر تری فریاد کیا کیجے
بہار آئی ہے گلشن میں گھٹا جاتا ہے دم میرا — قفس کے در کو وا کرتا نہیں صیاد کیا کیجے
عبث کرتا ہے تو ہم سے خیال یار کا شکوہ — جو بھولے آپکو اے دل اسے پھر یاد کیا کیجے
مقابل سرو کو پا کر گلستاں میں وہ گل بولا — غلام اپنا ہو جو دل سے اسے آزاد کیا کیجے
کسی محبوب کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھرتا ہے — چمن میں دیکھ کر اے دل سوئے شمشاد کیا کیجے
جنوں کا جوش گھٹتا ہے اگر ... دکھلا — نہ تجھکو گالیاں دیجے تو اے فصاد کیا کیجے
لہو بہتا ہے خنجر دل کا ہمارا دم نکلتا ہے — گلے پر پھیرتا خنجر نہیں جلاد کیا کیجے
ہماری قبر کو ٹھوکر لگا کر یار کہتا ہے — ملا ہو خاک میں جو خود اسے برباد کیا کیجے
امانت کو دم پیری پہنچا تو یوں فرہاد چلایا — لبوں پر جان شیریں ہو اب اے استاد کیا کیجے

سحر قبلہ ۔ کلام اس کا صاحب تذکرہ کا منظور مرزا رجب علی بیگ تخلص سرور شاگرد
مرزا خانی نوازش[1] اچھا ہے یادگار

ذکر ہر شعر میں ہے اس بت لاثانی کا — دل میرے دیوان سے مرقع ہے تجلی انی کا
قدم یار پہ اس طرح سے ماتھا رگڑا — مٹ گیا صاف نوشتہ مری پیشانی کا

۱؎ ن ۔ پ ۔ کن کلامہ

مل گیا پارہ میں ہر پارہ دل بیتاب کا (ل) دیکھنے جوڑا نہ دیکھا جس نے ہو سیماب کا

وہ جو شانوں پہ کھلی زلف وہ تار کھتے ہیں ل اڑتی چڑیا کو نہی لوگ پھنسا رکھتے ہیں

وہ دل نہیں جو نگہ سے تری فگار نہیں ل وہ چشم کور ہو جو صرف انتظار نہیں
ہماری خاک کو دامن سے جھاڑتے ہو کھڑے ل پھر اس پہ کہتے ہو دل میں مرے غبار نہیں

مسیحا میں یہ باتیں کب تھیں جو ہیں اپنے دلبر میں قضا غمزہ میں ہے فتنہ نگہ میں حشر ٹھوکر میں

کسی دشمن نے ایسا دوست کو میرے بڑھایا ہے پ بدل لیتا ہے طوطے کیطرح سے آنکھ دم بھر میں
نہ ہم نازک مزاجوں سے اٹھیں گے ناز دلبر کے پ یہ غمزہ جو اٹھاتا تھا وہ اب دل ہی نہیں بر میں
جگہ اب خال ہندو کی ہوئی ہے مصحف رخ پر پ عداوت اٹھ گئی جو تھی مسلماں اور کافر میں
ملا دیتا گلے سے کیوں نہ یار نکتہ داں اس کو پ بڑی تجنیس خطی ہی تھی خنجر اور خنجر میں
ملایا خاک میں برگشتگی طبع جاناں کی پ بسان شیشۂ ساعت پلٹتا ہے گھڑی بھر میں
ہمارے دل میں اس کی یادداں سینہ میں کینہ ہے پ دہاں ہے لعل میں پتھر یہاں ہے لعل پتھر میں
مثال شمع سر جلتا رہا ہے رات بھر میرا پ پر پروانہ شاید مل گیا تھا بالش پر میں
بنے اب اس سے ما اگڑے الم ہے اسکا لاحاصل وہی ہو گا لکھا ہے جو سرورؔ اپنے مقدر میں

سہاؔ | جوان رعنا، مرزا احمد علی تخلص "سہا" خلف اور شاگرد سرورؔ جن کلام

نیرنگیاں دکھائیں مجھے چشم یار نے بے موت مارا گردش لیل و نہار نے
پر باندھ کر قفس میں کھاٹا تک دی پلک کس کس طرح کے ظلم کیے دام دار نے
خط سیاہ کا رخ انور پہ ہے نشاں بھیجی حلب پہ فوج شہ زنگبار نے

فریادرس نہ کوئی ہوا خاکسار کا ‎ ‎ ذرہ ذرہ اُڑائی خاک ہماری غبار نے

اظہر | کلام میں اس کے سکنجبین کا مزہ[1]، دافع صفرا، شیخ اظہر علی تخلص "اظہر" (ساکن کانپور) کلام اس کا مرزا خانی کا منظور نظر۔ یہ اس سے یادگار

برنگِ مرغِ بسمل وصل کی شب خوب تڑپا یا ‎ ‎ عجب تاثیر ہے[2] زاہد تری اللہ اکبر میں

وہ دیکھ آئینہ خود عاشق ہوا ہے اپنی صورت پر ‎ ‎ مرا محشر کو ہوگا ہاتھ دامانِ سکندر میں

محبت گرچہ تھی زنجیر پا ہم کو بیاباں کی ‎ ‎ پہ مگریاں ہو کشاں پھر لائی الفت زلفِ پیچاں کی

وہ بڑھتا ہی گیا جتنا جنوں نے پیر پھیلائے[3] ‎ ‎ ذرا وسعت تو دیکھو اس سرِ حدِ چاکِ داماں کی

بضاعت کچھ نہیں تو پاسباں ہو یا نہ ہو اظہر ‎ ‎ نگہبانی کرے گی بیکسی جانِ غریباں کی

مخلص | صاحب اندیشہ وکالت پیشہ تخلص "مخلص" نام مہدی حسن[4]، مرزا خانی نوازش سے اسے تعلیم شعر و سخن۔

ہے زور رشورروں پہ ناتوانی نہ تلخ کیوں کر ہو زندگانی

بہ برگس یوں گراں ہے تن پر کہ جیسے پتھر ہزار من کا

مہ فلک کو خدا کی قدرت رُخِ منور سے کیا ہے نسبت

یہ ماہِ کامل تو بے خلل ہے لگا ہے کھٹکا اسے گہن کا

عسکر | شایان بزرگی وبہتری، مولوی عسکری تخلص "عسکر" کلام[5] نوازش کا منظور نظر، یہ اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ کلام اس کا با مزہ ‎ [2] ن۔ پ تھی ‎ [3] ن۔ پ پائوں پھیلایا

[4] ن۔ پ میری جہدی حسن تخلص "مخلص" صاحب اندیشہ وکالت پیشہ شاگرد مرزا خانی نوازش یہ اس سے یادگار

[5] ن۔ پ شاگرد مرزا خانی نوازش من کلامہ

غم فرقت کا دلا کھول نہ تو راز عبث　　کون سنتا ہے درد دل کو نہ کر باز عبث
ہم گرفتار قفس ہیں نہ دلا یادِ چمن　　ہم سے ہے بادِ بہاری یہ ترا ناز عبث
زردیِ رُخ سے عیاں رازِ محبت ہوگا　　کہہ کے بدنام ہوئے ہیں مرے غماز عبث
ہو نہ خلکی وصل کی شب کاٹیں گے ہم آپ گلا　　زاہدا تیری ہے تکبیر کی آواز عبث
اس کے کوچہ کے سوا اور کہاں جاؤں گا　　طائر روح رواں کرتا ہے پرواز عبث
مر گئے ہم تری فرقت میں نہ جاں بخشی کی　　او مسیحا نظر آیا ترا اعجاز عبث

الطاف | کلام[۱] اس کا بے تکلف صاف صاف۔ کلب حسین خاں تخلص "الطاف" برادر خورد اور شاگرد بزرگ مرزا خانی نوازش[۲]، یہ اس سے یادگار

کسی کو جام محبت یہ دی کسی کو راحتِ دنیا　　عدم سے چرخ لایا ہے یہاں ندوہ کھانے کو
گیا چشموں کو کر تر میری تربت پر تو یہ بولا　　جلاؤ شمع اس کی گور پر آنسو بہانے کو

شرر | سوختہ جگر، مرزا ابراہیم بیگ تخلص "شرر" شاگرد مرزا خانی (نوازش)
مرزا ۳؎

سامعین کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے　　سرگذشت اپنی جو لکھیے تو قلم رکتا ہے

ذکا | موزون الطبع، خوش نوا، مرزا مخدوم بخش تخلص "ذکا"۔ موجد نوجوانی شاگرد مرزا خانی من کلامہ۔

موت کے نام سے ڈر جاتے ہیں ڈرنے والے　　تو نے دیکھے نہیں ظالم ابھی مرنے والے
ہم نہیں آپ کی تلوار سے ڈرنے والے　　یاد رکھنا کہ بڑے ہوتے ہیں مرنے والے
بیٹھ کر صحبت ناجنس میں بگڑے ہیں تو بس　　نہ کسی سے کبھی کھیلا ہے ہیں سنورنے والے
قدر عاشق نہیں تم کو بڑے بے قدر ہو تم　　ایسے ملتے ہیں کہاں پیار کے کرنے والے

۱؎ ن ۔ پ شاعر بے تکلف و سخن اس کا　۲؎ ن ۔ پ یہ اس کی سخن دانی
۳؎ ن ۔ پ یہ شعر اس سے یادگار

لوگ عزت سے ہیں سر پہ چڑھاتے ہیں ذکا
ہم کسی کے بھی نہیں جی سے اُترنے والے

ہم نہ دل دے کے تمھیں جی سے گذر جائینگے
آپ وہ ہیں کہ ابھی لے کے مکر جائیں گے

مجکو اس حال سے لے جانہ جنونؔ اُن کے حضور
دل کے نازک ہیں بہت دیکھ کے ڈر جائیں گے

بے اجل مار نہ ہم کو کہ شب وصل ہے آج
یہ نہ کہہ منہ سے کہ ہم وقت سحر جائیں گے

دل عاشق شمع رخ جانانہ ہوا ہے
رجائے گا جل کر کہیں دیوانہ ہوا ہے

اللہ رے کیا عشق بتاں میں ہے رسائی
یہ کعبۂ دل اپنا صنم خانہ ہوا ہے

دیوانہ | شاعر یگانہ، سرب سنگھ، تخلص "دیوانہ"۔ اپنے وقت کا استاد (بلکہ صاحب ارشاد تھا) (رباعی اور ایک شعر) اس سے یادگار

وہ لوگ کہاں کہ یارباشی کیجے
وہ وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے

اک گوشہ میں اپنے بیٹھ کر کے تنہا
اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے

جان پر آبنی ہمدم تری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

حیران | خوش لہجہ، شیریں زبان، میر حیدر علی تخلص "حیران"۔ (صاحب استعداد وطن اس کا شاہجہان آباد) دانشمند دفرزانہ شاگرد سرب سنگھ دیوانہ یہ (اشعار) اس سے یادگار

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا کچھ نہیں[2] رہا ہے ہم میں

کل جو حیران کو میں روتے دیکھا
بن گئی وہ کھنے کی بات مری

---

[1] ن۔ پ عنفوان جوانی میں پورب میں آیا اور سرب سنگھ دیوانہ کا شاگرد ہوا

[2] ن۔ پ رہا نہیں ہم میں

اُن کی خدمت میں ادب سے میں نے عرض کی دیکھی کرامات مری
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں بندگی قبلۂ حاجات مری

صفِ مژگاں سے اس کے جب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں ہر چند حیراںؔ سر پٹکتا ہے
وہ کیا تجھ میں نہیں جو دیر و کعبہ میں ہے آوارہ
عبث کیوں اے دلِ بے ہودہ تو در در بھٹکتا ہے
جلا جاتا ہوں حیراںؔ آتشِ عشقِ نہانی سے بھنا جاتا ہو دل اور جی پتنگا سا چٹکتا ہے

جب کہا میں نے مرے گھر چلئے اس میں کچھ کم نہ ہو گی محبوبی
سن کے تیوری بدل کے کہنے لگے راہ و رسمِ ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہتا ہے مرے گھر چلئے دیکھیو اختلاط کی خوبی

افسوسؔ | خال و خطِ خوباں سے مانوس، میر شیر علی خاں تخلص "افسوس"۔ ابن مظفر علی خاں داروغہ توپ خانہ عالی جاہ۔ پہلے میر سوزؔ کا شاگرد تھا بعد (میرا) حیدر علی حیراںؔ سے مستفید ہوا۔ ایک دن جرأتؔ کے اس مطلع پر سرِ مشاعرہ[1] معترض ہوا ؎

گلبازی کے رتبہ کو دلا کاش تو پاتا ہاتھوں سے جو گرتا تو نہ آنکھوں[2] سے اٹھاتا

یعنی یہ مطلع بے اضافتِ گل بے معنی[3] ہے۔ جرأتؔ نے شکایت اس کی مرزا رفیع سوداؔ سے کی (مرزا نے) کہا گلبازی اور گل بازی دونوں درست ہیں۔ بلکہ گلبازی کی بیشتر استعمال میں ہے۔ چونکہ ان روزوں شعار[4] اس کا خود پسندی ہوا ہے یہ تضمین اس کی

---

[1] ن۔ پ مشاعرہ میں [2] ن۔ پ پلکوں
[3] ن۔ پ ناموزوں [4] ن۔ پ خود بینی اس کا شعار ہوا ہے۔

تنبیہ کو کافی ہے۔

افسوس کہ تجکو سوز و حیراں — سمجھا کے بہت ندان یارے
دریاں و درمیاں نہ سمجھا — اب تک تو اور اس پہ اے پیارے
جرأت کے سخن پہ خوردہ گیری — محفل میں کرے ہے واہ وا رے
اب چاہیئے یوں کہ تیرے حق میں — ہر اک یہ گلی گلی پکارے
کاٹے نہ تمہارے ٹینٹ اپنا — اور غیر کی تھیلی کھ نہارے

یہ اشعار کہ (میر شیر علی خاں افسوس) سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں

ہنس کر کسی سے بات[1] نہ کی میں نے تجھ بغیر — روتے ہی آہ کٹ گئے اوقات تجھ بغیر

کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد — بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں

کیا اُن نے لکھا تھا جو ترے خط کے تئیں دیکھ — آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے نکلنے[2]

اس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ہے پ — ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو رُلا دیتا ہے

صلاح جانے جو کچھ[3] اُس سے کہیوا ہے قاصد — پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

نے اس لیے ملے ہیں کہ کچھ سیم و زر ملے — ہم تجھ سے آگے اور ہی اُمید پر ملے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید — جیتا پھر آگے مجھ سے مرا نامہ بر ملے

کچھ بات تم سے[4] کہہ نہیں سکتے ہزار حیف — مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجے — رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجے

---

[1] ن۔ ب میں نے نہ کی بات [2] ن۔ ب ٹپکنے [3] ن۔ ب کہیو اس سے قاصد [4] ن۔ ب کر

ابھی وہ پردے میں ہے جبینہ خلق مرتی ہے — غرض دکھاتے یہ دیدار دیکھئے کیا ہو

حیف | سنجیدہ و متحمل بے کم و کیف، سید چراغ علی تخلص "حیف" لکھنوی شاگرد میر شبیر علی افسوس من کلامہ

ملنے بھی نہ پائے اس جواں سے — حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے
گر آپ نہ آئیے نہ لیکن — اقرار تو کیجئے زباں سے
اے راہ رواں میری زبانی — کہنا یہ پیام کارواں سے
رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے — یک شخص تمھارے ہمرہاں سے
کیا پوچھتے ہے حیف کی حقیقت — ناشاد گیا وہ اس جہاں سے

وہ مہر جہاں تاب اگر بام پر آوے — تابندگی مہر اعظم نظر آوے
کہتا ہے کوئی بال اسے کوئی رگ گل — کچھ میں بھی کہوں تیری کمر جو نظر آوے

تاسف | عادی دخل و تصرف، میر حسن علی تخلص "تاسف" شاگرد میر شبیر علی افسوس، نہایت خود بیں اور خود پسند، ارواح مرحومان اس سے دردمند، ناحق ناحق استادوں کے اشعار پر اعتراض کیا اور رسالہ مختصر فریب عوام کو ترتیب دیا چنانچہ وہ شعر اعتراضی کہ ان میں دخل بیجا اور تصرف ناروا[1] ہے مع دفع اعتراض لکھے جاتے ہیں۔ مصحفی کے شعر پر (یہ) اعتراض (ہے)

حسن کہتا ہے کہ پردہ کو اٹھا دے پر شرم — یہ سکھاتی ہے کہ پھر منہ کو چھپا دکھلا کر

اعتراض: دیکھئے حسن و شرم دونوں لفظوں کا بیان اس شعر میں ہے چنانچہ خاصہ حسن کا پردہ اٹھانا اور دکھانا منہ کا اور پھر چھپانا نام شرم ہی کا ہے

---

[1] الف، ن، پ: بے مہر و پا

اگر وہ حرف شوخی شرم کی جا کہتا تو بہتر تھا۔

حسن کہتا ہے کہ پردہ کو اٹھا پر شوخی   یہ سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا دکھلا کر

اب انصاف کیا چاہیے کہ لفظ شوخی کو بجائے شرم مناسب سمجھنا حد نامناسب ہے کہ شوخی عبارت آپ سے باہر ہوتا ہے نہ کہ خود داری، حرف شرم نہایت بجا اور اعتراض بے جا۔

شعر خواجہ حیدر علی آتش کہ بہترین اشعار سے ہے۔

سودا ہوا ہے مرغ جنوں کے شکار کا   پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا

اس پر از راہ تاسف (کے) کہتا ہے صاحبان فہم سے امید یہ ہے کہ ملاحظہ فرمائیں کہ اس مطلع کے معنی میں کیا خرابی نظر آتی ہے۔ اگر مرغ جنوں آپ ہی شکار نہیں ہوا تو گریبان کے تار کا نکالنا کہ کام وحشی (کا) ہے کوئی ہشیار نہیں کرتا اور جو شکار ہو چکا ہے تو سامان شکار کا تحصیل حاصل کے لیے فعل عبث ہے اس کو یوں کہتے تو خوب تھا۔

سودا ہو جس کو مرغ جنوں کے شکار کا   پھندا بنائے میرے گریباں کے تار کا

یہ جو اس خود غلط نے اصلاح کی ہے اگر وہ جنوں زدہ ہے گریبان اس کے پاس کہاں اور اگر جنوں زدہ نہیں (اور ہوشیار ہے) کام دیوانے کا ہشیار سے کب نکلتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب کے شعر میں سودا ہو چکا ہوتا تو اعتراض اس کا بجا تھا۔ دوسرا شعر یہ

تل نمایاں نہیں ہو عارضِ جاناں کے تلے   ہے ستارہ کوئی روشن مہ تاباں کے تلے

دیکھئے اس مطلع میں یہ اندھیر ہے کہ تشبیہ خال کی ستارہ روشن سے دی ہے حالانکہ تمام شعرائے عجم اور عرب (کے) خال کو سیاہ چیزوں سے نسبت دیتے ہیں (انتہیٰ)، اول تو یہ شعر خواجہ صاحب کے دیوان میں نہیں مگر قول مشہور

کے واسطے پہلے سند شعرائے عجم کی اس کو دی جاتی ہیں شعر مشہور

زخال گوشۂ ابروے یار می ترسم   از این ستارۂ دنبالہ دار می ترسم

اور نصیر دہلوی اس کی دانست میں بہتر ہے۔ وہ یہ کہتا ہے

تاجل کا بنا گوشۂ ابرو میں کوئی تل   کیا پاس مہ نو کے ستارا نہیں ہوتا

اور وہ شعر کہ اس کے جواب میں اس نے کہا وہ یہ ہے

چھاتیاں کھل گئیں جس دم رخ جاناں کے تلے   وہ ستارے ہوئے روشن مہ تاباں کے تلے

سبحان اللہ کہاں رخ جاناں کہاں پستان علاوہ اسکے کیا منہ کی کھائی ہے اپنے زور میں آپ گرد برد ہو گیا۔ جواہرات اخیر ادھر کھا ادھر آ گیا اس واسطے کہ سر پستان سیاہ ہے

اب سنئے کہ شیخ ناسخ کے باب میں یہ لکھتا ہے کہ کلام اس کا زنخی دوکان اور پھیکا پکوان ہے چنانچہ یہ شعر (اس پر) حجت (ہے)

ایک عالم ہے مری مستی و ہشیاری کا   خواب دیکھا نہ کبھی بخت کی بیداری کا

کہتا ہے اس شعر میں یہ خرابی واقع ہے کہ مصرعہ اول کو مصرعہ ثانی سے ربط نہیں۔ پہلے مصرع میں مضمون دیوانگی کا پایا جاتا ہے اور دوسرے میں بخت اور طالع کا۔ یوں کہنا تھا

خواب سے فرق نہ سمجھا کوئی بیداری کا   ایک عالم ہے مری غفلت و ہشیاری کا

اس بے ربط سے کوئی پوچھے کہ غفلت اور ہوشیاری اور خواب اور بیداری چار چیزیں (ایک شعر میں) موجود ہیں ربط کیوں کر نہیں اور نہ دیوانہ پہلے مصرع کے مضمون کو جو دیوانگی سے نسبت دیتا ہے اس میں بدبختی کا بیان ہے یا دیوانگی کا اور بے ربطی اس کی بیت کے مصرعہ اول سے ظاہر کہ اس کا مضمون بری طرح سے باندھا ہے۔ دوسرا شعر ناسخ کا یہ

وصف خط ہے مرے دیوان میں کہیں وصف کمر   ساتھ ہو جدول زنگار کی یک باری کا

دیکھیے اس شعر میں مشبہ کو مشبہ بہ سے مناسبت (بجا) نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ اگر وصف خط اس شخص کے دیوان میں کہیں ہے اور وصف کمر کہیں ہے ان دونوں وصفوں میں جدائی ہے تو جدول زنگار کے ساتھ "باری کا" نہ چاہیے ان میں فرق درکار ہے۔ یوں کہنا تھا۔

وصف خط ہے مرے دیواں میں کہیں وصف کمر ہے کہیں جدول زنگار کہیں باری کا

باری کا علاحدہ ہونا جدول سے غیر ممکن واللہ اعلم بالصواب ؎

کجا بودم اکنوں فتادم کجا
باز آمدم بر سر مطلب

حسرت | شاعر فصیح بیان، سخنور با جماعت، مرزا جعفر علی تخلص "حسرت" فرزند اور یگانہ (فرزانہ) شاگرد میر پ[1] کہ دلیہ آنہ خلف الصدق ابو الخیر عطار۔ دکان اس کی متصل اکبری دروازے کے تھی اپنے وقت میں آوازہ شہرۂ آفاق اور شاعر شان تھا موزونان لکھنؤ کو اس کی شاگردی پر مباہات اور شرف۔ اور وہ سرکار مرزا جہاں دار شاہ کی ملازمین اعزہ سے ہم طرف تھا۔ بعد وفات پدر (بزرگوار کے) دفعتاً نوکری کو ترک کر کے پیشۂ آبائی میں مشغول ہوا اور مشق سخن سے رفتہ رفتہ مرد مقبول ہوا بسبب اپنی ناموری کے استاد سے منکر اور حلقہ اطاعت سے باہر (ہوا) علت: کاندار ی سے تحت استاد کو طاق نسیاں پہ رکھا اور مطلق انحراف کیا۔ القصہ جب نوبت دور مرزا رفیع السودا چہار دانگ ہند میں بلند اور شہرہ اس کا کم سخن ہر خود پسند کا ہوا۔ اس نے بارہا اپنے ٹھنڈا دیکھا اور مرزا رفیع السودا پر بہ پست حوصلگی سے معترض ہونے لگا یہ مصرع سودا کا کہ قصیدہ میں نواب شجاع الدولہ (بہادر) کے ہے۔

نور خورشید ہو جس طرح سے شب کو زائل

(بسبب ریاضی دانی کے) اس پہ یہ اعتراض کیا کہ نور خورشید کا شب کو

---

[1] ن۔ پ نام مکدر ہی

زائل نہیں ہوتا۔ اس مکابرہ کے (نواب) تفضل حسین خاں (علامہ، حکیم) اور مدعی اور مدعا علیہ بہم ہوئے۔ خاں صاحب نے کہا[1] زائل ہونا خورشید کا ابر کی غیب سے ظاہر اور ثابت اور فروغ کو کب سودا[2] کے قول پر حجت ہے۔
ایک دن میر سوز نے (مرزا رفیع) سودا سے کہا کہ ہم حسرت کو آپ کی طرف سے منحرف[3] اور منکر پاتے ہیں۔ شکنجہ ہجو سے اس کو مالش دیا چاہیے اور معترف اپنے قدر کا اس سے کیا چاہیے۔ سودا نے کہا[4] میں اس کی ہجو کرتا ہوں جو شاعر ہو نہ کہ ایسے ناشاعر کی یہ رباعی تمہارے نام سے کہی جاتی ہے اس کی تنبیہ کو کافی ہے[5]۔

کہتا تو نہ ہے حسرت کا نہ دل ہووے سپند　　ہے شعر کی گرمی کا دھواں اس کے بلند
حسرت اے کیوں ہر نے شاعر ہو نہ　　عطار کا لونڈا ہو وہ بانٹو گل قند

من کلام حسرت

درس تھا مکتب میں مجکو آہ کا　　یہ سبق تھا پہلے بسم اللہ کا
کس کی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا　　تڑپے ہے دل مرا ارے اللہ کیا ہوا

حسرت کا حال پوچھے اگر یار اے صبا　　کہیو کہ درد ہجر سے رو رو کے مر گیا

بیاں کیا کیجیے اس سرو رواں کے قد و قامت کا　　بلا ہے آفت جاں ہے نمونہ ہے قیامت کا
ہوا گل پانی پانی دیکھ اے رنگ پن تجھکو　　نہیں شبنم عرق ہے گل کے چہرہ پر ندامت کا
ترے لب کے جلانے سے جو بیمار اٹھا میں پہ　　نہ ہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا

---

[1] ن۔ ب۔ کہا خورشید کا زائل ہونا [2] ن۔ ب۔ اس پر [3] ن۔ ب۔ احسان اور ہر بات میں خلاف پاتے ہیں [4] ن۔ پ فرمایا۔ [5] ن۔ ب ہو گی۔

بادِ خزاں تو باد ہے یا تیغ آب دار گلشن کا ہر شجر ترے آتے ہی چھٹ گیا

نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع روتی کی کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا
ہوا لبریز جام زندگی جس وقت اے حسرت دریغ اس وقت میں ساقی پلانے جام آیا تھا

مرنے سے حال سارا معلوم ہو رہے گا یہ جھوٹ سچ تمہارا معلوم ہو رہے گا
لاتے ہیں رند تجھ کو اب کھینچ میکدے میں اے شیخ استخارا معلوم ہو رہے گا

مطلب نہیں ہے شکوہ ان بے مروتوں کا حسرت مجھے ہے رونا اس دل کی حسرتوں کا

تلف ہونا تھا جی کھونا تھا گھر اپنا ڈبونا تھا
دلا سب کچھ تجھے کرنا تھا لیکن عاشق نہ ہونا تھا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو تو ہی لے جائیو سر پر یہ گلستاں اپنا

کسے منظور تھا یوں تلخ کرنا زندگانی کو دلے کیا کیجئے حسرت بلائے ناگہانی کو
بعد خونِ جگر یک قطرہ مژگاں تک پہنچا ہے نہ دے برباد یوں اے چشم اشک ارغوانی کو

تصور نے ترے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مژگاں سے مژگاں کو

جوں لالہ بہار کو رہا ہے یہ سینہ داغ دار ...

نسبت کا ہمارا رستا مگر بند پہ کہ ہے خط و کتابت سر بسر بند

چین لیوے دل نالاں یہ توقع نہ رکھو   دہ سمجھو راحت و آرام ہے بیمار سے دور

شب ہجراں کبھی ہیہات نہ ہوگی آخر پ   عمر آخر ہو پہ یہ رات نہ ہوگی آخر

عشق ہے داستان سے باہر   ہے یہ قصہ بیان سے باہر

کام جو ہم کو اس نے فرمایا   آہ سو امتحان سے باہر

دیر و مسجد میں ڈھونڈتے ہیں جسے   ہے وہ کون و مکان سے باہر

باندھ رشتے سے مجھ کو پھینک اے صیاد قفس   میری فریاد سے کرنے لگا فریاد قفس

کل کب تھے ہم سے خوش جو نہیں ہو تم آج خوش   ہم نے تو ایک دن کبھی نہ پایا مزاج خوش

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک   ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بساط

برنگ لالہ دل داغ دار رکھتے ہیں   جہاں کے باغ میں ہم[1] یہ بہار رکھتے ہیں

صدف گریہ نہ کر ناز چشم میں ہم بھی   ہر ایک اشک دُر آبدار رکھتے ہیں

ہوئے ہیں بت کے بندے برہمن سے راہ کرتے ہیں   حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

---

[1] ن ۔ پ بھی

دوستوں کا دیکھنا اس دور میں ہمدم[1] کہاں دم غنیمت ہے عزیزو تم کہاں اور ہم کہاں
گلشن دوراں کی حسرت سیر کر لیں کوئی دم سالہا اس باغ میں پھولیں گے گل پھر ہم کہاں

گریباں چاک رہ جوں گل چمن میں مزہ ہے اور ہی دیوانہ پن میں
کہاں تک تو سیئے گا آہ ناصح ہزاروں چاک ہیں اس پیرہن میں

دشت میں چلنے کی بھی[2] تدبیر ہو نا ہو سو ہو توڑ دیوانے تو اب زنجیر ہو نا ہو سو ہو
غصہ ہوئے یا کرے نامہ کو میرے چاک چاک اس کو خط کرتا ہوں میں تحریر ہو نا ہو سو ہو

خواب دیکھا ہے میں تیرے باغ سے لیتا ہوں سیب تم حسیں ہو دے[3] مجھے تعبیر ہو نا ہو سو ہو

قبروں سے دور رکھ گاڑیو مجھ ناصبور کو ورنہ رہے گا زلزلہ اہل قبور کو

سرشک خون مری چشم سے ملے نکلے مگر یہ پھوٹ کر سینے سے آبلے نکلے

بدن کو جان کو دل کو جگر کو آگ لگی شب فراق اس گھر کے گھر کو آگ لگی

شب سینہ کو سوز دل مایوس جلا دے بھڑکے جو ذرا شمع تو فانوس جلا دے
زاہد تو مرے دشمن ایماں کو جو دیکھے باللہ کہ یہ خرقۂ سالوس جلا دے

---

[1] ن۔ ب ہردم [2] ن۔ ب کر [3] ن۔ ب مجکو دے

ترے بن کس طرح پیارے مری اوقات گذرے گی
ابھی سے دل کو بیتابی ہے کیونکر رات گذرے گی پ

برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا[1] زندگانی ہے — کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سرگرانی ہے

اس زلف میں جا فراغت پائی پ اس دل نے عجب ہی رات پائی
تو مجکو قتل کر کے چھوٹا پ میں نے غم سے نجات پائی

تیغ سے مت قتل کر تو اے بت پرفن مجھے — ہوں چراغ صبح بس ہے جنبش دامن مجھے
کیا ہو شکوہ دام کا اور کیا گلہ صیاد کا پ کر دیا تو نے اسیر اے الفت گلشن مجھے

محض عالم سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی — غرض اب ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی
اثر سے نالۂ بلبل نہیں ہے کوئی دم خالی پ میں ڈرتا ہوں کہ ہو گلشن نہ گل سے یک قلم خالی

بلانا اور جلانا دونوں یہ شانیں تمھاری ہیں — کرم بھی جا کیجیے مستحق نہیں لازم ستم خالی

خوف گریہ کا ہے ہر چند بے تاثیر ہو — گو نہیں پیکان اس میں لیکن آخر تیر ہے

جوں برق ہم کو دور سے جلوہ دکھا چلے پ جو آگ بجھ رہی تھی اسے پھر جلا چلے

---

[1] ن - ب کیا یہ

حسرتؔ نہ بُت پرست ہے تو نے خدا پرست لازم ہے آدمی کو کسی کا تو ہو رہے

کہہ بیٹھے بُرا منہ سے بھلا اور کبھی کچھ ہے پ دُشنام ہی دے جائے، ہو یا اور کبھی کچھ ہے

دین و دل و جان چھین کے میرا وہ ستمگر کس پیار سے کہتا ہو کہ لا اور کبھی کچھ ہے

معشوق گراں گوش کے سوال و جواب میں[1] یہ غزل اُس نے خوب کہی ہے

میں نے کہا عاشق ہوں لگا کہنے کہ کیا ہے میں نے کہا قرباں ہوں لگا کہنے سنا ہے
میں نے کہا ہوتا نہیں بُت رام کسی کا کہنے لگا ہاں سچ تو یہ ہے سب کا خدا ہے
میں نے کہا تجھ بن میں غضب آفتیں دیکھیں کہنے لگا حسرتؔ ترا دل خوش تو رہا ہے

از بس کہ ہوا تھا یار تو حسرتؔ کا پ شہرہ تھا جہاں کو بہ کو حسرتؔ کا
اب اُس کے جو خوں سے تو نے فندق باندھی انگشت نما ہوا لہو حسرتؔ کا

اب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا وہ سب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا
منکرِ مت ہو تمھاری چوری چوری شب ہم نے جو کچھ نہ دیکھنا تھا دیکھا

ارمانؔ | شیریں زبان مرزا باقر علی تخلص "ارمان" خلف و شاگرد حسرتؔ۔ یہ[2] اس کا بیان

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھئے کہ کیا ہو دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا ابرا ہو

---

[1] ن۔ پ یہ کیا خوب غزل اس نے کہی ہے [2] ن۔ پ من کلامہ

تا سر بالیں اسے آنا ندامت شاق ہے ۔ یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

رقت | صاحب استعداد و قابلیت، مرزا قاسم علی تخلص "رقت" ملقب بہ عراقی شاگرد حسرت دہلوی

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا ۔ یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس ۔ جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس
جوان تم ہوئے نام خدا پہ یہ رقت ۔ گھٹا کے دیکھے ہیں اب تک بھی تین چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی ۔ اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دوانے اس میں سب نادان و دانشمند ہوتے ہیں ۔ یہ عالم اس نے پایا ہو کہ رستے بند ہوئے ہیں

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے ۔ زاہد بتا تو تجھکو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

رسم | عزیز خلایق مانند چشم، مرزا امام بخش تخلص "رسم" شاگرد رقت من کلامہ

آتا نہیں وہ کلبۂ احزاں میں ہمارے ۔ اے نالۂ شبگیر ہوا تیرا اثر کیا
گر آئینہ دل کی میرے دید ذرا تو ۔ اس آئینہ میں دیکھ تو آتا ہے نظر کیا
بے حال بہت آج اسیران قفس ہیں ۔ گلشن میں صبا لائی ہے کیا جانے خبر کیا
جب عشق کرے آٹھ پہر خانہ خرابی ۔ آباد ہوا اے رسم میرے دل کا نگر کیا

روح | کلام سے اس کے دل بستہ کو فتوح، میر شجاع الدین تخلص "روح" شاگرد رقت منہ

شیفتہ کس پر ہے تو اٹکا ہو دل تیرا کہاں | سچ بتا ہم کو بھرا ہے رنج تو مائل کہاں
دار پر کھنچا گیا منصور اپنے ہاتھ سے | حق کے آگے ہو فروغ دعوئ باطل کہاں

قسمت | عمدہ خاندان و صاحب ہمت، بارگاہ قلی خاں تخلص "قسمت" شاگرد حسرت - من کلامہ

تو بر سر بازار جہاں جلوہ نما ہو | خورشید فلک بیچنے اپنی سپر آوے[۱]
جوں ماہ منور ہو شب تار ہماری | قسمت وہ اگر چاند سی صورت نظر آوے[۲]

دیکھا میں جنس دل کے طلبگار تم نہیں | پھرتے ہو بو الہوس سے خریدار تم نہیں
کہتا ہے اُن کو دیکھ کے چیں بر جبیں رقیب | کیا ماجرا ہے مجھ سے تو بیزار تم نہیں
آنکھیں نکالتے ہو عبث مجھ غریب پر | پ کہتا ہے کون یہ کہ طرحدار تم نہیں

الٰہی یا تو میرے دامنِ دلدار ہاتھ آوے | پ نہیں تو ہاتھ کی اس کے مرے تلوار ہاتھ آوے

پھر مجکو کیا جو غیر کے تم جا کے گھر رہے | میرے تو ساتھ وعدۂ شام و سحر رہے

آتی نہیں کسی کی جواب تک صدائے پا | واماندگان قافلہ یارب کدھر رہے

وحشت | "وحشت" شاگرد جعفر علی حسرت - یہ[۳] اشعار اس سے یادگار

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر | اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر
کیونکہ تم گھر سے نہ نکلو گے میاں دیکھیں تو[۴] | ہم نکالیں گے تمھیں لاکھ ہنر سے باہر

---

[۱] ن - پ آئے [۲] ن - پ یہ اس کا جوہر طبیعت [۳] ن - یہاں گے

آہ کس طرح سے دیدار میسر ہووے پاؤں رکھتا نہیں ہے وہ کبھی گھر سے باہر

نکل گھر سے ذرا اے یار مجھ بیمار کی خاطر پہ کھڑا ہوں منتظر کب سے ترے دیدار کی خاطر

جو کچھ ہم پر ستم کیجئے بجا ہے کہ ہم نے تم کو دل[1] اپنا دیا ہے

جرأت | سر دفتر تربیت یافتگان مرزا جعفر علی حسرت، میاں قلندر بخش تخلص[2] "جرأت"۔ پوشیدہ نہیں کہ لفظ میاں کا واسطے اہل حرفہ اور تعظیم مجہول النسب اور نو مسلم کے واسطے آتا ہے اگرچہ بسبب استعمال کے ہر شاعر کو کہہ بیٹھتے ہیں۔ مگر مخصوص ان کے واسطے ہے کہ ان کو سوا میاں کے میر صاحب اور مرزا صاحب اور خان صاحب اور شیخ صاحب اور لالہ صاحب کوئی نہیں کہتا۔ قصہ مختصر جرأت اولاد سے بجیلی رائے مان کی ہے۔ عین شباب میں آنکھ اس کی نور بصارت سے معطل اور بیکار ہوئی۔ نابینا اکثر طبیعت کے ثقیل اور گراں ہوتے ہیں مگر وہ سبک دمنع اور طبیع[3] ملائم رکھتا تھا۔ باوجود نابینا ہونے کے شناسائے آواز ایسا کہ برسوں کے بعد بھی جس سے ملاقاتی ہوا اسے پہچان لیا۔ شاعر زبردست بہ گو اور خوش گو (خوش اقبال اپنے عہد میں) یہ تمام شعرا میں بے مثال، شاعری میں سر سبز اور دوں پر اکثر موزوں الطبع (لکھنؤ) حلقۂ بیعت کے اندر مشاعرہ میں غزل در غزل کہنا اسکا ایجاد۔ ستارہ دانی میں استاد، فن موسیقی سے نصیلے آشنا، مرد خوش گپ و بانزا، شیخ ناسخ ایسے ریختہ گویوں سے مسلم بلکہ رکن سالم جانتے تھے میاں مصحفی نے اس کی وفات کی تاریخ یہ کہی ہے۔

---

[1] ن۔ پ اپنا دل [2] ن۔ پ متخلص بہ [3] ن۔ پ طبیعت

جب قلندر بخش جرأت مر گیا | ریختہ کے دل میں خوں نے کھایا جوش
مصحفی نے یہ کہی سال وفات | ہو گئی کیا بلبل نالاں خموش

شیخ ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے۔

جب میاں جرأت کا باغ دہر سے | گلشن فردوس کو جانا ہوا
مصرع تاریخ ناسخ نے کہی[1] | ہائے ہندستاں کا شاعر ہوا
۲۵ ۱۲ھ

من کلامہ[2]

ہم تو اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے | سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے
میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا کیا کچھ نہ تھا | پر دل اس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو میرے پاس تو منہ پھیر کے بیٹھے | یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

کوئی آئے کوئی جائے منع کر سکتا نہیں | ہوں تو میں در پر ترے بر صورت دیوار ہوں
دوست ہوں اس کا بھی جو ہے دشمن جانی مرا | اب وہ نہیں میں جو کسی کے در پے آزار ہوں

ہو گئے سنتے ہیں ہم وصل کا پیغام تمام | پہ کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام
ایک دن ہوئے جو روتا تو کہیں جرأت ہم پہ | یاں تو روتے ہی کٹے ہجر کے ایام تمام

ہوا ہے اب تو یہ نقشہ ترے بیمار ہجراں کا | کہ جس نے کھول کر منہ اس کا دیکھا بس ہیں ڈھانکا

سیاہی نزع کے دم کی سی چھا جاتی ہے آنکھوں میں | نظر آتا ہے اب جوں جوں اندھیرا شام ہجراں کا
تجھے جس بزم میں نہ دیکھے ہے جھنجلا کہ یہ کہتا ہے | چلا آتا ہے ہر کوئی عجب کچھ رنگ ہے یاں کا

---

[1] ن ۔ پ کہا

[2] ن ۔ پ من کلام قلندر بخش جرأت عفی اللہ عنہ

خدا جانے کرے گا چاک کس کس کے گریباں کو — ادا سے اس کا چلنے میں اٹھالینا یہ داماں کا
قفس میں ہم صفیر تو کچھ مجھ سے بات کر جاؤ — بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا
تماشا ہو کہ جن روز دل ملا اس سے[۱] آشنا خوش تھی — ق تو ناحق پھر گیا تھا ہم سے دل اس آفت جاں کا
ہوا وہ خوش تو پھر[۲] لوگوں نے اسکے منادی کی — نہ واں جائے کوئی یاں کا نہ یاں آئے کوئی واں کا

وصل کے دن بھی میں کانپ اٹھوں ہوں بیٹھے بیٹھے
یاد آتے ہیں جو[۳] صدمے وہ شب ہجراں کے

عزیزو وصل میں بھی ہم جو روز دگر نہ سوتے تھے
سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے

یہ تو میں کیونکر کہوں کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے — پ کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے
محبت اب یار میں اور مجھ میں ہے جوں شعلہ و خس — جوں جوں میں اس کو بڑھاؤں وہ گھٹاتا ہے مجھے
گلشن دہر میں جوں خار ہوں یہ قدر مری — پ جس کے دامن سے لگوں میں وہ چھڑاتا ہے مجھے
بارے کچھ جذبۂ دل نے تو کیا اس پہ اثر — ق اب جو آتا ہے وہ یہ مژدہ سناتا ہے مجھے
منہ ترے گھر کی طرف کرکے یہ کہتا ہے[۴] وہ شوخ — اس طرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

پر از گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا — پ تری دولت سے سب اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

دیکھ کر کل لیلیٰ و مجنوں کی وہ تصویر کو — آپ کو گہہ دیکھتا تھا گاہ مجھ دل گیر کو

---

۱ ن۔ پس فربا ۲ ن۔ پ اب ۳ ن۔ پ وہ ۴ ن۔ پ اثر آننا تو کیا ۵ ن۔ پ تھا

کیوں ہجر کی رات آئی بستر پہ لٹانے کو پ پہلو سے نہیں بس تھا کچھ یاد دلانے کو
یاں پھونک دیا دل کو واں یار کو بھڑکایا نالہ کبھی قیامت ہے کچھ آگ لگانے کو

جیسے کہ موت خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے

نالہ موزوں سے مصرعہ آہ کا چسپاں ہوا
اور یہ پرزہ اپنا مطلع دیواں ہوا

کچھ کبھی مزاج تیرا اے بدگمان بدلا
تیرے مریض غم نے سو جا مکان بدلا

بندھا جو شب کو خیال نگاہ یار رہا پ تو سامنے کوئی کھینچے ہوئے کٹار رہا
کسی نے میری طرف سے جو یہ لگائی بات کہ شب کو وہ کسی محبوب سے دوچار رہا
تو کیا سنا کے مجھے وہ سبھوں سے کہتا ہے کسی کے قول و قسم کا نہ اعتبار رہا

کل جو رونے پر مرے ٹک دھیان اس کا لڑ گیا
ہنس کے یوں کہنے لگا کیا آنکھ میں کچھ پڑ گیا[1]

سوز دل سے حال تھا یہ شب ترے غمناک کا پ صبح بستر پر جو دیکھا ڈھیر تھا اک خاک کا

جلبلاہٹ سے وہاں ہر بار اٹھنا بیٹھنا یاں ہوا ہے ضعف سے دشوار اٹھنا بیٹھنا
کچھ الم کچھ درد ہے کچھ سہو ہے کچھ محو ہے بھول جاتا ہے ترا بیمار اٹھنا بیٹھنا

---

[1] ن۔ پ کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا۔

بگو لامست کہو بہر نثار ناقۂ لیلے — بیاباں میں یہ آکر روح مجنوں کی بھٹکتی ہے
سماتی ہے نہ تن میں اور نہ تن کو چھوڑ سکتی ہے — مری جاں آکے آنکھوں میں کسی کی راہ تکتی ہے

کچھ منہ سے کیہ رو کہ تکتے ہیں ہم بار بار منہ — ورنہ تمھارا نام نہ لیں گے نہار منہ
اے رشک گل کہیں ترا عاشق جو مجھ کو لوگ — مت ہو خفا ہزار ہیں باتیں ہزار منہ
اس نے لگائے زخم تو اب ہے مقام شکر — کہنے کو وصف اس کے ہوئے بےشمار منہ

کیا اکیلے تیرے بن جائے اور سو رہے — تو نہ ہو پاس تو کچھ کھائے اور سو رہے

جو اس گلی میں کسی آشنا کا گھر ہوتا — اسی بہانے سے اپنا وہاں گذر ہوتا
جنھوں کا نامہ پہنچا ہے اس ستمگر تک — انھوں کا کاش کہ جرأت میں نامہ بر ہوتا

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے — درد و غم عشق نے مارا مجھے
اف نہ کروں نام کو جرأت ہوں میں — چھیڑے اگر عشق کا آرا مجھے

غم فراق سے کٹتی ہے یوں ہماری رات — کہ لوگ دیکھتے ہیں دست دعا کو ساری رات

کون دیکھے ہے محبت میں ہو رسوائی کیا — خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا

بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے — ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے
کھل نہ جائے کہیں کچھ بات خبر لے ظالم — زیرِ دیوار پڑا ہے کوئی منہ کو ڈھانکے

جو تم بن کاٹتے ہیں کنج تنہائی پڑا ایں ہم
تو کیا کیا جوش وحشت سے کیا کرتے ہیں تایں ہم

درد و غم نے کیونکہ پہچانا خدا جانے مجھے[1]
آج جس کا آشنا ہوں کل نہ پہچانے مجھے

نہ صبر جی کو نہ تاب دل کو نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائی سے جان میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
قلق ہے دل پہ فغاں ہے لب پر جگر پہ داغ اور مژہ پہ طوفاں
اجل خبر لے کہ جانِ واحد عجب طرح کے عذاب میں ہے

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم
کیا جانیے کم بخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

---

[1] ۲، ن۔ پ ہمیں

نوٹ:۔ نسخہ پٹنہ میں درج ذیل قطعہ کسی دوسرے خط سے جرأت کے بیان والے صفحہ کے حاشیہ پر درج ہے حالانکہ یہ قطعہ دونوں نسخوں میں پہلے میر کے بیان میں دیا جا چکا ہے۔

(قطعہ میاں جرأت صاحب)

جی میں آتا ہے کہ اس شوخ کی نقل میں کچھ
ساتھ لے جاؤں ملی اک اور طرح دار لگا
اور یہ عرض کروں جنس ہے دل کی حاضر
قیمت بوسہ میں دیتا ہوں یہ ناچار لگا
آپ لیتے ہیں تو لیں ورنہ میں پھر اس کو دوں
ساتھ پھرتا ہے کئی دن سے خریدار لگا

قدرت | میاں احمد علی تخلص "قدرت"۔ خلف اور شاگرد (میاں) جرأت۔ منہ

کیا جانئے دل کس پہ ہے مائل کئی دن سے | جو آپ سے بیگانہ ہے یہ دل کئی دن سے
الفت نے کیا ایک اب اپنا لہو پانی | ہے خون جگر[1] اشک میں شامل کئی دن سے
خوں ریزی قاتل کا جو رہتا ہے خیال آہ | آتے ہیں نظر خواب میں بسمل کئی دن سے

حقیقت[2] | صاحب ارادت، منشی میر حسن شاہ تخلص "حقیقت"۔ شاگرد جرأت، ولد میر عزت شاہ، اہل فضل و کمال، مولف اور مصنف "ہفت نسخہ" کا۔ تذکرہ احباب تالیف کیا ہوا اس کا، میاں مصحفی اس تذکرہ سے کبیدہ خاطر، اہانت اس کی میاں صاحب کے تذکرہ سے ظاہر۔ امام بخش خاں جن کی فرمائش سے وہ تذکرہ تالیف ہوا تھا ان کو کاشمیری اور جرأت کو کور موصلی قرار دیا ہے۔ القصہ سید سابق الذکر سرکار نواب چیناپٹن میں عہدہ منشی گری پر نوکر تھے بعد ان کے انتقال کے اُن کی اولاد کے واسطے وثیقہ انگریزی ہنوز مقرر ہے یہ شعر اس سے یادگار

کس کے ہیں انتظار میں آنکھیں | کہ کھلی ہیں مزار میں آنکھیں
نہ خفا ہو جو تک رہی ہیں[3] پیارے | کہ نہیں اختیار میں آنکھیں

غم عشق و دل کو جلا ہی گیا | اک آتش ہیں وہ لگا ہی گیا
حقیقت وہ کھینچے جدھر تیغ تھا | ادھر میں بھی سر کو جھکا ہی گیا

---

[1] ن۔ پ دل
[2] ن۔ پ میر حسین شاہ تخلص "حقیقت" ولد میر عزت شاہ صاحب فضل و کمال، مولف اور مصنف ہفت نسخہ کا سرکار نواب چیناپٹن (مندراج مدراس؟) منشی گری میں نوکر رہے اور وہیں وفات پائی چنانچہ ہنوز وثیقہ اس سرکار سے انکی اولاد کے واسطے مقرر
[3] ن۔ پ تک رہوں

سبقت | طبیعت[1] اس کی اعجاز اور کرامت، مرزا مغل تخلص سبقت خلف مرزا اکبر علی۔ بزرگ اس کے اہل فارس، میلاد اس کا لکھنؤ، خوش اخلاق (اور نہایت خوش رو تھا) صاحب مذاق قصیدہ گوئی میں فخر جرأت (اور) غزل (نویسی) میں معاصرین ہم قران پر آسے سبقت شیخ (امام بخش) ناسخ کو اس سے محبت بلکہ عقیدت تاریخ[2] اس کی وفات کی تصنیف کی ہوئی ناسخ کی اس پر حجت

مرزا مغل کہ بود دلاد سیاد ہا | امروز رفت سوئے جہاں وا مصیبتا
کردیم بہر سال وفاتش چنیں رقم | شد میرزا ے ما ز جہاں وا مصیبتا

من کلامہ

غم نہیں کچھ شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے | ہے الم اس کا جو شے بہتر بنے اور ٹوٹ جائے
سوچ میں رہیے نہ کیوں کر قالب انساں کو دیکھ | خاک کے پتلے کا یوں پیکر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا کہوں اے ہمدمو! میرا کہاں دل لگ گیا | لگ نہیں سکتا کسی سے جو وہاں دل لگ گیا
ناقۂ لیلیٰ جو ٹھہرا وادیِ مجنوں میں آہ | بولی کیا تیرا یہاں اے سارباں دل لگ گیا

اٹھا دیتی ہے بیتابی نرسی ہم کو جہاں بیٹھیں | کہیں لگتا نہیں ہے جی کہاں جائیں کہاں بیٹھیں
قیامت ہو ابھی برپا اٹھے ہنگامۂ محشر | پہ سر اپنا رکھ کے زانو پہ جو ہم کرنے فغاں بیٹھیں

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں | نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

---

[1] ن۔ پ شاعر منتہی

[2] ن۔ ب: یہ تاریخ اس کی وفات کی ناسخ نے لکھی ہے۔

(رباعی)

بن تیرے گھونٹ میں کیا جو مجھ پر گذرا — جو کچھ کہ کہا کسی نے سب کر گذرا
یاں تنگ کہ گذر گیا میں اپنے جی سے — لیکن نہ ستم سے اپنے تو درگذرا

(رباعی)

مت یاد دلا وصل کی تو راتوں کو — پوچھے ہے کوئی نہ ان ملاقاتوں کو
پہروں[1] نہیں نکلتی بات پھر منہ سے — کرتا ہوں جب اس کی یاد میں باتوں کو

شور و فغاں مدام ہم کرتے ہیں — فرقت میں کسی کی آہ ڈکھ بھرتے ہیں
افسوس ہے اپنی زندگانی افسوس — ہیں نزع میں جیتے ہیں نہ ہم مرتے ہیں

(رباعی)

بلقیس اتنا تو کس لیے روتا ہے — اور جان تو اپنی مفت کیوں کھوتا ہے
کہتے نہ تھے ہم کہ عاشقی مت کرنا — عاشق ہونے میں ایسا ہی ہوتا ہے

شہرت[3] | شاعر خوش آئین تخلص "شہرت" شاگرد جرأت نام و نشان اس کا معلوم نہیں۔ منہ

نامہ جو ہاتھ میں لیا میں نے — دیکھ قاصد کو رو دیا میں نے

---

[1] ن۔ پ بس کیا کہوں [2] ن۔ پ پہروں نہیں بات پھر نکلتی منہ سے
[3] ن۔ پ اور کچھ اس کا حال معلوم نہیں

دو دن کی ہے یہ بات کہ پھرتے تھے جس کے ساتھ
اب قبر پر ہماری جو اُن کا گذار ہے
آپس میں یوں وہ کہتے ہیں سب پڑھ کے فاتحہ ق
شہرت تھا جس کا نام یہ اس کا مزار ہے

غضنفر | شاعر خوش بیان، غضنفر علی خاں۔ تخلص "غضنفر" ابن غلام حسین خاں کردورہ۔ بقول میاں مصحفی اصل اُن کی ہنود قوم کھتری[1] شاگرد میاں جرأت یہ اس سے یادگار

تصور میں ہر اس سے دو بدو ہم | کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
گیا وہ اب گریباں بھی کہ جس سے | سدا رہتے ہیں مشتاق رفو ہم
کھینچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں | تو گویا ہنستے تھے بس دو بدو ہم
کفن دے ہم کو دو آنسو بہانا | کہ بعد از مرگ پائیں آبرو ہم
نہ آیا مرتے دم بھی وہ غضنفر | چلے دنیا سے کیا پر آرزو ہم

غیرت | "غیرت" شاگرد (میاں جرأت) من[2] کلامہ

یا کسی ڈھب سے آپ آؤ جی | یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی
جان آنکھوں میں آرہی ہے جان | اب تو صورت ہمیں دکھاؤ جی
وہ بگاڑے ہزار تم غیرت | آپ اس سے بنھائے جاؤ جی

قیس | مرزا مدار بیگ، تخلص "قیس" ولد مراد علی بیگ، کلید بردار روضۂ مطہرہ[3] حضرت امام رضا علیہ السلام۔ ابتدا میں (وہ) حسرت سے

---

[1] ن ۔ پ کھتری بقول میاں مصحفی صاحب تذکرہ طبقات الشعرا از قدرت اللہ شوق میں انکا نام محمد علی دیا ہے اور وطن شاہ جہان آباد بتایا ہے۔

[2] ن ۔ پ ۔ استعاد اس سے یادگار [3] ن ۔ پ امام علی الرضا

سے بہرہ ور بعد اس کے جرأت سے مستفید (ہوا) یہ اس سے یادگار

میں کہوں کچھ اور تیری گفتگو کچھ اور ہے — ہو گیا کچھ اور میں یا آج تو کچھ اور ہے
ایک دن اس دل کے ہاتھوں آبنے گی جان پر — واں ارادہ اور کچھ یا آرزو کچھ اور ہے
شاید اس گل سے کیا ہی تو نے شب بوس و کنار — آج تو اے قیس تیرا رنگ رو کچھ اور ہے

وصیت ہے مرا احوال گر نزع دگر ہوئے — تو مجکو دفن واں کیجو جہاں اس کا گذر ہوئے

چاہت کی لذتوں سے جو لوگ بے خبر ہیں — صد حیف ان کا جینا وہ کون سے بشر ہیں

ہو آنا تیرے کوچہ میں اپنا شعار ہے — ملنا نہ ملنا آگے ترا اختیار ہے

سنگ جفا سے شیشۂ دل توڑ تاڑ کر — بس اٹھ چلے نہ کھیل کو پیارے بگاڑ کر

واں وہی ناز کی ہر آن[1] چلی جاتی ہے — شدت شوق سے یاں جان چلی جاتی ہے
کون سا رشک چمن باغ سے کرتا ہے سفر — جو صبا بے سرو سامان چلی جاتی ہے

شب فراق میں اب ہم جو نعبہ سے یاد رہا ہے تو ہمیں فراق نصیب اپنے تن کو مار رہا

جوان[2] سخنور شیریں بیان، میاں رمضانی تخلص "جوان" پہلے شاگرد سودا کا تھا، پھر جرأت سے بہرہ ور ہوا چشم اس کی نور سے بیکار، گویا استاد

---

[1] ن۔پ آک [2] ن۔پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

کا خاص الخاص اور یادگار تھا۔

کیا مصیبت زدہ دل کا جینا ہے سیکڑوں داغ ایک سینہ ہے

احمدی | خواجہ[1] احمد علی تخلص "احمدی" شاگرد جرأت

دم جو آنکھوں میں آرہا ہے اب منتظر ہوں کسی کے آنے کا
احمدی کا ہم نہ کہتے تھے دیکھا کچھ مزا تو نے دل لگانے کا

کمال | شیریں مقال، مرد فارغ البال، شیخ کمال الدین (شاہ) تخلص "کمال" وطن اس کا صوبۂ بہار، سیارہ شعار، خرقہ درویشی بدن پر آراستہ کر کے سیر بنگالہ وغیرہ کرتا ہوا وارد لکھنؤ ہوا۔ اگرچہ شاگردی یکجا[2] مقرر، آخر آخر جرأت سے بہرہ ور۔ یہ اشعار یادگار

شب وصال میں جو روز غم کی بات چلی خروش مرغِ چمن نے کہا کہ رات چلی
کچھ اور لے نہ چلے ہم تو اپنے ساتھ کمال ہمارے ساتھ فقط اک خدا کی ذات چلی

نہیں خورشید فلک ہم جو چمکتے جائیں سایہ سان جائیں جدھر سر کو ٹپکتے جائیں
بادہ کش آہ ہے اور دل میں بھری آتش غم پہ شعلے پر شعلے نہ کیوں کر بھڑکتے جائیں
زلف مشکیں میں جو ہو مثل صبا اپنا گذر ہم بھی پھر جائیں جدھر کو تو مہکتے جائیں

یہ بھی کوئی بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے آہ[3] جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جائیں

میاں دجانیو اپنے آنکھ اٹھا کر ٹک ادھر دیکھو کوئی تم کو لگا رہے ہے ذرا منہ پھیر کر دیکھو

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن۔ پ یکجا تعلیم نہ تھی مگر پابند تلمذی جرأت کا رہا یہ اشعار اس پر دارستہ مزاج سے یادگار [3] ن۔ پ واہ

کمالِ خستہ کو یارو! یہاں قسمت لے آئی ہے ۔۔۔ نہیں تو مجھکو دیکھو اور یہ میرا سفر دیکھو

محنت | صاحبِ شفقت و ریاست، مرزا حسین علی تخلص "محنت" شاگردِ میاں جراتؔ۔ یہ اشعار اُس سے یادگار:

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بتِ گمراہ کی ۔۔۔ اور نہ سنتے ہم رہیں قدرت ہو یہ اللہ کی

کان میں تو نے کہا غیر کے جو[1] سمجھا ہیں ۔۔۔ لے نہ گھبرا تری محفل سے اٹھا[2] جاتا ہیں

کیا قہر ہے یہ تیرا مجکو رلا کے ہنسنا ۔۔۔ پھر تس پر اے ستمگر یوں کھل کھلا کے ہنسنا

دربار سے اٹھایا اور میں ہنسا تو بولا ۔۔۔ ہے سخت بے حیا تو خفت اٹھا کے ہنسنا

ناصح یہ نصیحت نہ سنا میں نہیں سنتا ۔۔۔ بک بک کے میرا مغز نہ کھا میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو ۔۔۔ مجھ سے نہ کہو بہرِ خدا میں نہیں سنتا

رحم آئے نہ کچھ اس بتِ خونخوار کے دل میں ۔۔۔ جب تک کہ اٹھے درد نہ دو چار کے دل میں

نہ جنس نہ زر ساہوں میں کر لیتے ہوئے جسکو ۔۔۔ سو سوچ گزرتے ہیں خریدار کے دل میں

کل شب وصل کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں ۔۔۔ آج کیا مر گئے کم بخت بجانے والے

ماکل | نیک[3] خصائل، مرزا محمد یار بیگ تخلص "ماکل"۔ پہلے شاگردِ ہاشمی تھا پھر جراتؔ سے مستفید ہوا۔ یہ اشعار اس سے یادگار:

---

[1] ن۔ ب من کہا ہے [2] ن۔ ب غیر کے جو تو نے کہا
[3] ن۔ ب سخنور نیک

یہ کہاں مقدور جو اس کو بلا کر دیکھئے ۔ دل میں ہے قاتل کو اپنے آپ جا کر دیکھئے

قاتل مجھے اضطرار کیوں ہے ۔ اتنا بھی تو بیقرار کیوں ہے
رونے کا خیال تجھ کو دن رات ۔ اے دیدۂ اشک بار کیوں ہے

پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ بھنگ کا ۔ مائل ہوا ہوں جب سے [illegible] سبزہ رنگ کا

آنکھوں کے سامنے نہ ہو وہ گل عذار حیف ۔ اور اس بغیر میں رہوں جیتا ہزار حیف

رو رو کے میں نے زانوئے حسرت پہ سر رکھا ۔ جب یہ سنا کسی نے کوئی اپنا گھر رکھا

کل جوں ہی اٹھا مجھ سے وہ باتوں میں بگڑ کر ۔ میں بیٹھ گیا اپنے کلیجے کو پکڑ کر
کیا جانیے ہے راہ کہ ملک عدم کی ۔ یارب نہ رہے قافلے سے کوئی بچھڑ کر

جہلت | مقتول بے مقطع مرزا لطف علی تخلص "لطف"، مرزا علی تخلص جہلت شاگرد جرأت نتیجہ اس قصہ و قضیہ کا یہ کہ لطف علی اور مرزا علی میں بحث (مشورہ) شاعری نے ایسا سر کھینچا کہ نوبت خانہ جنگی بہم پہونچی کہ مرزا علی اس کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ وارثوں نے اس کی جہلت پا کر خون کے[1] عوض مرزا لطف علی کو کبھی مار اکیونکہ آرزوئے انتقام جہلت میں تھی اس بیت سے (اس کی) ظاہر
مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی وہ طپش ۔ آرام تو یہ خاک کبھی اب خاک کیجئے

---

[1] ن ۔ پ عوض خون میں جہلت کے لطف علی کو قتل کیا تھا

مروت | پیشہ اس کا طبابت، میر صغیر علی تخلص "مروت"۔ تحصیل علم طب اپنے والد سے اس نے کیا اور سخن گوئی میں اکثر (شعرا) کے متبع رہا جو اس کے استاد سے سوال کرتا تھا یہ شعر پڑھتا تھا سے

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم — ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

چونکہ جرأت سے بھی مستفید ہوا تھا اس واسطے اس کے تلامذین میں لکھا گیا۔

کیا تو نے وا کیا تھا بند قبا چمن میں — اڑتی پھرے ہے بلبل گل سے خفا چمن میں

ہر سمت اب صبا جو پھرتی ہے خاک اڑاتی — بلبل کے پر پڑے ہیں کیا جا بجا چمن میں

نرگس کی آنکھ کچھ یہ پڑتی ہے بے طرح سے — مت وقت شام جانا بہر خدا چمن میں

جیب اپنا گل نے پھاڑا بلبل ہوئی مروت — کیوں اپنے غم کا قصہ تو نے کہا چمن میں

پٹتا نہیں ہے دست مصور سے وہ ورق — کھینچی ہو جس پہ اس نے مرے یار کی شبیہ

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اس نگار کا — جیں بر جبیں ہے نقش ہمارے مزار کا

گو مثل گرد باد ہے گردش نصیب میں — پر ہے دماغ عرش پہ مجھ خاکسار کا

مجنوں کو ناقے کے بگولا چلے ہے ساتھ — محتاج کیوں ہو ناقۂ لیلیٰ مہار کا

رفاقت | مرزا مکین تخلص "رفاقت" (شاعر خوش تقریر) شاگرد میاں جرأت من کلامہ

خوف سے تیرے نہیں بولتے اغیار سے ہم — ورنہ کٹھ جانے کو موجود ہیں دو چار سے ہم

---

[1] ن۔ پ شاعری [2] ن۔ پ آخر آخر میاں جرأت کی شاگردی پر قناعت کرکے اس دانستی لی [3] ن۔ پ ہے۔

اختر | سخنورِ[1] بہتر، میر اکبر علی تخلص "اختر" پہلے شاگرد میاں مصحفی کا تھا اور انجم[2] تخلص کرتا تھا بسبب بعض بدگمانی (کے) میاں صاحب نے اس سے پہلوتہی کیا۔ یہ ناتمام واسطے کسب کمال کے جرأت کے پاس[3] گیا (ایک دن) اس نے کہا تم پہلے شاگرد (میاں مصحفی کے تھے۔ بے اجازت میاں صاحب تمھیں شریک تلامیذ (میں) نہیں کیا جاسکتا، و اللہ اعلم۔ وہ تم سے صاف ہیں یا مکدر۔ اختر میاں مصحفی کی خدمت میں آئے اور ایک رقعہ لکھوا لے گئے[4] سبحان اللہ کیا پاس آشنائی و اتحاد تھا اور اب کیا بے اعتنائی اور عناد ہے کہ اس کا شاگرد اس کے یہاں اور اس کا شاگرد اس کے یہاں۔ قصہ کوتاہ یہ اشعار اختر کے (ہیں)

صاف دل سے بھی جو اسکو اپنے گھر ہم لے گئے | تو بھی سب دل میں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے

یہ تیغ جو کھینچے ہے قاتل اسے کہتے ہیں | تڑپے ہے جو دل میرا بسمل اسے کہتے ہیں
یارب وہ ملے مجھ سے لوگ کہیں مجھکو | ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں

کس رشک گل سے لگ کر آئی صبا چمن میں | کیا یہ مہک رہی ہے اب جابجا چمن میں

لائی صبا کس کی نکہت چمن کے اندر | چھپتی ہے بوئے غنچہ کا پیرہن کے اندر

ہمارا اے کے خط تجھ سے اگر وہ نامہ بر کھولے | تو کہہ دینا اسے ٹک آپ ہی آ بیٹھ کر کھولے

---

[1] ن۔ پ بہتر سخنور [2] ن۔ پ اور تخلص اس کا انجم تھا [3] ن۔ پ آنے جانے لگا
[4] ن۔ پ پاس گئے اور ان سے رقعہ لکھوا لائے۔

بھڑکتا رہ گیا مرغ چمن حسرت میں اڑنے کی یوقت ذبح بھی صیاد نے اس کے نہ پر کھولے

محبت | امیر عالی شان، نواب محبت خاں بہادر تخلص "محبت"۔ خلف الصدق (نواب) حافظ رحمت خاں۔ فارسی اور ریختہ میں سخنداں (رکن شعرا اس سے قائم) جرأت[1] اس سرکار میں بطیفہ شاعری نوکر اور بعہدۂ اصلاح پر مقرر، ایک دن دربار میں کسی نے جرأت سے پوچھا، میاں صاحب تازہ غزل مدت سے آپ کی زبان سے نہیں سنی۔ جرأت کے منہ سے بے تامل یہ حرف سرزد ہوا جو غزل نئی کہتا ہوں وہ نواب صاحب کے دیوان میں لکھی جاتی ہے۔ اس کا کہنا نواب صاحب نے سن لیا اور نہایت بدمزہ ہوئے بلکہ اٹھ گئے۔ شکایت اس کی تنہائی میں جرأت سے بہت کی۔ جرأت نے کہا یہ سب خرابی نابینا ہونے کی ہے نقصہ مختصر یہ اشعار اس نامدار سے یادگار۔

نظر کے پڑتے ہی تجھ پر مرا گلہ نہ رہا کہ دیکھتے ہی تجھے دل میں مدعا نہ رہا

درد کس کا مرے پہلو میں خلش کرتا ہے یا الٰہی مجھے کیوں رات دن آرام نہیں
عاشقی کا تو تری نام ہر اک لیتا ہے پر محبت سا کوئی عشق میں بدنام نہیں

آرام ایک دن کو میسر نہیں مجھے یارب یہ کس کے درد سے میں بیقرار ہوں

ہم سے وحشت، اسے کیا کہتے ہیں بے مروت اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنی کیوں محبت اسے کیا کہتے ہیں

---

[1] ن۔ پ: میاں جرأت ان کے ملازم

فتنہ گر تو نے جو ٹک ہم سے چھپائیں آنکھیں — ایسے ہم روئے کہ آشوب کر آئیں آنکھیں
ہو گئی سب پہ مری اور تری چوری ظاہر — تو نے محفل میں جو شب مجھ سے چرائیں آنکھیں

دیر سے مجکو نہ کچھ کام نہ کعبہ سے غرض — کیا گلہ کرتے ہو اے گبر و مسلماں میرا

الحذر گریہ سے اے شوخ محبت خاں کے — وہ جو رویا تو یہی جانو کہ طوفاں ہوگا

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا — بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

زخم دل کو مرے یوں دیکھ کے بولا جراح — ہائے افسوس یہ ناسور نہیں جانے کا

مہر | رتبہ میں سپہر، منصور خاں تخلص "مہر"۔ خلف الصدق نواب محبت خاں میاں مصحفی تذکرے میں لکھتے ہیں کہ شاگرد جرأت کا یا قوت کا۔ مرزا خانی نوازش سلمہ مجھ سے فرماتے تھے کہ جب منصور خاں کا تخلص مہر مشہور ہوا میں نے جرأت سے شکایت کی کہ مدت سے میرا شاگرد یہ تخلص کرتا ہے آپ کو مناسب تھا۔ جرأت نے کہا مجھے معلوم نہ تھا میں نے فقط مہر و محبت کو مربوط دیکھ کر تخلص اُن کا مہر قرار دیا باوجود اس تخفیف کے منصور خاں صاحب کو جرأت کی شاگردی سے اکراہ و انکار تھا یہ اشعار ان سے یادگار

یہ زلفیں نہیں ہیں رُخ مہ جبیں پہ — کہ ہے حرف اب سنبل دیا سمیں پہ
خدا نے جو تجھ سا کیا یار پیدا — تو رشک آئے ہے آسماں کو زمیں پہ
کوئی دھیان سے جائے ہے نام اُس کا — کھدا جس کا ہو نام دل کے نگیں پہ

ن۔ پ بقول میاں مصحفی شاگرد جرأت یا قوت یہ اشعار

خط نے مسدود کی باغِ رخِ دلدار کی راہ
بند کانٹوں سے کبھی کر دیتے ہیں گلزار کی راہ

خاک اپنی اس لیے ہوئی ہمدوشِ نقشِ پا
شاید ہو پاؤں اس کا ہم آغوشِ نقشِ پا
ہے خاک کو بھی تیری قدم بوسی کا خیال
ہے یہ بیاں جواب فراموشِ نقشِ پا

راسخ | شیریں بیان "راسخ"[1] تخلص، ظفریاب خاں شاگرد منصور خاں مہر۔ من کلامہ

کہتا ہے تجھ مریض کو عیسیٰ لگا کے ہاتھ
عزت ہے اس علاج میں اپنی خدا کے ہاتھ

زخمِ تیغِ یار کا کب ہے نشاں بالائے سر
خطِ پیشانی کا ہے یہ ترجماں بالائے سر
آئے دودِ وحشت میں سنگِ کودکاں بالائے سر
اے خوشا طالع جو بیٹھے میہماں بالائے سر
ہے طلسمِ زندگی اس بحر میں مثلِ حباب
کون اٹھا کر لے گیا اپنا مکاں بالائے سر
بحکم اس لیلیٰ منش کے عشق نے مجنوں کیا
طائروں نے یاں بنائے آشیاں بالائے سر
عالمِ اسباب سے حاصل نہیں ہے جز کفن
خاک لے جائیں گے یہ اہلِ جہاں بالائے سر
عشق کے آغاز میں گر جانتا انجامِ کار
پاؤں رکھ کر بھاگتا میں ناتواں بالائے سر
پاؤں رکھنا اس زمینِ سخت میں دشوار تھا
ہم نے اے راسخ اٹھایا آسماں بالائے سر

بدر[2] | صاحبِ جاہ و قدر، اچھے صاحب تخلص "بدر" شاگردِ راسخ من کلامہ

روبرو مہر کے ہو سکتی نہیں ذرے سے آنکھ
غیر ممکن ہے لڑے اس بتِ مغرور سے آنکھ

تصور | خوش تفکر، سید احسان علی تخلص "تصور"۔ شاگرد میاں جرأت۔ یہ (اشعار) اس سے یادگار

---

[1] ن - یب - ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے — ہاتھ اُس مضطر کا ہر دم[1] پھر نہ کیوں دل پر رہے

مرقد سے مرا ہاتھ قدم بوسی کو نکلے — گر بعد فنا بھی وہ مری خاک پر آوے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج — اللہ کرے اس کی یہ امید بر آوے

مجھے بیتاب آتا دیکھ کر کوچہ میں یہ بولا — بھلا کیوں آتا ہے مرنے کو یہ کیا اس کی شامت ہے
تصور گرم جوشی یار کی مجھ کو رلا دے گی — بہت گرمی کا ہونا یہ برسنے کی علامت ہے

غیر کے دل کو کرو تم شاد یوں ہی چاہیئے — اور مجھ پر اس قدر بیداد یوں ہی چاہیئے
ذکر شکوے سے بھی میرا تم کبھی کرتے نہیں — پہ واہ کیا دل سے بھلائی یاد یوں ہی چاہیئے

ہجر و وصال یار سے میرا یہ ملکِ دل — ویران ہوا کبھی کبھی آباد ہو گیا

لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ — جوں اٹھا دیں کسی بدمست کو میخانے سے
یہ کہتے ہیں طبیب اگر سر بیمار پہ تیرے — پہ ہمیں آتا ہے رونا اب تو حال زار پہ تیرے

تجمل | محمد عظیم، تخلص "تجمل"۔ میاں جرأت سے اس کو توسل۔ من کلامہ[2]

کتاب نقشۂ فرہاد و دفتر مجنوں — یہ دو ورق ہیں مرے عشق کی کہانی کے

رند | رند شناس مردم ہند، لالہ گنگا پرشاد تخلص "رند"، شاگرد (میاں) جرأت۔ یہ اشعار اس سے یادگار

مل چکا ہیں خاک میں اور ترے دل میں ہے غبار — جان مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

---

[1] ن۔ پ کیوں نہ پھر دل پر رہے [2] ن۔ پ من اشعارہ

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم — وہ دیکھنا کسی کا تک تک ہمیں چرا کر

مانتے ہو گر ترا معشوق کہنے سے تو جان — ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں

وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ — خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے

حسنؔ | شاہ شعر و سخن، خواجہ حسن تخلص "حسن"۔ ابن خواجہ ابراہیم نبیرہ خواجہ کمہاری، درویش صوفی مشرب، ہمہ اوست اس کا مذہب، مائل صوفیہ کو نص اور حدیث سے ثابت کرتا تھا۔ ابتدا میں حسرتؔ[1] کی شاگردی کا دم بھرتا تھا انتہا میں میاں جرأتؔ کا متبع ہوا اور دیوان ضخیم اس کی تربیت سے ترتیب[2] دیا۔ ہر مقطع میں نام بخشیؔ کا کہ اس کی محبوبہ تھی[3] لاتا تھا۔ یہ[4] اس سے یادگار

جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا — تو وہ ہیں پیرہن صبر تار تار ہوا
یہ دوستی نے حسنؔ اس کی بخشی کچھ تاثیر — کہ دشمن آج ہر اک اپنا دوستدار ہوا

کون سا نقصان اس میں آپ کا ہو جائے گا — اس طرف بھی مڑ کے دیکھو گے تو کیا ہو جائے گا
جان بخشی کر حسنؔ کی نزع میں آ کر شتاب — ورنہ پیارے مان اس کو اے میاں مر جائے گا

آئینہ دیکھ کے حیران جو ہوا اپنا آپ — ہم تو تجھے محو نظر سے تو نے بھلا کیا دیکھا
وہ تو آیا تھا تماشا کو مرے نزع میں پر — میں نے اس وقت سے اس کا ہی تماشا دیکھا

---

[1] ن-پ شاگرد جعفر علی حسرتؔ کا [2] ن-پ استفادت سے ترتیب دیا
[3] ن-پ موجود اندر آشکارا [4] ن-پ القصہ یہ اس کے اشعار

پہنچا تھا ہاتھ چوری سے رات اسکے پاؤں تک	پر میرے بخت خفتہ نے اس کو جگا نہ یا

بخشی حسن یہ لذت غم اس کی یاد نے	راحت کا جو مزا تھا وہ ہم نے بھلا دیا

اشک اس کو نہیں سمجھے	ہم پہ جس میں لخت جگر نہیں آتا

مضطرب | علم و ہنر کا کاسب، مرزا علی اکبر تخلص "مضطرب"۔ (قائم مقام میاں جرات) اصل اس کی عرب، وطن اجداد[۱] کابل۔ مرد باوضع و ذی اخلاق سپاہی پیشہ (آشنا دوست اور) فقیر سے اس کو توسل، رفیق بے بدل ندیم بے مثل، شاگرد جرأت۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

واہ رے شوخی لب اور وہ حسن نمکیں	قدرت حق سے ہوا کان نمک سے مونگا

طائر دل گر اسیری کی تمنا ہے تو جا	بال ہے اس کی کمر اور زلف پھندا بال کا

بال آئینہ میں پڑ جائے جو زلفیں کھولیں	نازکی ختم ہے اُن چاند سے رخساروں پر

کیا کیا مری خموشی نے کیں پردہ داریاں	دل سے نہ آرزو کبھی آئی زباں تلک

سمجھو نہ چشم تر ہیں مرے لخت ہائے دل	پیدا کیے ہیں لعل خدا نے یہ آب میں

---

۱ ن ۔ پ بزرگوں کا وطن

زیر خنجر حسرت آگئیں دیکھ کر میری نگاہ   رو دیا جلاد نے جب چار آنکھیں ہوگئیں

سفر تو نے کیا اور کوچ دنیا سے کیا میں نے   بہت میں منزل اول میں آگے بڑھ گیا تجھ سے

واہ رے دزدیدہ وہ اس کی نگاہ   ہائے رے وہ آنکھ شرمائی ہوئی

بزم میں آیا جو ذکر حسن یار   شمع انگشت شہادت ہوگئی

وصال یار سے دونا ہوا عشق   مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہے مضطرب جو ذوق شہادت تو جوں حسینؑ پہ   زخموں کے لب پہ نعرۂ ہل من مزید ہے

قتل جو منظور ہو آ جا ادھر   ہے یہی ابرو کا اشارہ مجھے

دیکھ بیداد دم ذبح تری او جلاد   نکلی زبان ملک الموت بھی دندان کے تلے

چشم نرگس کی ملی گل کے بدلے گوش مجھے   دہن غنچہ دیا اور کیا خاموش مجھے

سجدہ کیا جب تہ محراب تیغ   عشق کے سب فرض ادا ہو گئے
کون سی کمبخت گھڑی تھی وہ آہ   پھر نہ ملے جب سے جدا ہو گئے

یار کی پیش نظر رہتی ہے رفتار جو اب لاکھ اٹھکھیلیوں سے آنکھوں میں خواب آتا ہے

افتادگی سے کھاتا ہو کس کس کی ٹھوکریں تقدیر ایک ہے مری اور سنگ راہ کی

مظہر جوان خجستہ سیر، مرزا مظہر تخلص "مظہر" خلف الصدق مرزا علی اکبر (مضطرب) ہنروری کا طالب معدن لطف و اخلاق ایہ اشعار اس سے یادگار

مگر یہ دست قدرت نے لکھا ہے کتابی پہ نہ ہاتھ آیا جو مصرع مصرع ابروے جاناں کا

پیتے ہیں مست کاسۂ سر میں مرے شراب یہ خط سرنوشت خط جام ہو گیا
جلتی ہیں اشک گرم سے آنکھیں مری مدام یاں آب گرم روغن بادام ہو گیا

نفس کی آمد و شد میں چلی جاتی ہو عمر اپنی ہوا پر کارخانہ ہے طلسم زندگانی کا

کوئی مر جائے گا مت بال کھولو زباں اپنے نہ لو سر پر کسی کا

در مرغم خاک ذلت، آب اشک، نار عشق، یہ ملے عنصر مرا پتلا بنانے کے لیے
جس کو وحشت میں بیاباں مرگ کرتا ہے فلک بھیجتا ہے ابر اس کے شامیانے کے لیے
ہر برس سیلاب بھی آتا ہے اس کی قبر پہ چادر آب رواں سے گر چڑھانے کے لیے

دیکھ گلشن میں ترا قامت موزوں اے گل دار قمری کے لیے سرو گلستاں ہو جائے

ل۱ یہ شعر اس کے مشہور آفاق۔

بھانکتا تھا روزن در سے جو وہ خورشید رو   دھوپ لگتی تھی مجھے دیوار کے سائے تلے

جنوں تاختم کر جلد کار گریباں   کہ دامن کو ہے انتظار گریباں

قتل کر کے مجکو اے ظالم نہ دھو تلوار تو   خون عاشق طعمۂ شمشیر قاتل چاہیئے

نہیں ہے تحلہ رخسار جاناں دیکھنا اے دل   چراغ حسن یہ روشن ہوا ہے طاق ابرو میں

آدمی کے لیے جو وہ محو خود آرائی ہو   دیدۂ جوہر آئینہ تماشائی ہو

قتیل شاعر بزرگ و جلیل، محمد حسن متخلص بہ "قتیل"۔ فخر تا خر کہیں یادگار شیخ علی حزیں، تصنیفات سے اس کی خاص و عام بہرہ ور، تو مسلم اور مسلم الثبوت، مثل اس کے کثر واسطے دریافت کرنے محاورات اہل زبان (کے) برسوں (ملک) اصفہان میں رہا اور خوب (اسے) دریافت (اور معلوم) کیا حکایت نواب یمین الدولہ، وزیر الممالک سعادت علی خاں بہادر نے معرفت میر انشاء اللہ خاں کے اسے یاد فرمایا اس نے کہا پگڑی باندھ کر نہ جاؤں گا۔ اس قدر شناس نے عذر اس کا قبول اور ترک ادب کو معاف فرمایا اور ایک ساعت اس سے صحبت رکھی وقت رخصت لبادہ کہ ملبوس خاص تھا عطا فرمایا۔ وقت برآمد ہونے کے سایل کو ملبوس خاص اس نے ایثار کیا۔ نواب نامدار کو بے قدری ملبوس خاص ناگوار ہوئی۔ دوسری بار حکم اسے حاضر ہونے کا دیا۔ میر انشاء اللہ خاں بمنت و خوشامد اسے لے گئے، نواب صاحب نے خلعت گراں بہا

اس کے دینے کو منگوایا۔ جب تحویلدار مع خلعت حاضر ہوا فرمایا جتنے کا یہ خلعت ہو قیمت اس کی مشخص کر کے زرِ نقد لاؤ۔ جب زرِ نقد حاضر ہوا، کہا نہیں خلعت ہی لاؤ۔ اس عقیل یعنی قتیل نے دریافت کیا کہ یہ عوض اس کا ہے جو پہلے مجھ سے سرزد ہوا ہے کہ ملبوس خاص کو تلف کیا اور سائل کو دیا۔ غرض کہ خداوند نعمت جو بندہ طلب کرے وہ عنایت ہو فرمایا کہو۔ اس نے کہا پھر بندہ حضور پر نور میں طلب نہ ہو۔ حضور سرگراں میرا انشاء اللہ خاں انگشت بہ دندان یہ اپنی آمد و رفت سے نہایت پشیمان آداب بجا لا کر روانہ ہوا۔ چونکہ مولد اس کا ہندوستان تھا بحکم کل شیئ یرجع الی اصلہ (کبھی کوئی مصرع یا بیت زبان ریختہ میں بھی کہتا چنانچہ) یہ شعر ہندی اس مغفور سے یادگار

زنگی بچہ کا حسن عدیم المثال ہے ثانی جو اس کا ہے تو کوئی خال خال ہے

اگرچہ یہ شعر اس کا دوں مرتبہ ہے مگر یہ ہندی گوؤں کا تذکرہ ہے اور اکثر ہندی گو اس کے شاگرد ہیں اس واسطے لکھا گیا

قمر | بدرِ سپہر خوش گوئی، قمر الدین احمد خاں عرف مرزا حاجی تخلص قمر خلف الصدق مرزا جعفر حسن۔ اطلاق سے عدیل شاگرد مرزا قتیل[شد] یہ اس سے یادگار

[۱] ن۔ پ محمد حسن قتیل، مرد حسن پرست، امرد نواز لوطیوں میں ممتاز۔ قمر۔

لوطیوں میں شہرۂ آفاق ہوں بچہ بازی میں نہایت طاق ہوں

اے قمر یوں تو بہت ہیں مہ جبیں لاڈلے خیراتی کا مشتاق ہوں

لونڈے ...... سے تو باز آتے نہیں لاکھ ...... ہوں تو گھبراتے نہیں

لاڈلے پر شاد تو گنگا گئے تم بھی اے خیراتی خاں آتے نہیں

اب مزا لونڈا سے جا کر قمر بچے بازی کر کے شرماتے نہیں

یہ چند اشعار اس سے یادگار۔

علاج کرتے ہوئے وہ بر سرِ جنگ آہی گیا | عشق کا نام برا ہے اسے ننگ آہی گیا
لوگ کہتے ہیں قمر اپنا گلا کاٹ موا | آدمی تھا غمِ ہجراں سے یہ تنگ آہی گیا

گرمے چکا ہے اذن مرے آفتاب سے | زاہد لگا دے منہ کو خُمِ آفتاب سے
کیوں کر نہ اس کی دوری میں بے نورِ چشم ہو | وابستہ ہے فروغِ چمن[۱] آفتاب سے
بیرے اور اس کے ٹھہر گیا ہے جو طورِ وصل | اے دل بگاڑ تو نہ اُسے اضطراب سے
ہلنا ترا بجا ہے مجھے بے قرار دیکھ | پر واقف نہیں تو دل کے ابھی اضطراب سے
دل اس کا میرے دل سے بھلا کس طرح ملے | مطلق نہیں ہے سنگ کو نسبت حباب سے
وارفتگان گیسوئے محبت سے پوچھئے | بہتر ہیں خار و خس انہیں مخمل کے خواب سے
جاتا کہاں ہے اسا جلو ریز اے سوار | وابستہ میری جان ہے تیری رکاب سے
ساقی سمجھ کے نرگسِ میگوں کا اپنے مست | دیتا ہے بھر کے مجھکو گلابی شراب[۲] سے
منہ اس کے چہرے کے کیوں نہ گٹے ماہِ چاردہ | خورشید کا مقابلہ اور ماہتاب سے
بیتابیوں کی مشق بڑھی یار بن بہت | بس اب اٹھاؤ ہاتھ قمر صبر و تاب سے

اختر | آسمانِ فضل و ہنر قاضی محمد صادق خان تخلص "اختر" سلسلہ ان کے نسب کا خواجہ عبید اللہ احرار تک پہنچتا ہے۔ اپنی اصل و نسل پر فخر[۳] کیا ہے۔ مولد و منشا احداد اول عربستان بعدہ ترکستان ترکستان سے دہلی اور دہلی سے بنگالہ عہدہ قضا و خدمت صدر الصدور اس کے خاندان میں مفوض اور مقرر رہتا۔ الیہ علوم دوازدہ گانہ میں مشہور[۴]

---

۱ ن۔ پ ثمر
۲ ن۔ پ گلاب
۳ ن۔ پ فخر و ناز رکھتا ہے
۴ ن۔ پ مشہور اور نادر

تصنیفات سے[1] اس کی عالم بہرہ ور، چنانچہ تذکرہ آفتاب عالمتاب و بہار اقبال و مفید المستفید و محامد حیدریہ و گلدستۂ محبت و بہار سخن (ن) ولوامع النور قصہ کوتاہ وہ صاحب تحصیل) اور نثر اور نظم (میں شاگرد محمد حسن قتیل) اور کلام ہندی مرزا محمد حسن قتیل کا منظور۔ تاریخ سال ولادت عدد لفظ اختر۔ پیش ازیں (وہ نامور) عہدہ منشی گری صاحب کلاں لکھنؤ سے ممتاز تھا اُن پر مقرر تھا (بعد اس کے) شاہ زمن غازی الدین حیدر نے گھر سے[2] ان کو طلب کیا اور بعہدہ تصنیف و تالیف کتب ہزار روپیہ در ماہہ کا نوکر رکھا بعد برہمی دولت (حضرت) خلد مکان ضلع کانپور میں نو زدہ سال عہدہ تحصیلداری پر مامور رہا۔ حالیا عرصہ دو سال سے وارد لکھنؤ ہے۔ یہ اشعار دیوان ہندی سے لکھے جاتے ہیں (یہ) قصیدہ کہ مقابل میں مرزا رفیع السودا کے کہا ہے

کہاں تک مثل ہدہد خواہش تاج جہاں بانی
ہوا پر یاں پہ ہر مور ہے تخت سلیمانی

شکست آرزو دکھاتا ہوں ساقی کے سبب ورنہ
حبیر قیصر پہ تن ہے مرا انتیر نیستانی

بظاہر گو غبار آلود عصیاں ہوں تو لے زاہد
نہاں ہے نور اس ظلمت میں جوں آیات قرآنی

قدم ہرگز نہ رکھوں باہر نہ گھر سے مثل آئینہ
سکندر بھی مری دعوت کرے گر بہر مہمانی

گریباں گیر مطلب اہل دنیا سے نہ ہوں گا میں
کہ اپنی چارہ ساز درد دل ہے دامن افشانی

ہنرمندوں کی ہے افتادگی باعث ترقی کا
سدا ہے دستگیر گوہر شہسوار غلطانی

(غزل)

پاؤں پھیلاتا کہاں دشت جنوں بیکار تھا
دامن صحرائے وحشت بھی گریباں وار تھا

---

[1] ن۔ بہادر۔ تالیفات اسکی چار دانگ ہند و ستان میں مشہور [2] ن۔ ب۔ برا اس کو

عز بخیر بسپت و بلند دہر ہم دیکھا کئے   دیدۂ گستاخ اپنا سخت ناہموار تھا
یاد میں اس دلبر سرکش کی اختر رات بھر   دیدۂ خونبار اپنا ساغر سرشار تھا

غافل احوال جہان گذراں کیا جانے   گل تصویر بھلا فصل خزاں کیا جانے
جسم خاکی کو نہیں رتبۂ جاں کچھ معلوم   منزلت آئینہ کی آئینہ دان کیا جانے
امتحاں سے نہ ہوا کیجیے اختر پہ خفا   نو گرفتار ہے وہ لطف بیاں کیا جانے

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشید تاباں کا   کہ ہے نار شعاع مہر یہ ہو اپنی مژگاں کا
بڑھایا اس قدر القاب اس کا ہم نے نامہ میں   کہ خامہ عمر بھر عاشق رہا تحریر عنواں کا

کل چمن میں یار جب آکر خراماں ہو گیا   پرتو سایہ سرو گلستاں ہو گیا
لطف بیجا سے ترے سب دشمن جاں ہو گئے   ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

کل زباں پر اپنی وصف طرۂ جانانہ تھا   سبزۂ طرف چمن یکسر بشکل شانہ تھا
برسوں ہم شہر و بیاباں میں اسے ڈھونڈھا کئے   ل وائے محرومی جو اپنا ہمدم و ہم خانہ تھا

رہنما جو عشق میں نور محبت ہو گیا   دل ہمارا موسی طور محبت ہو گیا
مہر و الفت کے عوض جور و جفا بھی اب نہیں   اس قدر تو یار معذور محبت ہو گیا
ہے بھرا جو دل میں اختر ذوق آتش طلعتاں   سینہ اپنا مشرق نور محبت ہو گیا

رہیان ہے دل کی طرف اسکی نگاہ ناز کا   شور ہے صید حرم تک جس شکار انداز کا

پائے بندِ زینتِ دنیا دلِ روشن نہیں رنگِ گل مانع ہوا شبنم کی کب پرواز کا
محوِ گلبازی اے سیرِ چمن میں دیکھ کر ل گلشنِ تصویر کو بھی ذوق ہے پرواز کا

جگر آتش، دل آتش، دیدۂ تر شعلۂ آتش ہوا ہوں سوزِ الفت سے سراسر شعلۂ آتش
لگا دیتی ہے دامانِ فلک کو آگ دم بھر میں ہماری آہ کے کب ہو برابر شعلۂ آتش
یہ کس کی یادِ قامت نے لگائی آگ سینہ میں کہ ہے بشکلِ صنوبر آہ کا ہر شعلۂ آتش

ساغرِ لعلِ گہربار کے مینوش ہیں ہم ل بختِ یاور ہے تمنا ہے ہم آغوش ہیں ہم
بلبلو نغمۂ درد ایک بھی ہم نے نہ سنا مثلِ گل گرچہ چمن میں ہمہ تن گوش ہیں ہم
جان دے کر درِ جاناں سے اٹھیں گے اختر بوالہوس ہم نہیں الفت میں دفاکوش ہیں ہم

عادت گرم روی اہلِ فنا رکھتے ہیں برق ساں اس لیے آتش تہ پا رکھتے ہیں
جان دی ہم نے ہوئی تب غمِ ہجراں سے نجات عقلا اس لیے کچھ چیز لگا رکھتے ہیں

کہوں کس سے میں اپنا یہ درد والم کوئی مونس جاں غمخوار نہیں
ل میرے پہلو میں جب سے وہ یار نہیں مرے دل کو ذرا بھی قرار نہیں
یہ جو کرتے ہو غیروں میں بیٹھ گلہ مرے ایک بھی عیب نہ ہاتھ لگا
ل یہاں کتنے ہیں جی سے تمھارے فدا یہ کہو ہمیں ذوقِ شکار نہیں
عشق سے مستِ الست ہیں ہم اسی نشہ سے دست بدست ہیں ہم
ل کسی ساغرِ چشم کے مست ہیں ہم یہ وہ مے ہے کہ جس میں خمار نہیں

آہ آتش دم جو شمع خانۂ زنجیر ہو اشک کا ہر قطرہ واں پروانۂ زنجیر ہو
نقشے دیوانوں کے تیرے جو بنے اس کے لیے حاصلِ خوابِ عدم افسانۂ زنجیر ہو
آدمی کا ذکر کیا ہو شیر کا بھی زہرہ آب گوش زد جب نعرۂ مستانۂ زنجیر ہو

ان خضر بھی از جا گم کردہ رہاں ہے معلوم نہیں منزلِ دلدار کہاں ہے
آمد شد عالم کو جو دیکھا بہ تامل اک شیشۂ ساعت ہے کہ ریگ اس میں رواں ہے
ہے بزم میں کس کے رخ پر نور کا جلوہ جو شمع کی انگشت تحیر بہ دہاں ہے
ہو نالہ کش ان سرمئی آنکھوں کا جو اختر ل دود نفسِ سوختہ سینہ میں فغاں ہے

دل تخیل میں جو محو چمن آرائی ہے ل بہ کسی عارضِ گل رنگ کا سودائی ہے
جس جگہ برقِ تجلی تری ہو جلوہ فروش ل خرمن سوختہ واں صبر شکیبائی ہے
کچھ خبر ہے تجھے عاشق جو ترا ہے سو آج قتل ہوتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

رباعیات

اشکوں کو سدا بے سر و پا ہی دیکھا نالوں کے تیر کو خطا ہی دیکھا
حیرت رہی وصل میں بھی ہم کو اختر گذری عمر اور نہ دیکھا ہی دیکھا

مدت سے مرا گذشتہ حرماں گھر ہے ل گمنام ترا از گورِ غریباں گھر ہے
ہے بارِ گراں جو دوش دل پر اختر سر کا مرے ان دنوں گریباں گھر ہے

پہلے صاف شراب میخانہ ہوئے بھر نذر نہ ہوئے اور نہ پیمانہ ہوئے

تقصیر جنوں نہ جرم الفت اختر ہم بیر دی عقل سے دیوانہ ہوئے

معشوق وہ کیا جس میں کچھ انداز نہ ہو ل عاشق نہیں جو نالہ دمساز نہ ہو
بیکار ہے دل سینہ میں بے سوز جنوں کیا ساز سے حاصل اگر آواز نہ ہو

عاشق | مرد پر ہنر، مولوی عباس علی تخلص "عاشق" شاگرد (قاضی) محمد صادق اختر۔ یہ اشعار اس سے یادگار

خط میں مضموں جو لکھا یار نے بیزاری کا کام ہر سطر نے یاں دل پہ کیا آری کا
خندۂ گل کی صدا سن کے نہ ہنس مرغ چمن اس کو نقارہ سمجھ کوچ کی تیاری کا
تھک گیا دشت میں عرفاں کے مرا ناقۂ روح ہو ابر اتن کے کجاوے کی گرانباری کا
نہ فراموش ہے اب یاد نہ اب یاد ہے یاد پ ہوش بیہوشی کا ہے مجکو نہ ہشیاری کا
نجد کے دشت کا ہر جادہ ہنوز اے عاشق کہہ رہا حال ہے مجنوں کی دل آزاری کا

ہوش باقی رہا نہ بے ہوشی آ گئی ایسی کچھ فراموشی
ساتھ نالہ کے جاں روانہ ہوئی کیا فغاں تھی کہ لائی خاموشی
آگے دنیا میں کچھ نہ کام کیا غیر وجد و سماع مے نوشی

صادق | آگاہ حقائق نور علی بیگ تخلص "صادق" جوان وجیہہ و شکیل۔ شاگرد قتیل من کلامہ

خدا جانے وصال اس کا میسر کب تلک ہووے دلا بیہودہ تجھکو اتنا غم کھانے سے کیا حاصل

عشق میں جب سے پڑا اس دل انشاء سے کام ہے مجھے نے کی طرح نالہ و فریاد سے کام
باغباں سے نہیں والتہ غرض کچھ اپنی ہم گرفتار قفس رکھتے ہیں صیاد سے کام

میں کسی کے قدِ موزوں کا نہیں عاشق قمری — نہ تو کچھ سرو سے مطلب ہے نہ شمشاد سے کام
سخت مشکل ہے فنِ شعر کا آنا صیاؔد — چاہیئے نت رہے شاگرد کو استاد سے کام

سیّد | زاہد و عابد، میر محمد علی تخلص "سید"۔ صاحب تحصیل شاگرد قتیل۔[1] یہ اشعار اس سے یادگار

جدا وہ جب سے ہوا ہے کنار سے میرے — گیا ہے دل ہی مرا اختیار سے میرے
ترے بغیر جو گزرے ہے میرے دل پر رات — وہ پوچھ اس دلِ اُمیدوار سے میرے
دلِ ستم زدہ جلتا ہے قبر میں شاید — دھواں اٹھے ہے جو اب تک مزار سے میرے

جا سینہ میں کس طرح نہ دیں تیری سناں کو — آرام اسی میں ہے دلِ غم زدگاں کو

پہلو سے دلِ زار تو جاتا ہے کہاں ہائے — تنہائی میں یاں چھوڑ کے مجھ سوختہ جاں کو
یوں[2] دیکھتا تھا یار کو سید دمِ آخر — جو رو دیا دیکھ اس کی ہیں چشمِ نگراں کو

تسکین | خاص الخاص سلاطین، مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد تخلص "تسکین" شاگرد مرزا قتیل من کلامہ

مجھ کو میرے ہی دلِ زار نے سونے نہ دیا — رات بلبل کو غمِ خار نے سونے نہ دیا
کروٹیں لیں ہی میں سحر کی، شب تارِ فراق — کسی کروٹ دلِ بیمار نے سونے نہ دیا
یاد کر اس کے بناگوش و لبِ سرخ کو رات — صبح تک دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا
کیا بہار آئی جو ہمسایہ کو رات اے تسکین — تیری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

---

[1] ن۔ پ میں اشعار ہ [2] ن۔ پ یوں دیکھتے تھا یار اپنے کو سیّد دمِ آخر کے نثر و نظم میں مدبر الدولہ راجہ جوالا پرشاد خاص الخاص سلاطین تخلص تسکین شاگرد قتیل یہ شعر اس سے یادگار

اس رخ صفا پر خط کا اب غبار آیا — تھا لکھا جو قسمت کا میری روبکار آیا

لالہ ساں جو دل میرا داغ داغ ہوتا ہے — ہوتا ہے یقیں مجھ کو موسم بہار آیا

طلائی رنگ ایسا ہے دلا رخسارۂ جاناں کا — کہ اڑتا رنگ ہے ہر ہر گھڑی مہتاب تاباں کا

مصدر | طبیب حاذق، شاعر بہتر، مردم نام آور، میر ماشاء اللہ خاں تخلص "مصدر"۔ فضیلت اور حکمت اُن کی غایت اشتہار سے محتاج بیاں کے نہیں۔ اجداد ان کے ساکن نجف اشرف کے تھے کبھی کبھی فکر شعر بھی کرتے تھے چنانچہ یہ اس سے یادگار

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے — پھرے جہاں تو پھرے پردہ جان جاں نہ پھرے

نہ یہی فتنۂ قد و قامت ہے — ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

انشاء | شاعر زبردست، شیریں زبان، ہمہ گو، ہمہ دان، بقراط عہد، ارسطوے زمان، ندیم فہیم، صاحب ذہن سلیم، ظریف یکتا، حریف بے ہمتا، میر انشاء اللہ خاں خلف الصدق میر ماشاء اللہ خاں تخلص "انشاء" وطن اُس کے بزرگوں کا نجف (اشرف) فضل و ہنر میں معاصرین پر اسے شرف، مولد اس نیض بنیاد کا مرشد آباد خاص الخاص وزیر ممالک نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر (کا)۔ سابق میں حکم نواب سے سکان اُن کی نسبت سکو کار منہ تھا بسبب اطاعت کے وہاں مقیم، لیکن مفارقت احباب سے خاطر سقیم، ایک روز نواب بہادر کسی اردلی سے گرم ناز و نیاز (اور) یہ ڈھنڈورے نظارہ باز، نواب کو اس وقت (ایک) حجاب (سا) آیا یہ ظریف حریف موقع پہچان کر زبان پہ لایا (یہ) خادم بسبب سکونت رمنہ (کے) مثل بہائم

لے ن، پ ان

ہو گیا ہے۔ اس سے حجاب اور تشویر نا روا ہے۔ اُسی وقت نواب نامدار نے مکان اُن کی سکونت کو شہر میں تیار اور وہاں رہنے کو (اس کو) مختار کیا۔ ایک دن کسی محرر نے (عرضی میں) اجناس کو سہو سے "اجنا" لکھا اور سین کو فراموش کیا، نواب نے اس سے پوچھا کہ (یہ) کیا حرف ہے اس نے عرض کی مخفف اجناس اجنا ہے نواب ہنوز (اس سے) استفسار فرماتے تھے کہ میر انشاء اللہ بار یاب ہوئے۔ حضور نے اس قصہ قضیہ کا حکم ان کو کیا، وہ عزیز بخیال اس کے کہ اقرار سہو میں زیر بار رہے جرمانہ کے بجسب ضابطہ مقررہ یعنی جو لفظ جس سے رہ جاتا تھا جائے اس کے ہم عدد روپیہ اس پر جرمانہ پڑے، میر انشاء اللہ خاں سے بھی معقول نہ ہوا۔ میر موصوف نے بدیہہ یہ قطعہ انشاء کیا۔ قطعہ

یہاں ہے اک جبا ایسا کہ جن نے لکھا ہے موقع اجناس اجنا
نہ ہے وہ کاغذ ابری کہ جس پر لغت کے بانوں کا ہو گر جبنا
وہ اپنے معترض کو یوں کہے ہے زبان پوربی ہیں مورے سجنا
کہ اجنا از زمیں چیزے کہ روید وہ جبکا بھوئیں سے ہووت ہے اپجنا
صراح اندر لکھت ہیں اس کی تصریح رہا اب آگے باقی ڈھول بجنا
مترجم اور مخفف ہوت ہیں لفظ بجا ہے جبتنا کو کہنا جبنا
ہوا یہ قاعدہ انشا تو پھر تو کہا کر کا جبنا دہ لہا کو لجبنا

القصہ وہ عزیز اپنی جہالت سے معقول نہ ہوا۔ مگر روزگار سے معزول ہوا، ایک دن میاں مصحفی (صاحب) کی خدمت میں حاضر تھا، میر انشاء اللہ خاں کا کچھ ذکر آیا اس منصف نے فرمایا کہ کوئی شاعر اس لب و لہجہ کا نہیں اور شیخ امام بخش (ناسخ) بھی بیشتر تعریف اُن کے فضل و کمال کی کرتے تھے

ایسے ایسے قصیدے نواب یمین الدولہ کی تعریف میں اس نے کہے ہیں کہ کوئی قصیدہ ان کے تتبع کا نہیں کر سکتا۔ چارلہ دیوان اس شیریں زبان کے تصنیف کئے ہوئے ہیں ایک فارسی، دوسرا ہندی، تیسرا بے نقط، چوتھا ریختی کا۔

کہ مزا ہر یک کا جدا جدا، انشاء اللہ تھوڑا تھوڑا ہر ایک میں سے لکھا جائے گا۔ ایک کہانی (نثر ہندی) میں اس سے یادگار، لفظ عربی فارسی کا اس میں نہیں آیا۔ یہ خیلے دشوار ہے نام کا اپنے۔ ترجمہ کیا ہے جو چاہا بھگوان کا" فارسی کے دیوان سے یہ قطعہ اور (ایک) رباعی (کہ اس مولف کو خوش آئی ہے وہ یہ ہے) لکھی جاتی ہے۔

پر از انجیر دمشقی طبقے — پیش یک مرد کہ آنجاں بودہ است
دانہ می چید بصد رغبت از آں — کہ درو میل فراواں بودہ است
ناگہ از دور ہماں پیدا شد — کہ از او خواجہ گریزاں بودہ است
زود پوشاند ز عمامہ طبق — دست از یں حادثہ لرزاں بودہ است
گیستی مرد بخیلش پرسید — گفت ایں مرد خوش الحاں بودہ است
زر بسے داد و مرا حافظ کرد — پدرم مرد مسلماں بودہ است
گفت یک سورہ بخواں بہر ثواب — مرد از خاک صفاہاں بودہ است
بعد از بسملہ والزیتون خواند — بوالعجب حافظ قرآں بودہ است
گفت والتین کجا شد گفتم — زیر دستار تو پنہاں بودہ است

لہ ن۔ پ چار دیوان ایک فارسی، ایک ہندی، ایک بے نقط، ایک ریختی میں تصنیف کئے ہیں۔

رباعی

آرام و نشاط و عیش کردند ہجوم ایجاب و قبول جملگی شد مرقوم
با دختر رز نہ پیر مغاں عقدم بست قد قلت قبلت بالصداق المعلوم

(انتخاب دیوان ہندی کا اس سید والا نژاد کا یہ ہے)

کہے ہے خندۂ قلقل تبسم گل دیکھ پہ ہنسی کے مارے صراحی الٹ گیا ہوتا
اگر نہ مجھ سے تو آکر لپٹ گیا ہوتا تو رات تجھ بن مرا جی ہی پھٹ گیا ہوتا

کیوں جی کیوں آپ کی خاطر میں کبھا کیا آیا کہ خفا ہو گئے کل ذکر جو میرا آیا

اس کے بن بوچھے جو ہونٹوں کی مسی یاد پڑی سامنے آنکھوں کے یک بار اندھیرا آیا

ناقہ رک رک کے لگا چلنے تو لیلی بولی جس میں مجنوں ہو یہ شاید وہی صحرا آیا

دل کے نالوں سے جگر دکھنے لگا یاں تلک روئے کہ سر دکھنے لگا
درد یہ ہے ہاتھ اگر رکھا ادھر واں سے تب سرکا ادھر دکھنے لگا

ہمیشہ پاؤں تلے دل کو[1] میرے روندے ہے وہ رخش حسن جدا ناز کا سمند جدا
دہائی دیتے ہیں عاشق جو تیرے کوچہ میں فغاں بلند جدا ہاتھ ہیں بلند جدا

---

[1] ن ۔ پ میرے دل کو

دل ستم زدہ بتیابیوں نے لوٹ لیا ہمارے کعبہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا
صبا قبیلۂ لیلیٰ میں اڑ گئی یہ خبر کہ ناقہ نجد کے اعرابیوں نے لوٹ لیا

اب کی یہ سردی پڑی سحر ایک تارا جم گیا کاشۂ چرخ بریں سارے کا سارا جم گیا

عشق وہ پھل ہے کہ جسکے تخم ہیں اشک سرخ بیخودی ہے مغز اس کا اور چھلکا اضطراب

اک سنگ پر جو صورت شیریں نظر پڑی ہم بے ستون کا دیکھ کے روئے پہاڑ خوب
لیلیٰ نے آکے نجد میں مجنوں سے یہ کہا کیا آپ نے پسند کیا ہے اجاڑ خوب
ایسا نہ ہو کہ خون کسی کا ہو ان دنوں رہنے لگی ہے در پہ ترے بھیڑ بھاڑ خوب

نہ نقدوں کے جانِ شاہی خرچ پہ ادمیاں ان کے ہیں الٰہی خرچ پہ
ہیں سلیماں کے نوکر اے انشا پہ کیوں نہ ہوں اپنے بادشاہی خرچ پہ

امرو ہوے ہیں ترے خریدار چار پانچ دے اور رکھی خدا مجھے اغیار چار پانچ

نہ لگی مجکو جب اس شوخ طرحدار کی گیند اس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند

یاں سینہ ہے مدینہ اور دل نبی کی مسجد کیوں قبلہ سے پہنچتی؟ اسکو کسی کی مسجد
جن نے وہ تیغ ابرو دیکھی وہ یوں ہی بولا جوہر سے ہم نے تاڑا ہے یہ پری کی مسجد

گل برگ تر سمجھ کے لگا چھینی ایک چونچ — بلبل ہمارے زخم جگر کی کھرنڈ پر

رانوں کو نہ نکالا کرو دروازے سے باہر — شوخی میں رکھو پاؤں نہ اندازے سے باہر
گر غیر نے آوازہ کسا اس کی گلی میں — پھر میں کوئی نکلوں ہوں اس آوازے سے باہر

واقفی صاحب نے دل ہرگز نہیں میرا لیا پہ — ہاتھ تو رکھے نہا دھو کر بھلا قرآن پر

سن کر اسیر باز جو آغا نے اک جریب — دی پشت برہمن پہ یہ زر در تمام چھوڑ
کہنے لگا چہ رنجی چہ رنجی تو بولے آپ — کر دی تو بددعا مچرا رام رام چھوڑ

بس کہ تھا تیری شب ہجر میں بے نور پلنگ — میں نے لیں کروٹیں یاں تک کہ ہوا چور پلنگ

جس زمیں پر ہوں ترے کشتۂ دیدار کے پھول — کیوں نہ پھر واں سے اگیں نرگس بیمار کے پھول

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لے اپنی — تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
بسان نقش پائے رہرواں کوئے تمنا میں — نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں ناچار بیٹھے ہیں
کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا — غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

پئے تعظیم اشک اس طرح آہ سرد اٹھے ہے — کہ جیسے قطرہ افشانی سے بوئے گرد اٹھے ہے
سر مجنوں کو ساتھ اپنے اٹھایا داغ غم نے یوں — لپٹ کر مہر سے کاغذ کی جیسے فرد اٹھے ہے

اوج فلک سے بے جا مجنوں کے خاک اونچی اے گرد باد تا ہو لیلے کی ناک اونچی

ساقیا آئے ہیں بادل یہ بھرے پانی کے جلد بھر مے سے جو خالی ہوں گھڑے پانی کے

غنچہ گل کی عبا کو دھری جاتی ہے اک پری آتی اور ایک پری جاتی ہے

زمیں سے اٹھی ہے یا چرخ پر سے اتری ہے یہ آگ عشق کی یارب کدھر سے اتری ہے
نہیں نسیم ہماری یہ ہے پری کوئی پ اڑن کھٹولے کو ٹھہرا جدھر سے اتری ہے

بگڑے کسی سے چاہے نسیم اور صبا بندھے مولا کرے کچھ اپنی بھی ایسی ہوا بندھے
سرمہ گھلا کے آنکھوں میں نکلا نہ کیجیے ایسا نہ ہو کہ آپ پہ کچھ تو تیا بندھے

کسی پری کی ہنسی دل پہ اپنی گر ٹھن جائے کہ پھر یوں ہنسیے کہ دیوار قہقہہ بن جائے
یہ پاؤں خاک نے پھیلائے ہیں کہ دست جنوں کا قریب ہے کہ گریبان تا بہ دامن جائے

ہونی نہ تھی سواے دل پر درد ہو گئی پوشیدہ بات چاہ کی بے پردہ ہو گئی
گرمی کی جو سکونت تھی سب گرد ہو گئی وہ چار بوندیوں میں ہوا سرد ہو گئی
فرہاد آفریں تجھے کوہ جی زیادہ سے لے مشہور تیری بات تو اے مرد ہو گئی
کچھ اے نگوڑے تجھ کو خدا کا بھی خوف ہے اک پردہ دار جاتی تھی بے پردہ ہو گئی
چند شعر ریختی (کے دیوان سے انتخاب کیے جاتے ہیں)

---

[1] ن۔ پ اپنے سے [2] ن۔ پ یہ

اندر آنے دے نہ جب تک مرا باہر والا — اے دوا نوج دکھائی دے یہ اوپر والا
تھام ہوا میں آپ کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن — کیا کروں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا
اپنے کوٹھے پہ اُچک کر اس ڈھب سے زلیخا کہتی — لے گیا جان اُڑا ایک کبوتر والا

تم نے جو اوڑھا ہے اودہ پٹہ ہے یہ دوگانا بات کڈھب
لگتا ہے اس میں دونوں کو بٹہ ہے یہ دوگانا بات کڈھب
خط پڑھنے کو گھر دے کے اوپر بائے کوئی بوڑھا سا
پ انشا تو ہی بتا کتنا ہے یہ دوگانا بات کڈھب

کوئی چاہتے ہیں کسی شخص کی بدنام ہو نوج — اے دوا جان یہ کمبخت برا کام ہو نوج

وہ تو کسی میں نہیں آپ میں جو بات ہو — جھوٹ جو بولوں تو یہ ماروں کھری رات ہو

سینہ پہ میرے اپنے کھلے سر کے بال ڈال — بے ریشہ ہیں یہ آم ارے ان کے بال ڈال

نہیں جاتے کہیں مہمان مرے دل کا شوق — تم کو کیا اس سے دوا جان مرے دل کا شوق

اشعار بے نقط سے

اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا — آسرا اللہ کا آل رسولؐ اللہ کا
اہل عالم کا سہارا آسرا کس کام کا — ہر گز آسرا ہو اللہ اس درگاہ کا

ملا مرا کہ سر کو ہسار لالہ ہوا — عروس لالہ کہ طاؤس دار حال ہوا

ہوا کو عطر لگا اور گل کھلا ہر گاہ ؎ وہ ماہ مالک عمر وہ د د سال ہوا
دلا عدم کو سدھارا حلول والا نہ وہ پ سو کس کو علم کہ طوطا ہوا کہ لعل ہوا
رہا معاملہ اس طور ہمدگر کہ مدام ادھر کو وعدہ ہوا اور ادھر سوال ہوا

ہم کو آرام ہو دلا کس طرح اور وہ کام ہو دلا کس طرح
ہو اگر کام آگ کا معدوم گرم حمام ہو دلا کس طرح
حاسدِ آل احمد مرسلؐ اہل اسلام ہو دلا کس طرح
آہو انشا مدام رم والا پ آہ وہ رام ہو دلا کس طرح

ہلائہ مردحۂ آہ سرد کو ہر گام کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

رباعی

ہر دم ہوسِ وصال دارد دلِ ما دردوالم و ملال دارد دلِ ما
در راحلۂ وداد ہر سو گردد حالا کہ دگر کمال دارد دلِ ما

لائہ عروس مدعا کہہ وسہاوہ ماہ کو پ عطر سہاگ کا ملو کا کلِ ددد آہ کو

سلیمان | مہر درخشانِ آسمان جلالت، ماہ تابان برج خلافت، شاہزادہ عالی شان، مرزا سلیمان شکوہ تخلص "سلیمان"۔ مکامد ذات قدسی صفات اس شہریار کی تقریر اور تحریر سے باہر، موافق رسم جہاں کے بعہدۂ استادی مقرر تھے) طبع گرامی ہنر[1] و علم پر آمادہ میسر انشاء اللہ خاں ملازم اور تذکرہ یہ اشعار[2] اس شہریار سے یادگار

---

[1] ن۔ پ علم و ہنر۔ [2] ل پ یہ چند شعر کہ ان سے زینت اس صفحہ کی ہے واسطے یادگار کے لکھے گئے۔

گھر سے بر قع جو الٹ وہ مہِ تاباں نکلا — چونک اٹھی خلق کہ یہ مہرِ درخشاں نکلا
مہ کو اور مجھ کو جو میزانِ خرد میں تولا — اس سے تو حسن میں اے شوخ دو چنداں نکلا
واہ کیا توڑ ترے تیرِ نگہ کا ہے کہ یار — جس کے سینہ سے لگا پشت سے پیکاں نکلا

وہاں جو غیر سے وہ رات ہم کنار رہا — ہمارے دل کو یہاں سخت اضطرار رہا
قمارِ عشق میں اس بت سے کچھ نہیں جیتا — دل اک بساط میں تھا سو اسے بھی ہار رہا

ہم تو کب آپ تلک آپ سے آ سکتے ہیں — آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں
جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیونکر — کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
دھار ہے بحرِ محبت کی سر دار ہا کیسی — بوالہوس اس میں کوئی آ کے ہٹا سکتے ہیں

اپنے مکھڑے پہ دوشالہ وہ رکھیں گے تا چند
کوئی خورشید کو پردے میں چھپا سکتے ہیں
تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہ نجف
آپ چاہیں تو ابھی پل میں دلا سکتے ہیں

دل اس کے سینہ سے یوں لگ رہے ہر — جڑا جوں دھکدھکی پر نگ رہے ہر

سلام شوق کہیو تخار میں جا — صبا واں پیر الک ہم تنگ رہے ہے

صادق | سخنوری کا شایق، مرزا صادق علی تخلص صادق پسر وزیر دار خاں، شاگرد انشاء اللہ خاں۔ من کلامہ

دبتی کبھو نگہ نہ تجھے دیکھے اب یار کے ساتھ — دیکھتا ہوں اسے ہر وقت میں اغیار کے ساتھ

نصیب اپنے کہاں ایسے جوائی خار کو ملے ‏ ‏ زہے قسمت اگر جہندی بھی پائے یار کو ملے
عرق آلودہ اس کا پیرہن گر ہاتھ آجائے ‏ ‏ تو اس سے صادق اپنے سینۂ افگار کو ملے

ز آفتاب سے ہر ذرہ یہ چمکتا ہے ‏ ‏ یہ ایک نور ہے جو سب میں آ جھلکتا ہے
صبا کے آنی تھی بو باس کس کے کاکل کی ‏ ‏ کہ جس کی بو سے دماغ آج تک مہکتا ہے
خدا ہی جانے اسے کیا ہوا ہے اے صادق ‏ ‏ کچھ آپ ہی آپ جو سینہ میں دل سلگتا ہے

جس نے دیکھا ہے تری جلوہ گری کا نقشہ ‏ ‏ اسکو بھاتا ہے کب اے یار پری کا نقشہ
جلد آ جلد دم باز پسیں میں میرے ‏ ‏ نظر آتا ہے چراغ سحری کا نقشہ
کوئی دیکھے جو مرا زخم جگر اے صادق ‏ ‏ تیر بیداد کے ہے صاف سری کا نقشہ

کچھ اس سے اشاروں میں کہتا ہوں تو کہتا ہے
دانتوں میں دبا انگلی اے وائے یہ رسوائی

طالب | خوباں کے خط و خال پر راغب، طالب حسین خاں تخلص "طالب"۔ پسر مرزا عسکری خوش خلقی میں مشہور، داروغگی پر مرزا سلیمان شکوہ (بہادر) کی مامور۔ شاگرد میر انشاء (اللہ خاں)[1] یہ کلام اس کا یادگار

مجھ سے جب آنکھ وہ ملاتا ہے ‏ ‏ دل ہی سینہ میں لوٹ جاتا ہے
غیر سے مل کے شعلہ خو ناحق ‏ ‏ کیوں (طالبوں) کے تئیں جلاتا ہے
آج طالب کا عشق میں تیرے ‏ ‏ جلد آ ورنہ جی ہی جاتا ہے

---

[1] ن۔ پ ندہ

اشک یوں جم گئے آکر سرِ مژگاں سے لپٹ — اوس جیسے کہ رہے خارِ مغیلاں سے لپٹ
دشت میں آہ شرربار جو طالب نے بھری — ایک شعلہ گیا خاشاکِ بیاباں سے لپٹ

سوزاں [1] شاعر خوش بیان، سید حسن علی تخلص "سوزاں" عرف حسن مرزا اولاد اکبر سید اکبر علی برچھیت کہ فن نیزہ بازی میں ممتاز اور بہرام گور کو بھی اس کی شاگردی پر فخر و ناز تھا، رؤسائے لکھنؤ اس سے بہرہ ور اور نیزہ باز دور دست مقر، فضل و ہنر سلسلۂ نسب کا امام پنجم تک دائر و سائر ۔ میر موصوف ہمشیرہ زادہ نواب سیف الدولہ مرحوم، فن سپہ گری اور نیزہ بازی معلوم، نوکر بیش قرار مثل پدر نامور، عالم جوانی میں طبع نثر گوئی پر مائل اور استفادہ میر انشا اللہ خاں سے حاصل ۔ لطائف و ظرائف میں مہارت تمام، تاریخ و چیستان بلکہ قصائد وغیرہ میں بھی خامہ رواں، بعد انقضائے شباب وہ طرف مرثیہ کے راغب ہوئے اور میر مظفر حسین ضمیر کی طرف رجوع لائے، چونکہ یہ تذکرہ اشعار عاشقانہ سے مرتب ہوا اس لیے ذکر ان کا استاد اول کے ذیل میں ہوا۔ وہ تاریخ کہ اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کی اس نے کہی یہ ہے

در کمال نیزہ بازی یک نظیر خود نداشت — سید اکبر علی استاد شاہانِ جہاں
شاہ مرداں شیر یزداں بود جد پاک او — در شجاعت ہمسر او کے بود شیر ژیاں
بر تن آں شہسوار بے بدل سرتا قدم — بود زخم کاری شمشیر و ہم تیر و سناں
چوں پیام مرگ آمد سوئے میدان عدم — کرد اعطافِ عنان توسن عمر رواں
ہر کہ پرسد سال فوت او ز تو سوزاں بگو — والدِ ما زیں جہاں رفتہ بگلزار جناں

من اشعارہ

سبز جو خط آمدت پہن آفت نہ لائے اور پر — ظلم کرنا کب روا ہے بندۂ آزاد پر

---

[1] [illegible] میں ان کا ذکر نہیں ہے

ہر گھڑی اس شوخ کا دامن جھٹکنا ناز سے — آفت تو ہے چراغِ عمرِ بے بنیاد پر
کرتے ہیں افشائے رازِ عشق یہ طفلِ سرشک — زورِ مردم کچھ نہیں چلتا بری اولاد پر
صبح کو رنگِ چمن کچھ ہو تو کچھ ہے شام کو — خندہ زن گل ہے بہارِ گلشنِ ایجاد پر
رات دن لکھتا ہوں اے سوزاں جو وصفِ روئے یار
طعنہ زن ہے کلک میری خامۂ بہزاد پر

تھا تصور نزع میں جو حسنِ روئے یار کا — تختۂ تابوت تختہ بن گیا گلزار کا
حال ہے مجھ ناتواں کے اب یہ جسمِ زار کا — کوہ سے بھی ہے ...... (کذا) سایہ دار کا
اس کی ابرو کے اشارے سے جو ہم واقف ہوئے — ایک دن میں آگیا پہچاننا تلوار کا
چشمِ جاناں پر حیا و شرم اگلی سی نہیں — شاید اب پرہیز ٹوٹا مردمِ بیمار کا

ہاتھ قاتل کے جو سر گرمِ جفا ہو جائیں گے — میرے دستِ نارسا صرفِ دعا ہو جائیں گے
میں سوالِ وصل کرتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ — تیری ان باتوں سے سوزاں ہم خفا ہو جائیں گے

سبز گر جوڑا پہن کر جائے وہ گلزار میں — جان پڑ جائے یقیں ہے سروِ جوئے بار میں
ہر قدم پر ہے قیامت بات میں برقی ہے خلق — حال وہ رفتار ہے یہ طرز ہے گفتار میں
ہم صفیرو زمزمہ سنجی مبارک ہو تمھیں — چہچہے ہم بھی کبھی کرتے تھے اس گلزار میں
کان کی بجلی کو چشمہ زلف کا حلقہ ہوا — ماہیِ بے آب بلتے ہیں دہانِ مار میں

گر قیامت تمھارا قامت ہے — پھر ہمیں کیا غمِ قیامت ہے
زیرِ محرابِ تیغِ ابروئے یار — سر جھکانا بڑی عبادت ہے

حال انساں کو کیجئے گر غور | ایک دم ہے ہزار آفت ہے
کیا طلب اس سے کیجئے بوسہ | اس کا تکیہ کلام نفرت ہے
اے ہما جل اٹھے تری منقار | استخواں میں مری وہ حدت ہے
غیر ہوں شاد اور ہم سوزاں | ہائے یہ بھی خدا کی قدرت ہے

بتوں کی یہ الفت کا اسرار ہے | کہ تار نفس تار زنار ہے
عزیزو یہ حال دل زار ہے | کہ اب سانس لینا بھی دشوار ہے

عیشی | شیر بیشۂ سخن گوئی، طالب علی خاں تخلص "عیشی" پسر میاں علی بخش خانہ زاد الماس علی خاں، خوش لہجہ، خوش بیان، استاد دو زبان، نازش مرزا قتیل، مایۂ انبساط میر انشاء اللہ خاں۔ اکثر امراء اس کے دولت سخن سے نامور اور رغبا اس کی صحبت (سراسر افادت) سے سخنور ہوئے۔ مرزا خوانی نوازش سلمہٗ فرماتے ہیں[1] کہ مرزا قتیل کے مرض الموت میں شیخ ناسخ اور ہم واسطے عیادت کے اُن کی گئے تھے۔ استفسار کیا کہ مرزا صاحب[2] کے زمرہ تلامیذ میں کس کو قائم مقام سمجھا چاہئے، فرمایا کہ طالب علی کو۔ ارشاد مرزا صاحب کا اس کے اچھے ہونے کی دلیل ہے نواب عاشور علی خاں کی زبانی میں نے (یہ) سُنا ہے۔ جو تاریخ فارسی شیخ ناسخ نے کہی ہے مصرعے اس کے تصنیف کئے ہوئے عیشی کے ہیں اور شیخ صاحب[3] یہ کہتے تھے بسبب کم توجہی کے دیوان ہندی اس کا اغلاط سے مملو تھا۔ میں نے بپاس یکجہتی اسے

---

[1] ن۔ پ تھے [2] ن۔ پ۔ مرزا صاحب کا قائم مقام کس شخص کو زمرہ تلامیذ میں سمجھا جائے [3] ن۔ پ۔ کا یہ قول تھا۔

درست کر دیا واللہ اعلم بالصواب۔ افسوس کہ عین موسم میں چراغ اس کی زیست کا بادِ صرصر ہیضہ وبائی سے بجھ گیا۔ الٰہی ساتھ ائمہ اطہار کے محشور ہو۔ تاریخ اس کی وفات کی شیخ ناسخ نے یہ کہی ہے۔

آہ طالب علی عیشی رفت ناگہاں زیں سرائے رنج و محن
مرضش ہیضہ وبائی بود کہ آز آں رفتہ جان او از تن
بود اے وائے طبع موزونش بلبل نغمہ سنج باغ سخن
از بہارِ کلام رنگینش می شدے بزم شعر رشک چمن
گفت سال وفات او ناسخ ہائے افسوس اے سخنور من

دیگر ؎

بگو ہائے ہیہات طالب علی خاں

چند شعر اس وحید عصر کے لکھے جاتے ہیں تاکہ زینت اس صفحہ کی ہو۔

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہو کے میں آزاد کیا مجکو کیاں ہے چمن کیا خانہ صیاد کیا
ایک عالم کر دیا برباد اس کے حسن نے نقش ایسا کھینچنا تھا مانی ایجاد کیا
ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح میکشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

تا کجا یہ امتحانِ طاقت صبر و شکیب جان جاں آخر دلِ عشاق کی بنیاد کیا

حال دل مجھ سخت جاں کا ہر نفس ابتر ہوا عاقبت احباب کے سینہ کا میں پتھر ہوا
غیر نے صندل لگایا واں جبینِ یار میں پر رشک سے بیساختہ یاں مجکو دردِ سر ہوا
دو جگہ انکی لاشِ شہیدانِ وفا کی خاک پر عالم ارواح میں ہنگامہ محشر ہوا
دو جہاں میں ہو بھلا افتادگی کا اے کریم خاکِ کوئے یار اپنا بالش و بستر ہوا

بے بقا بسکہ ہوائے چمنستاں سمجھا زلف سنبل کو میں یک خواب پریشاں سمجھا

دشمن و دوست سے الفت ہے زبس کام اپنا محتسب بھاگے جو ساقی سے گرے جام اپنا
بسکہ گمنام کیا ہم کو سیہ بختی نے گر کریں مُہر یقیں ہے نہ کھلے نام اپنا
فکر ساماں سے کیا دست تہی نے آزاد گردش بخت ہوئی باعث آرام اپنا
نگہ چشم تصور ہے میرا شوق درست لاکھ پردہ میں ہو دلبر تو کروں کام اپنا

کسی کے دل کو ہوا غم مجھے ملال ہوا کہیں کا قافلہ گذرا میں پائمال ہوا
ہوئی ہدایت وحشت سے میری منزل طے چراغ راہ میرا دیدۂ غزال ہوا
میں وہ شہید دفا ہوں کہ میرا خون عیشیؔ برنگ خون حنا بے دیت حلال ہوا

یہی وحشت ہے تو آگ ان لگا کر آگ گلشن میں پڑے ہوں گے لپیٹے منہ کسی صحرا کے دامن میں
ہوا ہے سوز سے یہ ساز مجکو عشق کی دولت کہ میرا نام لے کر آگ سلگاتے ہیں گلخن میں

تا فلک کس دن سر آہ سحر کھنچا نہیں پر ترا دل سوئے رحم اے فتنہ گر کھنچا نہیں
سر گرانی اپنے بیمار محبت سے نہ کر پر ایک دو دن سے اب اس کو بستر کھنچا نہیں
تخم ریزی امزرعۂ ہستی میں کس امید پر پر کار نخل آرزو اب تا ثمر کھنچا نہیں
مرحلہ پیری کا بھی طے ہو رہا عیشیؔ اب پر نگر منزل کرکے آگیا ان سفر کھنچتا نہیں

جگہ گلچیں نے دی طرف چمن میں میرے مدفن کو کفن کیلئے واسطے بلبل نے پھاڑا گل کے دامن کو
اسے آتے جو دیکھا بلبلوں نے میرے گلشن کو کیئے سو تنکوں کے سجدے بچھا کر گل کے دامن کو
وہ شیشہ ہوں کہ میرا خود کو دل ٹوٹ جاتا ہے اگر پاتا ہوں خالی سنگ سے دست فلاخن کو

جنوں واں مجکو لایا ہے کہ جس صحرائے وحشت میں
مسافر ڈھونڈتے پھرتے ہیں نقش پائے رہزن کو

محبت پیشہ ہوں میرا جگر خوناب ہوتا ہے
اگر گرتے زمیں پر دیکھتا ہوں اشک دشمن کو

وہ مور ناتواں ہوں میں گر دانہ نہ دے گردوں
مری ہمت نہ دیکھے آنکھ اٹھا کر مہ کے خرمن کو

اگر اے برق سوزاں ہے تجھے چشم خریداری
تو بیچوں گا میں خاکستر کے مولوں اپنے خرمن کو

جنوں نے پائے وحشت آشنا باہر نکالے ہیں
ب مرے دامن سے ٹانکو عرصۂ محشر کے دامن کو

خلافِ طبع ہوا از بسکہ رائج ہم نشینوں میں
کرے سبز ابر دانے کو جلا دے برق خرمن کو

نہ دیکھا نازنینانِ چمن کا سانحہ عیشی
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل وہ کھاؤں کہ چمن محو تماشا ہووے
امتحاں کا ہے کچھ ذوق[1] تو پیدا ہووے

پاک طینت میں نہ تاثیر کرے طبع خسیس
ب دامنِ گل نہ کبھی گرد سے میلا ہووے

ہم کو بھی یاد کرو بزمِ عدم میں یارو
ایک بستر کی اگر[2] خالی کہیں جا ہووے

خاک کر کے مجھے برباد کرائے دورِ فلک
پر بشرطیکہ کوئی دوسرا مجھ سا ہووے

قبر پر قیس کی لیلیٰ کی چڑھا دیں تصویر
وصل گر یار سے اور مجھ سے الہا ہووے

ناز و انداز میں وہ شوخ لگا کرنے تیز
عیشی اب دیکھئے احوال ترا کیا ہووے

کیوں دیا کرتی یہ دھوکے عقل و نادانی مجھے
گر بتا دیتی ازل میں خط پیشانی مجھے

ہیں سبک رو اس چمن میں تھا برنگ بوئے گل
پ بار خاطر تو نہ کرتا اے گراں جانی مجھے

دم کی آمد شد لئے پھرتی ہے مجکو جا بجا
اس ہوا نے کر دیا تختِ سلیمانی مجھے

شب کیا جو امتحاں تاثیر دودِ آہ کو
دیدۂ مہتاب میں آیا نظر پانی مجھے

مجکو کرنی ہے رقم حسرت دلِ مجروح کی
چاہیئے عیشی بیاضِ چشم قربانی مجھے

---

[1] ن۔ ب شوق   [2] ن ب کہیں خالی اگر

پرخطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے — خضر توفیق ازل وقت مددگاری ہے
درد سے درد[1] جگر کے بھی رہا میں محروم — کس قدر سبز قدم مرہم زنگاری ہے

یا سامنا تھا دیدۂ تر کا سحاب سے — یا آنکھیں ہم چراتے ہیں چشم حباب سے

محو دیدار کو کب رنگ دوئی حاصل ہے — آئینہ عکس سے جب حال پہ ہو واصل ہے

یہ تصور نے ترے جلوہ گری دکھلائی — کہ مرے اشک میں دیتی ہے پری دکھلائی
ہم نے عیشی سے جو پوچھا دل خوں گشتہ کا حال — اک صراحی مئے گلگوں کی بھری دکھلائی

ہیں خون دل سے دیدۂ تر یوں بھرے ہوئے — ہوں جیسے ساغر مئے گلگوں بھرے ہوئے
سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے — یہ کبھی ہم نخل محبت کے ثمر دیکھ چکے
دیدۂ دیدار سے محجوب ہو کیوں[2] کر سیر — پھر وہی شوق ہے سو بار اگر دیکھ چکے
حسرت اے دل کہ نہ دیوار چمن تک پہنچے — آہ سو بار اڑے قوت پر دیکھ چکے
دیکھ عیشی کہیں بدنام نہ ہو بیٹھ کے یاں — بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

ہماری خاک پر گر ہو گئی ہے — صبا بھی خاک بر سر ہو گئی ہے
کھلی ہے شاید اس کی عنبریں زلف — ہوا یکسر معطر ہو گئی ہے
چھپاتے ہو عبث تم خون عیشی پ — میاں یہ بات گھر گھر ہو گئی ہے

---

[1] ن۔پ زخم
[2] ن۔پ کیوں کر ہو

نے زاد ہے نے راحلہ نے برگ و ساز ہے
تنہا ہم اور راہ یہ دور و دراز ہے
حسرت زدوں کا بسکہ ہو رہتا ہجوم واں
کوئے حبیب خانۂ آئینہ ساز ہے
افراطِ معصیت پہ ہماری نہ جائیو
اے شیخ بدگماں در توبہ تو باز ہے
فکر مآل کار نہ زنہار کیجیو
علیشیؔ خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

ہستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

انفصح | خوش گوئی میں فصیح تخلص "انفصح" شاگرد علیشیؔ (نام نشان نایاب) یہ[1] اس سے یادگار

اگلی سی مہر و وفا ہی نہیں تجھ میں اے شوخ
نہ وہ باتیں نہ وہ اشفاق محبت اب ہے

اور چند ہے نہ ہوا وصل اگر جاناں سے
زیست مشکل نظر آتی ہے غم ہجراں سے
فصل گل ہم کو تہ بال ہی گذری صیاد
فائدہ کیا کہ رہائی ہوئی اب زنداں سے
فکر صحت مری کرتے ہو عزیزو ناحق
مرض عشق بھی جاتا ہے کہیں درماں سے
رشتۂ شمع نمط ہر سر مو جلتا ہے
جسم میں میرے یہ گرمی ہے تب ہجراں سے
پاس ناموس محبت نہ اگر مانع ہو
دوں جلا چرخ کہن آہ شرر افشاں سے
ہر گھڑی کوچۂ قاتل میں لیے جاتا ہے
سخت تنگ آیا ہوں میں اپنے دل ناداں سے

قادر | شیریں[2] سخن، خوش بیان، نیک شاعر مرزا مرزاد علی تخلص "قادر" شاگرد علیشیؔ۔ یہ تقریر اس کی

---

[1] ن۔ پ یہ اس کے اشعار کا انتخاب [2] ن۔ پ نیکو شاعر مرزا مرزا د علی تخلص بہ قادر، شیریں سخن خوش بیان شاگرد طالب علی خاں من کلامہ

قادر عجب نہیں ہے یہ جوشِ بہار سے — بن جائے نخلِ شرار جو نکلے چنار سے
نقشِ فنا ہوں میں مرے مرنے کے بعد بھی — لکھتے ہی نام مٹ گیا لوحِ مزار سے
صبحِ شبِ فراق نہ آئی نظر کبھی — شکوہ رہا دو رنگیِ لیل و نہار سے
آپ ہی کبھی خفا ہوئے آپ ہی کبھی ملے — یہ شغل[1] ہے تصورِ روئے نگار سے
کم ظرف تھوڑے عیش پہ کیوں نہ خوش ہو بہت — کیا خوش ہے عنکبوت مگس کے شکار سے
ثابت یہی ہے طاقتِ ایام سے کہ چرخ — پر ہے بہ رنگِ شیشۂ ساعت غبار سے
جام اس کے فیض سے ہو ترو تازہ شکلِ گل — کم موج مے نہیں ہے نسیم بہار سے
ایمن ہو روح چھوڑ کے بارِ گرانِ تن — رہزن کو دشمنی ہے فقط مالدار[2] سے
مارا ہے تنگ چشمیِ احباب نے اُسے — قادر کو خوف کیا ہے عذابِ فشار سے

جانے کیا ہم غریبوں کو[3] سر مدفن چراغ — چرخ ہے فانوس مہر و ماہ ہیں روشن چراغ
خوف کیا تاریکیِ شب ہائے ہجراں سے مجھے — ہے فتیلہ آہ، روغن اشک، داغِ تن چراغ
بخت اگر یاری کرے ہو دشمنی بھی دوستی — جنبشِ بادِ صبا گل کا کرے روشن چراغ
زندگی میں شعلہ روؤں سے جو ہو نخچی تھی گزند — اب بھی لاتے ہیں ہماری خاک پر دشمن چراغ
سلسلہ میں ظالموں کے خانہ آبادی نہیں — خانہ زنجیر میں دیکھا نہیں روشن چراغ
ربط ناکامی سے ہو قادر مجھے مثلِ کلیم — نے ز گلشن گل بکف دارم نہ از گلخن چراغ

ایک عالم نے جبہہ سائی کی ب اے بتو تم نے بھی خدائی کی

ملال[4] | خوش شاعر، مرزا محمد خلف الصدق حاجی قمر ابن مرزا جعفر شاگرد مسرفراز علی قادر تخلص "ملال" ہے یہ شعر یادگار ہے

---

۱ ن۔ پ ہے شغل یہ ۲ ن۔ پ مایہ دار
۳ ن۔ پ کے ۴ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں

دل لگایا ہے بتوں سے کی یہ نادانی ملال
جانتے تھے آپ کو تو صاحب فہمید ہم

ذکی | نواب[1] بہادر مرزا احمد ذکی خاں تخلص "ذکی" دلاور الملک مرزا خلف الصدق دلیر الدولہ محمد علی خاں بہادر عرف مرزا حیدر فیض آبادی[2] پہلے میر ببر علی انیس کے شاگرد تھے بعد سرفراز علی قادر سے تلمذ حاصل کیا۔ من کلامہ

سرخی سے پان کی لب جاں بخش چھل گئے ۔ عیسیٰ لہو لگا کے شہیدوں میں مل گئے
اس درجہ لپٹے عاشق و معشوق وصل میں ۔ مطلع کی طرح مصرعہ قد دونوں ہل گئے
آیا جو فاتحہ کو سوم میں وہ رشک گل ۔ ایسی ہوا چلی کہ مرے پھول کھل گئے
جنبش ہے تیرے کان کے بندوں کو زلف میں ۔ اے جان دانت افعی گیسو کے ہل گئے

دولت کو گر زمانہ میں حاصل ثبات ہو ۔ آب زر اہل حرص کو آب حیات ہو
سایہ سے تیرے رنگ چمن کو ثبات ہو ۔ اے گل نیا ہے حضر لباس نبات ہو
اس باغ کی بہار پہ کیا التفات ہو ۔ جس میں نہ ایک رنگ کو دو دن ثبات ہو
رووٗ اگر خیال مژہ ساں چشم میں ۔ کالی گھٹا اچھل کے ساون کی رات ہو
بالوں کے بیچ سے جو اڑے گر خود کا رنگ ۔ زلف سیاہ آپ کی ہولی کی رات ہو

---

[1] ن۔پ۔۔۔ اسد الدولہ رستم الملک مرزا احمد ذکی خاں بہادر نیل جنگ عرف نواب بہادر ۲۲ ن۔ یہ نواب موصوف پہلے شاگرد میر ببر علی انیس کے تھے بعد اس کے سرفراز علی قادر کے ہوئے یہ اشعار ان سے یادگار
[2] خمخانہ جاوید جلد سوم صفحہ ۲۵۰ ۔ وطن نیشاپور، باشندہ فیض آباد، مقیم لکھنؤ پہلے سرفراز علی قادر، پھر میر اوسط علی رشک، پھر منیر شکوہ آبادی کے شاگرد ہوئے۔

عالم بالا ہے زخمی اس بت مغرور کا　　کاسۂ گردوں ہے دونا زخم کے انگور کا
کھا رہا ہے ہر کس و ناکس کی لاکھوں ٹھوکریں　　کاسۂ سر ہے خدا جانے یہ کس مغرور کا
دور بیں کے شیشوں میں کیا نشہ بھری ہے ساقیا　　نشہ میں مجھکو نظر آتا ہے عالم دور کا
یہ مشبک ہو گیا تیر نگاہ یار سے　　چودھویں کا چاند چھلنی بن گیا زنبور کا

جسم ایسا گھل گیا تیرے نحیف و زار کا　　قبر کا گنبد بنے چھالا تری تلوار کا
ہو میسر زخم دل کو قرب گوش یار کا　　کان کا سبزہ ہو پھاہا مرہم زنگار کا
دل میں رہتا ہے تصور تیرے گالوں کا مدام　　طاق میں کعبہ کے آئینہ ہے ہر رخسار کا

فقیری نے بڑھایا نام تیرے کشتۂ غم کا　　بنا ہے بوریا کا نقش گویا نقش خاتم کا
ہجوم ایسا عروسان حسین کا ہو گیا تجھ پر　　کہ ٹوٹا کشمکش میں ہار مروارید شبنم کا
جراحت کے مزے نے دی مجھے تسکین گریہ میں　　لعاب تیغ قاتل بن گیا شربت محرم کا

شکوہ تمہارا سنتے ہیں ہم ہر زبان سے　　آواز ایک آتی ہے سارے جہان سے

مطلع ابرو کا تیرے نام دوہرا ہو گیا　　فارسی میں بیت اور ہندی میں دوہا ہو گیا

بہار حسن جاناں کم نہیں جنت کے گلشن سے　　خزاں برباد رہتی ہے ہوائے دور دامن سے
بڑا ہے جوش سودا سبزۂ رخسار روشن سے　　بلا ہے دانۂ زنجیر ہم کو مہ کے خرمن سے
چھوا نشہ میں مینا کے گلو کو تیرے اے ساقی　　ہر اک انگلی ہماری لڑ گئی شیشہ کی گردن سے
بنا یا طائر وحشی ہوں عاشق چشم و ابرو کا　　ہرن کی شاخ پہ ٹوٹی ہے مری شاخ نشیمن سے

دکھا کر خاک کر پتلوں کی صورت خاک چھنوائی ﴿پ﴾ خدا نے خوب بت مٹی کے پجوائے برہمن سے
کیا ہے آشیانہ مرغ جاں نے اڑ کے جنت میں ۔ مگر کلیاں اڑائیں اے گل تر تیرے گلشن سے
کیا اس درجہ کاہیدہ خیالِ موئے مژگاں نے ۔ کہ میرا گھر ہوا روشن چراغ چشم سوزن سے
دلِ سوزاں خیالِ زلف میں جب آہ کرتا ہے ﴿پ﴾ ہوا پر سنبلستاں پھولتا ہے دودِ گلخن سے
تمھارے تیرہ بختوں نے یہ خونریز دل کو تڑپایا
﴿پ﴾ کہ تلواروں کے منہ چکنے ہوئے ڈھالوں کے روغن سے
دکھائی قہر کی برسات اشکِ چشم بلبل نے ۔ جلایا آگ میں لالہ نے لے کر نیل سوسن سے
دی تصویر کھینچ عندلیبِ طبعِ رنگیں کی ۔ قلم ہو کر جو شاخ گل کوئی ہاتھ آئے گلشن سے

فلک سے رُکا جوشِ سودا ہمارا ۔ کفِ دست جمیکا ہے صحرا ہمارا
تڑپتا ہے کوچہ میں مردا ہمارا ۔ ذرا تم بھی دیکھو تماشا ہمارا
دلِ صاف مستِ شرابِ فنا ہے ۔ حباب یم سے ہے شیشہ ہمارا
بہانا ذرا چشمِ نم اشک تھم کر ۔ نہ بہ جائے مٹی کا پتلا ہمارا
جگر اس نے نیزے سے زخمی کیا ہے ۔ بڑھا آج بانسوں کلیجہ ہمارا

خرد ۔ بہادری اس کی خلقت میں زباں زد ۔ بہادر مرزا تخلص[۱] "خرد" پسر[۲] مرزا امام علی (اسد الدولہ محمد) زکی (خان بہادر) من کلامہ
زخمِ دل نورِ رخِ یار سے اچھا ہو گا ۔ ترض مرہم کافور کا چھا ہو گا
اسی معشوق کو چاہیں گے جو اچھا ہو گا ۔ ہم نہ ہی مال خریدیں گے جو مہنگا ہو گا
عکسِ رخ معجزۂ حضرت موسیٰ ہو گا ۔ آئینہ ہاتھ میں تیرے یدِ بیضا ہو گا
تم جو ہنگام شنا قتل کرو گے مجھکو ۔ لبِ ساحل پہ مرے خون کا لاکھا ہو گا

---

[۱] ن ۔ ب مخلص [۲] ن ۔ پ خلف

دیکھا جو موتیوں کے گہنے سے نفرت ہوگی — آبِ گوہر سے بدن آپ کا میلا ہوگا
جلوہ نور دکھلائے شہ مرداں سے خرد — حشر کو چاند سا روشن مرا چہرہ ہوگا

دکھلایا رنگ نازکی جسم یار نے — ڈالی ہے بدھی نیل کی پھولوں کے ہار نے
مرقد میں یاد کشمکش وصل آگئی — ملنا گلے سے یاد دلایا فشار نے
دل اڑ کے پہنچا جب ہوا اس گل کو شوقِ صید — بلبل کو پر لگا دیے ذوقِ شکار نے

عاشق | ذاعمالِ نیک دائر، سائر حاجی اور زائر، معشوق اُس کے کلام عاشقانہ کے شائق، اعلیٰ جاہ عرف چھٹے صاحب تخلص "عاشق"۔ خلف اوسط مرزا حیدر صاحب شاگرد سرفراز علی قادر۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

مانگیں جو وہ تو دیدہ دل کلیجہ نکال کے — مصرف ہوں وہ نہ اٹھ نہیں سکتے سوال کے
زخمی صدف ہے لے گئے موتی نکال کے — ایذا اٹھائی ماں نے یتیموں کو پال کے
مرکر بھی یاد کاکل جاناں عذاب ہے — آئے لحد میں سانپ زبانیں نکال کے
کوئی پھرا نہ کُنج شہیداں سے آپ کے — قربانیوں کے حلقے بنے حلقے ہیں جال کے
اس درجہ دل کو لذت ایذائے نو ملی — پھر پاؤں میں چبھوئے کانٹے نکال کے
سوجاتا ہوں تصور ریحاں خط سے میں — آتا نہیں ہے خواب کبھی ہاں بے خیال کے
دریا میں عکس ابروے جاناں کو دیکھ کر — لہ سمجھا چڑھائے یار نے بجرے ہلال کے
سیراب نیر سے اشک سے صحرا اگر نہ ہو — رہ جائیں کانٹے خشک زبانیں نکال کے
سجدوں میں بھی خدا کے جو یادِ بتاں رہی — لہ تیلے بنا دیے عرقِ انفعال کے
رکھیو قدم نہ باغ میں اے غیرت پری — سر پر چڑھیں گے لوگوں کے سائے نہال کے

لہ ن۔ پ شوق

لذت خلش کے ساتھ نہ ہو تو مزا نہیں
پھلی بھی کھائیے تو نہ کانٹے نکال کے

ہے تند باد آہ میں بے جاں غبار دل
ل کیا کیا بگولے اٹھتے ہیں گرد ملال کے

دیکھا جو میں نے بند در قصر یار کو
گھبرا کے پھینکے آنکھوں کے ڈھیلے نکال کے

ہے آفتاب سیر جو اس آفتاب کی
ل سورج مکھی بنائی ہے پھولوں میں ڈھال کے

میں نے اگال مانگا تو غصہ میں رہ گئے
لب کو چبا کے تیغ سے بیڑا نکال کے

عاشق شب فراق میں دیکھے نہ شکل نور
اختر سیہ تھے یہ کہ مشابہ تھے خال کے

برگ گل تر، سبزۂ گلشن پہ پڑے ہیں
یاقوت کے نگ کس نے زمرد پہ جڑے ہیں

پاپوش میں عکس آپ کے ناخن کے پڑے ہیں
ل ہیرے کے نگینے ہیں کہ تتے پہ چڑھے ہیں

خورشید سے سو بار مرے داغ لڑے ہیں
مقدار میں چھوٹے ہیں حرارت میں بڑے ہیں

کھلوائے کمر کون، سفر پہ وہ اڑے ہیں
دو ہاتھ میں رکھتا ہوں سو گردن میں پڑے ہیں

آتا ہے جواب ارنی دیکھئے کیا ہو
موسیٰ سے بہت طالب دیدار پڑے ہیں

میرے تن پر داغ کو گلزار بنایا
گل کھانے پہ کیا آپ ہنسے پھول جھڑے ہیں

جو رنگ کہ ہے چار عناصر میں جدا ہے
کیا نیمچۂ ابروئے سفاک پڑے ہیں

تکیہ میں ہوا جوش جنوں سے مرا مسکن
بیڑی کے عوض پاؤں میں قبروں کے کڑے ہیں

ہم رنگ نہ یاقوت نہ ہم سنگ ہو الماس
میزان نظر میں وہ لب لعل تڑے ہیں

ہر روز بلائے شب فرقت کی ہے آمد
ل زلفوں میں جو الجھے تو بکھیڑوں میں پڑے ہیں

جھک جاتے ہیں ساقی کی توجہ سے ہزاروں
کیا کیا در میخانہ پہ بدمست پڑے ہیں

کچھ صرف بھی لازم ہے اگر جمع کرے مال
گل زر بکف آتے ہیں خزانے جو گڑے ہیں

حیرت ہو مجھے مردمک چشم صنم سے
تصویر بنے کاتب اعمال کھڑے ہیں

سمجھا میں دم قتل گل نقش تہ تبر سے
ل ابرو کی سر نہی سے یہ دو پھول جھڑے ہیں

عاشق کے جنازے پہ وہ آنے کو تو آئے ل یاں دیر سے گڑنے میں ہ عبرت سے کھڑے ہیں

شیدا حاجی حرمین زایر ائمہ ہدا، رنگین کلام نازک ادا، والا جاہ عرف نجھلے صاحب تخلص "شیدا" خلف الرشید دلیر الدولہ مرزا حیدر خان (فیض آبادی) شاگرد سرفراز علی قادر [1] یہ اس کا بیان

جب کہتا ہوں اے جان ہماری نہیں سنتے ۔۔۔ فرماتے ہیں کیا کیجیے گا جی نہیں سنتے
شیدا کی بدی سنتے ہیں نیکی نہیں سنتے ۔۔۔ مطلب کی وہ بن لیتے ہیں اچھی نہیں سنتے
تلقین پڑھیں قبر پر یا فاتحہ احباب ۔۔۔ اپنا یہ بڑی ہے کہ کسی کی نہیں سنتے
منظور نہیں اگر خط کو تو مشتق ہے کدورت ۔۔۔ جس بات میں ہوتی ہو صفائی نہیں سنتے
جب کہتا ہوں اے جان گلے آکے لپٹ جاؤ ۔۔۔ کہتے ہیں کہو اور کچھ ایسی نہیں سنتے
کیا وامق و مجنوں کے سنا کرتے ہو قصے ۔۔۔ اک روز مری آپ کہانی نہیں سنتے
بے فائدہ ناصح تری کب مست سنیں گے ۔۔۔ بے ہوشی میں آواز یہ اپنی نہیں سنتے
ان روزوں تکبر یہ سمایا ہے بتوں کو ۔۔۔ فریاد کرے ساری خدائی نہیں سنتے
کہتا ہوں کہ اس رنگ سے ہوتا ہو مرا خون ۔۔۔ ہر روز ملا کرتے ہیں عہدی نہیں سنتے
غیرے پہ کبھی وصل کے پڑھتے نہیں اپنے ل یوں باتیں کیا کرتے ہیں ایسی نہیں سنتے
اے دوست بدی میری نہ غیروں سے سنا کر ۔۔۔ اچھے جو ہیں دشمن کی برائی نہیں سنتے
کل دیکھیں گے شیدا تو انھیں حال کھلے گا ۔۔۔ گو کلمۂ حق آج یہ سنتی نہیں سنتے

نسبت کیسے تیرا رابطہ میرے اور اس شعلہ رنگ کے ۔۔۔ جلتی ہی شمع ہوش اڑے ہیں پتنگ کے
کیا رنگ پر ہیں رنگ لب لعل رنگ کے ۔۔۔ دیکھے نہیں ہیں لعل بھی اس رنگ ڈھنگ کے
بھر دو یہ مژہ کے پڑی جب نگاہ مست ۔۔۔ انگور تازے ہو گئے زخم خدنگ کے
اس غیرت مسیح کی زلفوں میں دل پھنسا ۔۔۔ صدمے اٹھائے جاتے ہیں قید فرنگ کے

---

[1] ن ب یہ اشعار ان سے یادگار ہے ن ب ایسی ۱۲۵ ن ب میں

اک شعلۂ رُخ کے ہجر میں دیا ہوں شمع ساں ـ کیوں کر نہ پر جلیں مرے آگے پتنگ کے

.. (کذا) .. .. لا نقشے کھنچے ہوئے ہیں یہ کام بھنگ کے

شیدا ہو دو بدو شب تاریک ہجر سے ـ رتبے کہاں نصیب تجھے فیل جنگ کے

جامہ دری کی دست جنوں تجھ کو خو نہ ہے ـ اپنا کبھی نہ چاک گریباں رفو رہے

یکساں مراد وجود و عدم ہے جہان میں ـ میں گو رہوں رہوں نہ رہوں یار تو رہے

سینہ میں داغ سر میں جنوں چشم میں سرشک ـ ہونٹوں پہ آہ دل میں تری آرزو رہے

مسجد میں بتکدے میں کلیسا میں دیر میں ـ پھرتے تری تلاش میں ہم چارسو رہے

گر زلف عنبریں رخ رنگیں پہ کھول دو ـ ل گل میں رہے نہ رنگ نہ عنبر میں بو رہے

مصحفی (آسمان شاعری) سخنور، اولوالعزم، ناظم نظم، میاں غلام ہمدانی تخلص ''مصحفی''۔ ولد ولی محمد ابن درویش محمد (صاحب وسادہ و مسند) خاقانی، ثانی شاگرد[۱] میاں ثانی، ایک عالم اس سے مستفید، دلّی سے تا لکھنؤ سیکڑوں شاگرد رشید، پرگو اور خوش گو، چنانچہ آٹھ دیوان ہندی اور تین فارسی کے تصنیف کیے ہوئے (اس کے موجود اور چہار دانگ ہندوستان میں اُن کی نمود۔ واسطے تحصیل معاش کے جو اشعار اس کے غیروں کے نام پر ہیں وہ اگر جمع ہوں تو کئی دیوان کے برابر ہیں وقت آخر یہ تھی۔ بھارت کی ساجی (ساہ جیو) کی فرمائش سے نظم میں[۲] تحریر کی مگر بسبب ناتمامی عمر کے اس کی وہ ناقص رہی۔ اکثر شبہات کہ اس کے کلام میں واقع ہیں بسبب اس کا پرگوئی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

سلہ ف۔ ب شمع[۱] ن۔ پ تربیت یافتہ[۲] ن۔ پ نظم کی نظم

کون[4] عہد بھلا اس بتِ سفاک سے باندھے　　جو قتل کرے اور نہ تپاک سے باندھے

جائیں گے اسی روز ہم عباس علی کہہ[1]　　جس روز علم خانۂ دلبر کے اٹھیں گے

دونوں شعر ہیں عین تقطیع سے گرتا ہے مطابق اس کے یہ نقل کہ مرزا خانی نوازش سے سنی ہوئی بیان[2] ہوتی ہے، جب مفتی غلام حضرت نے بساطِ حیات لپیٹی اور میاں صاحب نے تاریخ اس کے انتقال کی کہی اس کے مادہ میں لفظ مفتی کا بھی داخل مگر تقطیع سے خارج تھا مفتی کے اقارب نے محمد حیات بیتاب کو کہ عروض دانی میں مشہور تھے وہ تاریخ دکھائی۔ بیتاب نے کہا اور تو سب طرح بہتر ہے لیکن یائے مفتی (کی) وزن سے باہر ہے اگر مجھ سے اور میاں صاحب سے ملاقات ہوگی میں ان سے کہوں گا کہ اسے بدل دیں۔ اتفاقاً دونوں بزرگوار یکجا ہوئے بیتاب نے کہا تاریخ میں غلام "حضرت مفتی کی" کی ی زائد ہے اسے درست کر دیجیے میاں صاحب نے کہا تمھیں خبر ہے سو جگہ مصحفی کی "ی" تقطیع سے گرتی ہے کس کس کو درست کیجیے۔ نقل دیگر اشرف خاں صاحب کہ شاگرد میاں صاحب کے ہیں۔ کہتے ہیں[3] کہ ایک دن مرزا جعفر نے (صحبت عام میں) میاں مصحفی سے کہا آپ نے کوئی شعر ایسا بھی کہا ہے جس پر ناز ہو۔ میاں صاحب نے (بہت سے) مبالغہ کے بعد یہ شعر پڑھا

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام　　کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

سچ تو یہ ہے کہ مصحفی ایسا استاد مسلم الثبوت کم ہوا ہے مگر زمانہ ناہنجار

---

[1] ن - ب خامہ میرا نکلا ہے　[2] ن - ب لیکن　[3] مجھ سے کہتے تھے

[4] ن - ب مورد ادائی

[4] کون عہد وفا اس بت سفاک سے باندھے　　دو سر کاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے (کلیات مطبوعہ)

نے اس عزیز کو کیا کیا پریشان رکھا۔ باوجود اس کے کہ امیران نامدار اس کے شاگرد تھے کسی بے ہمت نے موافق اس کے کفاف کی خدمت نہ کی۔ یہ شعر اس کا اس پر دلیل۔

استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

بڑے تو بڑے چھوٹے سبحان اللہ، غریب جو اس کے شاگرد تھے ایسے خیال میں نہ لاتے تھے بموجب اس کے

کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

چنانچہ اس غزل کی قبل و قال رنجش پر خواجہ حیدر علی آتش کی دال ہے

اس کے بھی دھیان پر نہ چڑھا رنگ شاعری سجاں کو ہم سمجھتے رہے ننگ شاعری

دشمن پہ مارے منہ جو مرا مستفید ہو نہ یہ کہ میرے ساتھ کرے جنگ شاعری

ممکن نہیں کہ شہرت سعدی مٹا سکے خواجہ کا شور غلغلہ رنگ شاعری

بے عقل تیرے حق میں کہے کچھ تو مصحفی تو یہ سمجھ چڑھی ہے اسے بھنگ شاعری

اس جہان گذراں سے داغ بے قدری اپنے دل پر لے گیا۔ کسی شاگرد نے تاریخ اس کی وفات کی یہ کہی ہے

کہ آتش بہ مصحف حرام آمدہ

کسی ظریف نے اس پر یہ اعتراض کیا

نہ دانست آں کس کہ گفت ایں سخن کہ آتش بہ مصحف حرام آمدہ

بعہد خلیفہ چو آتش زدند در احراق مصحف تمام آمدہ

چند شعر میاں صاحب کے بطریق یادگار لکھے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو اس سے حظ حاصل ہو

لگے گر ہاتھ میرے تار اس زلف معنبر کا تو ہووے باعث شیرازہ ان اجزائے ابتر کا

وہ خاکسترنشیں ہوں میں کہ مثل اخگر آتش — نہ مجکو فکر بالاپوش کا ہے اور نہ بستر کا
جواب نامہ تو معلوم اس کے پاس سے آنا — کوئی پر اڑتے اڑتے شاید آ پہنچے کبوتر کا
پڑا رہتا ہے اکثر راہ میں دامن درازوں کے — یہ سر مشتاق ہے کیا جانے کن پاؤں کی ٹھوکر کا
نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب — کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقی کوثر کا

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے ہائے — ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پر رکھا

پس مرگ کیجیو مری خاک تو نہ — کوئی تیر اس پر لگاتا رہے گا
جو ملنا ہے تجکو آ جلد مل لے — کہ پھر ہاتھ سے وقت جاتا رہے گا

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح — اور آفتاب عمر لب بام آگیا

جب عارض گل رنگ پہ خط اس نے نکالا — بلبل نے کہا سلمہ اللہ تعالے
ہر غنچہ ہے دلبستگی طبع کا مکتوب — ہر گل ہے پریشانی خاطر کا رسالا

آہ وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا — مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

تیرے نازک لبوں سے سیکھا[1] ہے — غنچہ انداز مسکرانے کا

میں زلف منہ میں لی تو کہا مار کھائے گا — جو میں مچو یہ تو بولے کہ تلوار کھائے گا

---

[1] ن - پ سیکھے

اشک آیا چشم خانہ میں یوں لخت دل لیے
مہمان کے ساتھ جیسے ہو مہمان دوسرا

اپنی تو اس چمن میں یوں ہی یہ عمر گذری
یاں آشیاں بنایا واں آشیاں بنایا

محنت پہ ٹک نظر کر صورت گر ازل نے
چالیس دن میں تیرا خمیر وہاں بنایا

از بسکہ اس سفر میں منزل کو ہم نہ پہنچے
آوارگی نے ہم کو ریگ رواں بنایا

خونِ جگر سے میرے گل کی شبیہ کھینچی
نالہ کو میرے لے کر سرو رواں بنایا

شبِ ہجراں کی سیاہی نہ ہوئی روز سفید
یہ ورق تو نے نہ اے گردشِ ایام الٹا

ہم کو ترساتے ہو کیوں تم یہ ادا دکھلا کر
منہ چھپایا نہ کرو بہر خدا دکھلا کر

شرط یاری یہی ہوتی ہے کہ بس پھر گئے آپ
چار دن مہرِ و محبت کا مزہ دکھلا کر

حسن کہتا ہوا سے پردہ اٹھا دے پر شرم
یہ سکھاتی ہے کہ لے منہ کو چھپا دکھلا کر

لالہ سر کھینچے ہے خاک شہدا سے اب تک
تم چلے آئے تھے اک دن کفِ پا دکھلا کر

سیراب آبجو سے قدح اور قدح سے ہم
سرخوش گلوں کی بو سے قدح اور قدح سے ہم

شیشہ جو چھوٹ جائے تو چھوٹے نشے نہ ہو
یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم

ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وہ آنکھیں نہیں اب جو ہم دیکھتے ہیں

نہ آوے نہ آوے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں

نظر پڑتی ہے عیب ہی پر سبھوں کی
ہنر مصحفی یار کم دیکھتے ہیں

تیر نگہ ہوا ہے دل میں مرے ترازو نہ — تس پر بھی آپ ہر دم تلوار تولتے ہیں

کیا شک ہو بانکپن میں اس خانہ جنگ کی کچھ — ابرو کی جس نے منہ پر تلواریں کھائیاں ہیں
گر خاک سے ہماری پتلا کوئی بناوے[1] — تیری دعا میں اس کی اٹھی کلائیاں ہیں

کشتگاں کو تری شمشیر یہی کہتی ہے — کیجئے اس پہ قناعت تو دم آب ہے یاں

اپنے عاشق کی چشم تر کو دیکھ — صدقے میں تیرے ٹک ادھر کو دیکھ
میرے آگے نہ دیکھ آئینہ — میری حسرت بھری نظر کو دیکھ
تھی شب وصل کھل گئی جو آنکھ پ — رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ
اس قدر بھی بلند پر نازی — اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ

مانی جو کھینچے مرغ گرفتار کی شبیہ — چاک قفس سے کھینچے منقار کی شبیہ
مانی گلے میں اس کے بھرایا[2] تھا ڈال نے — اور نام اس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ
جانا نہ میں نے رات کو رات اور نہ دن کو دن — تب کی درست زلف و رخ یار کی شبیہ
اونچا ہے ہاتھ بھر وہ ورق لوح عرش سے — جس پر کھنچی ہے ساعد دلدار کی شبیہ

کدھر چلا ہے کھڑا رہ ذرا تماشہ دیکھ — ابھی تو خاک پہ بسمل پڑا[3] تڑپتا ہے

نہ قاصد ہے نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہو — ہمارے حال پر کیوں اس قدر نامہربانی ہو
قدم آگے اٹھا سکتے نہیں ہم اس کے کوچہ سے — کہ پاؤں پر ہمارے سر جھکائے ناتوانی ہو

۱؎ ن۔ پ بنائے ۲؎ ن۔ پ مرے ۳؎ ن ر پ پہ تھرا

اک ادا دکھلا کے بھاگے دل پہ نشتر مار کے　　اس ادا پر ہم بھی مر جائیں گے خنجر مار کے

خوش قدوں کی شوخیٔ رفتار میں یہ ہے اثر　　بخت خفتہ کو جگا دیتے ہیں ٹھوکر مار کے
چوٹ ہے اس بات کی دل پر کہ تم جاتے رہے　　تازیانہ کی طرح زلف معنبر مار کے

غم دل کا بیان چھوڑ گئے　　ہم یہ اپنا نشان چھوڑ گئے
نفرت آئی سگ و ہما کو کیا　　جو مرے استخوان چھوڑ گئے
سفر اس دل سے کر گئے غم و درد　　یار سونا مکان چھوڑ گئے
لے گئے سب بدن زمیں میں ہم　　پ مصحفی اک زبان چھوڑ گئے

کیا ہماری بساط اور رہم کیا　　پ مہر کے آگے بود شبنم کیا
کوئی انسان نظر نہیں آتا　　پ ہوگئی قطع نسل آدم کیا

ترے کوچہ میں ہیں تو یوں ہی دن سے رات کرنا　　کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

لگی تلوار چلنے اس ادا پر بانکے کھڑوں پر　　ذرا کج ہو کے بیٹھا تھا وہ کافر پشت توسن پر

بیٹھا ہے منہ پھلائے آتا نہیں سخن میں　　کیا گھنگھنیاں بھری ہیں اس شوخ کے دہن میں

دو دن سے وہ شکل اپنی دکھاتا نہیں مجکو　　اس بن کسے دیکھوں کوئی بھاتا نہیں مجکو
جنت کا میں بھولے سے کہیں نام لیا تھا　　اس ننگ سے دوزخ بھی جلاتا نہیں مجکو

عاشق سے کبھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل وہ کام تو کہتا ہے کہ آتا نہیں مجکو
کچھ صحبت لیلےٰ ہی کا مردود نہیں ہوں پ مجنوں کبھی تو پاس اپنے بٹھاتا نہیں مجکو

ان چوڑیوں کی سنتے ہی جھنکار نہ دستی کھائی دل مجروح نے تلوار دو دستی
رسوائی عاشق سے تو واقف نہ ہوا اور یاں بج گئی تالی سر بازار دو دستی

واں اطلس و حریر پہ چلتی ہیں قینچیاں یاں جامۂ حیات کی قطع و برید ہے

چل چل کے ٹھہر جاتا ہے وہ اپنے گلو پر یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اٹھیں گے

طرفہ مکابرہ اور غریب مضحکہ کہ میاں مصحفی اور میر انشاء اللہ خاں میں ہوا تھا (اس کا) بیان (مختصر) کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ خاں اور میاں مصحفی دونوں بزرگوار مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی سرکار میں نوکر تھے۔ ایک دن میاں مصحفی کہ زبان کے کڑوے اور ذہن دریدہ تھے وہ گفتگو کہ قابل نہ لائق بادشاہوں کے نہیں حضور میں شاہزادے سے کر بیٹھے۔ مرزا سلیمان شکوہ نے میر انشاء اللہ خاں کو اپنے ہمرکی قسم دے کر کہا کہ میاں مصحفی کو رسوائے خاص و عام کیا چاہئے۔

ن۔ پ میں حاشیہ پر یہ قطعہ بھی درج ہے۔

قطعہ میاں مصحفی صاحب

لاش پہ میری ہوا صبح جو خلقت کا ہجوم آکے تب دیکھنے وہ شوخ ستمگار لگا
اور جنازہ کو اٹھایا تو یہ بولا اک شخص ہاتھ اپنے بھی کو ذرا تو بھی تو اے یار لگا
ہنس کے کہنے ڈرتا ہوں اگر یہ مردہ
جی اٹھا پھر مرے پیچھے وہی آزار لگا

میرانشاءاللہ خاں نے قبول کیا مگر یہ نہ سمجھے کہ اس کی ذلت عین اپنی رسوائی ہے ۔ کہاں ایک زبان کہاں سو زبان ۔ اب بیان اس کا سنیئے

ایک دن مصحفی نے یہ غزل اپنی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کے حضور میں پڑھی ۔

سرِ مشک کا تیرا ہے تو کافور کی گردن — نے ہووے پری ایسی نہ یہ مور کی گردن
جھک جھک کے میں ہر چند کئے سیکڑوں مجرے — پر خم نہ ہوئی اس بتِ مغرور کی گردن
ایک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی مزہ ہے — اور دوسرے میں ساقیِ مخمور کی گردن
دل کیوں کہ ترے جید کا پھر کیونکہ نہ پھسلے — صانع نے بنائی تیری بلور کی گردن
یوں زلف کے حلقے میں پھنسا مصحفی اے واے — جوں طوق میں ہووے کسی مجبور کی گردن

میرانشاءاللہ خاں نے اس کے جواب میں باشارۂ حضور بدیہۃً یہ مطلع پڑھا ۔

سرانبہ کا تیرا ہے تو انجور کی گردن — ٹڈے کی لگی جس کو نہ زنبور کی گردن

مرزم بازاری کو یہ مطلع خوش آیا بلکہ اسے ترانا[1] بنایا پھر انشا نے یہ غزل انشا کی ۔

توڑوں گا خمِ بادۂ انگور کی گردن — رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن
تب عالمِ مستی کا مزا ہو کہ پڑی ہو — گردن پہ مری اس بتِ مغرور[2] کی گردن
محفل میں تیری شمع بنی موم کی مریم — پگھلی ہے پڑی اس کی وہ کافور کی گردن
خود دار کی بن شکل الف ہاے انا الحق — نت چاہتی ہے اک نئے منصور کی گردن
اچھلی ہوئی ورزش سے تیری ڈنڈ کی مچھلی — ہے نام خدا جیسے سقنقور کی گردن
آ دیو سفید سحری کاش تو توڑے — اک مکّے سے خوکے شبِ دیجور کی گردن

---

[1] ن ۔ پ ترانے میں آنے لگا یا   [2] ن ۔ پ مخمور

آئینہ کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے — سر خرس کا منہ خوک کا لنگور کی گردن

مرزا سلیمان شکوہ بہادر کہ شاگرد میر انشاء اللہ خاں کے تھے اُنھوں نے یہ غزل کہی

خالق نے بنا کر کے تری نور کی گردن — کی اس پہ تصدق دہیں اک حور کی گردن
معنی ہی انا الحق کی بلندی کے یہی تھے — ہرگز نہ جھکی دار پہ منصور کی گردن
سب صاحبوں نے اسکو جو باندھا ہو یہ کہیے — دیکھی ہے کسی نے بھی سقنقور کی گردن
اور دوسرے ہو لفظ بلور اس کو کہی احمق — کہتے ہیں زبر دستی سے بلور کی گردن
اور تیسرے ماہی کو جو ماہی پڑھو ہو — ہاں اس پہ ہے عقل کے معذور کی گردن

جب جانبین سے یہ گفت و شنود درمیان میں آئی شاگرد میاں صاحب کے ٹڈی دل کی طرح اُمڈے اور ہر ایک نے انشاء[2] کے جواب میں غزل لکھی — خلیل

خم کیونکہ ہو اس صاحب مقدور کی گردن — خم کرنے جو اک بات میں جمہور کی گردن
سو تیغ لیے نکلے ہے اک ہاتھ میں خورشید — تا کاٹے جو دیکھے شب دیجور کی گردن
میں وہ سخن آرائے شہنشاہ جہاں ہوں — رعشہ مری ہیبت سے ہو فغفور کی گردن
ٹک گوش خرد رکھ کے مری بات تو سُن لے — روشن میں کہوں جیسے ہو خود نور کی گردن
جا باغ زلیخا میں تو اے یوسف ثانی — تا باں وہاں پھر دیکھ لے بلور کی گردن
عرفی نے خموشی کو خموشی کہا ہے — اس سے یہ ہے ماہی سقنقور کی گردن
اک بات میں تجھ سے کہوں انصاف تو کیجیو — انساں کے کبھی ہوتی ہو کہیں نور کی گردن
جب حرف نکالنت پہ تری طبع کی رقاص — تب تجھ سے تماشا بندھے لنگور کی گردن

---

[1] ن۔ ب اس پہ [2] ن۔ ب میر انشاء اللہ خاں

مرزا حیدر علی گرم دہلوی نے یہ غزل لکھی اور میر انشاء اللہ کی خدمت میں بھیجی ؀

کل شمع نے دیکھی تھی جو اس حور کی گردن — دی آگ میں رکھ اپنی وہ کافور کی گردن
جوں جوں کہ سر اپنا میں رکھا پاؤں کے اوپر — تنتی ہی گئی اس بت مغرور کی گردن
زانو پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھا ہوں اپنا — دیکھی ہے جو اک شاہد مستور کی گردن
سب عضو ترے نور تجلی سے بھرے ہیں — نافہم کے آگے ہے فقط نور کی گردن
جامی کی زلیخا میں ہے بلور کی گردن — کس نسخہ میں ہے خوشۂ انگور کی گردن
ماہی کی اضافت میں جنھیں ہووے تامل — بے سر ہے وہ پھر ان کے سقنقور کی گردن
سمجھے نہ کوئی شعر گوئی بازی طفلاں — یہ مار کی گردن ہے نہ زنبور کی گردن
سر کاٹ کے اس کا ابھی لنکا میں چڑھاؤں — لگ جائے مرے ہاتھ جو لنگور کی گردن

بعض شخص نے میاں مصحفی سے کہا کہ انشا مایل بہ ہجو ہے تم بھی اس سے التیام کرو۔

میاں صاحب نے یہ قطعہ لکھا

اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے — تو نے سپر عذر میں مستور کی گردن
ہے آدم خاکی کا بنا خاک سے پتلا — گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
میں لفظ سقنقور مجسم نہیں دیکھا — ایجاد ترا ہے یہ سقنقور کی گردن
گردن کی صراحی کے لیے وضع ہے ناداں — بیجا ہے خم بادۂ انگور کی گردن
اس سے بھی میں گذرا غلطی اور یہ سنئے — باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن
کافور سے مطلب ہے مرا اس کی سفیدی — ٹھنڈی تو نہیں باندھی میں کافور کی گردن
کافور تو میت کا اسے سمجھے با یں عقل — اور آپ جو پھر باندھی تو کافور کی گردن
یہ لفظ مشدد ہی درست آیا ہے تجھ سے — خم ہوتی ہے کوئی مری بلور کی گردن
مضمون وہ میرا ہے کوئی اور طرح سے — باندھی ہے اگر آپ نے رنجور کی گردن
مصنف ہو تو پھر نام نہ لے دعوی کا ہرگز — یہ بوجھ اٹھانی[1] ہے کوئی مور کی گردن

---

[1] ن۔ پ اٹھا سکتی نہیں

آخرالامر جب یہ فضیحت (دونوں) طرف ہوئی شب پانزدہم کہ شہزادہ (سلیمان شکوہ) کے یہاں مشاعرہ تھا (میاں) جرأت اور اکبر علی اختر[1] نے مصحفی اور انشا کو ملا دیا ظاہر میں صلح اور باطن میں عداوت رہی۔ بعد چندے میاں صاحب مصحفی نے حضور پر نور[2] میں یہ غزل کہ زمین اس کی جدید اور خیلے دشوار تھی پڑھی۔

زہرا کی جب آئی کف ہاروت میں انگلی | کی رشک نے جا دیدۂ ماروت میں انگلی
بن دودھ انگوٹھے کے تئیں چوسے ہے نادان | رکھتی ہے تصرف عجب اک قوت میں انگلی
مہندی کے یہ چھلے نہیں پوروں پہ بنائے | ہے اس کی ہر اک حلقۂ یاقوت میں انگلی
غرقہ کے ترے حال پہ از بہر تاسف | ہر موج سے تھی کل دہن حوت میں انگلی
شہتوت ہے یا صانع عالم نے لگا دی | شیریں کی یہ شاخ شجر توت میں انگلی
مطرب بچہ جس وقت کہ چھیڑے ہے تو قانون | ناچے ہے تری عالم لاہوت میں انگلی
تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس مرگ | تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

حضار نے زبان تحسین و آفریں کھولی (اور غزل کو پسند کیا) مگر دمیر انشا (اللہ خاں) کہ دل اس کا ہنوز صاف نہ تھا منہ پھیر کر یہ کہنے لگا۔

زہرا کی گئی کب کف ہاروت میں انگلی | کب رشک نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
وہ چرخ میں قیدی، یہ کنویں میں تھے بچارے | اس جھوٹے کی جو رنگے کرو ... میں انگلی
کیونکر نہ ہوں انگشت نما آپ یہ کہیئے | جب موج کی دیوے[3] دہن حوت میں انگلی
... کے تصور میں انگوٹھے کو تو چوسو | بس بھریئے نہ اب آپ کسی قوت میں انگلی
دیکھا ہے کہیں حلقۂ یاقوت جو تم نے | دی ان کی پھنا حلقۂ یاقوت میں انگلی
پہنچائے ہے مخلوق کو خالق کی جگہ پر | مطرب کی بجا عالم لاہوت میں انگلی

---

[1] ن۔ پ۔ میر علی اکبر اختر [2] ن۔ پ روبرو حضور پر نور کے
[3] ن۔ پ دلویں [4] ن۔ پ انگوٹھے ہی کو

ہیں آپ جلا ہے کہ خسر یا دہ تمھارا الجھائے اسی واسطے ہیں سوت میں انگلی
تھا مصحفی کا ناکہ چھپانے کو پسِ مرگ کھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

غزل دیگر[1] انشاء

دیکھ اس کی تری خاتم یاقوت میں انگلی ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
ہلتے ہیں مصلے پہ تشہد میں سوا الحق ہے وہ دہن عابد طاغوت میں انگلی
لپٹے ہے مری آہِ فلک میں تو کھود ہیں یوں ڈالتے ہیں بینی مسکوت میں انگلی
آلودہ ہوئی نور میں جبوقت کہ ڈوبی جراح کی خون دل بہوت میں انگلی
یوں ہی تیرے بے صرفہ حنا جس سے کہ تر ہو داؤد کی خون سر جالوت میں انگلی
اے شیخ تری ریش کو وسمہ وہ لگائے جو شخص گھسیڑے دہن ــ میں انگلی
ناسوت کے عالم میں پئے سیر ہم انشا کرتے ہیں شگاف در لاہوت میں انگلی

میاں مصحفی نے میر انشاء اللہ خاں کی شوخ چشمی کا گلہ اشراف شہر سے کیا۔ وضیع و شریف نے متفق اللفظ یہ کہا وہ روز بروز تجھے انگشت نما کرتا ہے تجھ سے اور تیرے تلامیذ سے جو ہو سکے کوتاہی نہ کرو

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

آخر شاگرد اس کے متفق ہوے اور انشا کی غزل پر اعتراض[2] ہونے لگے۔

بے معنی ہے خون سر جالوت میں انگلی جیسے دہن عابد طاغوت میں انگلی
کچھ مصرعہ اول سے نہیں ربط ہے[3] اسکو ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی
ذد سگنہ کو مسکوت کہے ہے کوئی ناداں ہے لغو تیری بینیٔ مسکوت میں انگلی
جو رد تری چھیلا ہو تو کیونکر نہ کرے غش دیکھ اس کی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی

---

[1] ن۔ پ اس غزل کے بعد دوسری غزل میر انشاء اللہ خاں نے کہی درج ہے [2] ن۔ پ یہ اعتراض کیا اور ہر طرف سے گھوڑا کاغذ کا دوڑنے لگا [3] ن۔ پ بھی

ماذر کا رحم اپنے ٹٹولے ہے تو شاید   کرتا ہے جو بیٹھا شکم حوت میں انگلی

.... انتہائی فحش

بہتان صریح اس کے تئیں کہتے ہیں یارو   کشتہ نہ اٹھائے کبھی تابوت میں انگلی
میں خالق معنی تھا سمجھ کر کے میں باندھی   ہم قوت ہیں ہم صوت ہیں ہم توت میں انگلی
ٹھہرائے ہے بے معنی غزل کو مری انشا   اس جھوٹے کی جو رہ گئے کر و ـــ میں انگلی

انشاء اللہ خاں نے اس غزل کا مسدس کہا چنانچہ اس کا ایک بند لکھا جاتا ہے

مصروع کو ردد مصرع نہیں کہتے ہیں انساں ل مفلوج کو ذو فالج اگر کہتے طبیباں
تو بات تری لکھتے کچھ اے نطفۂ شیطاں ل غش ہے ترے اس شعر پہ روح علوی خاں
ذو سکتہ کو مسکوت کہے ہو کوئی ناداں ل ہے لغو تری بینی مسکوت میں انگلی

جب یہ جواب ادھر سے پہنچا گرم نے یہ غزل نہایت گرمی کے ساتھ کہی

پانی میں ہوئی حلقۂ یاقوت میں انگلی   کس واسطے ہے دیدۂ ماروت میں انگلی
سبلت کے تئیں کون ہے شاعر نے کہا حوت ل کرتا ہے جواب تو شکم حوت میں انگلی
اس جرم پہ لازم ہے ترے ہاتھ کو کاٹیں   کرتا ہے شگاف در لاہوت میں انگلی
اردو کے موافق نہیں یہ بات جو تو نے   باندھی دہن عابد طاغوت میں انگلی
یہ بے ادبی کم ہے جو خضر کو بتا دے   داؤد کی خون سر جالوت میں انگلی
سکتہ کے تئیں چاہیئے آئینہ دکھائے   نہ یہ کہ کرے بینی مسکوت میں انگلی

منتظر کہ انتظار اس رسوائی کا تھا اس نے یہ غزل کہی

واں جو رہ نچائے تری بازار میں انگلی   اور لوگ کریں یہاں ترے دربار میں انگلی
انگشت نما کیوں نہ ہو زن تری کہ ہر دم   پھیلائے ہے ـــــ کے شلوار میں انگلی
اے ہیز عجب کیا ہے اگر از رہ خلط پ تو اس کے کرے اور وہ ترے پاد میں انگلی

کوٹھے پہ جو چڑھ چڑھ کے سدا آنکھ ملا دے   تا چند تو دے رخنۂ دیوار میں انگلی
چکھا نہ مزہ انگلی کا اے فربہ ناداں   یہ ہوتا ہے دنیا سے دسمن مار میں انگلی

جب یہ کہ کاؤ کاؤ اس کو اگبار کی میر انشاء اللہ تک پہنچی شہباز آسا ہر ایک کے شکار کا قصد کیا اور یہ مخمس لکھا

سُن مصحفی زشت و بداطوار کی گالی   کہتا ہوں یہ گالی نہیں کچھ عار کی گالی
سستی (کذا) کے عوض تو نے جو تیار کی گالی   گالی ہے یہ کچھ اور ہی اسرار کی گالی
داماد کو دیتا ہے خسر پیار کی گالی

بیٹی کا تری .... سے چھوٹا   اس ڈھب سے کہ فوارہ خوں سے چھوٹا
یہ چیخی وہ اس وقت کہ سرتو نے بھی پیٹا   اور وان یہ سمجھا کہ دم اس بچی کا ٹوٹا
یکبار کا یہ جڑنا سہ بار کی گالی

وہ منتظر گرم جو شاگرد ہیں تیرے   ناتے سے تیرے دونوں خسر پورے ہیں میرے
پھرتا ہوں پڑا آٹھ پہر میں انھیں گھیرے   دونوں کو چلاتا ہوں لگا ...... سویرے
ان دو کے لیے سنتا ہوں دو چار کی گالی

قصہ مختصر میر انشاء اللہ خاں مع سانگ اور اگ کمپنی تلنگہ یہ ہجو پڑھتے ہوئے احمد نگر میں میاں مصحفی کے مکان پر گئے (اور ہر قدم پہ مخمس پڑھتے ہوئے)

پھر انھیں بایک دگر ..... کرانے گا وہ   ہاتھوں پر ان کو منہ اٹھا گت سے نچائے گا وہ
پھر جچہ دھر دھر کے ساتھ گت سے بجائے گا وہ   منتظر گرم کو خوب رجھائے گا وہ
ہووے گا اظہار سب ان میں جو ہی بانکپن

ف ن - پ لڑا دے   ؎ ن - پ کیا - پہلی غزل کے جواب میں یہ مسدس جس کا ایک بند بطور انتخاب لکھا جاتا ہے کہا۔

مجھ سے سحر کہہ گئی آ کے نسیم چمن — سانگ نیا لائے گا اب کے یہ چرخ کہن
آتے ہیں مجھ کو نظر کچھ کڈھب اسکے چلن — گڈا بنائے گا وہ صاف جو ہوں مردوزن
اور کہے گا یہ ہیں مصحفی و مصحفن

جس وقت سانگ مصحفی کے مکان پر پہونچا منتظر اور گرم استاد کی خدمت میں (ہر ایک) حاضر تھے ۔ دست بہ قبضہ ہوئے ۔ میاں صاحب اُن کے ہاتھ پاؤں پڑے اور یہ کہا کہ نواب آصف الدولہ بہادر جھول میں ہیں وائی ملک کی غیبت میں خانہ جنگی کا ہونا میرے واسطے موجب بدنامی کا ہے اس وقت دفع خجالت کے لیے[1] منتظر نے یہ مخمس کہا اور خوب مشہور ہوا ۔

اگلی تیری جورو تجھے بہکا گئی بھڑوے — جس جنس سے نہ بھڑوانا تھا بھڑوا گئی بھڑوے
یہ زور تماشہ تجھے دکھلا گئی بھڑوے — اک شمع اُدھر ... سے وہ کھا گئی بھڑوے
چربی تری آنکھوں میں اُدھر چھا گئی بھڑوے

زن دوسری کھیلے ہے تری نین مٹکا — ہے وہ بھی چھنالوں میں کوئی زور ہی چھکا
گھر اس کو مدینہ کیے گہ اپنا تو مکا — تجھ سا بھی وہ لے کم ہے دغا باز اچکا
اس بات پہ صدقے تری بڑھیا گئی بھڑوے

اے بھڑوے نئی طرح کا لایا تو یہ زِ دِلا — زِ دِلا نہیں کہیئے اسے ابتر الولا
ظاہر تھا کمانے سے ترا ... مردلا — میں نے بھی کیا ہے تری ہمشیر سے ڈولا
جھلا کے جو یوں جی میں ترے آگئی بھڑوے

بھیجے ہے کہیں یوں جو کوئی بکرا و بندر — پڑتی ہے طویلہ کی بلا اس کے ہی سر پر
سو بار اگر رنجیدہ بنائے گا تو اے خر — سمجھوں گا نہ تو بھی تجھے ایک ... برابر
ہے سانگ تو باقی ابھی شب کیا گئی بھڑوے

---

[1] ن ۔ ب : واسطے

ہو پار جو گنگا کے تو اب پار ہے بیڑا — بے طرح تجھے بادِ مخالف نے ہے گھیرا
سمجھا ہیں یہ جس بات کا سارا ہے بکھیڑا — لقمہ کے عوض ہو کا کھایا جو تھپیڑا
پڑے کو گلہری تری متھرا گئی بکھر دے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

بیباک | فن شعر میں مستعد چالاک، (میر) نجف علی تخلص "بیباک" شاگرد (میاں) مصحفی۔ یہ اس سے یادگار

ہم کو لیل و نہار نے مارا — گردشِ روزگار نے مارا
ایک تو آگے ہی تھے سودائی — تس پہ جوشِ بہار نے مارا
صبر کس طرح کیجئے بیباک — اس دلِ بے قرار نے مارا

بیباک کیوں کر کہ پہنچیں گے منزل کو دیکھئے — اپنی کھلی جب آنکھ کہ تب کارواں گیا

صیاد یہ ہوس ہے دلِ داغ دار میں — گل پوش کر قفس کو مرے تو بہار میں
ملتے ہیں دل کو مثلِ حنا پاؤں کے تلے — یہ رسم اک نئی ہے بتوں کے دیار میں
بیباک کوئی کھول کے دیکھے تو اب تلک — آتش بھری ہوئی ہے ہمارے مزار میں

مجلس سے اس کی ہم نے تہمت کے ڈر کے مارے — سو سو جگہ سے اٹھ اٹھ اپنا مکان بدلا

جوش | صاحب عقل و ہوش شیخ رحیم اللہ تخلص "جوش" (وطن دہلی) شاگرد میاں مصحفی۔ من اشعارہ

دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے — بیمار رہو تو کیا جانے کیا رنگ کسو کا ہے

جوان | خوش بیان نعیم بیگ تخلص "جوان" دار لکھنؤ ساکن شاہجہان آباد یہ اس سے یاد

---

[1] ن۔ پ منہ [2] ن۔ تب تھے

جائیں تجھے اشک تو کُل دیدۂ گریاں سے لپٹ پ　　آج کیا ہے کہ جدا ہوتے ہیں مژگاں سے لپٹ
تربت سوختہ جانوں پہ نہ اس طرح پھرو　　شعلہ جائے گا کوئی آپ کے داماں سے لپٹ
ساتھ ہر اک کے اسے شوق ہے اب کُشتی کا　　اے جواں تو بھی تو اُس فتنۂ دوراں سے لپٹ

گر اس کی بیوفائی کا شکوہ بیان کروں　　تو رفتہ رفتہ جمع میں اک داستاں کروں
اس سے تو اپنے حسن کا شعلہ نہ چھپ سکا　　میں ضبطِ آہ کیونکر بھلا اے جواں کروں

اٹھ چل نہ جواں آج تو پھر اسکی گلی کو　　شاید وہ نکلتا ہوا گھر سے نکل آئے

یہ ان دنوں جو ہم سے آنکھیں رکھائیاں ہیں　　شاید کسی نے باتیں کچھ کچھ لگائیاں ہیں[۵۱]
کس بے ادب نے تم سے گستاخی آج کی ہے　　منہ پر تمہارے جو یہ کیا سخت آئیاں ہیں
پیوستہ اس کے ابرو دیکھ کر یہ سمجھا　پ　دو شانیں ہیں کہ جھک کر ملنے کو آئیاں ہیں

سرسبز | مرزا زین العابدین عرف مرزا منیڈو تخلص "سرسبز"۔ شاعر خوش آہنگ، خلف الصدق نواب سالار جنگ۔ میاں مصحفی[۵۲] اُن کے نوکر اور استادی پر مقرر۔ یہ اشعار ان سے یادگار۔

قفس میں گزرے گی کیا عندلیب خانہ ویراں پر　　سنے گی جس گھڑی ہے ان دنوں عالم گلستاں پر

شمع جب چہرۂ پرنور دکھاتی ہے مجھے　　یاد عارض میں ترے نور جلاتی ہے مجھے
خندۂ گل میں نکلتا ہے کہاں وہ عالم　　ہائے کیا ذوق ترے ہنسنے کی بھاتی ہے مجھے

---

[۵۱] ن۔ پ: سجائیاں　　[۵۲] ن۔ پ: اس سرکار میں نوکر اور نام استادی پر مقرر یہ شعر

اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز — کشش دل ہے کہ کھینچے لیے جاتی ہے مجھے

جو دوست میرا اس کو پیغام سناتا ہے — پ وہ صاف اُسے یارو دشنام سناتا ہے

بے تکلف تھے دل کے لینے تک — ہم سے اب آپ منہ چھپاتے ہیں
اب ادھر کیجیے علم شمشیر — ہم ادھر اپنا سر جھکاتے ہیں

شب انتظار گزری ہمیں انتظار کرتے — کبھی دوست دوست کہتے کبھی یار یار کرتے
ترا یار اس جگہ تھا نہ ہوا تو ہائے سرسبز — کہیں اس گھڑی جو ہوتا تجھے ہم دوچار کرتے

بیٹھا ہوں میں کبھی تو سرِ راہِ یار پر — کیجو نگاہ ٹک تو میرے انتظار پر
کیا حال گریہ پوچھے ہے ہمدم سرک کہیں — پ اب تو بجوڑ ہے مژۂ اشک بار پر

یہ جو کانوں میں بتاں عقد گہر رکھتے ہیں — میرے آنسو ہیں کہ یکجا اُنھیں کر رکھتے ہیں

منہ پھیر لیا تم نے اگر مہر و وفا سے — ہم ہاتھ اٹھائیں گے نہیں دست دعا سے
میں نے جو کہا اس سے کہ جاتی ہے مری جان — پ منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

ترے گلشن سے جائیں اب کدھر ہم — کہ ہیں اے باغباں بے بال و پر ہم
ہماری آہ پر ہنستا ہے کیا تو — پ دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم

جگہ پائیں گے اپنی باغ میں اے باغباں ہم بھی — پ کبھی اگر بنائیں گے چمن میں آشیاں ہم بھی

خبر لائی باد بہاری کسی کی دو چنداں ہوئی بیقراری کسی کی
ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شاید مگر تو نے گیسو سنواری کسی کی
میں سر سبز روتا ہوں آتی ہو جب یاد وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

ضیا[1] طبیعت کا رسا کا نجیومل، "تخلص" ضیاؔ"۔ ساکن فیروزآباد شاگرد مصحفی یہ (شعر) اس سے یادگار

عبث ہے پاس میرے یہ تمھارا بار بار آنا جدائی میں مجھے مشکل ہے اے یار قرار آنا
ترے درد جدائی میں ترا عاشق گیا جی سے ضیاؔ اس گل کے دروازہ پہ یہ جا کر پکار آنا

افسوس نہ آرام عدم میں بھی نہ پایا جس کے لیے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کوچہ میں
لئے جاتا ہے نامہ آج تو اے نامہ بر کس کا

چلے دامن اٹھا کر یہ کہو اس ترک قاتل سے کہ یہ مدفن نظر آتا ہو رنگیں خون بسمل سے
تغیر رنگ میں تاب و تواں نے ہم سے ہی چھوڑی رعیت جس طرح پھر جائے ہے مجروح دل عامل سے
ضیاؔ ہم نے تو کچھ ہرگز نہ دیکھا جذب الفت میں غلط یہ بات کہتے ہیں کہ دل کو راہ ہے دل سے

مجلس سے جب وہ اٹھ کے رشک قمر گیا ہے اپنا تو روتے روتے نور نظر گیا ہے
بھٹکا پھرے ہے مجنوں لیلیٰ کے قافلہ میں یہ پوچھتا کہ یارو محمل کدھر گیا ہے

---

[1] ن۔ ل دن۔ ب دونوں میں غلطی سے کانجیومل "ضیا" لکھ دیا گیا ہے در حقیقت کانجی مل "صبا" ہے: دیکھئے تذکرہ ہندی و عمدہ منتخبہ

کیا تو نے کچھ صبا سے اے تند خو کہا تھا ‏ ‏ ‏ روتا ہوا ادھر سے با چشم تر گیا ہے

عاشق مضطر کا سوزِ دل نہاں کیونکر رہے ‏ ‏ ‏ شمع کے شعلہ کی اے یارو زباں کیونکر رہے
اے صبا سچ ہے جدائی میں بقولِ مصحفیؔ ‏ ‏ ‏ دردمند دست بے آہ و فغاں کیونکر رہے

ہاتھوں میں تمہارے پیارے یہ طائرِ حنا ہے ‏ ‏ ‏ یا مرغِ دل کسی کا بسمل ابھی کیا ہے

مقتول | مردِ معقول، مرزا ابراہیم بیگ تخلص "مقتول"۔ بزرگ اس کے خوشش معاش اور آپ میاں مصحفی کی بدولت صاحب[۱] تلاش۔ من[۲] کلامہ

کل گھر سے جو وہ سادی پوشاک پہن نکلے ‏ ‏ ‏ سو طرح کے اس میں بھی بیساختہ پن نکلے

بتاں جبکہ زلف دوتا باندھتے ہیں ‏ ‏ ‏ گرہ میں دل مبتلا باندھتے ہیں
ہر اک تار میں اس کے دل ہائے عاشق ‏ ‏ ‏ بہم جمع کرکے بلا باندھتے ہیں
نہیں بنتی بلبل سے اپنی چمن میں ‏ ‏ ‏ ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں
گرہ دیتے سر پر جو بالوں کا جوڑا ‏ ‏ ‏ یہ نازک بدن خوش ادا باندھتے ہیں
میاں حالِ مقتول دیکھا نہیں کیا ‏ ‏ ‏ کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

مضطر | شاعر بہتر، کنور حسین تخلص "مضطر"۔ شاگرد (میاں) مصحفی یہ دو بیتیں اس کی۔

سیکھ کر باغ میں قد سے تیری رعنائی کو ‏ ‏ ‏ کام فرمانے لگا سرو بھی مرزائی کو
اس کے خالِ لب ابرو پہ مجھے آئے ہے رشک ‏ ‏ ‏ لے کے مٹھیاتے جو وہ گوشۂ تنہائی کو

۱۔ ن۔ ب خوش معاش۔ ‏ ‏ ‏ ۲۔ ن۔ ب یہ اشعار اس سے یادگار

مضطرب درگا پرشاد تخلص "مضطرب" دیوان راجہ بھوانی پرشاد، علم شعر کا مصحفی سے کسب۔ منہ

بہت بے اختیاری کر چکے ہم — نہایت آہ و زاری کر چکے ہم
کہا میں کچھ تو کیجے میری خاطر — کہا خاطر تمھاری کر چکے ہم
ترے وعدے پہ ہے اب دم شماری — میاں اختر شماری کر چکے ہم
اگر یاری یہی ہوتی ہے صاحب — بس اب آگے کو یاری کر چکے ہم
نہ آیا مضطرب وہ رشک گل ہائے — لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

منتظر نیک شاعر (اپنے عہد میں بہتر اور خوش تر) مظاہر نور السلام تخلص "منتظر" ولد شاہ فیض محمد[۱] عرف بدر علی، ابن شاہ محمد خلیل برادر خورد شاہ عاقل، سبز پوش مرد با عقل و ہوش (ولولہ عشق سے سرمست) حسن دوست امرد پرست تھا۔ میاں مصحفی لکھتے ہیں (کہ) کلام اس کا میرے کلام سے پایہ کمی نہیں رکھتا یہ (اس کے) اشعار یادگار

ہر دم ترا خیال جو مد نظر[۲] رہا — ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا
گر یوں ہی منتظر سے خفا ہو گے تم — سن لو گے ایک دن کہ وہ[۳] بیچارہ مر رہا

طرف چمن نہ جا نہ سوے لالہ زار دیکھ — تو آپ باغ حسن ہے اپنی بہار دیکھ
ہے روز حشر دیکھنے کا شوق گر تجھے — اے منتظر تو اپنی شب انتظار دیکھ

آئے ہیں تیری گلی میں اک زمانہ چھوڑ کر — جائیں اے پیارے کہاں ہم یہ ٹھکانا چھوڑ کر
آرزو میں سجدے کی سر دے دیا مار ا منتظر — سر پہ کیا آفت پڑی وہ آستانا چھوڑ کر

---

[۱] ن۔ پ میاں مصحفی اس کا استاد [۲] ن۔ پ علی [۳] ن۔ پ بیٹھ گیا ن۔ پ کچھ کھا کے مر رہا۔

خلق دیکھے ہے رہ عید، تمام آج کی رات — تو بھی اے ماہ جھلک جا لب بام آج کی رات
اک ذرا بے ادبی ہوتی ہے تقصیر معاف — پانتی گر رہے کہئے تو غلام آج کی رات
منتظرؔ ہے یہ شب ہجر کہ یک روز سیاہ — نہ تو شیشہ ہے نہ ساقی ہے نہ جام آج کی رات

چمن تو پھول گل و لالہ زار پر اپنے — کروں میں ناز دل داغدار پر اپنے
ہمارے جی میں یہ تھا زہر کھا کے سو رہئے — نہ لے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یار پر اپنے

پیدا ہوئی کچھ اب کی نئی طرح کی وحشت — نے شہر نہ صحرا نہ چمن بھائے ہے مجکو

میں نے جو کہا گھر مرے چلئے گا کوئی دم — تو ہنس کے کہا دیجیے یہ دم اور کسی کو

گئے چوری سے جو تم غیر کے گھر آخر شب — دل آگہ نے ہمیں دی یہ خبر آخر شب
کل شب وصل جو تھی کیسی مچائی تھی دھوم — بولتا آج نہیں مرغ سحر آخر شب

چاہت کی بات مجھ سے نہ دم دے کے پوچھئے — اپنے ہی جی کی آپ قسم دے کے پوچھئے

لب پر میرے اس لب کی تقریر ہے اور میں ہوں
آنکھوں کے تلے اس کی تصویر ہے اور میں ہوں
ہے منتظرؔ تنہا کس بات میں کم ان سے — کہتا ہے غلط ذوقیؔ اک میر ہے اور میں ہوں

لہ شاہ ذوقی ایک درویش منش شاعر منتظر کے ہم عصر تھے انھوں نے ایک غزل میں اس قسم کی تعلّی کی ہوگی (شمیم)

کیا جو آج مجھے تم نے پیار تھوڑا سا　　نکل گیا مرے جی کا غبار[۱] تھوڑا سا

یوں لے گئے دل زلف سیاہ فام لگا کر　　جوں صید کو کھینچے ہے کوئی دام لگا کر

کیوں گردش دوراں کا گلہ کیجئے ہر روز　　پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک آبلہ ہر روز

جہاں سے ہم دل پہ اضطراب لے کے چلے　　عدم کو ساتھ یہ اپنے عذاب لے کے چلے
یہ سرنوشت میں تھا جائے راہ میں مارا　　وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لے کے چلے
ہوا جو منتظر اس کا وہ اس کی تربت پر　　گل اور شمع برائے ثواب[۲] لے کے چلے

کبھی[۳] گر اپنی صورت بعد سال و ماہ دکھلائی　　تو پھر برسوں ہی مشتاقوں کو اپنی راہ دکھلائی

کیسے ہو نہ یہ حال دل مضطر سمجھے　　زلف سے تیری خدا اور بت کافر سمجھے
مجھ سے کہتا ہے وہ اک روز سمجھ لوں گا میں　　حالت نزع میں میں ہوں ابھی آکر سمجھے

کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لیے　　لے چلے تب جاں بکف ہم نذر جاناں کیلئے
ہم اسیروں کی رہائی کیا ہو جب ہر عید کو　　قفل تو تیار ہو دریا ہے زنداں کیلئے

غصہ سے اس جبیں پہ پڑی جب شکن[۴] گئی　　دریائے قہر اس سے ہوئے موج زن گئی
کیوں سیر لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے　　جو تازہ ہو گئے مرے زخم کہن گئی

---

۱ ن۔پ بخار　۲ ن۔پ عذاب　۳ ن۔پ تونے　۴ ن۔پ پڑ سے جب شکن گئی

آنکھیں کبھی لڑائیں کبھی دیکھ کر تنا میلے میں اس نے مجھ سے کئے بانکپن کئی

ہم سپاہی لوگ ہیں بگڑے یہ کس کے آشنا ماریں ہم تلوار سے جو ہم کو مارے ہاتھ سے

گرم صاحب غیرت و شرم، طبیعت اس کی ملایم زبان نرم، مرزا حیدر علی تخلص "گرم"[1]۔ کلام میں اس کے شوخی شاگرد میاں مصحفی یہ اس سے یادگار

نالوں کی گرمیوں نے بھونے دل و جگر ہیں لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں

یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ اے ہم نشیں میں بھی حیراں ہوں وہ کدھر ہیں

خورشید و ماہ کو یں پھرتے ہی دیکھتا ہوں یہ کس کی جستجو میں آوارہ سر بسر ہیں

سینہ[2] کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونیں اس نخل عاشقی کے وہ[3] گل ہیں یہ[4] ثمر ہیں

کس شعلہ رو کے غم میں روتا ہے اسقدر تو جو گرم اشک تیرے سوزندۂ شرر ہیں

آگے آنکھوں کے اندھیرا سا ہر شام کرے ہے دیکھئے ہوتی ہے کس طرح سحر آج کی رات

گردیا در کو اجابت کے خدایا کیا بند نہیں کرتی جو دعا میری اثر آج کی رات

تڑپے ہے تیرے کوچہ میں یکجاں بلبل میاں ٹک جھانکیو تو رخنۂ دیوار کی طرف

تصویر کا عالم ہے ترے روئے حسیں پر تجھ سا تو پری چہرہ نہیں روئے زمیں پر

---

[1] ن۔ پ: سخن میں اس کے گرمی کلام میں شوخی شاگرد رشید میاں مصحفی یہ اشعار اس سے یادگار [2] ن۔ پ: سینوں۔

[3] ن۔ پ: یہ [4] ن۔ پ: وہ

ہم جن کی محبت میں لہو پیتے ہیں اپنا
وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار ہمیں پر
نالہ نے مرے گرم شب آتش جو لگائی
اک شور فرشتوں کا پڑا عرش بریں پر

سیل گریہ سے نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے
اس قدر روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے
تجھ کو دریا میں جدائے شوخ نہاتے دیکھا
شرم کے مارے وہیں شمس و قمر ڈوب گئے
گرم کیا خاک چلیں سیر کو ہم دریا کی
تیرے رونے سے تو سب راہ گذر ڈوب گئے

بلبل کے سر سے جاتی ہے کوئی ہوائے گل
ہوتے ہیں وہ قفس میں بھی پھر پھر فدائے گل
گل خوردہ دست سے مرے نفرت رہی جسے
بدھی کے ان نے کیونکہ گلے سے لگائے گل
لوہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا
تربت پہ کس شہید کی تو نے چڑھائے گل
گل دستہ لا دیا جو کل اس کو رقیب نے
ہم نے بھی گرم رشک سے ہاتھوں پہ کھائے گل

تنہا | شاعر بے مثل و یکتا، محمد عیسیٰ تخلص "تنہا"۔ وطن اس کے بزرگوں کا دہلی شاگرد مصحفی[1]۔ مرزا آغائی نوازش سلمہ فرماتے تھے کہ تنہا اور ناسخ میں الفت حد سے زیادہ تھی وہ اکثر مصحفی[2] کے شعروں پہ اعتراض کرتے تھے اور یہ کچھ نہ کہتا تھا۔ اور میاں صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ناسخ کو مشورہ تنہا سے تھا۔ نقل جب محمد عیسیٰ تنہا مرض موت میں مبتلا ہوا زوجہ نے تنہا کی کہا کہ تم میں اور ناسخ میں نہایت محبت ہے اگر اپنی تنگدستی اس سے کہلا بھیجو کچھ ننگ و عار نہیں تنہا نے اس جفت باوفا سے کہا کہ تمام عمر وہ اپنا ہاتھ

[1] ن۔ پ شاگرد نامی میاں مصحفی کلام اعلیٰ کارا سخ بقول میاں صاحب کے استاد شیخ امام بخش ناسخ مرزا آغائی صاحب سلمہ سے یہ نقل مجھے یاد

[2] ن۔ پ کو بد کہتا تھا وہ برا نہ مانتا تھا۔

دیکھا کیے ہیں اب اس کا دست نگر ہونا غیرت سے بعید ہے اس دور اندیش نے شوہر سے خفیہ شیخ سے اُن کی عسرت ظاہر کی وہ پیغام بر جب حاضر ہوا ناسخ نے فرط اندوہ سے زانو پر سر جھکالیا بعد یک لحظہ کے صندوقچہ طلب کیا اور دو سو روپے اپنے آدمی کے ہاتھ اسی پیغام بر کے ساتھ یہ کہہ کر بھیج دیئے کہ ایسے خادم سے اکراہ اور ننگ و عار نہ چاہیئے۔ آخر اس مرض سے تنہا نے انتقال کیا۔ شیخ[1] ناسخ نے تاریخ اس کے انتقال کی یہ کہی ؎

مونسِ جانِ حزیں دشتِ بلاخیز آہ — اٹھ گیا سوئے عدم چھوڑ کے ہم کو تنہا
کلکِ ناسخ نے لکھا مصرعِ تاریخِ وفات — آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا

من کلامہ[2]

غیر سے شکوہ میرا بس دیکھی دانائی تری — میں ہوا رسوا تو کیا ہوگی نہ رسوائی تری
اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی — روبرو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

میں وہ اسیر سیرِ چمن ہوں شکستہ بال — روتے ہیں جس کو مرغ گرفتار دیکھ کر
دل ہے وہ جنس بد جسے بازارِ دہر میں — منہ پھیر لیوے اپنا خریدار دیکھ کر
گلشن تلک پہنچنے نہ پائے کہ مر گئے — چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھ کر

بلبل کے توڑتا ہے دیوانے بال و پر کیوں — ان کاوشوں سے تجھکو صیاد کیا ملے گا
گو قافلہ سے یارو تنہا رہا ہے پیچھے — دن تو ابھی بہت ہے کیا ڈر ہے جا ملے گا

---

[1] تاریخ اس کے مرنے کی جو ناسخ نے کہی ہے وہ یہ ہے [illegible]۔ [2] یہ چند اشعار اس کے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ذکر اس کا باقی رہے۔

سینہ پہ ایک پرزہ اب جیب کا نہیں ہے — دیکھا تھا ہاتھ میں نے بے آستیں کسی کا

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں — آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں
تم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے — آب خنجر کا یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں
خاک میں دل کو ملاکے ہو قیمت کیا دوں — چیز اگر لیتے ہیں تو پہلے چکا لیتے ہیں

عجب طرح کی بہار ان دنوں کسی پر ہے — نہ حور پر وہ لطافت ہے نے پری پر ہے
کہا جو میں نے مرے[1] پاس[2] تم نہیں آتے — تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے

چمن میں آکے جا ہی یہ کس نے لی ہائے نسیم — شگفتگی سی جو ہر گل کی یاں کلی پر ہے

آئے تو چلے آگے[3] اک آن نہ ٹھہرے — میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھہرے
مجلس[4] سے اٹھا ہی دیا تو نے جو ہم کو — شاید تری نظروں میں ہم انسان نہ ٹھہرے

کرتا ہے ستم ہم پہ تو آسان سمجھ کر — ہم کچھ نہیں کہتے تجھے نادان سمجھ کر
معمورۂ دنیا میں یہ کثرت ہے کہ اللہ — آئے تھے اسے ہم تو بیابان سمجھ کر
کیوں ترک کیا اسکی ملاقات کو تنہا — کرتا ہے جو کچھ بات تو انسان سمجھ کر

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر — رہ گئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر

---

[1] ن۔ پ کہ ہم   [2] ن۔ پ اب   [3] ن۔ پ آن کے
[4] ن۔ پ مجلس سے دیا تو نے اٹھا ہی جو ہم کو

پروانہ | اپنے وقت کا یگانہ، راجہ جسونت سنگھ، عرف کاکا جی
تخلص "پروانہ"۔ پسر راجہ بینی بہادر۔ ابتدا میں سرب سکھ دیوانہ
سے اصلاح پذیر۔ بعد ازاں تتبع مرزا و میر چندے بقا اور میر حسن کے
طرز پر سخن راں رہا سب کے بعد میاں مصحفی[1] کا تابع فرمان ہوا۔
مرزا خانی نوازش سلمہ صاحب یہ نقل فرماتے ہیں[2]۔ کہ مرزا جعفر صاحب
کی صحبت مشاعرہ میں کاکا جی "پروانہ" کا نہایت فروغ تھا ایک
دن انھوں نے اس[3] غزل کو پڑھا۔

اس طفل سبق خواں کے نت کینہ ہے سینہ — کھینچا ہے یہ علم اس کو مگر سینہ بہ سینہ
ظاہر ہے مرے زخم نو و داغ کہن سے — پوشیدہ رہے کب غم دیرینہ بہ سینہ
تاروں سے فلک کے ہو حساب اس کا ہی سب — داغوں کا مرے گر کرے تخمینہ بہ سینہ

شعر آخر کو سن کر شیخ ناسخ نے مرزا مغل سبقت سے کہا کہ مرزا احسن صاحب
سے پوچھو (میری طرف سے) کہ تخمینہ (بسینہ) درست ہے؟ مرزا مغل
نے استفسار کیا۔ مرزا احسن نے کہا درست ہے یہ سن کے۔ ناسخ نے
کہا[4] آپ درست فرماتے ہیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ کیا[5] تم جانتے
ہو کہ کاکا جی بے علم ہیں، ناسخ نے کہا بس پوچھنے سے یہ مطلب تھا
تاریخ کاکا جی کے انتقال کی ناسخ[6] نے یہ کہی ہے۔

از مردن پروانہ جان سوختہ — شمع طرب اہل سخن ہائے بمرد
تاریخ چنیں رقم نمودم ناسخ — پروانہ بمرد و شمع ہم وائے بمرد

---

[1] ن۔ پ کے زیر فرمان ہوئے [2] ن۔ پ لکھے۔
[3] ن۔ پ یہ غزل پڑھی [4] ن۔ پ ان سے کہنے لگے۔
[5] ن۔ پ تم نہیں جانتے کہ کاکا جی بے علم ہیں [6] ن۔ پ شیخ

اور یہ دو چار شعر پروانہ کے لکھے جاتے ہیں

اک برگ پان کے نہیں شرمندہ ہم کبھو ۔ گالی سو البوں نے ترے ہم کو کیا دیا

رہتا ہے نام نیک ہی قائم جہان میں ۔ انگشتری رہی نہ سلیمان رہ گیا

کیا کیجئے ہمدم کہ اسے دیکھ کے ہم تو ۔ ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

ایک دن دیکھا نہ تو عاشق کی غمخواری کرے ۔ بے وفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے

کب نزاکت گل کی سرگوشی کی رخصت دے اسے ۔ جھونک جب بالی کی کانوں پہ گرانباری کرے

دیکھتے ہی اس کو چہرے پر بحالی آگئی ۔ زعفرانی رنگ جو تھا اس میں لالی آگئی

جیتے جی دیکھتے تھے مرگ کے بھی دم دیکھا ۔ عمر بھر یار کو دیکھا پہ بہت کم دیکھا

گل کرتے ہی کھلا دل ان خال عنبریں کے ۔ یہ تل[۲] بسے ہوئے ہیں گلہائے یاسمیں کے

اوباش | صاحب تلاش شیخ امیر الزماں تخلص "اوباش" شاگرد (میاں)
مصحفی - یہ[۳] اس سے یادگار

یار میرا او مہ جبیں نہ ہوا ۔ میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا

---

[۱] ن - پ چند شعر اس ذخیرۂ عصر کے لکھے جاتے ہیں کہ ناظرین کو اس سے حظ حاصل ہو۔ [۲] ن - پ گل

[۳] ن - پ یہ شعر اس کا۔

دین و دنیا سے ہم پھرے لیکن　　اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا

خون دل کاوش سے اس کی بہہ گیا　　ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہ ہمیں سے آنکھ چرا گئے

تسلی | شاعر ہندی و فارسی، لالہ ٹیکا رام تخلص "تسلی" پسر گوپال رائے بخشی۔ فارسی میں شاگرد فاخر مکیں اور ہندی میں شاگرد مصحفی[1]۔ یہ اشعار اس سے یادگار

جو چاہے سلطنت اسے ظل ہما ملے　　مجکو یہی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آ ملے

کب میں نے کہا پیارے تم مجھ سے جدا بیٹھو　　پہلو سے مرے تکیہ پہلو کا لگا بیٹھو

دکھلاتا ہے مہر حسن کا اپنے جلوہ　　اگر تم کبھی آئو لب بام کیا ہو
ترے لب سے غنچہ کرے ہمسری کیا　　ترے رخ سے گل نازک اندام کیا ہو
تسلی عجب بے وفا کو دیا دل　　اس آغاز کا دیکھیں انجام کیا ہو

نہ سنی تو نے ایک بات کبھی　　ہم کو اس بات کا گلہ ہی رہا
تم خفا ہی رہے تسلی سے　　اور وہ آپ پر[2] فدا ہی رہا

---

[2] نسخہ پ تم پہ نت فدا ہی رہا

خون ٹپکتا ہے تری تیغ نگہ سے ظالم پہ کسی مظلوم کو شاید کہ وہ مار آئے ہیں

کیا منہ جو کوئی آئے ترے تیر کے منہ پر | ہم ہی تھے کہ منہ رکھ دیا شمشیر کے منہ پر[1]
جب سے تری تصویر لکھی کلک قضا نے | پہ وہ حسن نہ دیکھا کبھی تصویر کے منہ پر
جانے دے تسلی تو نہ کر فکر سخن کی | پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے منہ پر

خلیق | شاعر نامور سخنور، لئیق، سید برگزیدہ، میر مستحسن تخلص "خلیق"، خلف میر حسن صاحب مغفور والد ماجد ان کے اول اُن کو میر تقی میر کی خدمت میں لے گئے تھے میر (صاحب) نے کہا اپنی ہی اولاد کی تربیت نہیں ہوتی غیر کی اصلاح کا کسے دماغ ہے جب یہ سنا تو اُن کو میاں مصحفی کو تفویض کیا چندے غزل کی اصلاح میاں صاحب سے لی پھر ریختہ کو بالائے طاق رکھ کر مصروف مرثیہ گوئی ہوئے اور خوب نام پیدا کیا۔ خدا ہمیں بھی وہی توفیق عطا کرے اگرچہ مرثیہ گوئی سہل اور غزل گوئی دشوار ہے لیکن حاصل دین و دنیا (اس میں) ہے اب سہل و دشوار کو کیا تمیز کیا چاہیے۔ ایک دن وہ مشاعرہ ائمہ ہدا شیخ ناسخ کی ملاقات[2] کو گیا۔ اور حسب استدعا ایک بند[3] کہ اس کا مصرع آخر یہ تھا پڑھا۔

حق لیلۃ القدر پڑھی اور اسے دودھ پلایا شیخ نے کہا آپ نے کلام اللہ کی آیت کو غلط باندھا ہے۔ میر (صاحب) نے کہا کہ بضرورت شاعری کہ وہ نہ آسکا شیخ نے کہا (کیا دشوار ہے) کہ یوں کہئے

---

[1] ن۔ پ یہ ہم تھے [2] ن۔ پ صحبت میں

[3] ن، پ ایک بند مرثیہ کا پڑھا کہ اس میں گرہ یہ تھی

بڑھ بڑھ کے لیلات اسے دودھ پلایا

قصہ مختصر یہ اشعار کہ اس سے یادگار (ہیں لکھے جاتے ہیں)

جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم — جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم
سر جھکا لیتا ہے لالہ شرم سے — جب جگر کے داغ دکھلاتے ہیں ہم

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا — تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
میں نے آنکھوں پہ رکھ لیا اسکو — پھول جو دست باغباں سے گرا

مسکراتا وہ گل تو جو چمن سے نکلے — منہ ہے کیا بات جو غنچہ کے دہن سے نکلے
میں وہ سرگشتۂ صحرائے محبت ہوں خلیق — سالہا سال ہوئے جس کو وطن سے نکلے

بازیچہ طفلاں ہے جہاں کچھ عجب کر — کیا کیا نہ بگڑ جائے گا کیا کیا نہ بنے گا
نیند اڑ گئی سن کر اسے کیا جانتا تھا میں — میرے لیے دشمن مرا افسانہ بنے گا

مخلوق | شور اس کی طبیعت کا بیوتی (شاعر شیریں بیان) سید احسان علی تخلص "مخلوق" پسر میر حسن مرحوم ریختی گوئی اور کہانی کے کہنے میں مشہور اور معروف اصلاح اُس کی[1] برادر موصوف[2] پر موقوف[3]۔ ولہ

اس کے آنے تلک سنبھل جاوے — پھر بلا سے جو دم نکل جاوے
شمع اس سے کرے جو دعویٔ حسن — یارب اُس کی زبان جل جاوے

---

[1] ن۔ پ سخن کی

[2] ن۔ پ بزرگ [3] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار

ہمیں وہ نہ اب جوان دنوں تمھیں غیر سے سروکار ہے
نہ وہ بات ہے نہ وہ آنکھ ہے نہ وہ دوستی نہ وہ پیار ہے

یاد ہیں جو نہ مطلق ترے کوچہ میں گذر ہم[۱] پھر تو ہی بتا یہ کہ بھلا جائیں کدھر ہم
دو تین شعر اس کے ریختی کے بھی لکھے جاتے ہیں۔

(ریختی)

اب ذرا دیکھیو ہوسے گا بڑا شر پیدا تو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مزاج گل سے بھی نازک تر او دوگانہ ہوا جو پھول انگیا میں رکھا تو دردشانہ ہوا

مردوں کو ترس زنڈیوں پر کیوں نہیں ہوتا میں مرگئی کمبخت کٹر کیوں نہیں ہوتا
ٹھوکے گا کہاں تک اے گھڑیال نہ نہاکر بجتے ہیں ار ٹے تین پہر کیوں نہیں ہوتا

کہہ زناخی مجھے ملال ہوا پ کیا ترے دشمنوں کا حال ہوا

انیس[۳] سید خوش صفات، جماعت تعزیت کا رئیس، میر ببر علی تخلص "انیس" اولاد اکبر میر مستحسن خلیق ابن میر حسن۔ شاعری میراث ارث، سخن گوئی میں سر برآوردہ، یمن سے اسے رگ خارا (کذا)

---

[۱] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار۔ [۲] ن۔ پ ابھی
[۳] ن۔ پ نیر بشیہ بلاوری، طبع نفیس، میر ببر علی تخلص "انیس" خلف الصدق میر مستحسن خلیق، شاگرد اپنے والد ماجد مذکور کے یہ صاحب بھی بسیار اوصاف حمیدہ رکھتے ہیں۔ (بقیہ نوٹ (صفحہ ۳۶۵) پر

دلگیر و افسردہ باعث جوش ماتم سید الشہدا۔ اہل مجلس اس کے احسان کے گدا، ذات اس کی اسباب گریہ و زاری، بلکہ وسیلہ رستگاری، عالم شباب میں چندے مشق غزل گوئی رہی اور اصلاح اس کی اپنے پدر بزرگوار سے لی مگر اب زبان تائب اور دل مرثیہ گوئی پر راغب، یہ دو تین شعر معرفت میر علی اوسط صاحب کے ہاتھ آئے ہیں۔

یہی باعث ہے اس بے رحم کے آنسو نکلنے کا — دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

رہا تن میں نہ خوں باقی گیا موسم جوانی کا — شباب آخر ہوا و گل چراغ زندگانی کا

جو میں رگڑا سر ترے پاؤں پر مرا دفعتاً گیا درد سر

یہ خواص صندل سُرخ ہے میری جان رنگ حنا نہیں

(سلسلہ نوٹ ۳۰۴ صفحہ ۱) عہد شباب میں جبکہ وہ فیض آباد میں تھے اوائل میں چند غزلیں بھی کہی تھیں۔ جب سے لکھنؤ میں تشریف لائے شوق مرثیہ گوئی کا ہوا وہ سب غزلیں یک قلم دھو ڈالیں سبحانہٗ مغنیاً الحق مرثیہ ایسا کہا اور پڑھا کہ چرچا دور دور ہوا اور مرثیہ ان کا عام فہم اور عام پسند ہوا الغرض مرثیہ پڑھنے و بتلانے میں ید طولیٰ حاصل کیا اب ان کے شاگردوں میں نفسانیت بہت ہے کہ قابل بیان نہیں ہے۔ ایک روز کا بیان ہے حکایت مولف تذکرہ ہذا ماہ صیام میں ایک روز واسطے نماز جماعت کے مسجد میاں تحسین علی خاں میں گیا اتفاقاً نماز اور وعظ تو ہو گئی تھی الا قریب پانسو مومنین کہ مسجد مذکورہ میں جمع تھے دیکھتا کیا ہوں کہ میر انیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب کے شاگردوں میں بحث ہو رہی ہے نوبت گالی گلوج اور جوتے پیزار کی پہونچی۔ میں نے ایک صاحب سے کہا کہ یہ قصہ کیا ہے ان صاحب نے ہنس کے یہ شعر پڑھا۔

قصہ عمر کا ہے نہ جناب امیر کا — بس جھگڑا رہ گیا ہے انیس و دبیر کا

آخرش خدا خدا کر کے وہ قصہ اس وقت رفع دفع ہوا اور علاوہ اس کے اُن کے یعنی میر صاحب

کے خاندان کا یہ طرز جدید ہے کہ شاگردان کا منبر پر جاکے بغیر تعلیم پائے ہوئے مرثیہ نہیں پڑھ سکتا ہے بلکہ شاگردان کا سال دو سال تعلیم پاتا ہے تب مرثیہ پڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور دوسرے اُن کے خاندان کا دستور یہ ہے کہ خود ان کا شاگرد منبر پر جاکے قبل شروع مرثیہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا بلکہ سورہ حمد ان کے خاندان سے متروک ہے چونکہ غزل میر صاحب کی شہر لکھنؤ میں صفت عنقا نایاب ہے بہت تلاش سے ایک غزل دستیاب ہوئی واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھی جاتی ہے۔ کلام میر انیس صاحب

شہید عشق ہوے قیس نامور کی طرح | جہاں میں عیب بھی ہم نے کئے ہنر کی طرح
کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق سحر کی طرح | ڈھلا ہی جاتا ہوں فرقت میں دوپہر کی طرح
سیاہ بختوں کو یوں باغ سے نکال اے چرخ | کہ چار پھول تو دامن میں ہوں سپر کی طرح
تمام خلق ہے خواہان آبرو یارب | چھپا مجھے صدف قبر میں گہر کی طرح
تجھی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں | مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح
انیس یوں ہوا حال جوانی و پیری | بڑھے تھے نخل کی صورت گرے ثمر کی طرح

خموش اے بلبل شوریدہ آہیں کیا ہے بس میرا | یہ اپنی اپنی قسمت ہے چمن تیرا قفس میرا

بنے یوں تین در دریا کے اندر | کہ ششدر ہو گئی سد سکندر

(نوٹ) یہ دونوں بیان مختلف ہیں معلوم ہوتا ہے پہلے ایک لکھا گیا ہے اور بعد کو دوسرا۔

(شمیم)

انس[1] | میر مہر علی تخلص "انس" خلف اور شاگرد میر خلیق طبیعت اُن کی مضمون یاب غزل چیدہ مرثیہ ان کا انتخاب یہ شعر یادگار۔

بہار آئی ضعیفی کی گیا موسم جوانی کا — چراغ اب جھلملاتا ہے ہماری زندگانی کا

مونس | زینت انجمن رونق مجلس میر نواب[2] تخلص "مونس" خلف د میر مستحسن خلیق (قابل ولئیق) مرثیہ گو (اور) غزل سرا، ذات (پاک) اس کی حاصل دین و دنیا شاگرد والد بزرگوار۔ یہ اس سے یادگار

یاد پھر ہم کو تری زلفِ پریشاں آئی — پھر ستانے کو ہمارے شبِ ہجراں آئی

شب مہ میں ترے مکھڑے کا تصور جو بندھا — رات بھر[3] نیند نہ مجکو کسی عنواں آئی

باغ میں دیکھ کے تکمہ ترے پیراہن کا — ہر کلی گل کی نظر سر بگریباں آئی

بات کی اس نے اس انداز سے ہکلا ہکلا — خواہش بوسہ میں ہونٹوں پہ مری جان آئی

دل کی ہو خیر الٰہی کہ نسیم سحری — پ کوچہ زلف سے با حال پریشاں آئی

آخر کار غم ہجر میں میں مر جاتا — موت کیوں کرنے کو بے فائدہ احساں آئی

چشم عاشق سے چھپالیتی ہے اسکو تری زلف — یہ کہاں سے ترے مکھڑے کی نگہباں آئی

جاں کنی میں بھی نہ آیا جو عیادت کو وہ شوخ — موت سر پر مرے انگشت بدنداں آئی

حق نے اوروں کو عناصر سے بنایا مونس — اپنے حصہ میں فقط آتش سوزاں آئی

شرف | شیریں مقال لالہ میٹھ دلال تخلص "شرف" منشی (حضرت) نواب بہادر میر نواب۔ مونس کا ہم طرف یہ اس سے یادگار۔

بہار آئی چمن میں ہاتھ پھر دوڑا گریباں پر — یہ چراغ دل نے دیکھو لو لگائی داغ پنہاں پر

نہیں خال سیہ اُس شوخ کے چاہِ زنخداں پر — سمجھ کر خضر نے کچھ مہر کی ہے آب حیواں پر

نہیں کچھ سلسلہ یاں تو ہی گیسو تک پہنچنے کا — بہت بھاری ہیں یہ دائیں ترے مجبور قیداں پر

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن۔ پ صدر محفل [3] ن۔ پ پھر

مزا یاد آگیا ہے بوسۂ لبہائے نازک کا
نمک قاتل نے چھڑکا آج زخم تیغ ہجراں پر

جلتے ہیں لوگ ہے مرے دل کی خبر کسے
یارب دکھاؤں شعلۂ داغ جگر کسے

ہے حال بے بقا یہ جہاں میں نظر کسے
غنچے یہ مٹھیوں میں دکھاتے ہیں زر کسے

اس سرو قد نے بوسۂ سیب ذقن دیا
یوں نخل آرزو کا ملا ہے ثمر کسے

شگفتہ | گوہر مضامین در (؟) سفتہ مرزا سیف علی خاں بہادر تخلص "شگفتہ" خلف نواب شجاع الدولہ بہادر (تخلص) جامع کمالات، علم موسیقی اور تیر اندازی اور مصوری میں بے نظیر (اور) شاعری اور سخنوری (اس کی) دلپذیر کئی شخص شعرا سے مثل کاظم علی جوان اور نور الاسلام منتظر اور شاہ ملول الہام اُن کے نوکر اور میاں مصحفی اصلاح کی۔ دو بیتی اشعار یہ مقرر۔ دیوان ضخیم اس مغفور سے یادگار اور عنوان ہر غزل کا اس کے وزن اور تقطیع طیار کوئی محاورہ مردانہ اور زنانہ اس سے بچ نہیں رہا۔

دنبالہ ہے سرمہ کا اور چشم غزالی ہے
اس برۂ آہو نے کیا شاخ نکالی ہے

دل کے دینے میں اضطراب کیا
پر دینے کے کام کو شتاب کیا

چشم میگوں دکھائی غیر دل کو
دل مرا نرگسی کباب کیا

بسان نقش قدم جو کہ خاکسار ہوا
اسی سے دل میں تمھارے بھی اک غبار ہوا

بگولا گور سے اٹھا جو خاکساروں کی
وہی بلند ہوا اک گنبد مزار ہوا

نہ رو دیا عاشق بیکس کی گور پر کوئی
مگر سحاب کرم گستر اشکبار ہوا

گالی گلوچ مار کٹائی نہ ہو سو کیوں جب اس کا ہاتھ اور نہ میری زبان رُکے

ایک ہے عالم اسباب میں مُردہ زندہ جب تو آتا ہے نظر خواب میں مُردہ زندہ[۵۵]

بارہا آندھی اٹھی ابر برستا گزرا اپ سر پہ انسان کے جو پوچھو تو نہ کیا کیا گزرا

بسکہ کھایا ہے زخم سر گہرا خوں کا دریا ہے تا کمر گہرا

عبرتؔ | صاحب مسند ریاست، نواب علی حسن خاں تخلص "عبرتؔ"۔ خلف الصدق نواب محمد علی خاں بہادر ابن نواب شجاع الدولہ (بہادر) شعر گوئی کا شوق (اور صحبت) مشاعرہ کا ذوق رکھتے ہیں ہر مہینے کی پانچویں کو (ان کے دولت خانہ میں) مشاعرہ مقرر اور راقم دعا گو مردم اہل فضل و ہنر ان کے مکان پر ہوتا ہے چہرہ ان کے سخن کا غازہ اصلاح سے مستغنی احتیاطاً شاگرد (میاں) مصحفیؔ (کے) تھے اب تو خود استاد ہیں تحسین کلام

شرم شیریں ہے تری شرم و حیا سے پیدا حسن لیلیٰ ہے ترے رخ کی ضیا سے پیدا
سرو قد شوخ نے دھری جو ملی پاؤں میں گل لالہ ہوا ہر نخل حنا سے پیدا
رشک شیریں ہے سر اشیریں دہن و فرہاد تھوک دے یہ وہ جہاں ہوویں تبا سے پیدا
کیا لکھوں حال شب ماہ میں تم سے عبرتؔ شوق وصل اور ہوا اس کی حیا سے پیدا

یاد زنداں میں سراہر اشک گوہر بن گیا جوہری باز ادیکھو دیدۂ تر بن گیا
آتش فرقت نے دل میرا جلایا اسقدر مجمر سینہ میں دل میرا تو اخگر بن گیا

---

[۵۵] ن۔ ب ۔ زندہ مردہ [۵۶] ن۔ ب یہ چند شعر کہ تازہ تصنیف کئے ان کے ہیں۔ لکھے جاتے ہیں
ن۔ ب ۔ آ ے

حضرت عبرت شب فرقت غضب بیتاب ہو — آدمی ہو برق ہو شعلہ ہو یا سیماب ہو
چشم میگوں کا جو نشہ ہوئے آنکھوں میں تو پھر — پانی سے پتلی مرے آگے شراب ناب ہو

رشک خلیل وہ گل خنداں نظر پڑا — آتش کدہ میں دل کے گلستاں نظر پڑا
آنکھوں نے جو لگائی یہ برسات کی جھڑی — ساون بھی میرے حال پہ گریاں نظر پڑا
داغوں بھرا جو دل لیے گلشن میں ہم گئے — سرو چمن بھی سرو چراغاں نظر پڑا

میری طرح سے اس کو بھی گر میری چاہ ہو — دنیا میں کیا ہی دھوم پڑے واہ واہ ہو
کہتا ہے عشق دیکھ کے دل کا غم و الم — ایسا ہو بادشاہ اور ایسی سپاہ ہو
کیا کیا تڑپ تڑپ کے کٹی ہے شب فراق — رنج و الم کہو تو مرے تم گواہ ہو
اس کو بھی تیرے سامنے پاؤں تلے ملوں — دل میرا روز حشر اگر داد خواہ ہو
تعلیم زلف و رخ سے جو ہوں سنبل و سمن — پ وہ اس سے ہو سفید یہ اس سے سیاہ ہو

اس قدر تیرا تصور ہے مرے پیش نظر — در و دیوار سے پیدا تری تصویر ہے آج
بحر خوبی تری زلفوں کا تصور آیا — موج دریا کی مرے پاؤں میں زنجیر ہے آج
صدقے اس منہ کے وہ جس منہ سے ہے کہتا عبرت — کیوں مری جان تو کس واسطے دلگیر ہے آج

بانکی چتون سے میاں آنکھ پھرانا کیسا — پتلیوں کا یہ تماشا ہے دکھانا کیسا
لیس تو نے جو کماں دار کیا تیر مژہ — بن گیا تودہ دل میرا نشانا کیسا
ایک چشمک میں پری رو کی ہوا دیوانہ — عبرت خستہ مرے تھا تو سیانا کیسا

جب آئینہ دل ہو غباروں سے مکدر پ پھر چاند سا مکھڑا ہمیں کھلاتے ہو ناحق
پوشیدہ جو تجھ حال تھا ظاہر ہوا شب کو چھوٹی مری قسمیں اجی تم کھاتے ہو ناحق

کامل | مرد[1] عاقل تخلص "کامل" مصحفی کے شاگرد[2] مشہور مگر احاطہ تذکرہ میں نام ان کا نامحصور ۔ من کلامہ

تجھ سے وحشی صنم کو رام کیا — جذبۂ دل نے کیا ہی کام کیا
مژدہ اے چشم انتظار نصیب — جلوہ حسن اس نے عام کیا
دل دیا تجھ سے بے مروت کو — ہم نے یہ کیا خیال خام کیا
اس نے منہ کو چھپا کے زلفوں میں — روز روشن ہمارا شام کیا
تو نے کھا کھا کے ساتھ غیروں کے — آب و دانہ میرا حرام کیا
کوچ کرتے ہی آپ کے ہم نے — منزل گور میں مقام کیا
کیا ہی کامل کے کشور دل میں — اے شہ حسن انتظام کیا

اس گھڑی حاصل ہمیں لطف شب مہتاب ہو — ماہرو ہو اور حسین آباد کا تالاب ہو
بندگی کیونکر نہ ہو قاتل کے کشتوں کی قبول — بہر سجدہ خنجر ابرو کی جب محراب ہو
ہم سے جانبازوں کے خوں میں اسکو بھجوائے اگر — تیغ میں قاتل کے پیدا جوہر نایاب ہو
زلف کا کس غیرت یوسف کی رہتا ہی خیال — دیکھتے ہر شب جو کامل تم پریشاں خواب ہو

عاشق زار ہوا اک گل کے رخ زگس کا — زردی رنگ سے ظاہر ہے چھپانا کیسا
خوف سے تجھ کو کبھی اے بت بے دین نجدا — دیکھتے ہم نہیں ہیں آنکھ لڑانا کیسا
شمع محفل کو اگر غم نہیں پروانہ کا — شام سے تا بہ سحر اشک بہانا کیسا

---

[1] ن ۔ پ مرد خردمند متخلص عاقل [2] ن ۔ پ ۔ شاگرد میاں مصحفی

فرد مولوی وحید الدین عرف خدا بخش خاں تخلص "فرد" پسر محسن ساکن دربھنگہ صوبہ بہار باوجود مولویت کے گانے بجانے کا دم خوب لگاتا اور بعض لیں پڑھ پڑھ کے ہم دموں کو رجھاتا ہے۔ مصحفی کی شاگردی پہ فخر و ناز مگر میاں صاحب کے تذکرے سے نام اس کا قلم انداز۔ یہ چند شعر کہ اخگر اس کی چلم کے ہیں لکھے جاتے ہیں کہ رند مشربوں کو اس سے حظ اٹھے۔

وصف ہو سکتا نہیں ہے اسکے حسن پاک کا بند حیرت سے ہے دم آئینہ ادراک کا
بند ہونا دم کا طوطی و بلبل کے واسطے ہے آئینہ کا دم بند ہونا اس کا ایجاد
جنت الماویٰ ہے منہ تو چشمہ کوثر ہیں لب نام رکھا ہم نے طوبیٰ یار کی مسواک کا
گریہ بسیار کی میرے نہ پوچھو انتہا ایک سوتا ہے سمندر دیدۂ نمناک کا
شق ہوا بلبل کا سینہ گل نے پھاڑا پیرہن باغ میں پہنچا جو نالہ مجھ گریباں چاک کا
ملک ہست و نیست کا میں کیا بتاؤں فاصلہ جست ہے عمر رواں کی توسن چالاک کا
(جست مونث ہے اس نے مذکر باندھا ہے)
چار سو دوڑاتی پھرتی ہے ہوا اے دل تجھے پتلا کیا میرا بنا جو راہ کی ہے خاک کا
ورثۂ علم پدر کے فرد طالب مرد ہیں ناخلف کو متنعم ہاتھ آتا ہے املاک کا

ہو گیا زرد جب ابرو ترا اے غم دیکھا زر خالص پہ مگر ماہ محرم دیکھا
بھر نہ رکھتا ہے حباب لب دریا دم بھر وقفۂ عمر تو اس سے بھی بہت کم دیکھا
رند اوباش تو عالم میں ہزاروں ہیں پڑے فرد دفتر میں ترا نام مقدم دیکھا

کھولا نقاب زلف کو اس نے جو بام پر کالی گھٹا سی چھا گئی ماہ تمام پر
کعبہ ہمارے واسطے کوچہ ہے یار کا موقوف کیا طواف ہے بیت الحرام پر

ممنون | جویائے مضمون قاضی محمد علی تخلص "ممنون" (مقیم کانپور) شاگرد مولوی فرد۔ یہ[1] اشعار اس سے یادگار۔

چند روز اے دل اب اس کے گھر نہ جانا چاہیے | صبر و طاقت کو بھی اپنی آزمانا چاہیے
اے فلک تجھ کو نہیں آتا ستم گاری کا ڈھنگ | چال ڈھال اس آفت جاں کی اڑانا چاہیے
نزد رنجی کا کیا شکوہ تو فرمانے لگے | کیا ہمیں ہر اک در سے اب دل لگانا چاہیے
دل تلاش یار شیریں لب سے باز آتا نہیں | سر گزشت کوہ کن اس کو سنانا چاہیے

خادم | طبع اس کی سالم، شیخ فاضل علی تخلص "خادم"۔ شاگرد مولوی فرد۔ (مقیم کانپور) من کلامہ

ہمارے زخم سینہ کو اگر چاہو کہ تم ٹانکو | تو لاؤ سوزن مژگاں میں تار زلف پیچاں کو
تمھارا ایک دن دامن ہمارے ہاتھ آئیگا | گریبان تامل میں ذرا سر ڈال کر جھانکو

اندوہ | مرد باشکوہ، سید علی حسین خاں تخلص "اندوہ" پسر نواب شمس الدین خاں بہادر شاگرد (میاں) مصحفی من کلامہ

مسیح کی نہیں جرأت کہ وہ دوا دیوے | خدا ہی اب ترے بیمار کو شفا دیوے

مت چلو لے کے سوئے باغ مجھے | دیکھنے دو جگر کے داغ مجھے
حیف اندوہ درد ہجراں سے | نہ ملا ایک دم فراغ مجھے
بیمار مجھے جس کے عیادت کو سب آئے | پر آپ نہ کیوں آئے نہ وقت طلب آئے

الٰہی | جماعت اور سر تراشی سے اسے آگاہی، صلاحیت شعار الٰہی بخش تخلص "الٰہی" شاگرد مصحفی یہ[2] اشعار اس سے یادگار

۱؎ ن۔ پ من کلامہ۔ ۲؎ ن۔ پ من کلامہ

خواب میں کبھی نہ آئے جو عاشق دلفگار کے ۔ بجز رخ ستم شعار نے ایسے پہ مبتلا کیا

نظر آیا تھا کوہ طور پر جلوہ جو موسیٰ کو ۔ رخ شیریں کے پردہ میں ہی فرہاد نے دیکھا
تیرے انداز پر گر کوئی صورت کھنچ گئی اس سے ۔ تو حیرت کی نگاہوں سے اسے بہزاد نے دیکھا
صبا کانٹے ہی لا کر تو ہماری خاک پر رکھ دے ۔ پ گلوں سے کب کسی بیکس کی تربت چھائی جاتی ہے

جس مصور نے لکھے عاشق و معشوق بہم ۔ بے کمر اس کو بنایا مجھے بے سر کھینچا
تھہر رخسار پہ گر اس کے نہ تھی زلف دراز ۔ اس قدر طول شب ہجر نے کیونکر کھینچا

جاتا تھا کسی شمع کا پروانہ بنے گا پ ۔ ہم دل کو یہ سمجھے تھے کہ دیوانہ بنے گا

امیرؔ امیر کبیر، امین الدولہ مرزا امیڈ و تخلص "امیر" خلف نواب شجاع الدولہ بہادر، شاگرد میاں مصحفی من کلامہ

نازک مزاج دیکھو ہنگام سیر گلشن ۔ رکھتا ہے ہاتھ منہ پر تا گل کی بو نہ آئے

منظور یہ نہیں ہے کہ تم چشم تر کو دیکھو ۔ آغشتہ خون دل میں داغ جگر کو دیکھو
کرتا ہے ایک پل میں یہ سیر لامکاں کی ۔ میری نگہ کے مرغ بے بال و پر کو دیکھو
یارو امیر سے تم زار و نزار اوپر پ ۔ جانا یہ اس کا سج کر تیغ و تبر کو دیکھو

شکیبؔ کلام سے اس کے مجلس کی زینت و زیب، امیر نامور، نواب اصغر علی خاں بہادر تخلص "شکیب" خلف نواب عنایت علی خاں ابن (نواب) شجاع الدولہ بہادر شاگرد میاں مصحفی۔ یہ اس سے یادگار

ل ل۔پ دماغ

قیس کب دور سے دیکھ اسکو پکارا نہ کیا ساربان نے طرف نجد گذارا نہ کیا
اپنے بیمار سے کہتا ہے وہ عیار سدا کیوں مسیحا نے ترے درد کا چارا نہ کیا
قد پہ کر تیری نظر سرو کو بھولی قمری پ دیکھ بلبل نے تجھے گل کا نظارا نہ کیا

گل ہنستے ہنستے منہ کو جو اس نے بھرا دیا رجعت کا آفتاب کے عالم دکھا دیا

یاران رفتہ کا مجھے ملتا نہیں پتا گو جستجو میں جان کو میں[1] نے کھپا دیا

رو چکا جان کو میری دل نالاں میرا ہو چکا آہ مسیحا سے بھی درماں میرا
نہیں ممکن کہ خبر دل کی نہ دل کو ہووے پ آشکارا ہے میاں ہر غم پنہاں میرا
جب سے میں دیکھا ہے اس شوخ کی مژگاں کو شکیب ہے سدا پنجۂ وحشت میں گریباں میرا

تاب اس کی لائے گا دل کسقدر زنجیر کا پ توڑ جاتا ہے تو ہے پیکاں تمہارے تیر کا
کیوں ملاتا ہے مجھے تو خاک میں چرخ کہن پ میں ورق ہوں عاشقان رفتہ کی تصویر کا

ادیب | شخصیت شاعری کا ننگ و عار، گو رنجش تخلص "ادیب" تو دم کہار۔ شاگرد میاں مصحفی ۔ منہ

قاصد تو جاکے کہیو[2] یہ میرے حبیب سے جاتا رہا ہے صبر دل ناشکیب سے
دل تھا جو اس کے پاس سو نذر کر چکا نثار اب کیوں خفا ہو ہو میاں تم ادیب سے

بریاںؔ | معجز بیان (مرزا) مظفر علی خاں تخلص "بریاں" خلف الرشید نواب احمد علی خاں ابن مرزا علی خان بہادر بیٹے محمد تقی خاں بہادر فیض آبادی

---

[1] ن ۔ پ ابہی [2] ن ۔ پ یہ جاکے کہیو تو ۔ ن ۔ پ نیاز

کو اپنے شعر کو دکھاتے تھے آخر آخر میاں مصحفی[1] سے تلمذ حاصل کیا۔ من کلامہ

زلف دلبر نے یہ کیا کس کی پریشاں مجھ کو ‌ ‌ ‌ نہ تو سنبل ہی خوش آتا ہے نہ ریحاں مجھ کو
دیکھئے اس کے سے کیا ہوتی ہے عزت بریاں پ ‌ ‌ ‌ جیب دکھاتا ہے جنوں گور غریباں مجھ کو

زخم جگر سے چاک گریباں خجل ہوا ‌ ‌ ‌ صحرانوردیوں سے بیاباں خجل ہوا
نکلا نہ اس کی بزم میں حسرت سے ایک اشک پ ‌ ‌ ‌ رکھ چشم پر میں گوشۂ داماں خجل ہوا
کی آبلوں سے میری بہت پہلے کاوشیں پ ‌ ‌ ‌ آخر ہر ایک خار مغیلاں خجل ہوا

دل خون ہو کر کھینچ گیا یک لخت مژگاں کی طرف ‌ ‌ ‌ لے جاؤں کیا[2] میں آستیں اب چشم گریاں کی طرف
شاید کہ کوئی دل سوختہ غم میں کسی کے مر گیا ‌ ‌ ‌ اک شور سا تھا رات بھر گور غریباں کی طرف
میرے قدم کے فیض سے گلرنگ ہیں صحرا اپنے پ ‌ ‌ ‌ حسرت سے کیا دیکھے ہے تو خار مغیلاں کی طرف
بریاں نہ صبر باقی رہا کچھ ضبط کی طاقت مجھ ‌ ‌ ‌ آخر گیا دست جنوں چاک گریباں کی طرف

آتے ہیں طرف شہر کے اس زلف کی بو پر ‌ ‌ ‌ مت چھوڑ کے آہوئے ختن دامن صحرا

کشتۂ چشم کا جس جا پہ ترے مدفن ہے ‌ ‌ ‌ واں سے نرگس بھی جو اگتی ہے تو حیراں تک

ہر گام پہ بچکے ہے گرانباری مو سے ‌ ‌ ‌ اللہ ری نزاکت نہیں دیکھی کمر ایسی
دیکھی ہے کسی ست کی بہکی ہوئی رفتار ‌ ‌ ‌ جو مضطرب الحال ہے با دصبا ایسی
معلوم نہیں باغ میں کس گل کا ہے ماتم ‌ ‌ ‌ بلبل کبھی آگے تو نہ تھی نوحہ گر ایسی

---

[1] ن۔ ب میاں مصحفی کو ‌ ‌ ‌ [2] ن۔ ب اب کیا آستین میں

جھلک اپنے حسن کی پردے سے مجھے رات جو وہ دکھا گئے
مرے داغ سینہ مٹا گئے مرے بخت خفتہ جگا گئے
گئے رہروان عدم کہاں کہ نشان نقش قدم نہیں
خبر اُن نے بھیجی نہ کچھ کبھی ہمیں دل سے کیا وہ بھلا گئے

عیاش۔ ذکر اس کی قابل شاباش میر محمد یعقوب تخلص "عیاش"۔ ولد میر محمد انور، مولد اس کا لکھنؤ اول میر (تقی) کا شاگرد (بعد میر سوز کا) پھر قمر الدین منت کا۔ آخر میں میاں مصحفی کا پیرو ہوا۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

صورت وہ اپنی دُور سے ہم کو دکھا گیا ۔۔۔ نزدیک مرگ پہنچے تھے لیکن جلا گیا
اللہ رے تیرہ بختی کہ مرنے کے بعد یار ۔۔۔ سوسن کے پھول قبر پہ میری چڑھا گیا
قدرت خدا کی دیکھو مرے دل کے زخم پر ۔۔۔ بھر کے تھا جو نمک وہی مرہم لگا گیا

سایہ کرے گر ماہ کسی پردہ نشیں پر ۔۔۔ وہ نخل کہاں ہے ترے کوچہ کی زمیں پر
گھوڑے پہ چڑھا وہ تو ہر اک کو نظر آیا ۔۔۔ بتخانہ چین کا سا سماں خانہ زین پر
سجدہ کروں ہر بُت کو میں اے کاتب قدرت ۔۔۔ لکھا ہے مگر تو نے یہی میری جبیں پر
وہ سوختہ دل ہوں کہ مری آہ کی بجلی ۔۔۔ گرتی ہے سدا کنگرۂ عرش بریں پر

جدائی میں جیوں کب تک میں عیاش ۔۔۔ بھلی ہے موت ایسی زندگی سے

ایک پرواز بھی گلشن میں نہ کرنے پائے ۔۔۔ کیا ترے ہاتھ سے اے بے پر و بالی کیجے
عشق دیکھو کہ ٹپکتا ہے لہو بلبل کا ۔۔۔ گر قلم باغ میں گل کی کوئی ڈالی کیجے

لہ ن۔ پ اپنی

فانی | اوحد[1] خورانی شیخ مغل تخلص "فانی" میاں مصحفی نے دریردہ اسے اپنا شاگرد لکھا ہے مرقوم کیوں سکھا بچپن میں نے تجھ سے کہا تھا کہ کڑھی پکانا تواب تک باتیں بگھارتی رہی ایسا نہ ہو پھلوری سی تیری ناک کاٹ ڈالوں"۔ یہ شعر اس سے یادگار

سحر زلفوں میں ہے اور معجزہ گفتار میں ہے — فتنہ آنکھوں میں ہے محشر تری رفتار میں ہے
سچ[52] ہے یہ ہوتا ہے اقرار میں لطف عجب — پر مزا کیا کہوں جیسا ترے انکار میں ہے
فانی مے پینے کو آیا نہیں شاید یار د — شور کم آج بہت خانۂ خمار میں ہے

فریاد | مرزا مغل تخلص "فریاد"۔ ولد مرزا علی نقی پہلے مرثیہ گو تھا اور (فریاد) میاں افسردہ سے اصلاح لیتا تھا میاں مصحفی کے کہنے سے غزل گوئی پر آمادہ ہوا۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

کیا احتیاج ہم کو شمع مزار کی ہے — داغ جگر ہے اپنا روشن بدن کے اندر
کس کے بدن کی نکہت لائی صبا چمن میں — پھولے نہیں سماتے گل پیرہن کے اندر

دودِ جگری سے شب دیجور نہ ہو جائے — پھر آہ کہیں اپنی بدستور نہ ہو جائے
آئینہ دکھاؤ نہ اسے آئینہ سازو — وہ طفل حسین حسن پہ مغرور نہ ہو جائے
پھبکے ہے سدا سنگ ستم چرخ ستم گر — فریاد کہیں شیشہ دل چور نہ ہو جائے

نہ جیتے جی تو غم عشق سے فراغ ملا — گر ایک داغ ہوا بہ تو اور داغ ملا

---

[1] ایک قسم کی نثر معلوم ہوتی ہے۔ فانی کے یہاں مجلس مناظرہ منعقد ہوا کرتی تھی تفصیل کے لیے دیکھیں "ریاض الفصحا" صفحہ ۲۵۰ (شمیم)

[52] ن۔ پ سچ یہ ہے ہوتا ہے اقرار میں اک لطف عجب

مزے سے بوسۂ لب کے یہ مست تھو شبِ وصل لگا یا منہ سے نہ ہم نے اگر ایاغ ملا
وہاں بھی مشتعل اک شعلۂ جدائی تھا لحد میں بھی نہ ہمیں رنج سے فراغ ملا
جو شمع بزمِ حریفاں ہوا زمانہ میں اسی کو سب نے جلایا اسی کو داغ ملا
کہیں گے حالِ دلِ غم زدہ ہم اے فریاد کبھی جو اس ستم ایجاد کا دماغ ملا

ظہور | صاحب عقل و شعور، منشی ظہور محمد تخلص "ظہور"۔ خلف منشی اسمٰعیل عرف منشی نہال (ساکن بلگرام پہلے سلام و مرثیہ کہہ کر ثواب حاصل کرتا تھا بعدہ غزل گوئی اختیار کی) شاگرد مصحفی۔ یہ اس کی قبیل ذکا ل۔[1]

شب دیکھ کے احوال میری نوحہ گری کا دم آرہا منقار میں مرغ سحری کا
ملتا ہے جواب خط عشاق یہ شمشیر کیونکر کرے واں عزم کوئی نامہ بری کا

باغِ جنت میں بہت یہ دل دلگیر لگا ذی جو رضواں نے تری سامنے تصویر لگا

ان دنوں آپ کی ہے گرمیِ بازار بہت جنس کمیاب پہ کرتے ہیں خریدار بہت

ملتے ہی یار کے بس تو نے شفا پائی ظہور جز تپ ہجر تجھے دوسرا آزار نہ تھا

کیوں کراہے ہے دلا کچھ تجھے آزار ہے کیا تو کسی نرگس بیمار کا بیمار ہے کیا
آب و دانہ کی بھی صیاد کو جب ہو نہ خبر سمجھے کیا خواہشِ مرغانِ گرفتار ہے کیا

کشتنی بیٹھے ہیں زانو پہ دھرے سب سر کو دیکھئے کس کو کرے یار کی تلوار پسند

---

[1] ن۔ ب یہ اشعار اس سے یادگار

جو دوستوں سے ملاقات ہم کبھو کرتے پ منافرت کی وہ کاہے کو گفتگو کرتے

نظر آئی جو مجھکو خواب میں شکل اپنے قاتل کی خوشی سے کیا کہوں اس دم جو حالت تھی مرے دل کی
زبانی طاقتِ رفتار جب ناچار ہو آخر نکل کر ہم نہ گھر سے اپنے دروازے پہ منزل کی

حجاب حسن نے شب انکھیاں تک گھرا کہ آئینہ سے کبھی اس کی نہ چشم چار ہوئی

بندہ [انجز شاعر] ہے زبیدہ میر حسید رعلی ولد میر حاتم علی تخلص "بندہ" (سید صحیح النسب از ائمہ سبط نبی (حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ) شاگرد مصحفی۔ من کلامہ

سر ٹیکتا میں رہا شام سے لے شام تلک ہاتھ پہنچا نہ تری زلف سیاہ فام تلک

بدگو نے تو اس شوخ کے واں کان بھرے ہیں یاں شکوۂ دل جی میں مرے ارمان بھرے ہیں

جی سے ہم گزرے جان سے گزرے پر نہ تم اپنی آن سے گزرے
گالیاں ہی ہمیں دیا کرو تو تیری شیریں زبان سے گزرے

مار ڈالا مجھکو ناحق آن کے تم کہاں سے آئے دشمن جان کے
چھپ گئے تم بھیڑ میں تو کیا ہوا ہم نکلے لگ جاؤں گا پہچان کے

ایسی تنہائی ہمیں تونے دکھائی اے فلک ہم اکیلے رہ گئے اور ہمرہاں جاتے رہے

گر اپنے جنوں کی ہم تصویر کو کھنچوائیں ، تو پاؤں کی مجنوں سے زنجیر کو کھنچوائیں
پھر اس سے اگر تیری تقریر کو کھنچوائیں ، گردن پہ دھرے اپنی شمشیر کو کھنچوائیں
بیزار ہیں جینے سے بہتر ہے کہ مر جائیں ، غصہ اسے دلوائیں شمشیر کو کھنچوائیں

پیام | خوش کلام شرف الدین علی خاں تخلص "پیام" شاگرد میاں مصحفی۔ یہ اس سے یادگار۔

ہائے اس دیوانہ دل نے کام ہی ایسا کیا ، آپ تو بدنام تھا اور مجکو بھی رسوا کیا

حسام | مشہور انام شیخ ولایت علی تخلص "حسام"۔ ولد زین العابدین شاگرد میاں مصحفی۔[1] یہ تقریر اس کی۔

تجھ بن جو کبھی مجکو گلستاں نظر آیا ، ہر صحن چمن گوشۂ زنداں نظر آیا
کھولے جو کبھی بند قبا باغ میں اُس نے ، ہر غنچۂ دگل سر بہ گریباں نظر آیا
مت پوچھ حسام جگر افگار کی حالت ، تجھ بن وہ نہایت ہی پریشاں نظر آیا

ہجر میں از بسکہ تن اک بار سر پہ ہے مجھے ، آبِ حیواں آبِ خنجر کے برابر ہے مجھے

راہ جانے کی تیرے کوچہ میں جب اس نے نہ دی ، پھر تو پچھتائے بہت سا استخارہ کر کے ہم

جب سامنے وہ سروِ خراماں نہیں ہوتا ، گلشن بھی کم از گوشۂ زنداں نہیں ہوتا
کیونکر نہ کہے خلق بھلا اس کو پری زاد ، اس ناز و ادا کا کوئی انساں نہیں ہوتا

کب وہ دل میں ہوسِ باغِ جناں رکھتے ہیں ، جو تمنا تری اے غنچہ دہاں رکھتے ہیں

---

[1] ن۔پ من کلامہ

جواب نامہ بھی لکھا تو اس کی یہ عبارت[1] ہے ۔۔۔ نہ کچھ اقرار نکلے ہے نہ کچھ انکار نکلے ہے
عجب رسم خریداری یہ دیکھی ملک خوباں میں ۔۔۔ کہ جب جنس آ چکی قابو میں تب تکرار نکلے ہے

مال اور جاہ و حشم سب رائیگاں ہو جائے گا ۔۔۔ کاروانِ زندگی جس دم رواں ہو جائے گا
گر ہوئی مائل کہانی پر طبیعت یار کی ۔۔۔ دیکھ لینا ایک عالم قصہ خواں ہو جائے گا

حباب: آغاز بہتر، انجام خراب، لطف علی بیگ تخلص "حباب": ولد مرزا کلو بیگ کہ میاں آفریں کی سخت جلداری میں امتیاز رکھتا تھا۔ اس کو ہمیشہ سے شوق شاعری، ہنوز باقی شاگرد میاں مصحفی یہ شعر[2] اس کے قدیمی ہیں اب تو کہنا اس کا اور طرح کا ہے۔

تصویر خیالی ہی سے سوئیں گے چپٹ کر ۔۔۔ ارمان نکالیں گے شب وصل لپٹ کر
پیغام زبانی ملک الموت کا آیا ۔۔۔ بیٹھے مری بالیں سے مسیحا کہیں ہٹ کر
ہے چشم مری خانۂ تحویل جواہر ۔۔۔ آیا ہے سمندر یہ مرے دل میں سمٹ کر

سرنگوں میں ورقِ دل کی جو تحریر میں تھا ۔۔۔ رنگ بھرتا قلم فکر کی تصویر میں تھا

یم پھوٹے ہے طوفان کی مرے دیدۂ تر میں ۔۔۔ بہتا ہوں شب و روز سمندر کی لہر میں
چل جان، بہانہ سحر و شام کا مت کر ۔۔۔ قاصد کو تو دن رات برابر ہیں سفر میں

حباب وار جو مٹنے کی آرزو نہ کرتے ۔۔۔ چمن میں ہم بھی سر سیر آب جو کرتے
ہمارے خانۂ دل میں ہے روشنی اسکی ۔۔۔ کہ جس کی دیر و حرم میں ہیں جستجو کرتے

---

[1] ن۔ پ یہ اس کی عبارت ہے
[2] ن۔ پ سن کلامہ

دبا نیا ہمیں قاتل نے اپنے غصہ میں — بہت جو سب سے بیٹھے ہم تو بڑھ کے گفتگو کرتے

عمر گزری ہے کہ واقف نہیں مئے خواری سے — ہاتھ ساقی نے کبھی کھینچا مری ناداری سے
پاؤں پھیلا لحد تیرہ میں سونا بہتر — دم الٹتا ہے شب تیرہ کی اندھیاری سے
عاشق پردہ نشیں ہے دل دیوانہ مرا آپ — انس رکھتا نہیں یہ شاہد بازاری سے
قفس تنگ میں کہتے ہیں یہ مرغان چمن — کب چھٹیں دیکھئے اس رنج گرفتاری سے

رعنا | رعنائی اسمِ زیبا، شیخ عبد الرحیم تخلص "رعنا"۔ ولد شیخ عبد الکریم (متوطن دہلی وارد لکھنؤ) شاگرد (میاں) مصحفی ۔ سنہ

نورِ مہ اس کے روبرو کم ہے — چشم بد دور کیا ہی عالم ہے

لایا ہوں نقد جان کو سو واں نہیں قبول — نذر گدا بحضرت سلطاں نہیں قبول
اللہ رے تیرے دست حنا بستہ کا غرور — پ جس کو سلام پنجۂ مرجاں نہیں قبول

زبس ہجر غم رات تھا شور و شر پہ — رہی آستیں صبح تک چشم تر پہ
نہ آیا وہ بت اور موئے ہجر میں ہم — پڑیں آہ پتھر ترے اس اثر پہ
صبا گل تو آپ ہی قریب فنا ہے — نہ مار آستیں اس چراغ سحر پہ

کیوں خال سیہ جاناں عارض پہ بناتے ہیں — اس چاند کے مکھڑے کو کیا داغ لگاتے ہیں
نے وصل کی خواہش ہے نے بوسہ کے طالب ہیں — اس دور کے ملنے پر کیوں آنکھ چراتے ہیں

زیبا | طبیعت اس کی رسا اور رعنا، میاں عبد الرحیم تخلص "زیبا"۔ ولد خواجہ

لہ ن ۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار

(محمد) مسیحی شاگرد مصحفی[1]

مردمانِ چشم سے کبھی چشمِ تر خالی ہوئے | اب تو آ ظالم کہیں یہ دونوں گھر خالی ہوئے

پھر آپ نے غیروں سے ملاقات نکالی | ابھی یہ نئی چھیڑ مرے سات نکالی
جس رات نہ آیا تو مرے پاس میری جان | پ کیا جانیے کس طرح سے وہ رات نکالی
دل نذر کیا ہم نے جو اس کو تو کہا بس | دینے کو ہمارے یہی سوغات نکالی
کر قتل مجھے اس نے ڈبو یا تو کسی نے | دریا سے مری لاش نہ ہیہات نکالی
قائل ہوں میں زیبا تیری خوش گوئی کا تو نے | ہر بات میں دیکھا تو نئی بات نکالی

لاشہ میرا افتادہ رہا یار کے در پر | کی اس کو اٹھانے کی نہ تدبیر کسی نے

زلالؔ خوش مقال، میر دوست علی تخلص "زلال"۔ سابق میں دوست تخلص کرتے تھے اور محمد عیسیٰ تنہا کے شاگرد تھے جب میاں مصحفی سے ان کو مشورہ ہوا زلال تخلص کیا اب بہ سبب پیر سالی کے وہ زلال دُرد ہو گیا ہے یہ (اشعار) اس سے یادگار

اک چشم کی گردش میں دو عالم کو کیا مست | کس بادہ سے تھی وہ نگہ ہوش ربا مست
غم کا نہیں غم اور نہ شادی کی ہے شادی | رہتے ہیں سبھی یاد میں مردان خدا مست
وا رفتہ ہوں کس چشم خماری کا کہ مجھ کو | کرتی ہے چمن بیچ گل نرگس کی ادا مست

رکاوٹ کچھ ادا ئی ہو چکی بس | ملو بھی اب جدائی ہو چکی بس
نہ رستم سے پھرا جب اس کا پنجہ | کہا زور آزمائی ہو چکی بس

---

[1] ن ۔ ب ۔ منہ

کوئی زلف کی لٹ میں کوئی گیسو میں چھپا ہے پر اک قافلۂ دل دل ہر مو میں چھپا ہے
چہرہ میرا دیتا ہی جو اس میں ہے دکھائی کیا آئینہ آئینہ زانو میں چھپا ہے

کس صبح کو خورشید لئے خط شعاعی جاروب کش کوچۂ جاناں نہیں ہوتا

ہمارے قتل کو شمشیر جنگ جو نہ اٹھا نگاہِ ناز کفایت ہے بوجھ تو نہ اٹھا

آئینہ خانہ میں جو گذر ہو کبھی زلال ہر عکس اس کو دیکھ کے آغوش کھول دے

اندازۂ خوباں سے نکلتی ہے یہی بات پامال دو عالم دم رفتار کریں گے

ہے طلوع مہر ہر ذرہ میں خاور سے جدا رنگ دکھلاتی ہے یاں ہر فرد جوہر سے جدا

اگر شبیہ کشی آتی مجکو جوں بہزاد پ تو اپنی آنکھیں بناتا ترے قدم کے تلے

حریف | خندہ رو اور ظریف لالہ جنی لال تخلص "حریف" (کتب فارسی سے خیلے آگاہی) شاگرد میاں مصحفی من کلامہٗ

شب کہ سرگرم طپش میرا دل بیتاب تھا اشک جو آنکھوں سے نکلا قطرۂ سیماب تھا

۱؎ ہ۔ پ تار ۲؎ ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار

نہیں ہے مجکو دم نزع آپ کی حاجت ‌‌ پ ‌ غم فراق سے میرا جگر کباب[1] ہوا
حریف زار نے جو آج خون تھوکا ہے ‌ نہ شور خ غیر سے شاید کہ ہم شراب ہوا

تجکو منظور اگر زلف کا سلجھانا تھا ‌ کام یہ مجھ سے پریشان کو فرمانا تھا

منہ سے نقاب دے جو مرا مہ جبیں الٹ ‌ پ ‌ حور و پری کا جاوے دم ایسے ہم نشیں الٹ

آہ سرگرم مدد ہے شرر افشانی میں ‌ کہیں آوے نہ خلل برق کی جولانی میں
کفر دیں کی نہیں یک رنگی کا جویاں قائل ‌ دیکھے زنار کو تسبیح سلیمانی میں

موسم گل میں بھی بلبل اگر آزاد نہ ہو ‌ پھر وہ کس طرح بھلا شاکیِ صیاد نہ ہو

ازل سے جو ہمارا امید دل نخچیر حیرت ہے ‌ ترا زہ دیدۂ پر خوں ہوا اس کے تیر حیرت ہے
مجھ پاس شرم سے راز محبت کو نہیں کہتا ‌ زبان بے زبانی پر دلے تقریر حیرت ہے
تصور اب نہیں تیغ نظر ابروئے قاتل کا ‌ پ ‌ حریف دل شدہ کیوں کشتۂ شمشیر حیرت ہے

سمجھو چرخ پر طوے ہیں یہ ستاروں کے ‌ پ ‌ فشاں ہیں یہ مری آہ کے شراروں کے

ظریف کلام اس کا پاک و لطیف لالہ بینی پرشاد تخلص "ظریف" برادر (خورد) چنی لال شاگرد مصحفی[2] یہ اس کا قیل و قال ہے
کس کی طاقت سد رہ ہو وقت رفتن آپ کا ‌ اے شعلہ ادر رشک برق توسن آپ کا

---

[1] ریاض الفصحا میں آب ‌ [2] ن ۔ پ منہ

سامنے ہر ایک کے بیجا ہے مجھ سے اختلاط کیا کہوں صاحب نہیں جاتا اٹھا پن آپ کا
نہ ہووے کس طرح دونی بہار سبزۂ صحرا پ کہ دھویا اشک مجنوں نے غبار سبزۂ صحرا

کھلے ہیں گل، گھرا ہے ابر نے سے پر گلابی ہو نہ کراے گل حجاب اس دم کہ وقت بے حجابی ہو

اے جنوں نالہ و فریاد کروں یا نہ کروں خانۂ عشق کو آباد کروں یا نہ کروں
حالت وصل کا یک شب جو سماں دیکھا ہے کیوں شب ہجر اسے یاد کروں یا نہ کروں

اس کے حالی زار پر گل ہے خنداں باغ میں لا دے آب اشک بلبل کیوں نہ طوفاں باغ میں
کس طرح تجھ بن شہا جاوے کہ نظروں میں مری ہے رگ گل صورت خار مغیلاں باغ میں

عشاق | شاغل اور مشتاق، شاہ مظہر حق تخلص، عشاق تہ بینوا اور بانوا امرد پرستی سے آشنا شاگرد مصحفی یہ اشعار اس سے یادگار۔

شکوہ کی زباں سے جوں ہی تقریر نکالی ناداں نے مرے قتل پہ شمشیر نکالی
آتا تھا کبھی خواب میں وہ بھی ہوا موقوف اُلٹی یہ مری آہ نے تاثیر نکالی
جب فصل گل آخر ہوئی کیا فائدہ صیاد پھر پائے اسیراں سے جو زنجیر نکالی

از بس عشق سے تڑپا نہ ہیں خنجر کے تلے تر لہو سے مرے تا دامن جلاد نہ ہو
دفتر عشق میں اے بادشاہ کشور حسن فرد باطل ہے وہ جس پر کہ ترا صاد نہ ہو

عارف | شاعر منتہی، تخلص "عارف" میر عارف علی ساکن امروہہ معرفت دیبی پرشاد ظریف کے شاگرد میاں مصحفی کا ہوا۔ منہٗ کلامہ

لہ نو۔ پہ منہ

رہ گیا آئنہ جوں دیدۂ عاشق حیراں ہنس پڑا دیکھ جو وہ غنچہ دہن آئنہ میں

سپند | مرزا خردمند، مرزا لطف علی بیگ تخلص "سپند" ولد دایم بیگ (ابن منعم بیگ) رسالہ دار عہد نواب شجاع الدولہ بہادر شاگرد میاں مصحفی یہ اشعار اس سے یادگار

میں اسیرِ غم کہاں اور کوچۂ قاتل کہاں یہ نہیں معلوم دل جا کر ہوا مائل کہاں[1]

بیٹھ کر مجھ سے اٹھا جاتا نہیں اے ہمرہاں مجھ نحیف و زار سے طے ہو سکے منزل کہاں

کشتی صد پارہ کے تختہ پہ ہوں میں جاں بلب دیکھیے لے جائے یہ دریائے بے ساحل کہاں

جانتے تھے ترے ہاتھوں سے ہیں نالاں کتنے دل دیا ہم نے تجھے ہم بھی ہیں ناداں کتنے

گھر سے[2] جانے کو مرے تیرا نہیں جی کرتا پاؤں پھیلائے ہیں تو نے شب ہجراں کتنے

جاں لبوں پر ہے دم شماری ہے آج کی رات ہم پہ بھاری ہے

نہیں بچنے کا میں کسی عنواں زخم تیغ فراق کاری ہے

حرف شکوہ کا لب پہ لا نہ سپند کام عاشق کا جاں نثاری ہے

سامان | احسنت و آفریں کے شایاں، خواجہ محمد حسین تخلص "سامان" شاگرد (میاں) مصحفی[3] یہ اس سے یادگار

منہ نمک سے بھر دو میرے زخم کے ناسور کا کون لے احسان سر[4] پر مرہم کافور کا

بستر خار مغیلاں فرش مخمل ہے مجھے خاکِ صحرا کو سمجھتا ہوں میں دامن حور کا

---

[1] ن۔ ب گھائل [2] ن۔ ب گھر سے میرے ترا جانے کو جی نہیں کرتا

[3] ن۔ ب من کلامہ [4] ن۔ ب سر پہ لیوے کون

اس قدر ایذا نہ دے اے زرِ رنجوری مجھے — گو کہ تو نزدیک ہے گر اس سے ہے دوری مجھے
چاندنی چھٹکی چھپا خورشید دے ساقی شتاب — پ جام نرگس میں پلا صہبائے انگوری مجھے

صحنِ گلشن میں گھٹا دیکھی ہے کالی کالی — چہچہے مرغِ چمن کرتے ہیں ڈالی ڈالی

تیز رفتار ہے گو ناقۂ لیلیٰ لیکن — چشمِ مجنوں سے تو لازم نہیں پنہاں ہونا
یہ بہت دور ہے ہمت سے تری اے ساکن پ — چھوڑنا مرگ کا اور زیست کا خواہاں ہونا

نگاہ | صاحب دستگاہ، شیخ حیدر علی تخلص "نگاہ" شاگرد (میاں) مصحفی۔
یہ اس سے یادگار

صدمہ جب دل پہ مرے خوب گزر لیتا ہے — تب کہیں آکے وہ بیدرد خبر لیتا ہے
ایسے بیدرد سے کیوں دل کو لگایا تھا نگاہ — ہچکیاں روز جو تو آٹھ پہر لیتا ہے

لیلیٰ نے تو کہیں نہ لگایا ہو اس کو ہاتھ — آتی ہے نخلِ بید سے بوئے حنا مجھے
شاید مزاج یار کا کچھ اس کو پاس ہے — دیتا نہیں جو عیسیٰ مریم شفا مجھے

جاؤں وہاں کسی کا گذارا جہاں نہ ہو — دعویٰ کروں سو وہ جو سزائے دہاں نہ ہو
اعجاز خضر ہے سخن اپنا تو اے نگاہ — آگے مرے کلیم کے منہ میں زباں نہ ہو

نجف | مردِ باشرف، شیخ عبدالکریم تخلص "نجف" شاگرد (میاں) مصحفی۔
یہ اشعار اس سے یادگار

لہ ن۔ پ یہ ذکر اس کی

سنتے ہیں طول روز قیامت پہ ہے یقیں — ہوگا نہ وہ زیادہ شب انتظار سے

اے دوستو تمہیں یہ مبارک ہو سیر باغ — ہم داغ لے چلے چمن روزگار سے

شب کس کی مجکو حسرت آغوش تھی نجف — جو صبح تک یہ ہاتھ ہے چسپاں کنار سے

سدا یہاں تو کسی چیز کو قیام نہیں — جو شب ہے روز نہیں، صبح ہے تو شام نہیں

پری سے واسطہ کیا حور سے کسی کا م نہیں — یہ دل وگہ ہے تری غیر کا مقام نہیں

لبوں کو یار کے جز مے کشی کے کام نہیں — طریق عیسیٰ مریم میں مے حرام نہیں

ہوئے بہت تہ و بالا کیے بہت پامال — بلاد آفت جاں ہے ترا خرام نہیں

جو راست رو ہیں وہ آفت سے ہیں سدا آزاد[1] — عقاب تیر کو زنہار خوف دام نہیں

اس سے کیا اور توقع ہو یہاں آنے کا — ایک وعدہ ہے سو اب تک وہ وفا ہوتا ہے

کفر ہے دخل مشیت میں نجف بندہ پر — جو ہوا خوب جو ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

پاس صاحب تمیز و قیاس، میر الٰہی بخش تخلص "پاس" ولد (میر) رحمت علی شاگرد (میاں) مصحفی منہ

صورت کفن میں ہے یہ ترے خاکسار کی — چھاتی پھٹے ہے دیکھ کے جس کو مزار کی

سامنے کیوں آئینہ حیراں نہ ہو رو دیکھ کر — مارے پڑتے ہیں ہزاروں اس کے گیسو دیکھ کر

ہیں سیکڑوں جہاں میں طرحدار آدمی — بندے ہیں ہم اسی کے جو ہو یار آدمی

نظر شخص موزوں و مرد سخنور، مرزا علی تخلص "نظر" خلف میر محمد زماں، اولاد مالک اشتر بزرگ اس کی خدمت مستوفی گری سے ممتاز[2] شاگرد میاں

---

[1] ن۔ پ راس [2] ن۔ پ سرفراز

یہ شعر اس کے مایۂ ناز

ضعف ہی مانع نہیں ہے کچھ ترے بیمار کا ... سر پہ ہے کوہِ گراں سایہ تری دیوار کا
دل آہی جب جاتا رہا کس کام کا صبر و شکیب ... فوج کو دیتا ہے ذلت بھاگنا سردار کا

آخر کار یہ حیرت نے کیا کام اپنا ... اس نے پوچھا تو ہمیں بھول گیا نام اپنا
قاصد و نامہ پہ موقوف نہیں کام اپنا ... آپ سے جاتے ہیں ہم یار کو پیغام اپنا

عاشقِ جانباز کا ملنا نہایت ہے محال ... دوسرا شیریں نے کس دن کوہکن پیدا کیا

اثر تو دیکھ میرے دل کے داغِ سوزاں کا ... کہ تارِ شمع ہے جو تار ہے گریباں کا

صدمۂ دستِ جنوں سے کوئی ٹل جاؤں گا ... ہوں میں وہ چاک کہ دامن سے نکل جاؤں گا

چشم کو شوقِ تماشا نگراں رکھتا ہے ... عشق دل کو مرے سرگرمِ فغاں رکھتا ہے

شبِ فراق سحر ہو کے مجکو مار چلی ... نہ آیا تو صنم اور جان بیقرار چلی

رات بھر اس کو تڑپنے کے سوا کام نہیں ... کسی کروٹ دلِ بیتاب کو آرام نہیں
رات دن اس کا تصور رہے سر کا اے قاصد ... عالمِ وصل میں گنجائشِ پیغام نہیں

جان دیتے تھے جسے قول و قسم لے لے کر ... جیتے ہیں اس کے سبب اب نام کو ہم لے لے کر

ؔ۱ ت۔ پ سرمایہ

سخت نومید ہوں یارب مددِ طالع سے	کاش بیداری مجھے خواب زلیخا ہو جائے

طپاں | خوش بیان، مرزا رمضان بیگ تخلص "طپاں"۔ ولد مرزا رجب بیگ ساکن قصبہ اسیون۔ بزرگ اس کے عمدہ روزگار۔ شاگرد میاں مصحفی یہ اشعار (اس کے) یادگار۔

مدت سے یاں نقاہت گھر کر گئی ہے تن میں	نہ دن گئے جو طاقت پاتے تھے ہم بدن میں
عاشق کبھی گل کی بلبل دیوانہ یار کا ہیں	کوئے صنم میں مجکو گاڑا اسے چمن میں

دیر کیوں قاصد نے کی ہے بھید کچھ کھلتا نہیں	ہم جواب خط سے گذرے نامہ بر آئے کہیں

اے طپاں عشق تھا اک پردہ نشیں سے مجکو	جان دی میں نے پہ ظاہر نہ مرا راز ہوا

دور یارانِ رفتہ بستے ہیں	ان کی شکلوں کو ہم ترستے ہیں
میری حالت سے کاش ہوں آگاہ	مرے رونے پہ جو کہ ہنستے ہیں
ہے مشبک دل و جگر اپنا	جان نکلے تو لاکھ رستے ہیں
یک طرف وصل اے طپاں ہم تو	اس کی صورت کو بھی ترستے ہیں

ہووے بیتاب مری طرح سے فریاد کرے	ہو وے نہ دن کہ کہیں وہ بھی مجھے یاد کرے

ہم آزما چکے ہیں بہت گرم و سرد عشق	دیکھیے آسے فریب جو ناکردہ کار ہو

ل نسخہ پ آدے۔

جفائیں جھیلیاں پر دم نہ مارا | طپاں قائل ہوں میں تیرے جگر کا

کون اٹھائے گا تری جور جفا میرے بعد | دخل کیا ہے جو کوئی نام وفا میرے بعد

شفیق | صاحب توفیق، بندہ علی تخلص "شفیق" شاگرد (میاں) مصحفی یہ اس سے یادگار۔

اس لاغری پہ رنج دہ دوستاں ہوں میں | ہر چند ہوں سبک پہ دلوں پہ گراں ہوں میں
اے اضطراب دل نہ تصدق چمن کا کر | رہنے دے مجکو باغ میں بے آشیاں ہوں میں
بیخود کیا ہے عشق نے ایسا کہ ان دنوں | معلوم کچھ نہیں مجھے یارو کہاں ہوں میں
رہتا ہے دھیان اس کا ترے روز اے شفیق | جاتا ہوں جس مکاں میں رہتا جہاں ہوں میں

یہی لکھا تھا خدا نے مری تقدیر کے بیچ | دل پھنسے جا کے تری زلف گرہ گیر کے بیچ

وحشی | مقید ناراستہ مزاجی، شیخ کرم علی تخلص "وحشی" خلف فرحت اللہ شاگرد میاں مصحفی، جو یار آشنا اس کا دریہ اس کے وحشی کہہ کے پکارتا باپ اس کا دشنام دے کہ کہتا وحشی ماں کا ظلانا یہاں کون ہے جسے تو پکارتا ہے یہ چند شعر کہ ولولہ اس کی طبیعت کا ہے۔ لکھے جاتے ہیں۔

مرو ے کا کیوں کر ہم پہ سب کو گماں نہ ہووے | پہلو میں اپنے جب وہ آرام جاں نہ ہووے

بہ وہ غفلت پڑا ہووے تو کیا معلوم ہو | جب اٹھے آنکھوں سے تب نور خدا معلوم ہو
چاند بدلی میں جو چھپ جائے تو کیا معلوم ہو | کیونکہ زلفوں سے رخ انور ترا معلوم ہو
قافلے والوں سے کیوں کر جا ملے وہ ناتواں | جس کو کوسوں تک نہ آواز درا معلوم ہو
دل سے وحشی کے اگر ہو جائے حک حرف دوئی | تب اسے کچھ منزل شاہ و گدا معلوم ہو

ہوس | شاعر مسیحی نفس، نواب مرزا محمد تقی خاں متخلص "ہوس" خلف الصدق نواب مرزا علی خاں، زیور فضل و ہنر سے آراستہ و پیراستہ۔ حسب و نسب اس کا محتاج شرح (و) بیان کا نہیں۔ چند شاعر ہمیشہ اس سرکار میں مثل میر حسن و طالب علی خاں عیشی و میاں مصحفی نوکر رہے۔ میاں صاحب تذکرہ دوم میں لکھتے ہیں کہ "در تذکرہ اول لسبب سہو طرفین ذکرش مرفوع القلم ماندہ، لہذا بتلافی آں پردا ختم تا حق نمک تلف نہ شود" یہ معا شرح طلب ہے۔ وہ یہ تھا کہ میاں مصحفی کی تنخواہ بہت سی چڑھ گئی تھی ایک روز اپنی عسرت (ان سے) بطریق شکایت بیان کی نواب صاحب نے کہا[1] مجھ سے چندے مدد نہ ہو سکے گی اُن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ میری زبان نہ رہ سکے گی" نواب صاحب نے حق استادی کو بالائے طاق رکھ[2] کر امیری کو کام فرمایا قصہ کوتاہ مثنوی لیلیٰ مجنوں اور دیوان مع قصائد اس امیر نامدار سے یادگار (ہے)۔

صدمۂ عشق سے مجنوں کا جگر چاک ہوا — کیا عجب پردۂ محمل بھی اگر چاک ہوا
کس کو اے یار شب ہجر تڑپتے گذری — جس کی حالت یہ گریباں سحر چاک ہوا
زخم شمشیر و سناں سے اُسے نسبت کیا ہے — سینۂ عاشق کا بانداز دگر چاک ہوا

شب ہجر میں دم واپسیں دل مضطرب کا یہ حال تھا
کہ جو سانس ہونٹوں تک آئی تھی سو نکلنا اس کا محال تھا
مرے یار پوچھے ہو مجھ سے کیا شب ہجر میں مرے شغل کو
کبھی نکر یہ تھا، کبھی آہ تھی، کبھی وجد تھا کبھی حال تھا

---

[1] ن۔ پ اُن سے فرمایا۔ [2] ن۔ پ رکھا اور۔

دل وہ دیں جس کے غم ہجر میں برباد کیا ہائے بھولے سے کبھی اس نے نہ کبھی یاد کیا
ہم وہ مشتاق قفس ہیں کہ گلستاں سے نسیم جب اڑی رو طرفِ خانۂ صیاد کیا
خاک بھی رہنے نہ دی اس کی گلی میں میری تجھ کو اے بادِ صبا تو نے یہ برباد کیا

گئے جی سے تو فائدہ اتنا ہوا غم ہجر کا رنج و محن نہ رہا
وہ ملے کاوشِ دستِ جنوں یہ رہی کہ بدن پہ بھی تارِ کفن نہ رہا
کوئی مونس بیکسی جب نہ ملا تو غزالِ رمیدہ سے اس نے کہا
ہمیں بے وطنی نے دیا یہ مزا کہ ذرا بھی خیالِ وطن نہ رہا

آج کہتا تھا یہ ہر ایک سے وہ مایۂ ناز چاک کیونکر نہ کروں جامۂ شکیبائی کا
دیکھی تصویر جو مجنوں کی میں کل سلسلہ بند یاد آیا مجھے نقشہ اسی سودائی کا

کیوں عشق سے دعویٰ نہ کروں قیس کے فن کا اب سلسلہ جنباں ہوں میں زنجیرِ جنوں کا
وہ ہو نہ سکے معجزِ عیسیٰ سے کبھی زندہ مارا ہوا ہووے جو ترے لب کے فسوں کا

تدبیر کرو وصل کی جو ہو سکے تم سے کچھ ہم سے تو اے ہم نفساں ہو نہیں سکتا

بنا فرہاد نے شیریں کی جب تصویر کو توڑا تو کیا کیا بے ستوں کی رونق تعمیر کو توڑا
پری زادوں کا رہنا تھا تصور ان جس میں ترے غم نے مرے اس رشتۂ تسخیر کو توڑا

شوقِ خراشِ خار میرے دل میں رہ گیا پائے تلاش پہلی ہی منزل میں رہ گیا

آنکھیں جو اس کی بند نہ تھیں بعد ذبح بھی　　شوقِ نظارا کیا دلِ بسمل میں رہ گیا

ہم سے وارفتہ ہیں الفت میں بہت کم پیدا　　ہاتھ سے کھو نہ، نہیں ہوں گے نہ پھر ہم پیدا

الیٰنام اس کا جو ہے لطفِ بتاں پر موقوف　　پہ زخمِ دل کا مرے ہوتا نہیں مرہم پیدا

شکلِ مجنوں کا کل جو دیکھی ہم نے تصویر کے بیچ　　چند مشتِ استخواں تھے لاکھ زنجیروں کے بیچ

بید کے پتوں کا سایہ یوں تنِ مجنوں پہ ہے　　جیسے کوئی ناتواں گھر جائے شمشیروں کے بیچ

تیز رکھیو سر ہر خار کو اے دشتِ جنوں　　شاید آ نکلے کوئی آبلہ پا میرے بعد

اپنے مرنے کا مجھے غم نہیں پر یہ غم ہے　　کون ہوگا ہدفِ تیرِ بلا میرے بعد

کیا عجب مدفنِ لیلیٰ سے جو نکلے یہ صدا　　میرے مجنوں ترا کیا حال ہوا میرے بعد

باڑھ کی حاجت نہیں تیغِ نگاہِ یار پر　　عکسِ مژگاں خط جھاوٹ کا ہوا اس تلوار پر

نہیں ہوتی ذرا تحت جو سر منہ　　قدِ خمیدہ سے اب حیا کر
بتوں کا بندہ رہے گا کب تک خدا خدا کر خدا خدا کر
کہاں کی نیند آگئی ہے ایسی مسافرانِ رہِ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ چونکے تھکے انھیں ہم جگا جگا کر
سجودِ محرابِ تیغِ قاتل عبادتِ رندِ مشربان ہے
جو ہو سکے تو قضائے عمرِ نا بس ایک سجدے میں تو ادا کر

کہاں سلیماں، کہاں سکندر رہا کہاں ہے جم اور کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر
ہے منہ پہ بیداریوں سے زردی ہوس اگر نیند آ چلی گئی ہے
قصور اس کے میں سو رہو تم بغل کے تکیے سے لگا کر

قفس پر برگ گل رکھنے سے اے صیاد کیا حاصل
گذشتہ صحبتوں کا اب دلانا یاد کیا حاصل

بس کہ ہے خواہش دید رخ دلبر مجکو | زندگی ہجر میں ہے موت سے بدتر مجکو
بے پروبالی کا تو نام نہ عاید ہوتا | مرغ تصویر کے سے بھی نہ ملے پر مجکو کذا
کانٹیں عالم پیری کی دلاتی ہیں یاد | راحت و بے غمی دامن مادر مجکو
مرگیا میں پہ یہ محبت اجو دنیا نہ گئی | اب بھی اب بہر کفن چاہیے چادر زبجر
عالم روح میں بھی جسم مثالی ہے ساتھ | چاہیے قبر میں بھی اطلس بستر خواب کو
ہو جہاں عاشق و معشوق کا یکجا ہو حشر | خلد کی قید نہیں وادی محشر مجکو
باغ عالم میں ہوس وہ گل نازک تھا میں | ہوئی کتر یک صبا لطمۂ صرصر مجکو

آندھیاں آئیں گھٹائیں برسیں اٹھیں گرد باد
فتنے کیا کیا برسر گور غریباں ہو گئے

تمھارا دھیان یاں آٹھوں پہر ہے | کہو یاران رفتہ کیا خبر ہے
فلک نازک مزاجوں کو نہ دے رنج | انھیں صندل لگانا درد سر ہے

عزیزو اُس کو رکھا اے باغباں تو — درختِ خشک کا تیرے ثمر ہے
اسیرانِ قفس میں ڈھونڈ صیاد — پہ کہ تجھ سا بھی کوئی بے بال و پر ہے
دلِ شیریں نہیں سوزش سے خالی — نہاد سنگ میں پنہاں شرر ہے

بعد فنا کہیں گے یہ اہلِ قبور سے — ہم کو جا تھکے ہوئے آئے ہیں دور سے

نازکی ادا پہ سو منتیں بھر لیتا ہے — کبھی انگڑائی جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے

جگر میں کاوشِ مژگانِ یار باقی ہے — مرے اس آبلہ میں نوکِ نشتر باقی ہے
تمام عمر نہ کی آہ وقتِ مرگ بھی میں — کروں گا جر اگر اختیار باقی ہے

ہوئے عازمِ ملکِ عدم جو ہوس تو خوشی یہ ہمدم کی تھی کہ غم سے چھٹے
یہ فراغ الم سے نہ واں بھی ملا دہاں غم یہ رہا کہ وہ ہم سے چھٹے
کبھی دیر میں تھے کسی بت پہ فدا کبھی کرتے تھے کعبہ میں جا کے دعا
ترے گھر میں بیٹھے تو خوب ہوا کہ کشاکش دیر و حرم سے چھٹے

ہماری ہڈیاں کھانا سمجھ کر — ہما تیرے بھی آخر استخواں ہے

اقبال | صاحبِ جاہ و جلال، اقبال الدولہ بہادر تخلص "اقبال"۔ شاگرد مرزا تقی ہوس برادر نواب میر نواب تخلص "حب"۔ من کلامہ

ہر مرتبہ بس رنجش بیجا نہ کرو تم — دل لے کے مرا اپنا پرایا نہ کرو تم

تم کہتے ہو ہر وقت حجاب آتا ہے تم سے — لو بند کیا آنکھوں کو پردا نہ کرو تم

بے وجہ نہیں پاؤں میں مہندی کا لگانا — ڈر لگتا ہے فتنہ کوئی برپا نہ کرو تم

نالے نہ کرو عشق میں آنسو نہ بہاؤ — اے دیدہ و دل رازِ افشا نہ کرو تم

اس طرح قدم گور غریباں پہ نہ رکھو — مردوں کو زمیں میں تہ و بالا نہ کرو تم

دیدار دکھانا ہے اگر آج دکھاؤ — مشتاق ہیں ہم وعدۂ فردا نہ کرو تم

اچھا نہیں کہنے کا بری چالوں سے کوئی — یوں بال کھلے کوٹھے پہ آیا نہ کرو تم

گر پھول چڑھاتے نہیں آکر نہ چڑھاؤ — تیوری مری تربت پہ چڑھایا نہ کرو تم

پالی کی کبھی مچھلی نہیں ہو سکتی ہے زندہ — اس منہ پہ مسیحائی کا دعویٰ نہ کرو تم

اللہ کی قدرت ہے کہ داغوں سے سراپا — ہم سرو چراغاں ہوں تماشا نہ کرو تم

مہتاب تو کچھ کر نہ سکا شب تاب نہیں ہے — یوں تالیوں میں اس کو اڑایا نہ کرو تم

مضمون کمر میں نے جو باندھا تو یہ بولے — باریک بہت ہے اسے باندھا نہ کرو تم

ڈرتا ہوں کہ مجکو کبھی نہ ہو جائے محبت — الفت بہت اے مردمِ دنیا نہ کرو تم

اقبالؔ نہ ہر وقت کرو دھیان بتوں کا — دل خانۂ کعبہ ہے کلیسا نہ کرو تم

انبہ پرشاد | داستان سرائی میں استاد انبہ پرشاد شاگرد مرزا تقی ہوس
یہ شعر اس سے یادگار

کبھی لعل ابر مژگاں سے کبھی گوہر برستے ہیں — یہ بادل اودے اودے جھوم جھوم کر برستے ہیں

غافل | شاعر نا غافل، منور خاں تخلص "غافل"۔ قوم افغان، پسر صلابت خاں خیل، یوسف زئی۔ خوبصورت اور شوخی اس کے تخلص کی تا مرگ ساتھ رہی۔ یا خدا یہ موت کسی کافر کو بھی نصیب نہ ہو۔

لہ ١۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

حکایت۔ ایک عورت مومنہ اس کے عقد میں تھی۔ محرم کی چاند رات کو
اس نے کہا اگر مجھے اجازت دے تو میں اپنی ماں کے یہاں جاؤں اور تعزیہ حضرت
امام حسین (علیہ السلام) کا لوں۔ اس نے کہا یہاں کون تعزیہ داری سے
مانع ہے۔ القصہ کتاہ تعزیہ اس نے رکھا اور رسم تعزیہ میں مصروف ہوئی۔ شب
عاشور اس نافلاں ازلی نے خوب شراب زہر مار کی اس مومنہ کو واسطے گزک
بوس و کنار کے طلب کیا اس نے اجابت کے عوض ناسزا کہا وہ نہایت تندی
سے ایک چوب اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑا وہ بے چاری دامن ضریح[1] میں چھپی عاقل
سے ولے دین نے چوب اس تعزیہ پر بلند کی ناگاہ ایک طمانچہ اس کے رب
نحس پہ پڑا کہ لٹو کی طرح گردن اس کی پھر گئی اور ہیئت اس کی اور ہو گئی
وہ ممسوخ صبح ہوتے ہوتے داخل سجین ہوا ؎

بااٰل علیؑ ہر کہ در افتاد بر افتاد

من[2] کلام...

کیا ہے زین اس ترک شکار افگن نے توسن پر
گریباں کو ہے حکم حلقۂ فتراک گردن پر
ترے جانے سے یہ صدمہ ہوا گلہائے گلشن پر
گلے رکھ رکھ دیے غنچوں نے تیغ برگ سوسن پر
تہ نو تیغہ کیا ہمارے مزرعۂ الفت کے حاصل کی
ب
نہ بچے گر برق سے تو بجنہ حاکم ہو خرمن پر
اٹھا یہ بھی مروت ہم نے کی صحرائے الفت میں
وہ اپنے سر پہ مارا جو اٹھا تھا ہاتھ دشمن پر

---

۱ ن۔ ب تعزیہ ۲ ن۔ ب یہ اشعار اس ناظم کے ہیں۔

یہ کس کے سبزۂ خط نے جلا کر مجھکو مارا ہے
جو سبزہ جل رہا ہے مثل شمع سبز مدفن پر
بہانے میں گزر جاتے ہیں جی سے بسمل الفت
کہ صدمہ ہاتھ کا بھی (دپ) تیغ سے ہے لوٹن کبوتر پر (کذا)

دل کو بوسہ کی طلب گیسوے دلدار میں ہے ، ہے یہ وہ دزد کہ مجرم شب تار میں ہے
کیا زیاں ہے ترے گلشن کا بتا اے گلچیں آشیاں اپنا تو اک رخنۂ دیوار میں ہے

صدمہ ہجر مری جان اٹھانے کی نہیں تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
گو ہوئے عاشق و معشوق مقابل تو کیا آنکھ تصویر سے تصویر ملانے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی پیراہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

مجھ میں اور یار میں ہے اتنا فرق بے دہن وہ ہے بے زباں میں ہوں
مثل تصویر لیلےٰ و مجنوں پر یار بھی ساتھ ہے جہاں میں ہوں
جو بلا ہے مجھی پہ آتی ہے تیر بیداد کا نشاں میں ہوں

یہ کون سا پردانہ ہوا جا کے لگن میں حیرت سے جو ہے شمع کی انگشت دہن میں
کہتے ہیں اسے چاہ زنخداں غلطی سے بوسہ کا نشاں ہے یہ ترے سیب ذقن میں

ساربان حی کی طرف کھینچے ہے مجنوں سوے نجد پر ناقہ حیراں ہے کہ لے جاؤں کدھر محمل کو

قتل عاشق سے کبھی ابرو میں تیرے آ گئی — کیا نہ تھی یہ تیغ خونریزی جو یوں بل کھا گئی
انتظار یار میں تن سے نہ نکلی جان اور — موت بیٹھے بیٹھے بالیں پر مرے اکتا گئی

فرقتِ قاتل نے از بس کر دیا لاغر مجھے — ڈھونڈتے ہیں زیر خنجر دیدۂ جوہر مجھے
گلشن دنیا میں ہوں میں طائر آفت نصیب — حلقہ ہائے دام ہیں نقش و نگار پر مجھے
اے فرشتو دفتر عصیاں ابھی رکھو تھمے — کھولنے دو پہلے اپنے خون کا محضر مجھے

کیوں نہ بھٹکے زلف میں یہ دل فروغ حسن دیکھ — دیتی ہے دھوکا مسافر کو سحر کی چاندنی

خط کا مضموں مرے وہ طفل سمجھا کب ہے، — پ معنی لفظ میں پوشیدہ مرا مطلب ہے،

جو ٹیکا صندل کا ہے جبیں پہ تو پاس ابرو کے خال بھی ہے
سپہر خوبی پہ ماہ بھی ہے سہیل بھی ہے ہلال بھی ہے

نگاہ عیار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے — کسی[لہ] کا بس نہیں چلتا ہے جب تقدیر پھرتی ہے
تری تلوار کا منہ ہم سے پھر جائے تو پھر جانے — ہماری آنکھ قاتل کب یہ شمشیر پھرتی ہے
کبھی تو کھینچ لائے گی اسے گور غریباں پر — کہ مدت سے ہماری خاک دامنگیر پھرتی ہے
مرقع ہے مری آنکھوں میں کیا یاران رفتہ کا — جو نظروں کے تلے ہر ایک کی تصویر پھرتی ہے

تیرے ناقہ کا پتہ کچھ نہ لگا اے لیلے — ل چھان ڈالے ترے مجنوں نے بیاباں کتنے

لہ ن۔ پہ کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب تدبیر پھرتی ہے۔

مرتے دم اے بیوفا دیکھا تجھے | ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا تجھے
اے پری رو کیوں نہ ہوں دیوانہ میں | بال کھولے بارہا دیکھا تجھے

شمیم | میاں مصحفی کا شاگرد قدیم، شیخ محمد صابر تخلص "شمیم" ۔ یہ اس سے یادگار۔

دیکھنا اس کا علاج دیدۂ نمناک ہے | وصل اس کا مرہم زخم دل صد چاک ہے
اس رخ پر نور کی جب دن سے دیکھی ہے صفا | آئنہ اس دن سے ملتا اپنے منہ پر خاک ہے
حور و غلماں سے ہیں بہتر ساقی و مینۂ عنب | نخل طوبی سے سوا ہم کو نہال تاک ہے
مجکو اس نخچیر کی تقدیر پر آتا ہے رشک | اس قدر انداز کا جو بستۂ فتراک ہے

کرے وہ حوصلہ ہمیں تنوں سے دل لگانے کا | جسے مقدور ہو دے ہجر کے صدمے اٹھانے کا

پریشاں موئے سنبل ہے گریباں چاک ہے گل کا
چلو اے ہم صفیرو باغ میں ماتم ہے بلبل کا

مخمور | ساقی در کلام "مخمور" تخلص، محمد جعفر نام، عطار حقۂ سخنوری شاگرد میاں مصحفی ۔ من کلامہ

استخواں میرے جسم لاغر کا | کاش دستہ ہو اس کے خنجر کا
نامہ تھا جس میں جان مضطر کا | بازو ٹوٹا وہی کبوتر کا
آہ کرتی نہیں اثر شاید | بن گیا آسمان پتھر کا
اب اڑ جائے گا میرا خط شوق | کون احسان لے کبوتر کا
ٹھوکریں کھا رہا ہے کاسۂ سر | یہ بھی لکھا مرے مقدر کا

ہے مریدوں کو عشق کے کافی　　سلسلہ گیسوے معنبر کا
دیکھ مخمور وہ رسیلی آنکھ　　یاد آیا چھلکنا ساغر کا

عشق لیلیٰ بعد مردن بھی نہ جز زائل ہوا　　جو بگولہ خاک مجنوں سے اٹھا محمل ہوا

دل میں خیال خوباں دیکھا نہ تھا سو دیکھا　　ویرانے میں گلستاں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
حلقہ میں زلف کے ہو اس کا مصحف رخ　　ہندو کے پاس قرآں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
قطرے عرق کے اس کے رخ سے جو آج ٹپکے　　آب چہ زنخداں دیکھا نہ تھا سو دیکھا
مخمور کی ہیں آنکھیں لبریز بادہ اشک　　بحر شراب جوشاں دیکھا نہ تھا سو دیکھا

ہے عکس عارض یار اور شراب شیشہ میں　　دکھائی دیتے ہیں دو آفتاب شیشہ میں
نہیں شراب یہ گلگوں سوار ہے کوئی　　یہ موج بادہ نہیں ہے رکاب شیشہ میں
گنوں میں شیشہ ساعت میں عمر کی گھڑیاں　　کہ زندگی کا مری ہے حساب شیشہ میں
ہوا ہے پیر پہ حسرت شراب کی نہ گئی　　شراب جام میں ہے اور خضاب شیشہ میں
دل پر آبلہ میں ہے خیال زلفوں کا　　عجب طرح کے ہیں موج حباب شیشہ میں

نگوں طالع وہ چشم خونبار میں ہوں　　میرے بخت سوتے ہیں بیدار میں ہوں
وہاں جنس حسن اور یہاں نقد دل ہے　　فروشندہ وہ ہے خریدار میں ہوں
نہ اس کا نشاں ہے نہ ہے جسم و صورت　　وہ کیا شے ہے جس کا طلبگار میں ہوں
محبت ہے اس کی مرا آب و دانہ　　وہ صیاد ہے تو گرفتار میں ہوں
وہ دریاے رحمت ہے دریاے رحمت　　گنہگار میں ہوں گنہگار میں ہوں

کیا کہوں رنج اسیری مجھے کیا ہوتا ہے جب کہ قیدی کوئی زنداں سے رہا ہوتا ہے
دل سے جاتا نہیں مہ عشق ترے ابرو کا پر سچ ہے ناخن سے کہیں گوشت جدا ہوتا ہے
مہ نوکب ترے ابرو سے مقابل ہووے ناخن پا بھی کہیں عقدہ کشا ہوتا ہے

موت اے کاش قفس میں مجھے آئی ہوتی کہ رہا ہونے سے پہلے ہی رہائی ہوتی
آستیں میں جو عیاں تیری کلائی ہوتی شمع فانوس سے باہر نکل آئی ہوتی
بوسہ رخ پہ بکدر تھا وہ سرمایۂ حسن سچ میں آئنہ آتا تو صفائی ہوتی
پار دریائے محبت سے تو ہو جاتا میں تیغ کے گھاٹ مری ناؤ لگائی ہوتی
کشتۂ افعی گیسو تھا مرے قتل کو یار سانپ کے زہر میں تلوار بجھائی ہوتی

اس نے مقتل میں لیے بوسے تری تلوار کے ہم گریباگیر ہوں گے زخم دامن دار کے
ہاتھ ان بانکوں نے تبلا کر مجھے تلوار کے کر لیا قبضہ میں دل کو ابروے خمدار کے
ساقیا لے بادۂ گلگوں کا ساغر ہاتھ میں جھوم جھوم آتے ہیں بادل ابر دریا بار کے
ان کو اس درجہ ہمارے قتل سے حیرت ہوئی چشم قربانی بنے جوہر تری تلوار کے

عشق اپنا اسے جتا رہا ہوں بگڑے نقشے بنا رہا ہوں
یاروں سے میں گو جدا رہا ہوں پر پردہ سے تو آشنا رہا ہوں
بسمل جو کیا ہے شوق گل نے گلشن میں تڑپ کے جا رہا ہوں

نزار | سادہ گوئی اس کا شعار، خواجہ محمد اکرم تخلص نزار، شاگرد مصحفی ہے[1] اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ من کلامہ

آتا ہے تو آجا مری بالیں پہ وگرنہ — کوئی دم کو سنے گا کہ یہ رنجور نہیں ہے
کیا پرسش احوال جگر سوختہ عشق — اس مملکت عشق میں دستور نہیں ہے

نالاں | مرزا محمد جان تخلص "نالاں"، خلف مہدی علی خاں صوبہ دار باشندہ بریلی، ابتدا میں موجی رام[1] کا شاگرد تھا بعد ازاں میاں مصحفی سے[2] اصلاح پذیر ہوا۔ یہ (چند شعر) اس سے یادگار

عاشق مزاج کہتے ہیں طفلی سے مجکو لوگ — آتا نہ تھا کبھی مجھے آرام زوش پر

وصل کی شب مجھے کیا یار نے سونے نہ دیا — دیدۂ طالب بیدار[3] نے سونے نہ دیا
شدت درد سے کرتا جو رہا نالہ و آہ — قبر میں بھی دل بیمار نے سونے نہ دیا
چھیڑنے کو مرے تصویر خیالی بھیجی — خواب میں بھی مجھے دلدار نے سونے نہ دیا
وہ تو اس بات پہ راضی تھا مگر اے نالاں — پاس میرے اسے اغیار نے سونے نہ دیا

ناداں | میر شیر علی تخلص "ناداں" باوجود بے علمی طبیعت اس کی رواں (وجہ تخلص عیاں)، ابتدا میں محمد عیسیٰ تنہاؔ سے بہرہ ور بعد ازاں (میاں) مصحفی سے کا سب علم و ہنر۔ من کلامہ[4]

کیسا ہی برسے خاک پہ میری سحاب عینی — ہوں نخل بید مجکو امید ثمر نہیں

امید نہ تھی مجکو تو یہ باد صبا سے — پر نہ کھول کبھی لے کر جو مری خاک پہ آتی

آج کی شب جو تو اے نالہ کمند افگن ہو — تاک آئے ہیں کسی کوچہ میں یک بام کبھی ہم

---

[1] ن۔ ب موجی رام سے اصلاح پذیر تھا [2] ن۔ ب کا شاگرد ہوا۔ [3] ن۔ ب دیدار
[4] ن۔ ب۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

آنکلتا جو کبھی تو تو مقابل کرتے | شب ہجراں سے تری زلف سیہ فام کو ہم
ہر بن مو سے نکلنے لگے فوارۂ خون | یہ طپش ہے تو بنا دیں گے چمن دام کو ہم
بزم رنداں کا قدح نوش ہے تو اے ناداں | سمجھے ہیں کفر سے بدتر ترے اسلام کو ہم

شاد | شیخ فضل علی تخلص "شاد" شاگرد (میاں) مصحفی (وارد کانپور)۔

من کلامہ

مفت اس تیر نگہ کا ہوا بسمل ٹھنڈا | نہ ہوا قاتل خونخوار کا پر دل ٹھنڈا
سرد دل ہو گیا اس خال کے بوسے سے مرا | گرچہ تل گرم ہے پر یار کا ہے تل ٹھنڈا
قیس کرتا تھا عاشق سے یہ لیلیٰ کے لیے | سایہ ابر سے ہر بزم رہے محمل ٹھنڈا
تیغ کھینچے ہوئے آتا ہے بہت گرم وہ شوخ | یا خدا ہووے کہیں غصۂ قاتل ٹھنڈا
جا کے دریا پہ لگا شاد سے کہنے وہ یوں | پ فرش ڈال کرنا جہاں خوب ہو ساحل ٹھنڈا

تمنا | بھیروں داس تخلص "تمنا" پہلے محمد عیسیٰ کا شاگرد تھا بعدہ مصحفی سے بہرہ اندوز ہوا۔ من کلامہ

سرگرم شب ہجر ہے بیدادگری پر | اور آہ نے باندھی ہے کمر بے اثری پر
پروانے کو کیا سوز دل اس کے کی خبر ہے | گذرے ہے جو کچھ حال چراغ سحری پر

ہوں میں وہ نخل سوختۂ باغ روزگار | کاٹے ہے باغباں جسے فصل بہار میں
جب محنت سفر نہ تمنا ہوئی حصول | ملک عدم سے آئے عبث اس دیار میں

خان | خانساماں دیوان سخنوری، سخنور خوش بیان، اشرف خاں تخلص "خان" خلف محمد علی خاں ابن (محمد) روشن خاں مخاطب بہ روشن الدولہ، وطن اس کے بزرگوں کا شاہجہان آباد، مولد اس کا

ل ن۔ ب شاگرد محمد عیسیٰ تنہا کا تھا بعدہ مصحفی کا ہوا۔

لکھنؤ ۔ شاعر غیور ، شہسوار ی اسپ میں مشہور ، شاگرد میاں مصحفی ۔ یہ اشعار اس سے یادگار رہے ۔

رنگ سمجھے مسی سے تری روشن اپنا   منہ تو آئینہ میں دیکھے گل سوسن اپنا

الفت میں جفا کار وہ پرفن نظر آیا   سمجھے تھے جسے دوست وہ دشمن نظر آیا

کر دیا غم نے مجھے شوق کمر میں تنکا   ناتوانی سے ہے یہ جسم نظر میں تنکا

سامنے ان کے میں رو دیا تو یہ ہنس کر بولے   کیا پڑا کوئی ترے دیدۂ تر میں تنکا

زخم ہے خنجر مژگاں کا بنا مت بتی   رکھیو جراح مرے زخم جگر میں تنکا

کھائی جو دل نے ضرب تو میں نے الم کیا   کعبہ گرا خلیل نے اندوہ غم کیا

جب رنگ گل کو چٹکی میں اس نے اڑا دیا   بلبل نے اپنے سر کو خجالت سے خم کیا

کس ہاتھ پہ یہ لائی سیاہی بتا مجھے   اے باغباں جو مہدی کو تو نے قلم کیا

یار دشمن ہے میری صورت کا   کیا برا نام ہے محبت کا

جب سے دل کو زیاں نہ پایا چین   ہو وے خانہ خراب الفت کا

خاں میاں تم کسی پہ عاشق ہو   طور چھپتا نہیں محبت کا

شب فراق میرا اس پہ جو کوہ غم ٹوٹا   بڑی خرابی سے عاشق کا تیرے دم ٹوٹا

۵؎ ن ۔ ب زینت بخش صفحہ ۔ ۵۵؎ ن ۔ ب ۵؟

۵۶؎ ن ۔ ب جس نے ۔

یہ کس کے موتیوں کے ہار کا تصور تھا ۔۔۔ نہ تار گریہ شبِ غم جو چشمِ نم ٹوٹا
جو وصف زلف لگا کہنے میں شکستہ دل ۔۔۔ شکن پڑی مرے کاغذ پہ اور قلم ٹوٹا

کھلائیں گے کوئی ہیرا یہ پیارے پیارے دانت ۔۔۔ بنائیں گے مجھے فیروزہ[۱] یہ تمھارے دانت

ہر اک جا تجھے سیم بر دیکھتے ہیں ۔۔۔ تجھے دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
اُدھر بھیجیں اپنی خبر کیا بھلا ہم ۔۔۔ اِدھر سے اُسے بے خبر دیکھتے ہیں
ہمیں دیکھ کر وہ چراتا ہے آنکھیں ۔۔۔ یہ نالہ کا اپنے اثر دیکھتے ہیں

لینے کبھی وہ بلائیں مرے دل کو غم نہ دو ۔۔۔ صاحب خدا کے واسطے اپنی قسم نہ دو
لے بوسہ غیر اُس در دنداں کا واہ واہ ۔۔۔ ناقدر جوہری کو تم ایسی رقم نہ دو
کہتا ہے کون کھاؤ قسم ربط غیر کی ۔۔۔ رکھ کر علم پہ ہاتھ مجھے تم الم نہ دو

آئینہ رو وُں کی دیکھے سے تری شادی ہے ۔۔۔ آرسی تو بھی عجب طرح کی شاہزادی ہے
ناز کی چال سے برباد[۲] ہوا جاتا ہوں ۔۔۔ آپ کا کچھ نہیں جاتا مری بربادی ہے
خون کس کا نہ ہوا مہندی بھرے ہاتھوں سے ۔۔۔ اک جہاں دستِ ستم سے ترے فریادی ہے

بیشک ہیں ابرو و لب دلبر ہلال چار ۔۔۔ پیدا ہیں آئینہ میں سکندر ہلال چار
کیوں کر نہ تجھ سے آنکھ چراوے یہ ماہِ نو ۔۔۔ حلقے دو چشم کے ہیں مقرر ہلال چار

---

[۱] ن - پ اب ۔۔۔ [۲] ن - پ پامال

نام تیرا ہے گو کہ اشرف خاں — سب سے بدتر جہان میں تو ہے

آشفتہ | نواب جرار الدولہ، محمد ہادی علی خاں بہادر (ضیغم جنگ) تخلص "آشفتہ" طبیعت کا شگفتہ خلف الصدق مقرب الدولہ مہدی علی خاں شاگرد اشرف خاں۔ من کلامہ (نواب) بہادر مذکور۔

بزم دلدار میں اغیار کو حیرت ہو جائے — مجھکو آئینہ دکھانے کی جو خدمت ہو جائے
اب کسی شکل نہیں زیست نظر آتی ہو — اس سے ملنے کی الٰہی کوئی صورت ہو جائے
صورت یار پہ مایل ہے تو آشفتہ بہت — یہ نہ ہو وے کہ دگرگوں تری صورت ہو جائے

رنج فراق دور ہو دل کامیاب ہو — یارب وصال یار کا مجکو شتاب ہو
کیوں آگے لبوں کا تار یہ باندھا ہو جان من — بو سے زیادہ پائے ہوں تو پھر حساب ہو
ہرگز ملے نہ بادہ کشی کا مزہ[1] مجھے — جب تک نہ دست یار میں جام شراب ہو
اے آتش فراق نہ کم ہو جیو کبھی — پ جل بھن کے جب تلک نہ مرا دل کباب ہو
دل پھنس گیا ہے زلف ستمگار میں مرا — آشفتہ کیوں نہ دل کو مرے پیچ و تاب ہو

مشفق | عرف ممن، شیخ محمد جان تخلص "مشفق" (خلف محمد پناہ) شاگرد اشرف خاں۔ منہ

ہر وقت ہے زیادہ جو اب اضطرار دل — حیراں ہوں کون لے گیا صبر و قرار دل

بھلا کیونکر میں بھولوں اے شہ خوبی ترے در کو — نہیں لازم گدا کو چھوڑ دینا اپنے بستر کو
پریشاں حال سنبل کا ہوا جاتا ہے غیرت سے — نہ کھولو باغ میں بہر خدا زلف معنبر کو
نہیں ہے آشنا کا آشنا نا آشنا وہ ہر — براتم نے کیا مشفق دیا دل اس ستمگر کو

---

[1] نا۔ لب مجھے مزہ۔

آ بہرِ خدا ہاتھ لگا اپنا تو اُس کو — اے بت ترے عاشق کا جنازہ نہیں اٹھتا
پیغامِ اجل سے نہیں کم دل کا لگانا — بیٹھا جو در یار پہ جیتا نہیں اٹھتا

واصف، الکبہ ابروے بتاں کا طائف شاعر خوش بیان

حیدر حسن تخلص "واصف" شاگرد اشرف خاں یہ[1] اس کا بیان۔

فتیلہ آہ کا ہو اور ترے اشکوں کا روغن ہو — برنگ شمع بزم عشق میں جب نام روشن ہو
تمھارے لب پہ خنداں ہو ہمارے لب پہ شیون ہو — جلیں ہم آتش غم سے تمھاری بزم روشن ہو
مرے سوزِ دروں نے اب تو ایسا سر اٹھایا ہے — کروں گر آہ جل کر خاک مہر و مہ کا خرمن ہو
جو گلگشت چمن میں جامہ زیبی اپنی دکھلاؤ — قبائے غنچہ ٹکڑے ہو گلوں کا چاک دامن ہو

فصل گل میں ظلم ہے کیا بلبل دلگیر پر — توڑتا ہے دیکھنا صیاد بے تقصیر پر
تشنگی موقوف ہے آب دم شمشیر پر — رزق ہے تقسیم اپنا دانہ زنجیر پر
اب تلک آیا نہ شوخ سنگدل میں کچھ اثر — اے جنوں پتھر پڑیں اس آہِ بے تاثیر پر
صورتِ تصویر رہتا ہوں جو حیراں چشم میں — پڑ گئی واصف نظر کس شوخ کی تصویر پر

رنگِ غم سے توڑ ڈالے گردش افلاک نے — خاک سے میری جو ہیں کاسے بنائے چاک نے

فدا کلام اس کا بامزا، شیخ محمد بخش تخلص "فدا" شاہ آبادی، برادر منشی محمد صالح مرحوم عمر اس کی بست و پنج سال در علم عربی و فارسی میں مہارت بکمال دکھائی، شاگرد اشرف خاں یہ (اشعار) اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ۔ من کلامہ

گل شاداب ہو، شمشاد قد ہو، رشک گلشن ہو چھلاوا ہو، پری ہو، حور ہو، محبوب پرفن ہو
تصور کاکل پیچاں کا رہتا ہے شب فرقت نہ کیونکر دل کو الجھن ہو نہ کیوں اعضا میں اینٹھن ہو
خدا کے واسطے اے ماہ تاباں بھول کر آجا ہمارا خانۂ تاریک بھی اک رات روشن ہو

دینے لگا وہ گالیاں بوسے کے نام پر کیا کیا خفا ہوا ہے وہ اتنے کلام پر
اس بادہ نوش نے جو دیا اذن میکشی کیا کیا نہ میکشوں میں لڑائی ہوئی جام پر
ابرو نے تیرے دل مرا مجروح کر دیا ہے کیا ہی باڑھ تیغ کی بے نیام پر

ہم مر گئے ہیں منتظر لبہائے یار پر چادر کبھی سوسنی ہو ہمارے مزار پر
گلشن سے ایک پھول نہ لائی تو ہے نصیب ہم کو بڑا بھروسہ تھا بادِ بہار پر

مجھکو دروازے پہ ٹھہرا کے گیا وہ گھر میں پ شکل دکھلائی نہ پھر آن کے یہ دم دیکھا
یاد آیا ہمیں وہ رنگ طلائی کیا کیا ہم نے بے یار اگر ماہ محرم دیکھا

باغ (قلمی) "آتش بار"، اس کی آتش زبانی سے مثل قلم داغ (مدزدوں الطبع) امام علی تخلص[1] "باغ"، پسر محمد پناہ، شاگرد اشرف خاں۔ یہ شعر اس کے کہ مثل گلہائے نشر[2] رنگینہ ہیں لکھے جاتے ہیں۔

باغ کس کے کان کی بجلی پہ تم بیتاب ہو آدمی ہو برق ہو شعلہ ہو یا سیماب ہو
کوئی ہمسر کس طرح ہو حسن میں صاحب بھلا تم جہاں میں غیرت خورشید عالم تاب ہو
رشک کیا کیا ہو رقیبوں کو وہ محفل دیکھ کر باغ ہو، وہ گل ہو اور جام شراب ناب ہو

---

[1] ن۔ پ متخلص بہ۔ [2] ن۔ پ بار

منصف | شعر گوئی میں آگاہ اور واقف، شیخ قادر علی تخلص "منصف" شاگرد اشرف خاں من کلامہ

رخ کو گھونگھٹ میں چھپایا جو نہ کھا کر مجکو | صورتِ برق کیا یار نے مضطر مجکو
ہوگا احسان بڑا مجھ پہ یہ ساقی تیرا | مے گل رنگ کا تو دے گا جو ساغر مجکو
آئینہ رویوں سے رہتی ہے مجھے صحبت روز | اے فلک تونے دیا بخت سکندر مجکو

ساقیا البتہ پھر لطف شرابِ ناب ہو | جام ہو دریا ہو گل رو ہو شرابِ ناب ہو

جمیل | خوش قال و قیل، امیر علی خاں تخلص "جمیل"۔ شاگرد اشرف خاں۔ من کلامہ

بوسے کبھی اس کے لیے توڑا مروڑا کیا کیا | نکلا ارمان مرا تھوڑا ہی تھوڑا کیا کیا
دلِ پر درد کو اس خط کا تصور ہے بہت | طالبِ مرہم زنگار رہے پھوڑا کیا کیا
کفِ افسوس ملے کیوں نہ ترا دیوانہ | یاد آتا ہے ترے ہاتھ کا توڑا کیا کیا

ادب لازم ہے میرا بادشاہ ملکِ وحشت ہوں | وہ مجنوں ہوں کہ قیس آتا ہے میری جبہ سائی کو
اسیرانِ قفس اے ہم صفیر و چھوٹے جاتے ہیں | ذرا صیاد سے پوچھو ہماری بھی رہائی کو

قلزم | خوش تکلم، شیخ علی بخش تخلص "قلزم"۔ شاگرد اشرف خاں۔ یہ[۲] اس سے یادگار

ابھی ہم سے ملا تھا مستعد ہے پھر لڑائی کو | ذرا دیکھے تو کوئی اس کے دیدے کی صفائی کو
نتیجہ دل کے دینے کا یہ پایا ہے بس مردن | لگایا ہاتھ بھی اس نے نہ میری چارپائی کو
کہیں آئینہ ٹوٹے رشکِ دل سے دو نہ بھی ہو کر | کہاں تک دیکھو گے تم ذرہ بین سے ہماری خودنمائی کو

---

[۱] ن۔ پ۔ یہ شعر اس کے سحر کی دلیل [۲] ن۔ پ۔ من اشعارہ

ہارا امتحاں پہلے تجھے لازم ہے عاشق ہیں　　اگر آیا ہے مقتل میں صنم تیغ آزمائی کو
برا ہو سخت جانی کا کیا کیسا خجل اس نے　　نکلے تا تل کے شانے اور ہوا صدمہ کلائی کو
وہ رزاق جہاں ہے رزق دیوے گا تجھے لازم ہے　　ہوا گوشہ نشیں اس واسطے چھوڑا گدائی کو

ساحل | تنہا در بحر شاعری، گوہر علی عرف گوہری تخلص "ساحل" شرف سخنوری اشرف خاں سے حاصل ہے[1]

کہاں کا دشمن جاں ہے یہ باغباں میرا　　وہ شاخ کاٹی کہ تھا جس پہ آشیاں میرا
حیا نہ آئی تجھے کچھ بھی اے سگ دلدار　　ہما کو کھانے دیا تو نے استخواں میرا
پس از فنا بھی نہ اس زلف کا خیال گیا　　ہوا ہے کنگھیوں میں صرف استخواں میرا
نہ صبر ہے شب غم میں نہ نیند آتی ہے　　کدھر گیا ہے الٰہی وہ نوجواں میرا
بہار باغ کی دو دن تو سیر کرنے دے　　ابھی نہ ہے دل نہ کر لا عا موسم خزاں میرا
انگوٹھی اس در یکتا نے دی تھی قاصد کو　　گیا تھا ڈاک میں ساحل جو خط دہاں میرا

شجر | مرد سخنور لالہ گرد داس تخلص "شجر" شاگرد اشرف خاں۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

اپنی زلفیں چھپاؤ گے کب تک　　مجکو وحشی بناؤ گے کب تک
زلف جاناں یہ مجھ سے کہتی ہے　　دام میں تم نہ آؤ گے کب تک
خیر بوسہ لیا تصور ہوا　　گالیاں تم سناؤ گے کب تک
کان کی بجلیاں دکھاؤ کبھی　　مجھ کو بالا بتاؤ گے کب تک
محرم راز ہوں تمہارا میں　　مجھ سے محرم چھپاؤ گے کب تک
آدے اس دن شجر سے کہہ دو یہ　　سیر کو باغ جاؤ گے کب تک

---

[1] ن۔ پ۔ من کلامہ

رسا | آرائش سخن کا کار فرما، شیخ محمد بخش تخلص "رسا" شخص بامروت، اہل ہمت، موافق، ظاہر یار و آشنا ہے حاضر مشاعرہ بانزہ شاگرد اشرف خاں۔ یہ اشعار اس سے یادگار

مل گئے غیر سے تم، تم کو صنم دیکھ لیا — بس جی بس جائیے سب قول و قسم دیکھ لیا
کبھی نالے کبھی آہیں کبھی رونا کبھی غل — شب فرقت کا بہت جور و ستم دیکھ لیا

کس کے دشمن نے ہارے یہ بیمار کر دیا — صدقہ بتایا ہے جو منجم نے سبب کا

تم سے جو مزاج دل شیدا نہیں اٹھتا — اچھا نہیں اٹھتا ہے تو اچھا نہیں اٹھتا
دوری کا تری دل سے تو صدمہ نہیں اٹھتا — یہ کوہ گراں اے بت رعنا نہیں اٹھتا
خونریزہ مشہور جہاں میں ہے ولیکن — قاتل سے مرے قتل کا بیڑا نہیں اٹھتا
تو دیکھ نزاکت مرے مے نوش کی ساقی — محفل میں کبھی ہاتھ سے مینا نہیں اٹھتا
درگذرے ہم اس چاہ سے در گور تمہارے — پر ہر روز تو سرکار کا غصہ نہیں اٹھتا
تسلیم کو حاضر ہیں بہت دیر سے ہم تو — مغرور ہو یہ ہاتھ تمھارا نہیں اٹھتا
ڈوبا ہے مگر عاشق جانباز[1] تمھارا — بے وجہ دھواں یہ لب دریا نہیں اٹھتا
اتنا تو کرم کر کہ ذرا ہاتھ لگائے — بن تیرے صنم میرا جنازہ نہیں اٹھتا
کس طرح رسا پیچ نہ کھائے دل وحشی — ہرگز ستم زلف چلیپا نہیں اٹھتا
مارا ہی کبھی نے تری زلفوں کی ستم گر — پر جو خاک میں میرے ہے بگولا نہیں اٹھتا

داغ دل کو شعلہ ساں فرقت میں روشن کر دیا — پر آتش غم نے مرے سینہ کو گلخن کر دیا

---

[1] ن۔ اپا۔ جانسوز

شعلۂ برق تری تاب سے اے یار گھٹا ۔ تیری زلفوں کی سیاہی سے کئی بار گھٹا

شورؔ ورزش سخن سے شہ زور مرزا آغا علی تخلص شورؔ ساکن فیض آباد شاگرد اشرف خاں ۔ اسی سے یاد:

ہمیں چاہتا ہے تم کو گلے سے لگائیے ۔ اس بھولی بھولی شکل کے قربان جائیے

آہوں نے میری طور کو جاکر جلا دیا ۔ نالوں نے میرے برق کو بالا بتا دیا

ذوقؔ موزونیت کا شوق، شیخ عبد اللہ تخلص ذوقؔ پسر جوہری ذہن کشاں شاگرد میاں مصحفی کا ارباب انصاف سے یہ احقر و اطلب ہے کہ میاں صاحب نے اپنے تلامیذ کو موافق اس کی حیثیت کے رقم فرمایا ہے اور بیں نے بعض کو بطور پہیلی زچیستان کے لکھا ہے اتنا برتبا دو بینے ہوئے اشرادن مجھ سے ناصاف ہیں ۔ المختصر یہ اشعار ذوقؔ کے ۔

ہمارے ہم صفیروں کے پڑے ہیں ۔ پس دیوار گلشن پر ہزاروں
یہ لاشہ کس کا ہے قاتل کھڑے ہیں ۔ کمر بستہ جو شیون پر ہزاروں
کیا تھا ذبح کس کو قطرہ خون ۔ پڑے ہیں تیرے دامن پر ہزاروں

گور پہ وہ جس کی ذرا ہو گئے ۔ سیکڑوں واں فتنے بپا ہو گئے
عشق میں ہم تیرے لب[2] نا ہلال ۔ خلق میں انگشت نما ہو گئے
بر سر رحم آتو گیا رات یار ۔ عقدۂ دل سب مرے وا ہو گئے
بہر تماشا بھو گئے ذوقؔ مفت ۔ ہم ہدف تیر بلا ہو گئے

چلنے سے پاؤں جب رہِ الفت میں تھک گئے ۔ ہمراہی سارے چھوڑ کے ہم کو سٹک گئے

---

[1] ن۔ ب من کلامہ [2] ن۔ ب صنم جوں

بیداری کا کریں شب ہجراں کی کیا بیاں — آگے ہمارے دیدۂ انجم جھپک گئے
بیچھا چھڑانا ہوگا تجھے اے فلک محال — دامن میں تیرے خار سے جب ہم اٹک گئے
اس رشکِ گل کی آن و ادا دیکھ باغ میں — مرغِ اسیر کنجِ قفس میں پھڑک گئے

ہم سے محفل میں کہا اس نے نہاں کیا کیا کچھ
رات بھر ہم نے کیے دل میں گماں کیا کیا کچھ
ایک ہووے تو اسے دیویں ہم اے یار جواب
ہم کو کہتا ہے ہر اک پیر و جواں کیا کیا کچھ

ذاکر | نیک شاعر، خوش ظاہر، شیخ بشارت اللہ تخلص "ذاکر" قوم قدوائی ساکن بسوہ شاگرد میاں مصحفی۔ من کلامہ

دیکھی جو اس کی ابروے خمدار کی شبیہ — آنکھوں میں اپنی پھر گئی تلوار کی شبیہ

تری چشم شوخ سے کب بشر کوئی اپنی نگاہ ملا سکے
جو نگاہ بھر تو نظر کرے تو پری بھی پر نہ ہلا سکے

مہدی | رئیس نامدار، امیر ذوی الاقتدار، زائرِ ائمہ اطہار علیہم السلام، نواب جلال الدولہ مہدی علی خاں بہادر شجاعت جنگ تخلص "مہدی"، خلف الصدق وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں، دانشمندی اور دانائی میں بے نظیر، سیاحت میں اختر مسیر عنفوان شباب میں شوق شاعری اور ذوق شعرا پروری رکھتے تھے۔ دیوان معجز ترجمان مثل بیت ابروے محبوبان مشہور خاص و عام تھا۔ جب سے نواب عتبات عالیات حاصل کیا اسے طاق فراموشی پر رکھا۔ بہت سے شاعر اس

سرکار دولت مدار میں شرف امتیاز رکھتے تھے۔ سرنشا اُن کے میاں مصحفی تھے یہ اشعار کہ مشق سابقہ سے ہیں لکھے جاتے ہیں۔

اب کیا ستم ہونے لگے ایجاد تیرے ہاتھ سے
کرتے ہیں سب خورد و کلاں فریاد تیرے ہاتھ سے

کچھ بھی نہ ترس آیا تجھے اے عشق ہے یہ کیا غضب
لاکھوں ہی گھر بسے بسے ہووے برباد تیرے ہاتھ سے

نے مہربانی نے کرم نے لطف ہے اے سیمبر
ہووے گا یہ ناشاد دل کب شاد تیرے ہاتھ سے

جدّتی پئے گا جام مل اس وقت ہم جنسوں سے بیچ
جس وقت ہوگا اے صنم امداد تیرے ہاتھ سے

دل نے ہمارے ہجر سے جب ایسی گے آہ کی ‎ ‎ نالہ نے چڑھ فلک پہ وہیں واہ واہ کی
اس آہ بے اثر نے عزیزو میں کیا کہوں ‎ ‎ افسوس دل میں یار کے کچھ بھی نہ راہ کی
عاشق ہزار جی سے فدا ہو گئے وہیں ‎ ‎ ل جب اس نے دے کے آنکھوں میں سرمہ نگاہ کی
وہ شوخ اچپلا ہے جو جدتی تمہارا یار ‎ ‎ صورت ہو اس سے دیکھیے کیونکر نباہ کی

دل بیتاب ایسا دھڑکے ہے ‎ ‎ جیسے بلبل قفس میں پھڑکے ہے
اس نگہ اور دل سے اے جدتی ‎ ‎ وہاں[1] تلوار وہاں کھڑکے ہے

مجھ سے کیونکر ہو بھلا ہمدرد اس یار سے ربط ‎ ‎ ل وہ تو رکھتا ہے بہت ان دنوں اغیار سے ربط

---

[1] ل۔ پ تلوار ڈھال کھڑکے ہے

کوئی بتلاؤ مجھے بہرِ خدا اے یارو ل کیونکہ پیدا کروں میں اس بتِ اغیار سے ربط
ایک دن میں نے سرِراہ کہا اے پیارے ل تو نے کیوں کم کیا اس اپنے طلبگار سے ربط
مسکرا کر کہا اس شوخ نے یہ اے مہدی ل ہم نہیں کرتے ہیں اس عشق کے بیمار سے ربط

کہتے ہو اس کو آنا ہم تک محال کیا ہے ل دیکھو تو جا کے صاحب مہدی کا حال کیا ہے
مانندِ سبزہ رہ میں پامال ہم کو مت کر ل اتنا بھی سر اٹھانا اے نونہال کیا ہے
تیغ و سپر سنبھالے ناحق اکڑ رہے ہو ل سیدھے تو جی ہیں صاحب یہ چال ڈھال کیا ہے
منہ صبح اٹھ کے ہم نے دیکھا تھا آج کس کا ل کچھ منہ سے بولو صاحب وجہِ ملال کیا ہے
مارا ہوا کسی کی زلفوں کا کہہ رہا ہے ل مرتا نہیں جو ابتک اتنا وبال کیا ہے
قاصد نے میرا نامہ اسکو دیا تو لے کر ل کاغذ کو پھاڑ ڈالا بولا وہ مال کیا ہے
مت سر پکڑ کے بیٹھو کچھ فکر کا سبب ہے ل عاشق کو مار ڈالا پھر انفعال کیا ہے
مہدی کا تذکرہ جب آیا تو یوں وہ بولے ل وحشی ہے خبطی ہے وہ اس میں کمال کیا ہے

کیوں نہ بے جان اسے دیکھ کے بلبل ہووے ل جس کے رخسار پہ قرباں ہر اک گل ہووے
ایک دن بھی نہ مری اس نے خبر لی ہمدم ل کیا کروں آہ جو اس کا یہ تغافل ہووے

عشق میں نے ہم نے یہ کمائی کی ل دل دیا غم سے آشنائی کی
حسن و خوبی نے تیرے اے دلدار ل سر بسر ہم سے بے وفائی کی

حاذق | مسیحائے خلائق، حکیم شاہ عالم خاں تخلص "حاذق" ولد مولوی محمد عالم، قوم افغان یوسف زئی شاگردِ مصحفی۔ من کلامہ

خود بخود تو جو ہوا آج پشیماں ایسا ل کام کیا تجھ سے ہوا اے دلِ ناداں ایسا

سنبلِ زلفِ بتاں کو نہ رہی تابِ نگاہ　ان دنوں حال ہوا اپنا پریشاں ایسا

واجد | طبیعت چست، خمیر اس کے سخن کا درست، مرد خوش عقاید، شیخ محمد بخش تخلص " واجد " شاگرد میاں مصحفی۔ یہ[1] اشعار دھواں دھار اس سے یادگار۔

لکھا ہے ہر غزل میں یار نے مضمون چشم گریاں کا
بجا ہے گر ہو تار اشک سے شیرازہ دیواں کا

عیاں کر پنجہ غم آفتاب داغ سینہ کو　کہ ہووے صرف چاک صبح تار اپنے گریباں کا

ضرر کھینا ہے دل کو کیوں نہ ہو ان نرم رویوں سے
کہ اک سنگ صنم پر تار ہے زلف پریشاں کا

تڑپ کر کاٹتا ہے شب جو تیغ یار کا زخمی
بیاض صبح کرتی ہے اثر پیدا نمکداں کا

مری زنجیر میں موج رم آہو کھلا ہے
نگہبانِ اسیری ہو گیا رہبر بیاباں کا

مرا شہرہ ہے طور چرخ پر آتش زبانی کا
صریر کلک کو دعویٰ ہے بانگ لن ترانی کا

جنوں اک طفل مکتب ہے میں وہ شوریدہ شاعر ہوں
رم آہو ہے مضموں پیرے صحرائے معانی کا

---

[1] ن۔ بہ طرز ایہام اس کی ہمدم اور استاد کو اس سے رغبت کم یہ چند اشعار اس سے یادگار　[2] ریاض الفصحا و خندہ۔

تصور یار کا میری نگہبانی میں ہے ہردم یہاں تک مرتبہ پہنچا ہے اس کی بدگمانی کا

اس بت کو غم ہوا نہ مرے دل کے داغ کا کافر کو پاس کب ہے حرم کے چراغ کا

نغمہ سنجی نے مری پھیلائی یوں بےخودی ہمصفیروں کو ملا ساغر لب خاموش کا
عشق نے مجکو کیا واجد شہِ دیوانگی افسر مجنوں ہوا رتبہ مری پاپوش کا

یہ دل وحشی جو پابند تباہ ہو جائے گا دیدۂ آہو چراغ کارواں ہو جائے گا

کیوان | سحر بیان، مرزا مغل تخلص "کیوان" شاگرد شیخ واجد۔ [۱]

قدرت حق سے عجائب گلستاں پیدا ہوا خاک کیا شے تھی کہ جس سے یہ جہاں پیدا ہوا
سچ ہے مل سکتا ہے ہر جیبے کو تیا دہر میں ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں سارباں پیدا ہوا
ہر سحر ہنگامۂ محشر ہے کوے یار میں وہ ادھر نکلا ادھر شور و فغاں پیدا ہوا

یاد میں زلفِ صنم کی سو گیا کیواں جو میں خواب میں مرا گل خوشبو سے دامن بھر گیا

صبح دم وہ بام پر سے منہ دکھا کر رہ گیا آفتاب حشر اک نیزہ پر آکر رہ گیا
لکھ سکا قاصد نہ وہ میری مصیبت کا بیاں لوح کاغذ پر قلم آنسو بہا کر رہ گیا
تھا خم شمشیر قاتل طاق مسجد کی شبیہ سجدہ کرنے کے لیے میں سر جھکا کر رہ گیا

اطہر | خوش سخن، شیخ امین احمد تخلص "اطہر" شاگرد محمد بخش واحد یہ بیتیں اس سے یادگار۔

سوزش داغ جگر یوہیں رہی گر بعد مرگ شمع ساں روشن مرا ہر استخواں ہو جائے گا

---

[۱] ن۔ پ۔ یہ شعر اس سے یادگار

شکل اس آئینہ رو کی دیکھی ناصح نے اگر　　محو حیرت بن کے وہ آئینہ ساں ہو جائے گا

مسرور | شاعر معروف سخنور مشہور شیخ پیر بخش تخلص "مسرور" ولد حکیم حیات اللہ ساکن[1] قصبہ کاکوری شاگرد میاں مصحفی۔ کلام اس کا مرہم ریش عشق بازاں، بلکہ ولولہ انگن خاطر محبوباں۔ یہ اشعار اس سے یادگار

گر دستِ جنوں کی یہی چالاکی ہے مسرور　　تربت میں بھی ثابت نہ رہے گا کفن اپنا

تربت پہ مری کوئی صنم خانہ بنا دو　　معلوم کریں تاکہ اسے عشق بتاں تھا

کون سی بخت سیہ پر ہے بلا آئی ہوئی　　زلف اس کی کچھ نظر آتی ہے بل کھائی ہوئی

اس کشتۂ دیدار کے اوسان تو دیکھو　　جز ذبح کے دم تک سوئے قاتل نگراں تھا

اس صفائی کی مری جان تری پیشانی ہے　　پ مہ تاباں کو جسے دیکھ کے حیرانی ہے

جنون تو لگاوٹ کی نظر آتی ہے مجھکو　　پر زلف سیہ دیکھ کے بل کھاتی ہے مجھکو

اپنے بیگانے ہوئے بیزار تیرے واسطے　　یہ ستم ہم نے اٹھایا یار تیرے واسطے

کیا ہے اس نے کشتہ نکلے جب تیغ آزمائی کو　　درِ قاتل پہ رکھ دینا ہماری چارپائی کو

---

[1] ن۔ پ متوطن

[2] ن۔ پ متوطن

خوشامد منہ پہ کرتے ہیں برا کہتے ہیں پیچھے وہ — کہوں کیا ایسے یارانے کو ایسی آشنائی کو
بنا نا ہاتھ میں ڈالا ہے اس نے جی نہ عش کرتا ہے — کہیں صدمہ نہ پہنچے یار کی نازک کلائی کو
وہ کھولے وصل کی شب کس طرح سے بند محرم کا — پر حیا کہتی ہے فرماؤ نہ کام اس بے حیائی کو
ہزاروں حسرتیں یارو وہ لیے بیٹھے ہوئے ہیں ہم — پر غمی کا بوریا سمجھو ہماری اس چٹائی کو
نہ مجکو خون رلواؤ نہ مجکو خون رلواؤ — نہ کھا دیجیے نہ کھا دیجیے ذرا بھی خنائی کو
لب شیریں نے اس کے عمر بھر میں ہونٹ چھوڑا ہے — بھلا بہتر دہی چاہیے یہ کیوں الیسی مٹھائی کو

بہتر | خوش سخنور، میر اشرف علی تخلص "بہتر" شاگرد (پیر بخش) مسرور یہ[1] اس سے مشہور

بھولے بسرے کبھی تشریف نہیں لاتے ہو — اب تو دیدار کو بھی تم ہمیں ترساتے ہو
وعدہ آنے کا کسی اور کے ہو گا شاید — بیٹھنے سے مرے تم آج جو شرماتے[2] ہو

قول و قرار اگلے وہ کیا ہو گئے — ہم سے جو یک بار خفا ہو گئے
دیکھ کے اس حبد بیہ رنگ کو — ہم تو گرفتار بلا ہو گئے
تیرگی بخت سے بہتر ہم آہ — پر محو سر زلف دوتا ہو گئے

چرخ نیلی کے نہیں خوش آتے ہیں اختر مجھے — جب سے[3] آیا ہے نظر اس کان میں[4] گوہر مجھے
رات دن رہتا ہے اے بہتر یہی مجکو خیال — پر کام وہ کیجے کہ جس سے سب کہیں بہتر مجھے

اظہار | پیر جواں شعار، محمد وارث تخلص "اظہار"۔ ابتدا میں شاگرد مسرور کا تھا۔ درمیان میں میاں مصحفی سے بہرہ اندوز رہا[5] بعد میاں صاحب کے پھر رجوع

---

[1] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار [2] ن۔ پ گھبراتے
[3] ن۔ ب کا [4] ن۔ ب ہوا

مسرور کی طرف لایا۔ باوجود نوکری گاؤ خانہ کے کلام اس کا جھگڑا نہیں (اور پیری سے ٹھنڈا نہیں) یہ اشعار اس سے یادگار۔

نکلتے ہی جاں تن سے کیا ہو گئی ہوا کی طرح سے ہوا ہو گئی

شب تار جب اس کا آیا خیال تری زلف کافر بلا ہو گئی

شریک مصیبت نہیں ہے کوئی مری جان تجھ سے جدا ہو گئی

چمن میں لڑانے لگی تجھ سے آنکھ پ یہ نرگس بہت بے حیا ہو گئی

لگا چلنے جب کاروان بہار صدا گل کی بانگ درا ہو گئی

چشمۂ بے فیض ہے اس شوخ کا چاہِ ذقن کیا پیاسا جائے اس پر جو کنواں بے آب ہو

ناتواں ہوں میں تو پہنچا دے دردِ دلدار تک کون اے بادِ صبا منت کش احباب ہو

رات کو سوتے ہوئے دیکھا ہے ساتھ اپنے اسے یا الٰہی آج تو سچا ہمارا خواب ہو

کسی شب کو تو آ کر جلوہ گر وہ شوخ پرفن ہو ہمارے خانۂ تاریک میں بھی شمع روشن ہو

میں وہ بیکس مسافر وادیِ غربت میں ہوں یارو کہ جس کو لوٹ کر دل لیں دشپیاں اپنے رہزن ہو

کروں وہ گرم نالے کوچۂ دلدار میں یارو بہا دوں موم کے مانند گر دیوار آہن ہو

رسائی اس کے دربانوں سے یہ اظہار اپنی ہو پہنچ جاتے ہیں ہم اس تک اگرچہ لاکھ قدغن ہو

میرے رونے پہ ہوا کہہ کے یہ خنداں کوئی ایسا بے صبر بھی دیکھا نہیں انساں کوئی

زلف کو رخ پہ کرے گا جو پریشاں کوئی پ پھاڑ ڈالے گا ابھی اپنا گریباں کوئی

شبنم و گل کا تماشہ ہے تری محفل میں کوئی خنداں ہے صنم اور ہے گریاں کوئی

آرسی میں نہیں معلوم نظر کیا آیا صورت آئینہ بیٹھا ہے جو حیراں کوئی

بل پہ بل کھاتی ہے ناحق تو یہ کنڈوں پہ پیچ پڑ جائے نہ اے کاکل پیچاں کوئی

شاداں | خوش بیان، شیخ بنی بخش، تخلص "شاداں"۔ شاگرد پیر بخش مسرور
یہ[1] اشعار اس سے یادگار

اک اشارہ ہی میں اغیار کے اٹھ جاتے ہو
لاکھ منت سے کبھی بسرے جو گھر آتے ہو

خون بہانا تمھیں شاید ہے کسی کا منظور
ہاتھ میں تب تو حنا غیر سے ملواتے[2] ہو

میں تمھیں ذبح کے دم دیکھوں ہوں کس حسرت سے
قہر ہے اس پہ بھی تم رحم نہیں کھاتے ہو

کچھ اس کو فن عشق میں توقیر نہیں ہے
جس شخص کی گردن پہ شمشیر نہیں ہے

کیا خاک خوش آئے مجھے عالم کا مرقع
پیش نظر اس شوخ کی تصویر نہیں ہے

بارش | شیخ غلام حیدر تخلص "بارش"۔ شاگرد[3] مسرور بے معنی و بے فارش
یہ[4] اس سے یادگار

باہر دہن سے اے دل نالاں نہ آہ ہو
مر جائیے پہ یار پہ ظاہر نہ چاہ ہو

خط بھیجنا ضرور مجھے روز یار کو
قاصد سے لیٹے بلا سے کبوتر تباہ ہو

پہنچوں اڑ کر منہ سے یہ مار و نفسں تیر پر
ایسے اے خالق کرے پیدا مری تقدیر پر

کتنے بے کل ہو رہے ہیں دیکھ مسکل اے پری
کتنے دیوانے ہیں منت کی تری زنجیر پر

غم سے خالی نہیں ہے اہل گلستاں کوئی
ہو پریشاں ہے کوئی چاک گریباں کوئی

---

[1] ن۔ پ من کلامہ
[2] ن۔ پ لگواتے
[3] ن۔ پ شیخ پیر بخش مسرور کی شاگردی پر انھیں نازش۔
[4] ن۔ پ من کلامہ۔

گیسو بکھران دونوں ہے بہت پیچ و تاب پر ... کچھ لائے گی بلا دل خانہ خراب پر
شاید یہ نامہ بر ہے کسی بے قرار کا ... جاتا ہے اڑتا جو کبوتر شتاب پر
ذکر میان لہر نے ایسا کیا ہے زار ... یاروں کو میں نظر نہ پڑا فرش خواب پر
اٹھ رہے ہے خلق دیکھنے اے شہسوار حسن ... عالم ہے ماہ عید کا تیری رکاب پر

شفیق[1] | مرد[2] بندارہ اور اہل حق مرزا بندہ علی تخلص "شفیق" (شاگرد پیر بخش سرزد[3]) واہ رے شوق شعر کہ شصت[4] سال میں شاگرد سرزد کے ہوئے پہلے شاید شاگرد مصحفی کے تھے، من کلامہ

آتی ہے گور میں جو صدا تیشہ کی مجھے ... شاید مرے مزار سے ہے کوہ کن قریب
سیراب آب تیغ سے تو نے کیا انھیں ... پر جب تشنگان سے تھا ترا چاہ ذقن قریب

سو بار پھٹے گا یہ مرے دست جنوں سے ... ناصح نے گریباں جو سلایا تو ہوا کیا
دل کو تو ترے کوچہ میں ہم چھوڑ چلے ہیں ... اسباب سفر یاں سے اٹھایا تو ہوا کیا

ثمر | منظور[1] ارباب نظر، مرزا اعلیٰ تخلص "ثمر" شاگرد میاں ... مصحفی[2] زندہ

جستجو دل کی عبث گیسوئے خمدار میں ہے ... جیز گم گشتہ کہیں ملتی شب تار میں ہے
ہر دم نالہ کشی دیکھیے غم کیا شعلہ بلند ... برگ گل تو ابھی بلبل تری منقار میں ہے

شکل وصل آئی نظر آئینہ فولاد میں ... زندگی خضر پائی خنجر جلاد میں

---

[1] ن۔ پ ذکر [2] ن پ صاحب عقل و شعور
[3] ن۔ پ نیک سخنور [4] یہ اشعار اس سے یادگار

جب[1] ترے رخسار کی تصویر کھینچی اے صنم — خامہ مو بن گیا خود پنجۂ بہزاد میں
پا[2] ؤ قدِ یار میں کبک دری نے جان دی — پائے رعنائی کہاں یہ قامتِ شمشاد میں

خاک جو ہم بعد فنا ہو گئے — بار گراں تجھ پہ صبا ہو گئے
بخیہ گری کا یہ ہوا شوق ہے — لاکھوں گریبان قبا ہو گئے
اس کے جو رخسار سے پردہ اٹھا — شمس و قمر دیکھ فدا ہو گئے

ہنر | ہنر مندوں کا منظور نظر مرزا مغل تخلص "ہنر" برادر مرزا علی ہنر شاگرد میاں مصحفی۔ من کلامہ

شب رقص کی محفل میں کیا چھین دل اس نے
تھی گات غضب اس کی اور انداز ستم تھا
اک[3] تیرے نہ آنے سے مری جان پہ ظالم
میں کیا کہوں جو کچھ کہ ستم نزع[4] کے دم تھا

ہلال | ہلال اول شاگرد میر دوست علی زلال شاگرد[5] مصحفی ثانی الحال یہ دو[6] بیت اس کے

تم جو سحر جلوہ نما ہو گئے — آئینہ خانہ کی جلا ہو گئے
مانگ کا مضمون جو لگا سوچنے — بال مرے حق میں ہما ہو گئے

---

[1] ن۔ب اس نے بہزاد آگئیں تری تصویر کھینچی جو صنم۔
[2] ن۔ب آہ موزوں پر ہماری کیوں نہ قمری جان دے
[3] ن۔ب یک [4] ن۔ب تلق [5] ن۔ب بعد ازاں شاگرد مصحفی
[6] ن۔ب یہ دو بیتیں اس کی

چاہ | کلام میں اس کے فصاحت شیشہ[2] کی نزاکت صاحب دست گاہ محمد ابراہیم تخلص "چاہ" شاگرد (میاں) مصحفی۔ یہ اس سے باقی

زنجیر کا ہو کہ زلف کا ہو — وحشت کو کوئی تو سلسلہ ہو
دل مورد صد غم و بلا ہو — لیکن نہ کسی پہ مبتلا ہو
مٹ جائے مرا طلسم خاکی — یہ نقش فنا کہیں فنا ہو
آرام سے ہم لحد میں سوئے — اے خواب اجل ترا بھلا ہو
درویش ہوں گر برا کہیں وہ — اپنی تو صدا یہ ہے بھلا ہو
اس دل کی کشش سے کھینچ مانی — تصویر صنم جو کھینچا ہو
خورشید چڑھے نہ منہ پہ اس کے — ہر چند کہ چرخ پر چڑھا ہو
عاشق نہ رہ وفا سے گزرے — معشوق اگرچہ بے وفا ہو
بیکار نہ جان اس کو قاتل — جو صورت تیغ کجبہ گیا ہو
میں صیف زباں[3] ہوں چاہ میرا — دشمن نہ تیغ مرتضیٰ ہو

عدل | شاعر خوش بیان شیخ فضل رحمان تخلص "عدل" شاگرد (میاں) مصحفی۔ یہ بیت اس کی۔

دل میں آتا ہے کہ اب محتسب و قاضی کو — جمعہ کے روز لڑا دیجئے پالی کیجے

شعور | ایہام گو[4] مشہور، معنی بند معروف، شیخ عبدالرؤف تخلص "شعور" ولد شیخ حسن رضا وطن قصبہ نگہرام ذہن اس کا رسا[5] کلام میں بلاغت تمام ثابت، راہ و رسم آشنائی دشاگرد رشید میاں مصحفی یہ اشعار اس سے یادگار

---

[1] ن۔ ب۔ جاہ [2] ن۔ ب چوڑی
[3] ن۔ ب زبان۔ [4] ن۔ ب شاعر مشہور معروف
[5] ن۔ ب رسا طرز سخن ایہام کلام۔

کرے حمام پہنے جان جاں پوشاک و زیور کو | کیا ہے آتشیں یاقوت نے گرم آب گوہر کو
ملا ہے رتبۂ روح الامیں اس کے کبوتر کو | نسیم خلد سمجھا میں ہوائے جنبش پر کو
لب شیریں کے بوسے کی حلاوت جس نے چکھی ہے | ہوا یہ بدمزا اسکو زباں پر رکھ کے شکر کو
سمجھ منظور نما سے اہل جوہر مدعائے دل | نہ تھی منظور آئینہ سے خودبینی سکندر کو
تمھارے حسن کا وہ مرتبہ ہے بت لہو تھوکیں | اگر خورشید تاباں لعل کر دیتا ہے پتھر کو
تری ناشاطر کی وحشت بھی اے بت جائے حیرت ہے | لگایا سر پہ آئینہ کو جب پایا نہ پتھر کو
نہیں ہے دردمندوں کو غرض اسباب راحت سے | اڑی جب نیند فرقت میں کر دیا تکیہ سر کو
وبال گریۂ عاشق ہے خط پشت لب اے بت | رطوبت موسم باراں میں کر دے سبز شکر کو
مخالف جان سے جو ناموافق ہو طبیعت سے | کہ آب زندگانی تیغ براں ہے سمندر کو
گلستاں کا ورق ہے جس کا مکتوب بہاریہ | کرے گا معجزہ سے نامہ بر اپنا صنوبر کو
تو سے کی بوند ہو کیونکر نہ اسکے کان کا موتی | جلایا آتش رخسار نے آئینہ کے گھر کو
خدا ہمت جو دے کیا کم ہے اعجاز و کرامت سے | ید بیضا سمجھ دست کرم میں سکۂ زر کو
کمال ناتواں بینی بجا ہے تیغ عریاں پر | غبار کوئے قاتل توتیا ہے چشم جوہر کو
شعور خستہ ہے ناحق تمنا عیش دنیا کی | سمجھ دوراں سرا اس میکدے کے دور ساغر کو

کلفت میں خانہ باغ بھی زنداں نظر پڑا | سامان عیش رنج کا ساماں نظر پڑا
صد شکر بعد سال کے جاناں نظر پڑا | رشک ہلال عید گریباں نظر پڑا
وحشت کدہ میرا اس دل ویراں کو رات بھر | گھر کا چراغ غول بیاباں نظر پڑا

اے کاش دل کو عشق حقیقی سے راہ ہو | دریائے معرفت میں یہ کشتی تباہ ہو
یوسف رخوں کا گرچہ ہوا پر دماغ ہے | پانی بھریں ضرور اگر میری چاہ ہو

رونے پہ چشم تر کو مری گر نگاہ ہو ۔ تختہ زمین کا صورت کشتی تباہ ہو
کثرت شمار زر کی کرے انگلیاں کبود ۔ کیا ہے عجب دھنی کا اگر دل سیاہ ہو
ہوں شکل خار مستحق خلعت بہار ۔ گل کی قبا ہو غنچہ دل کی کلاہ ہو
ناسور زخم عشق کرے کام خضر کا ۔ سوئی کا ناکہ تیرے لیے شاہ راہ ہو
نقطہ بڑھایا چہرے پہ سرمہ کے خال نے ۔ تا حسن سے نباہ جو چاہے تباہ ہو
یا سرفراز کیجئے یا قتل کیجئے ۔ وارفتہ جمال کی کوئی تو راہ ہو
بخشش کی وجہ کثرت عصیاں ہوا اے شعور ۔ تقدیر کی بھی حد ہو جو حصر گناہ ہو

آئینہ کرتا ہے تحسین آہ کی تاثیر پر ۔ ہو گیا معشوق مایل عاشق تصویر پر
دم پھڑکتا ہے لب جاں بخش کی تقریر پر ۔ کیوں نہ آئینہ میں جھاڑے طوطی تصویر پر
خون بسمل سے کرے جو مشق خط شمشیر پر ۔ کیوں نہ ہو وہ معترض حداد کی تحریر پر
قتل عاشق پر جوانی میں کمر باندھے گا وہ ۔ بار دھر رکھتا ہے جو طفلی میں دم شمشیر پر
گورے گالوں سے ترے لپٹے ہوئی زلف سیاہ ۔ جس طرح گرتا ہے بھوکا سانپ جام شیر پر
بعد قتل عاشقاں ہوتی ہو جب صیقل یہاں ۔ گدیاں لخت جگر کی پھرتی ہیں شمشیر پر
بے گنہ کو قتل کر کے صورت سنگ فساں ۔ رقص کرتی ہے کٹوری قبضۂ شمشیر پر
شدت تپ کا برا ہو بھاڑ میں جائے جنوں ۔ گندم بریاں کا شک ہے دانۂ انجیر پر
جب لکھا میرے قلم نے گریہ فرقت کا حال ۔ ہو گیا نیزوں ہی پانی ماہی جز گیر پر
جو لکھا قسمت کا ہے وہ مٹ نہیں سکتا شعور ۔ کون دے اصلاح خط کاتب تقدیر پر

لئیق | کلام اس کا دقیق، محمد ظہور الدین تخلص "لئیق" ولد شیخ نجم الدین احمد ساکن کاکوری شاگرد (عبد الرؤف) شعور رحمن کلامہ

جو نکلا خط تو اس صیاد نے پرواز کے ڈر سے ۔ کیا پابند مرغ حسن کو زلف معنبر سے

دکھا کر قد آدم آئنہ اس کو برابر سے
ملایا ہم نے مصرع مصرعہ قد سمن بر سے
عداوت بعد مردن بھی چلی جاتی ہو قاتل کو
کہ خنجر تیز کرتا ہے میرے مرقد کے پتھر سے
وہ بد قسمت ہوا اے ساقی دعائے ابر جب مانگی
تو پتھر آسماں سے شیشۂ دل پر مرے برسے
زمیں ہر بیت روشن کی ہے اعلیٰ چرخ اخضر سے
مرا مطلع لڑا ہے مطلع خورشید انور سے

اے پری پامال دب تھا تیری بازی گاہ کا
پھونک دیتا ورنہ شعلہ آہ کا
بے سروساماں کو ساماں ہو میسر غیب سے
شامیانہ ہے شفق میری شہادت گاہ کا

کامل | خوش شمائل مولوی احمد علی تخلص "کامل" شاگرد عبدالرؤف (شعور) مقیم کان پور یہ اشعار اس سے یادگار

رُخ پر نقاب ڈالے ہوئے وہ حیا سے ہے
شکوہ شب وصال کبھی اس دلربا سے ہے
تا انتہائے عمر یہ عادت نہ جائے گی
شوق نظارہ بازی مجھے ابتدا سے ہے
پہنچادے کوئے یار تلک میری خاک کو
اتنی یہ التجا مری بادِ صبا سے ہے
تکرار کیا مقصد مۂ وصل میں کروں
انکار یار کو سخن مدعا سے ہے
زندہ ہے تیرے لطف سے اے بت تمام خلق
تجھ کو غرور اپنی خدائی کا جا سے ہے
کس طرح پاس بیٹھے ہمارے وہ طفل شوخ
اس کو گریز صحبت اہل دنا سے ہے
یا رب نصیب سایۂ دیوار یار ہو
بہتر یہ سایہ سایۂ بال ہما سے ہے
کیا پوچھتے ہو حال دم نزع دوستو
کامل کی اب تو لو لگی اپنے خدا سے ہے

وحید | صالح وسعید محمد وحید الدین تخلص "وحید" ساکن کاکوری شاگرد عبدالرؤف شعور۔ من کلامہ

لہ ن۔ پ مرد قابل۔

نکالا بلبلوں کو باغباں نے اپنے گلشن سے　　کہ پڑے گوش گل کے پھٹ گئے تھے ان کے شیون سے

رہے گی سرنگوں وہ بھی جو مجکو شرم عصیاں ہے　ل　بجائے سبزہ گر نرگس اُگے گی میرے مدفن سے

کدورت سے بری رہتے ہیں وہ جو صاف باطن ہیں　ل　بشکل آئینہ ملتا ہوں یکساں دوست دشمن سے

فروغ حسن ہے وہ یار کی شکل و شمائل میں　　چراغ صبح کا عالم ہے نور شمع محفل میں

وحید خستہ زنداں کی طرف کس کا گذر ہوگا　　بنا ہے دیدہ مشتاق ہر حلقہ سلاسل میں

امیر | صاحب فہم و ذکا تخلص "امیر" نام محمد رضا ساکن کاکوری شاگرد شعور۔ یہ اس سے یادگار

ابر ہے آب رواں ہے ساقی مخمور ہے　　زاہد اور دو قدح اس دم خرد سے دور ہے

خواب سے ایسے خیال بد نہ لا کر چونک اٹھو　　دیکھو میرا ہاتھ سینے سے تمہارے دور ہے

تمنا | خوش فکر و نازک ادا شیخ غیاث الدین تخلص "تمنا" (جوان غیور رشاگرد ملا خوش) عبد الرؤف شعور۔ یہ اشعار اس سے یادگار

آتش عشق ہے سینہ میں جو مجمر کی طرح　　دل مرا آگ میں رہتا ہے سمندر کی طرح

وحشت دل ترے صدقہ سے بجا لائے ہیں　　پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں ہم گھر کی طرح

وہ نہ آیا تو اجل بھی نہیں آئی گھر تک　　دہن گور بھی خالی ہے مرے گھر کی طرح

تنگ ہوں بسکہ شب ہجر کی طولانی سے　ل　کاش نیند آئے مجھے میرے مقدر کی طرح

گلشن دہر میں وہ زمزمہ پرداز ہوں میں　ل　ہوش بلبل کے اڑاتا ہوں کبوتر کی طرح

تکلف نہیں بندے کو پسند آتا ہے　　آپ آئے ہیں تو پھر بیٹھے اب گھر کی طرح

پند ناصح پہ عمل خاک تمنا کرتا　ل　اپنا کہنا بھی وہ سنتا ہی نہیں گر کی طرح

ل　ن۔ پ خوشس

گر مجھ فقیر پر نظر بادشاہ ہو ۔ ماہی سے تا بہ ماہ ابھی واہ واہ ہو
بجلی گرے جو اپنی تڑپ کا بیاں کروں ۔ پیدا غبار دل سے ابھی ابر سیاہ ہو
کہیئے نہ یہ کہ تم کو بلاؤں میں کس طرح ۔ دشوار کچھ نہیں ہے اگر دل میں راہ ہو
دل کا عجیب حال ہے جوشِ سرشک سے ۔ طوفاں میں جس طرح کوئی کشتی تباہ ہو
فارغ خطی حسن کہوں خط سبز کو ۔ اے خال روے یار اگر تو گواہ ہو
افشاے راز عشق مناسب نہیں دلا ۔ ڈر ہے قلم کی طرح نہ تو رو سیاہ ہو
جھدی ملو نہ دیر تلک مجھ کو خوف ہے ۔ کثرت سے رنگ کی نہ کفِ پا سیاہ ہو
کچھ انتہا ہے وعدہ خلافی بھی ہے بھلا ۔ سچ تو یہ ہے کہ جھوٹوں کے تم بادشاہ ہو
تابوت کشتۂ خط و گیسوے یار پر ۔ ہو سبزِ شامیانہ تو جھالر سیاہ ہو

مظلوم | علم و ہنر شعر اسے مظلوم مظلوم شاہ تخلص بہ "مظلوم" ساکن الٰہ آباد، اولاد اجمل صاحب دائرہ جن روز دن میں شیخ امام بخش) ناسخ غفر اللہ دائرہ میں (دائرہ سائر تھے۔ شاہ صاحب کی اولاد تمام و کمال ان کی استادی کی مقر بلکہ شاگرد ہوئی۔ اس عزیز نے میاں مصحفی کی محنت کو ضایع نہ کیا اور دائرۂ بیعت ناسخ سے خارج رہا قصہ کوتاہ یہ اشعار اس سے یادگار

رہا دل کو خیال ساقی و میخانہ تربت میں ۔ فرشتوں سے کیا ہم نے طلب پیمانہ تربت میں
مرا خواب عدم سے چونک اٹھنا اک تماشہ تھا ۔ اڑا دیا کفن کی دھجیاں دیوانہ تربت میں
بی جان ایک طوائف ہے اس کی تمنا سے یہ غزل اس نے کہی کہ قافیہ میں ہر مصرع کے نام اُس کا ظاہر ہوتا ہے۔

ہو گیا بدظن مجھے زاہد شرابی جان کر ۔ شیشۂ دل سنگ پر مارا گلابی جان کر

موجی | شاعر منشی لالہ موجی رام تخلص "موجی"، قوم کائستھ ساکن قصبہ

سانڈی۔ معرفت محمد علیلی تنہا شاگرد میاں مصحفی کا ہوا۔ یہ چند اشعار اس سے یادگار

گیا ہنانے جو وہ بے نقاب دریۂ آب
تو رنگ رخ سے کھلا اک گلاب دریۂ آب

ہیں دیا یاس کی حالت میں تشنگی سے جب
تو آگئی وہیں موج سراب دریۂ آب

بہے ہیں دیدۂ گریاں سے اس طرح آنسو
رواں ہو چشمہ سے جس طرح آب دریۂ آب

یہ طرح مرزا جعفر صاحب کے مشاعرہ کی تھی مرزا حاجی قمر اور میر مظفر حسین ضمیر کو منظور ہوا کہ موجی رام کو مرزا قتیل کی زبان سے ذلت دلوائی[1] جائے مرزا صاحب نے سر مشاعرہ یہ اعتراض اس پہ کیا کہ گل کو گلاب کہنا غیر مستعمل اور چشمہ بیرون آب ہے اور سراب محض ریگستان (ہے) ریگ ہے اور سورج سے کیا نسبت جب مرزا صاحب نے (سر مشاعرہ) اس پر یہ اعتراض کئے شیخ (امام بخش) کو دلیری مرزا صاحب کی نہایت ناگوار گزری موجی رام میاں مصحفی کے پاس التجا لے گیا میاں صاحب نے کہا شاگرد کے واسطے آشنا سے بگڑنا نہ چاہیئے ایسے بہت بن سکتے ہیں۔ جب ناسخ نے سنا کہ مصحفی حمایت موجی رام کی نہیں کرتے اسے اپنے پاس بلا بھیجا اور یہ سوال و جواب ایک بند کاغذ پہ لکھ کر اسے دیئے کہ دوسری صحبت میں سر مشاعرہ اسے پڑھے۔ افصح الفصحاء مرزا قتیل صاحب آپ نے جو مجھ ہیچمدان کی غزل پہ یہ اعتراض کئے ہیں کہ گلاب بمعنی گل غیر مستعمل ہے (اور ہ اردو میں نہیں آیا) ایسا کلام لایعنی آپ سا شاعر فخر زمانہ کہے بسا عجب ہے نہیں جانتے ہو کہ محاورہ اہل ہند میں گلابی جاڑا اسے کہتے ہیں کہ موسم گلاب میں ہو اور گلابی رنگ کہ منسوب بہ گلاب ہو قطع نظر میر محمد تقی کہ زبان ریختہ میں سہیم و عدیل نہیں رکھتے فرماتے ہیں ؎

---

[1] ن۔ پ دلوائیے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

مرزا مظہر جان جاناں ؎

عالم ہے یہ پسینہ کا اس مست خواب پر　　پڑتی ہے اوس جیسے سحر کو گلاب پر

میاں مصحفی ؎

سرخ ہے مے سے دو چشم نیم خواب نرگسی　　یا یہ باغ حسن میں پھولا گلاب نرگسی

دیگر۔

دلی بھی طرفہ جا ہے کہ ہر اک گلی کے بیچ　　بکتے ہیں کوڑی کوڑی کٹورے گلاب کے

اور آپ نے جو فرمایا کہ چشمہ بیرون آب ہے فی الحقیقت سعدی نے گلستاں میں غلطی فرمائی ہے

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل　　چو پر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

اور آپ نے جو کہا کہ سراب محض ریگستان ہے اور موج سے کیا نسبت۔ ناصر علی کہتا ہے۔

نمی دانم کدامی شہسوار آمد دریں وادی　　کہ از صد جا گریباں چاک شد موج سرابش را

جواب آپ کے ہر اعتراض کا یہ ہے اور غزل ثانی تصنیف ضمیر کو جو آپ بے عیب کہتے ہیں ایک شعر میں دو اعتراض ہیں۔

وطن میں بھی نہیں سرگشتگوں کو چین ذرا　　کہ کم نہ ماہی کا ہو اضطراب در تہ آب

صاحب میرے "اضطراب ماہی در تہ آب" کوئی شاعر نہیں بولا کس واسطے کہ مچھلی کو سوائے پانی کے آرام نہیں اور اگر اضطراب بمعنی رفتار ہے اضطراب اور رفتار میں بڑا فرق ہے اور سرگشتہ مفرد، جمع اسکی (جس وقت کیجئے) بجائے ہائے ہوز کے کاف فارسی اور الف نون جمع کا آئے گا اور سرگشتگان ہوگا۔ سرگشتگوں کی ایجاد کہاں سے ہے زبان اردو کے جاننے والے فی زمانناً میاں مصحفی اور میر انشاء اللہ خاں

ہیں آپ عبث دخل در معقولات دیتے ہیں۔ فارسی آپ کی البتہ مشہور اس کو اصفہانی جانیں زیادہ والسلام والاکرام۔ تتمہ اشعار موجی۔

روئے صنم پہ کاکل پیچیدہ دیکھنا　　خورشید حشر شام میں پوشیدہ دیکھنا
یہ ضعف اور اٹھا ہی لیا میں نے کوہ غم　　اے عشق ہمت تن کاہیدہ دیکھنا

خط جو لکھو یا نامہ بر نے خوبی تقدیر ہے　　یوں ہی لکھا تھا ہمارا اس کی کیا تقصیر ہے

واں حنا بندی ہے اور زلفوں کا سلجھانا ہے　　یاں پریشانی ہے اور خون جگر کھانا ہے

جو آہ گردن تاثیر کی کمند نہ ہو　　کبھی وہ عاشق ناکام کی پسند نہ ہو
مرا صنم ہے وہ مہوش کہ جب کے مجمر کا　　بغیر خال رخ گلرخاں سپند نہ ہو

ریحان | [1] خوش رو اور نوجوان، لالہ دیا کشن تخلص "ریحان"۔ ابتدا میں مشق سخن اسے سخن سے تھی۔ موجی رام نے بسبب برادری اور واسطے اس کی درستی کے اپنا شاگرد کیا اور فی الواقع پہلے سے وہ اب اچھا ہے یہ شعر اس کے لکھے جاتے ہیں

مے گلرنگ جو ساقی نے جبری شیشے میں　　صاف دکھلائی دیا عکس پری شیشے میں

چودھویں شب کو جو الٹے یار چہرے سے نقاب　　منہ چھپائے بدر اپنا چادر مہتاب میں

---

[1] ن۔ پ لالہ دیا کشن تخلص ریحان خوشرو اور نوجوان ابتدا میں مشق سخن رام دیال سخن سے کی بعد اس کے موجی رام موجی نے بسبب قرابت کے درستی اس کے کلام کی کی۔

ناز سے جھوٹا پیالہ جب شکر لب نے دیا نوشِ دارو کا مزا پایا شراب ناب میں
اے زلیخا تجکو کیا قدر جمال یوسفی پ ہم نے بیداری میں دیکھا تو نے دیکھا خواب میں

دھڑکتا ہے جو ہر دم یہ دل بیتاب سینہ میں دل بیتاب ہے یا پارۂ سیماب سینہ میں
خیال ابروے دلدار[1] نے کی اِس طرح کاوش بنائی ناخنِ غم نے مرے محراب سینہ میں
ہوا ہر گز رفو چاک دل عاشق نہ عیسیٰ سے پ برنگ رشتہ کھایا اگرچہ پیچ و تاب سینہ میں
نہیں یہ داغ گلگشت چمن کی مجکو اے ریحاں کھلے ہیں داغ دل سے لالۂ شاداب سینہ میں

رنگیں رخ گل کیا ہے ترے رو کے برابر سنبل میں کہاں تاب ہے گیسو کے برابر
نافہ نہیں ہے حلقۂ گیسو کے برابر پ سودائی ہے جو مشک کبے مو کے برابر
پیری میں سے اسے وسمہ و ابرو کی طلب ہے ہو گا نہ نو کیا ترے ابرو کے برابر
وہ سلسلہ وہ تاب وہ خم لاے کہاں سے زنجیر ہو کیوں کر ترے گیسو کے برابر
صیاد کا وہ صید یہ صیاد کی صیاد آنکھ اس کی نہ سمجھے کوئی آہو کے برابر

مجروح[3] نوجوان صورت دار، حریف اور عیار، نزاکت اور لطافت میں ہمہ تن روح، لالہ لالتا پرشاد تخلص "مجروح"۔ شاعر خوش گپ باریک خیال، علم فارسی و عربی دانگہ بزی علی قدر حال شاگرد لالہ سوجی رام قرابت میں برادر خالہ زاد یہ اشعار بہ ہوش اس سے یادگار۔

وداعِ یار ہے یا ترک زندگانی ہے غمِ فراق ہے یا مرگِ ناگہانی ہے
نظر فریب چمن کیوں نہ کھاے رخ پہ ترے بہار حسن ہے اور عالمِ جوانی ہے

---

[1] ن۔ پ خمدار [2] ن۔ پ اس قدر

[3] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

مریضِ ہجر کی آئی ہے جان ہونٹوں پر
دکھاؤ جلد جو صورت ہمیں دکھانی ہے
غبار کیوں نہ ہو عاشق کو تیرے مجنوں سے
کہ دشتِ نجد کی بھی اس نے خاک چھانی ہے
قدم جو اس کا نزاکت سے اٹھ نہیں سکتا
مریضِ عشق کو بھی عذرِ ناتوانی ہے
ہوا صنم جو ہم آغوش آپ سے مجروح
خدا کی بندہ پہ کچھ اپنے مہربانی ہے

کون اس نرگسِ بیمار کا بیمار نہیں
کون اس ساغرِ سرشار کا سرشار نہیں
شہر بھر کیوں نہ ہو مشتاق اشارہ کا ترے
عید کا چاند ہے یہ ابروئے خمدار نہیں
اس قدر برق طپاں ہو نہ تڑپ پر نازاں
تو نے کیا دیکھی میری آہِ شرر بار نہیں
وہ ہیں مجروح جہاں میں ہوں بقول استاد
دل پہ سو زخم بدن پر کہیں آثار نہیں

شباب [1] | عقلِ رسا ذہن اس کا تیز اہالی سرکار انگریز، لالہ رام دیال تخلص "شباب"۔ شاگرد لالہ موجی رام۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے انتخاب۔

لا مکاں سے کم نہیں ویرانہ مجھ یار کا
کام کیا ہے خانۂ دل میں در و دیوار کا
کی خطائیں نے چھوا جو گیسوئے مشکین یار
سیکھ لینا تھا مناسب پہلے افسوں مار کا
زلفِ خوباں میں دلِ صد لخت ان کا پھنس گیا
شیخ کی تسبیح میں رشتہ پڑا زنار کا
کر ترحم اے شکر لب اشک باری پر مری
تشنہ لب کب تک رہوں میں شربتِ دیدار کا

دردِ دل یاں تک چھپایا میں نے سودا ہو گیا
ضبط کرتے کرتے سب پر راز افشا ہو گیا
میری وحشت نے نہ رکھا راہ میں پست و بلند
پاؤں کے نیچے برابر کوہ و صحرا ہو گیا

رفیق [2] | خوش سواد لالہ لچھمن پرشاد تخلص "رفیق" قوم کائستہ سری واستو۔ موجی رام ان کے استاد تھے۔ یہ اس سے یاد۔

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

[2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

نہ راحت وصل سے پائی نہ غم دیکھا جدائی میں
غم و راحت نہیں پیدا جہاں کی آشنائی میں
کہے کیوں کر نہ مجکو صاحب اکسیر اک عالم
گلایا میں نے دل اپنا غم رنگ طلائی میں
رفیق اس کے لب شیریں کے بوسے بھیک لیتا ہے
مزا ملتا ہے اسکو بادشاہی کا گدائی میں

اس پہ دوڑا ہے جو توسن اس بت چالاک کا
آسماں پر ہے دماغ اب میری مشت خاک کا
برق چمکی ہے اسی کی خرمن دل پر مرے
ذرہ ہے خورشید جس کے روئے آتش ناک کا
ڈر گیا دل سینہ سوزاں سے پارہ کی طرح
ہے تصور مجکو کس کے روئے آتش ناک کا
یا سبو اس سے بنانا یا بنانا جام سے
کاسہ گر رکھنا ادب رندوں کی مشت خاک کا
چاہتا ہے ضبط سے دریا کرے کوزے میں بند
ماجرا ناگفتنی ہے دیدۂ نمناک کا
ہیں تصور کے یہ جھونکے اونگھنا ہرگز نہیں
خال لب دیکھا ہے جب سے نشہ ہے تریاک کا

کروں شکوہ میں اس بیوفا کی بے وفائی کا
کہ خونریزی میں کرتا ہے ادا حق آشنائی کا
عجب کیا ہے اگر ہوں دانت کھٹے تجھ سے شیریں کے
ترے ہونٹوں سے دل پھیکا ہو شکر کی مٹھائی کا
نہ دیکھے خواب میں دشمن بھی اپنے دوست کی دوری
غضب ہے عاشق و معشوق میں ہونا جدائی کا

ضمیر | شیریں سخن، خوش تقریر، جلیس بے نظیر، میر مظفر حسین تخلص "ضمیر" خلف میر قادر حسین شاگرد میاں مصحفی۔ میاں صاحب تذکرہ دوم میں لکھتے ہیں کہ معرفت واجد بخذ متم آمدہ شیرینی تقسیم کردہ رو بروہمہ با شاگرد من شد۔ اس اعلان کے ساتھ لکھنا خالی اس سے نہیں کہ پہلے کسی کی شاگردی سے انکار کیا ہو المختصر غزل میں اس کی سحر کا انداز و مرثیہ گوئی بمنزلہ اعجاز، عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ تا حضرت اقدس و اعلیٰ معزز اور ممتاز ایک سال میں دو تین خواب کہ تعبیر ان کی دولت بیدار ہے وہ مشاہدہ فرماتا ہے اور

ذکر اس کا بشارت کی طرح زبان پر آتا ہے۔ [1]یہ اشعار اس سے یادگار

صدمہ سے شب ہجر کے کب جان بر آئی ۔ یہ شام نہیں آئی قضا ہی مگر آئی
دیکھا مرا بستر جو کل اس شوخ نے خالی ۔ ہر چند کیا ضبط مگر چشم بھر آئی
کرتا ہے کئی دن سے مرے قتل کی تدبیر ۔ صد شکر کہ اس بت کی طبیعت ادھر آئی
آتے ہی ترے آگئی اک جان سی تن میں ۔ اے نکہت گیسوئے معنبر کدھر آئی
گلشن میں خزاں آئی تو بلبل یہ پکاری ۔ اب فصل بہار گل داغ جگر آئی
تربت پہ چڑھانے کو ترے سوختگاں کے ۔ لے کر پر پروانہ نسیم سحر آئی
پوچھو تو ضمیر جگر افگار کہاں ہے ۔ جس دن سے گیا وہ نہ پھر اس کی خبر آئی
حالت مری جب اس کو دگرگوں نظر آئی ۔ اوروں کی تو کیا چشم مسیحا کی بھر آئی
کاہیدہ کیا آہ جنوں سے مجھے یاں تک ۔ زنجیر مرے پاؤں سے آخر اتر آئی

حسرت کا داغ لے کے چلے ہم بجائے گل ۔ سب سے کہیں گے ہم بھی گلستاں سے لائے گل
ہے یہ جگہ ادب کی تو آہستہ چل صبا ۔ شمع سر مزار مرے ہو بجائے گل
قسمت تو دیکھئے کہ صبا نے پس از وفات ۔ سونگھے مرے مزار پہ لا کر چڑھائے گل
اس کے نہ چشم سی ہے نہ ابرو ہے نہ ادا ۔ بلبل تو کیا سمجھ کے ہوئی مبتلائے گل
ہے میری اور ان کی محبت میں فرق یار ۔ میں نے جگر پہ اوروں نے ہاتھوں پہ کھائے گل
معشوق بھی تو چرخ کی گردش میں آگئے ۔ دیکھو کہ ٹکڑے ٹکڑے ہے ساری قبائے گل
آیا ہوں سننے نالۂ مرغ چمن ضمیر ۔ لائی نہیں ہے باغ میں تجھ کو ہوائے گل

جب تک کہ تو جلوہ گر نہ ہووے ۔ میری شب غم سحر نہ ہووے

---

[1] ن۔ پ یہ شعر ان سے یادگار

افسوس کہ جہاں سے ہم گذر جائیں پ اور تیرا اد ھر گذر نہ ہووے
صد حیف ضمیر ہم تو رو دیں پ اس کی کبھی چشم تر نہ ہووے

تب میسر مجھے اک بوسۂ جانانہ ہوا جب کہ میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

حسنؔ امیر کبیر صاحب شعر و سخن (خوش تقریر) حسن علی خاں تخلص "حسن" خلف الصدق رمضان علی خاں بہادر شاگرد ضمیر [a] اس کا کلام دل پذیر

دلبر ہو، صنم ہو دلربا ہو کچھ تم کبھی تو منہ سے بولو کیا ہو
بیکار ہے وہاں قبائے اطلس جس تن پہ کہ نقشِ بوریا ہو
جلوہ دے اگر پری کی صورت آئینہ دل میں گر جلا ہو
کرتا ہے جفائیں گو حسنؔ وہ تم اپنی طرف سے تو نبا ہو

منیرؔ جوان اور متقی، مرثیہ گوئے حضرت شبیر مرزا اکبر علی تخلص "منیر" شاگرد میر (مظفر حسین) ضمیر خلف مرزا محمد تقی مخاطب بہ خان رسالہ دار سوار ان متوطن [b] دہلی مقیم لکھنؤ (مرثیہ گوئے حضرت شبیر) ہر مہینہ میں بزم عزا کرتا ہے اور ایک مرثیہ نیا کہہ کے پڑھتا ہے۔ اگر یہی شغل رہا تو نام اور ہو گا کس واسطے کہ معاش کی طرف سے خیلے اطمینان اسے ہے

کبھی دو چار شعر عاشقانہ بھی (بسبب) تقاضائے جوانی سے کہتا ہے چنانچہ

رخ روشن پہ کھلی زلف چھپا گیا ہے سحر عید پہ لطف شب میلاد آگیا ہے
شکل مشتاقوں کو برسوں جو نہیں دکھلاتے اس نعیمہ کا مری جان یہ چہرہ کیا ہے
دہن تنگ کی توصیف میں، عاجز ہے زباں شعراء سے نہیں کھلتا یہ معمہ کیا ہے

---

[a] ن - پ من کلامہ [b] ن - پ وطن

باتیں کرتے ہو مگر شکل نہیں دکھلاتے — بے تکلف ہوئے جس وقت تو پردہ کیا ہے
وہ اگر حسن میں نایاب تو میں عشق میں فرد — بے مثالی کا مرے یار کو دعویٰ کیا ہے
چھوڑ دیا مرثیہ گوئی کا طریقہ نہ منیر — شعر کہتے ہیں کسے غزلوں کا چرچا کیا ہے

سبزہ ہے فصل گل ہے ہجوم بہار ہے — اے گلعذار آ کہ ترا انتظار ہے

ہے خریدار زلیخا کی طرح یوسف بھی — گرم جس دن سے ترے حسن کا بازار ہوا
دور آنکھوں سے جو تیرا مہ رخسار ہوا — روز روشن مری نظروں میں شب تار ہوا
دیکھ کر دانہ خال رخ پر نور صنم پ — مرغ دل دام میں الفت کے گرفتار ہوا
میں جو یاد در دندان صنم میں رویا پ — جو گرا اشک کا قطرہ در شہوار ہوا

گریاں شاعر شیریں بیان سید محمد حسین تخلص "گریاں" خلف سید حسین علی عرف حسن مرزا ابن میر اکبر علی نیزہ باز، میر ضمیر کے تلامذہ میں ہمستانہ۔ مرثیہ اور سلام کہتا ہے بسبب تقاضائے جوانی کبھی کبھی غزل خوانی بھی کرتا ہے۔ یہ اشعار اس سے یادگار

کمال ابروے جاناں کو کچھ زوال نہیں — کمی ہلال فلک کو ہے یہ ہلال نہیں
دکھاؤ خواب میں صورت تو کچھ محال نہیں — ہزار حیف کہ تم کو مرا خیال نہیں
مری امید نظارہ نہ قطع کر قاتل — جگر نکال لے آنکھیں مری نکال نہیں
ستم ہے اس پہ کرہ ہے یہ نرگس بیمار — ملو نہ پاؤں سے تم دیدۂ غزال نہیں
لگا کے ٹھوکریں کبک دری کو کہتے ہیں — نصیب یہ تو ترے چاند کو بھی بال نہیں
اڑوں ہزار نہ بام قفس تلک پہنچوں — کوئی جہان میں مجھ سا شکستہ حال نہیں

ترا نہ امن ہے کیوں تم[1] کیا کسی نے اشک پونچھے ہیں
بتا دے جلد میرا دم نکلتا ہے تو ہم سے
ترے کوچہ میں پائی ہے جگہ مر مر کے اے ظالم
غبار خاکساری ست اڑا رہوار کے سم سے

دبیر| عطارد نظر بیاں "دبیر" جودت اس کی طبع کی تقریر سے باہر اور تحریر سے زیادہ طبیعت اس کی مضمون کے بیدار کرنے پر آمادہ مرثیہ گوئی میں گوے سبقت ہمگناں سے لے گیا ہے اور زمین سلام کو اس کی فکر بلند نے آسمان کیا ہے (مرثیہ لاجواب ہر بند اس کا انتخاب ایک ہم کیا ہزار زبان سے اس کا اشتہار) جو شہرت اس نے پیدا کی ہے بیان اس کا خیلے دشوار (ہے) وہ خوش تقریر طرہ دستار میر ضمیر ہے استاد ہیں اور اس میں جو بے لطفی سے ایک بزرگ کی زبانی مختصراً سے بیان کرتا ہوں۔ اس[2] نے یہ مرثیہ کہا

ذرہ ہو آفتاب در بوتراب کا

اصلاح کے واسطے استاد کی خدمت میں لے گیا کچھ کہیں نہ بنایا اور بہت پسند فرمایا پہلی روایت تو یہ ہے کہ میر صاحب نے اس سے کہا کہ یہ مرثیہ ہمیں دو کہ اس مہینہ میں ہم نے اس احوال کا مرثیہ نہیں کہا ہے اگر موقع اور مناسب ہوگا تو راجہ میوہ رام کی مجلس میں دو چار بند اس کے ہم پڑھیں گے

---

[1] ن۔ پ تم

[2] ن۔ پ مرزا سلامت علی تخلص دبیر

دبیر نے اس مرثیہ کی دو نقلیں لیں ایک اپنے پاس رکھی اور ایک صفیر کو بھیج دی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ میر ضمیر صاحب نے اس سے کہا کہ اس مرثیہ کو (راجہ) میوہ رام کی مجلس میں نہ پڑھنا قصہ کوتاہ جب مجلس کا دن آیا میر صاحب مع دبیر تشریف فرما ہوئے۔ مجلس کے آغاز کرنے کو دبیر سے کہا منبر پہ جاؤ اور کچھ پڑھو مگر وہ مرثیہ نہ پڑھنا اس حق ناشناس نے سامعین کو ہمہ تن اشتیاق دیکھ کر وہی مرثیہ شروع کیا میر صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ کیا حرکت ہے خیر اگر اس مرثیہ کو پڑھنا ہے تو علی الترتیب نہ پڑھ تا کبھی نہ مانا تمام و کمال مرثیہ پڑھا تعریف و رقت ایسی ہوئی کہ کسی کے ہوش بجا نہ رہے اور خاتمہ مجلس کا اسی پر ہوا۔ میر ضمیر نے راجہ کے کہنے سے دو چار بند کسی مرثیہ کے پڑھے اور نہایت بے مزہ منبر سے اترے پڑھنا میوہ رام کی مجلس میں اور ملاقات دبیر کو برابر ترک کیا اس نقل سے نتائج ہوشیاری دبیر کی ظاہر۔ واللہ عالم بالصواب۔

یہ شعر کہ اکثر دوستوں کی زبان پر اس کا سنا ہے لکھا جاتا ہے۔

مے سے توبہ کی ستمگر نے غضب توڑ دیا شیشہ
جبکہ تیار مری خاک سے پیمانہ ہوا

اسیر | (عطار و قلم) منشی بے نظیر شاعر خوش تقریر میر مظفر علی خلص "اسیر" ساکن قصبہ امیٹھی شاگرد میاں مصحفی صحبت سراسر افادت میر صاحب کی ناقص کو کامل اور ذرہ کو آفتاب بناتی ہے[1]

---

[1] ن۔ پ کرتی

چند روز میں شاگرد مثل استاد صاحب ارشاد ہو جاتا ہے۔ فیض عام خاص ان پر تمام، کہ کلام
ملا سید کا استاد سے پہلو بہ پہلو ہو باوجود کم فرصتی کے دیوان ان کا (دیوان) عام اور غلو
شاعری تمام ہے مشق[۱] سخن اس قدر کہ دو شخص ان کی تصنیف بدیہتہ نہیں لکھ سکتے۔ ہندی
اور فارسی اور منقبت میں چار دیوان کہ چار دانگ ہندوستان میں انکا شہرہ ہے۔ یہ[۲] اشعار

اسی سید بزرگوار سے یادگار۔

ہوکر بلا جو کوچہ ترا کیا بعید ہے — تیرے حسین بند کا عالم شہید ہے
کیوں کر نہ دیکھیں راحت و غم آسماں سے ہم — کوئی ستارا نحس ہے کوئی سعید ہے
مردانِ حق پرست ہیں آلائشوں سے پاک — محتاجِ غسل کا وہ نہیں جو شہید ہے
ہر دم شبِ فراق میں دم توڑتا ہوں میں — سچ ہے کہ انتظار عذاب شدید ہے
ہر موج بادہ ساقی کوثر کے فیض سے — قفلِ در بہشت کی ساقی کلید ہے
لالے کے پھول کہتے ہیں فصل بہار میں — ہر سال زندہ ہوگا جو اس کا شہید ہے
ہوئے ہر ایک آبلۂ پا میں کیوں نہ خار — جو قفل ہے جہان میں اس کی کلید ہے

نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی — آج[۳] کیا جاتے ہوئے آپ نے دنیا دیکھی

خوف رکھتا ہے مرے اشک کی طغیانی سے — تن چھپاتے ہے فلک ابر کی بارانی سے
نشۂ بادہ اڑاتا ہے سلیماں کی طرح — کم نہیں کشتیِ مے تخت سلیمانی سے

---

۱ ن۔ پ روانی طبیعت میں ایسی ۲ ن۔ پ یہ چند شعر کہ مثل گوہر شہوار کے
ہیں لکھے جاتے ہیں کہ ناظرین کو اس سے حظ حاصل ہو
۳ لہ۔ پ آج کیا آپ نے

اشک طوفاں اگر بپا کرتے ناخدا بھی خدا خدا کرتے
ایک ٹھوکر اگر لگاتے وہ مرغ تالی کو بھی ہما کرتے

پیشِ نظر یہاں لبِ نانِ حلال ہے میں آسمانِ فقر ہوں اور یہ ہلال ہے
دے ہاتھ اور بھی تنِ مجروح پہ لگا قاتل ہر ایک زخم زباں سوال ہے
باقی ہے عشق ہوے گر بعد مرگ بھی کاسہ جو اپنی خاک کا ہے اس میں بال ہے
شاید بساط دہر ہے شطرنج کی بساط [1]جس کو دیکھتا ہوں جدا اس کی چال ہے

خیال گردنِ چشمِ بتِ مستانہ آتا ہے ہماری بزم میں شیشہ پہ پیمانہ آتا ہے
لباسِ ظاہری پر عاشقِ صادق نہیں مایل نہ ہو فانوس میں گر شمع کب پروانہ آتا ہے
ترش کر زاہدِ دہر بت بنا ہے سنگِ اسود سے تمھاری فہم میں کب رتبہ بتخانہ آتا ہے
پسینہ شمع کو آیا ترے عارض کے پرتو سے پ پروں کا بادکش لیکر ہر اک پروانہ آتا ہے
پری رہ خندۂ دنداں نما کو بھول جاتے ہیں نظر جس دم تری شمشیر کا دندانہ آتا ہے
نہیں میخانۂ عالم میں لازم اضطراب اتنا کہ پھرتے پھرتے سب کے ہاتھ میں پیمانہ آتا ہے
نہیں رہتا ہے عشقِ پاک کو کچھ شرم سے مطلب پ حضورِ اہلِ محفل شمع پر پروانہ آتا ہے
اسیر افتادگاں سے سرکشانِ دہر عاجز ہیں جھکائے سر کو شیشہ جانبِ میخانہ آتا ہے

تصورِ لبِ جاناں میں داغ کھاؤں گا چراغ آتشِ یاقوت سے جلاؤں گا

کبھی تسبیح سے ہوتا نہیں زنار جدا کون کہتا ہے کہ ہیں کافر و دیندار جدا
واے بے رحمی صیاد کہ ہے ظلم پہ ظلم سب اسیروں سے کیا مجھکو گرفتار جدا

---

[1] ن۔ پ جس کو میں۔

کبھی نہ نقل میں ہو اصل کا ہنر پیدا　　چھڑی کی شام سے ہوتی نہیں سحر پیدا
کرے جو بند در باغ باغبان گیا غم　　کبھی تو ہوں گے ہمارے بھی بال و پر پیدا

دیکھ کر خانۂ صیاد چمن بھول گیا　　کیا غریبی میں مزا تھا کہ وطن بھول گیا
اُس کی جب مانی و بہزاد نے کھینچی تصویر　　اک کمر بھول گیا ایک دہن بھول گیا
مجھ سے وحشی کے جو ہمراہ چلا چار قدم　　چوکڑی دشت میں ہر ایک ہرن بھول گیا
ہر طرح راہ عدم کی مجھے در پیش رہی　　یاد آئی کمر اس کی جو دہن بھول گیا
ہیں وہ عریاں کہ رہا بعد فنا بھی عریاں　　دفن کے وقت عزیزوں کو کفن بھول گیا
ہوں وہ دیوانہ جو ہمراہ چلا میرے امیر　　اپنی رفتار کو یہ چرخ کہن بھول گیا

اپنا تنِ خراب بنا اور بگڑ گیا　　یک دم میں یہ حباب بنا اور بگڑ گیا
معلوم بے ثباتیِ گردوں ہوئی مجھے　　پانی پہ جب حباب بنا اور بگڑ گیا
دل اپنا جمع ہو کے پریشان ہو گیا　پ　شیرازۂ کتاب بنا اور بگڑ گیا

مثلِ نے انجمنِ دہر میں ناشاد ہیں سب　　دہن غیر سے آمادۂ فریاد ہیں سب
یار کا ہے جگر و دیدۂ و دل میں مسکن　پ　ہے عجب ایک مکیں سے یہ گھر آباد ہیں سب
قافلہ سے ہے نہاں کون سا رشک یوسف　　زنگ کی طرح جو آمادۂ فریاد ہیں سب
مصحفی جب سے گیا عالم فانی سے امیر　　ایک استاد نہیں کہنے کو استاد ہیں سب

کیا کیا نہ لوگ منزل ہستی سے اٹھ گئے　پ　کاشانۂ عدم میں ہوئی انجمن درست
کیوں کر جلی کٹی نہ ہو گلگیر و شمع میں　　اس کی زباں درست نہ اس کا دہن درست

ہے داغِ عشق سے یہ دلِ پرمحن درست ماہِ شکستہ مہر سے ہوتا ہے تتمہ درست
کیوں شوقِ تیغِ یار میں تڑپے نہ مرغِ[1] جاں صیقل نے جوہروں کا کیا ہے چمن درست

بہ یہ ہر دن استخواں لائے ہیں کوئے یار میں ٭ مہرباں ہیں کس قدر مجھ پر سگانِ کوئے دوست
ہے بجا باغِ ارم سے ہم اگر تشبیہ دیں ٭ نام سنتے ہیں نہیں پایے نشانِ کوئے دوست

روشن اس بدر کے آنے سے ہوا میخانہ آج ٭ ہالۂ مہ سے نہیں کم گردشِ پیمانہ آج

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی ٭ خیر باقی ہے اگر یار تو صحبت باقی

موزوں | جدیاے تازہ مضمون (سید صحیح) میر نواب تخلص "موزوں" لطف داخلاق میں بے نظیر۔ شاگردِ میر مظفر علی اسیر۔ یہ اشعار[2] اُس سے یادگار

غنیمت جان لو زور آور و زورآزمائی کو ضعیفی میں کروگے یاد پنجہ کو کلائی کو
جما یا رنگ اپنا رفتہ رفتہ بزمِ جاناں میں کہاں سے میں کہاں پہنچا کوئی دیکھے رسائی کو
جو تیری راہ میں ہیں پاؤں اپنے توڑ کر بیٹھے سمجھتے ہیں وہ بدتر خاک سے بھی مومیائی کو
ہمارا سوزِ فرقت ہے اندھیرے گھر کا اجیالا ٭ رسائی ہے فلک کو آہِ سوزاں کی ہوائی کو
عروسِ حسن کا گھونگھٹ اٹھا دے جلد مشاطہ لئے ہیں نقدِ جاں ہاتھوں میں عاشق رونمائی کو
مزہ یہ ہے کہ ان شیریں لبوں سے گالیاں کھائے ٭ کبھی عاشق کا جی چاہے جو لینے کی مٹھائی کو
قدم گر درمیاں ہوتا نہ اس محبوبِ عالم کا نہ دیتا جلوہ ہستی کا خدا اپنی خدائی کو
کوئی مشکل نہیں ایسی نہ ہو آساں جو اے موزوں علی کا نام کافی ہے تری مشکل کشائی کو

---

[1] ن۔ پ مرغ [2] ن۔ پ من کلامہ

شب گریباں عطر سے اس کا جو خوشبو ہو گیا　　اُڑ چلا جگنو گلے کا یہ کہ جگنو ہو گیا
کینچلی کو جھاڑ کر جس طرح اڑ چلتا ہو سانپ　　چھوڑ کر موباف کو طرہ وہ گیسو ہو گیا
بیشتر سنتے ہیں کنگھی کی زباں سے ہم یہ بات　　پ　مل گیا جس سے یہ رو مثل گیسو ہو گیا
کم نہیں سکتہ سے بوسہ غیر جاہل کا صنم　　(کذا) آج ناموزوں ترا مصراعِ گیسو ہو گیا
عشق چشم یار کی تاثیر دیکھو بعد مرگ　　استخواں کھائے جو میرے سگ نے آہو ہو گیا

محبت کیجئے اس سے کہ جو معشوق پر فن ہو　　ادا و ناز شوخی ہو شرارت ہو لڑکپن ہو
اندھیری رات میں وہ مہ جبیں لبِ جو آ نکلے　　تو گھر کو چاند لگ جائے ہر اک دیوار روشن ہو
اگر کاتب لکھے تو سرد (کذا) میری وحشت کے　　تو سو سو ٹکڑے اک اک حرف کا کاغذ پہ دامن ہو
جو اس پر عکس پڑ جائے ترے دانتوں کا اے ساقی پ　　تو مالا موتیوں کا ہو وے اور شیشہ کی گردن ہو
اُسی محبوب کو دیجو مرا نامہ تو اے قاصد　　کتابی جس کا چہرہ ہو بیاضی جس کی گردن ہو

بعد مرنے کے بھی پیسا گردشِ افلاک نے　　میری مٹی کو دیے چکر ہزاروں خاک نے
شیشۂ ساعت بعینہ بن گیا ہے آسماں　　سر اٹھایا ہے ترے وحشی کی جس دم خاک نے
تیری دولت سے جنوں ہر ایک خار دشت کو　　لال گوڈر کو بنایا ہے مری پوشاک نے

عالی | شاعر غالی، میر بندہ حسین تخلص "عالی" برادر میر نواب شاگرد میر مظفر علی اسیر۔ من کلامہ

ابرو نہیں ہیں اس کے رخ بے نقاب پر　　آتے ہیں دو ہلال نظر آفتاب پر
افزوں ہے آفتاب قیامت سے روئے یار　　عالم ہے صبح حشر کا اس کی نقاب پر
پھروں ترے فراق میں اے رشک آفتاب　　رو دیا کیا ہوں خندۂ جام شراب پر
دیکھی جہان میں نہ کوئی فرد بے رقم　　خطِ شعاعی ہے ورق آفتاب پر

آتی ہے یاد جب اسے ساقی کی چشم مست — منہ رکھ کے شیشہ روتا ہے جام شراب پر
سچ ہے کہ آسماں بھی کتنا بخیل ہے — پ دیتا ہے جان اشرفی آفتاب پر
ہر لحظہ یاں دو چند نظارہ کا شوق ہے — اور اس طرف نقاب پڑی ہے نقاب پر
تابوت دو پہر کو جو اٹھے تو خوب ہے — ہم مر گئے ہیں یار کے حسن شباب پر
شاہی کیسے نصیب ہوئی ہے گلیم میں — یہ ختم ہے جناب رسالت مآب پر

کس مہر کی سواری کا یہ اہتمام ہے[1] — مشعل لیے جو ہاتھ میں ماہ تمام ہے
تو گل ہے میں عندلیب تو مہتاب میں چکور — عاشق ہوں ہر طرح سے مجھے تجھ سے کام ہے
گو وہ جفا کریں گے نہ چھوڑیں گے ہم وفا — ان کا وہ کام ہے تو ہمارا یہ کام ہے

ہے تو بے بنیاد دل رکھتا ہے پر فولاد کا — دے نہیں سکتا فرشتہ ساتھ آدم زاد کا
قبر مجنوں پر چڑھائی جا کے لیلیٰ کی شبیہ — آب شیریں پر دلایا فاتحہ فرہاد کا
دشت میں گزرے تو ہم مجنوں کو روئے خوب سا — پ کوہ پر آئے تو واں ماتم کیا فرہاد کا
دیں تجھے اللہ نے سارے جہاں کی خوبیاں — حسن بخشا ہے پری کا جامہ آدم زاد کا
دور ہوئے کس طرح سے ابروئے قاتل کا خم — پ بل نکلتا ہے بہ وقت خنجر فولاد کا
یوں ہی دوڑائے گی گر وحشت[2] بیاباں میں مجھے — ساتھ مجھ سے چھوٹ جائے گا مرے ہمزاد کا
ہیں گرفتار محبت عاشقوں کے مرغ دل — پ گیسوئے خمدار ہے یا دام ہے صیاد کا
اب تو نفرت ہو گئی عالی تعلق کے ذکر سے — دھیان رہتا ہے ہمیں ہر دم خدا کی یاد کا

درخشاں | شاعر بامزہ، صاحب مشاعرہ میر علی جان تخلص "درخشاں" کہنا ان کا نہایت چمک دمک کے ساتھ اور ترقی اور تنزل دونوں کا، میر مظفر علی اسیر

---

[1] ن۔ پ کس   [2] ن۔ پ۔ وحشت گر

کے ہاتھ ۔ یہ اشعار اس سے یادگار ہ

نہیں ہے فائدہ ناقص کے آزمانے میں — یہ تیغ ٹوٹتی ہے بیشتر کسانے میں
مزہ ملا ہے مجھے قید میں یہ اے صیاد — قفس کو یاد کروں گا میں آشیانے میں
ملے نہ وصل کی لذت رقیب کو یارب — چھوئے جو زلف تو پیدا ہو سانپ شانے میں
دکھائے چہرہ وہ مطرب پسر ہمیں کیونکہ — کہ لن ترانی کی آواز ہے ترانے میں
ہو آفتاب بھی اُس کا کلنک کا ٹیکا — کب آئے نور ہمارے سیاہ خانے میں
اڑا رہے ہیں جو ہر روز آپ گلچھرّے — خزانہ ہے کوئی بندوق کے خزانے میں
ہوا یہ چاند گہن دیکھ کر مجھے روشن — کہ رنج سے کوئی خالی نہیں زمانے میں
تمہارے آنے سے ہوگا چمن یہ بالیدہ — پھنسے گی پھول کے بلبل ہر آشیانے میں
جو اپنی زلف میں لیلےٰ کرے تری کنگھی — لگاؤں توڑ کے آری کے دانت شانے میں

درخشاں بوئے گل سے اور دم رکتا ہے گلشن میں
گریباں موسم گل میں نہیں پھانسی ہے گردن میں
پری رو تیرا دیوانہ کبھی آیا جو گلشن میں
بجائے گل بھرے گلچیں نے پتھر اپنے دامن میں
الٰہی کون دن ہوگا کہ چلّائیں گے یہ گلچیں
چلو دیوانو زنداں سے بہار آئی ہے گلشن میں
خیالِ کوچۂ جاناں جو بعد مرگ رہتا ہے
درِ جنت کشادہ ہے ہمیشہ میرے مدفن میں
جو نازک دل ہیں رہتے ہیں بری آفات عالم سے
نہ دیکھا طوق آہنگ ایک دن شیشہ کی گردن میں (پ)

ہمیشہ باغباں پانی چھڑکتا ہے نہیں بجھتی
یہ کس کے پرتو رخ سے لگی ہے آگ گلشن میں

صفائے قلب سے ہر ایک کی صحبت میں ہوں شامل
نہیں ہے فرق مثل آئینہ کچھ دوست دشمن میں

خیال آیا یہ مجھکو دے جاناں سے پھرا قاصد
فرشتے پرسشِ اعمال کو آئے ہیں مدفن میں

خدا بھی دیے ہیں داغ اتنے اس نے بلبل کو
بکھرے ہیں پھول چننے توڑ کر گلچیں نے دامن میں

یہ کس غنچہ نے نقد جان بلبل کو چڑھایا ہے
کٹورا پھول کا جو پھول دوڑاتے ہیں گلشن میں

مجھ سا نحیف و ناتواں پایا ہے اس تدبیر پر
گریہ آتا ہے مجھے صیاد کی تقدیر پر

قید کی مدت کو ہم سے پوچھتا ہے کیا جنوں
مورچہ لگ گیا ہے آہن زنجیر پر

تھا میں وہ بسمل مرے ماتم نے بیدم کر دیا
دم تو دیکھو ہاتھ رکھ کر سینۂ نخچیر[1] پر

اے مصور خوب تجھے رونے کی اگر واقف ہو تو
چاہیے دامن کبھی میرے دیدۂ تصویر پر

کیا تڑپنے نے مرے اُس ترک کو حیراں کیا
رہ گئی چٹکی لب سوفار بن کر تیر پر

تیرے بسمل پیاس میں شربت کے کب محتاج ہیں
آب چھل میں ہے تماشہ قبضۂ شمشیر پر

باد نا دیکھو درخشاں سا نہ پاؤ گے کبھی
ہاتھ رکھیے گا سمجھ کر قبضۂ شمشیر پر

کیا سامنے رکھے وہ پری پیکر آئینہ
ہے اعضائے تن سے اُس کے نہیں بہتر آئینہ

---

[1] ن۔ب شمشیر

طالب نہ حسن کا ہوں کہ جائے خط گناہ ؎ ہاتھوں میں میرے ہوگا دم محشر آئینہ

خوب واقف نہیں گلچیں گل و شمشاد سے ہم ؎ ابھی آتے ہیں چلے خانۂ صیاد سے ہم

انس پیدا قفس و دام سے آخر یہ ہوا ؎ چھوٹ کر بھی نہ گئے خانۂ صیاد سے ہم

مے کسی غیرت شیریں کے لئے کھنچوائیں ؎ پائیں انگور جو زخم سر فرہاد سے ہم

ابر | شوق شاعری سے بے صبر، شیخ رعنا علی تخلص[1] "ابر" شاگرد امیر (مظفر علی) اسیر۔ یہ[2] اس کی تقریر

وہ خون ہے دریا بھی مقابل نہیں ہوتا   سیراب مگر خنجر قاتل نہیں ہوتا

کب تیغ نگہ سے تری بسمل نہیں ہوتا ؎ پر سیر کسی طرح مرا دل نہیں ہوتا

وہ جلوہ ترے حسن کا ہے غیرت خورشید ؎ ذرے کے بھی خورشید مقابل نہیں ہوتا

ٹھوکر سے جلاتا ہے یہ وہ اذن خدا سے ؎ عیسیٰ مرے عیسیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

آتا نہیں ہے رنگ کبھی ہاتھ میں اس کے   مہندی میں مرا خون جو شامل نہیں ہوتا

کیا ابر کو نسبت ہے تری چشم سے اے ابر   چشمہ کوئی دریا کے مقابل نہیں ہوتا

خیال آتا جو پہلے ہجر کے صدمے اٹھانے کا   نہ کوئی نام لیتا عشق کے کوچہ میں جانے کا

کروں گا نالہ جب دم میں پڑے گی برق گلشن پر   جلانا یاد ہے اے عندلیبو آشیانے کا

برہنہ پائی کو میری زبان خار سے پوچھو   بیاں کرنے گی وہ احوال کچھ صحرا میں جانے کا

سکندر نام رکھا ہے ہمارا ایک عالم نے   لیا ہے کام اس مہ رو کو آئینہ دکھانے کا

کیا کیا نہ ترے عشق میں اے فتنہ گر ملا   تن کو بخار سر کو مرے درد سر ملا

---

۱ ن۔ ب متخلص بہ   ۲ ن۔ ب من کلامہ

روشن ہے نام میرا گنا ہوں سے دہر میں ۔ مانند شمع ہے مجھے دامانِ تر ملا
آنکھوں کے بند ہوتے ہی سب حال کھل گیا ۔ مرنے کے بعد چشم[۱] کو نورِ بصر ملا
عنقا ہوا ہر ایک کبوتر جہان میں ۔ پ خط یار کو لکھا تو نہ پھر نامہ بر ملا

نازش | میر الٰہی بخش تخلص "نازش" ساکن خیرآباد[۲] میر مظفر علی اسیر[۳] سے مشورہ اور سازش۔ یہ اشعار اس سے یادگار

گیسو کو اُن کے ہاتھ لگایا تو کیا ہوا ۔ زنجیر کو جنوں میں ہلایا تو کیا ہوا
زنجیرِ زیست حلقۂ دام و بال تھی ۔ منت کو موت نے جو بڑھایا تو کیا ہوا
مضمونِ زلفِ یار گرہ در گرہ رہا ۔ چوٹی کا شعر ہم نے سنایا تو کیا ہوا
اقرارِ وصل کر کے عبث منفعل ہیں آپ ۔ پ حرفِ وفا زبان پہ آیا تو کیا ہوا
سنگیں دلوں کے دل میں نہ تاثیر کی ذرا ۔ پ نالوں نے آسماں کو ہلایا تو کیا ہوا
دیتے ہیں داغ مہ کو کرن پھول آپ کے ۔ بجلی کی بجلیوں نے جلایا تو کیا ہوا
ہے عرش پہ دماغ ترے خاکسار کا ۔ مٹی میں آسماں نے ملایا تو کیا ہوا
نازش کو کر دیا روش دورِ چرخ نے ۔ سو مرتبہ بٹھا کے اُٹھایا تو کیا ہوا

حنا[۴] | عبدالکریم خاں تخلص "حنا" مدتوں مثل حنا دست بدست رہا آخر میر مظفر علی اسیر کی آبیاری سے کچھ اس نے رنگ پکڑا۔ اشعار ناحق شناسی ہے ترک استاد کر کے میر وزیر صبا کا آشنا ہوا گیا کیا رنگ لایا ہے اگرچہ اب لکھنا اس کو یہاں گنجائش نہ رکھتا تھا مگر میر مظفر علی اسیر کا حق مجھ سے تلف نہ ہو سکا

من کلامہ

جسم گھل کر ہجر میں مثالی ہو گیا ۔ وصل جاناں ہم کو مضمونِ خیالی ہو گیا

---

۱ ن ۔ پ آنکھ ۲ ن ۔ پ تنیغ آباد ۳ ن ۔ پ شاگرد میر مظفر علی اسیر
۴ ن ۔ پ ۔ جب اس کے شعر نے کیس رنگ نہ پکڑا تو میر مظفر علی اسیر کے دست گرفتگان میں داخل ہوا ۔

شیشہ ٹوٹا آبلے سینہ کے کیا موقوف ہوں ‫ ‫زخم دل بھر جائیں کیونکر جام خالی ہوگیا
ذکر جب[1] سے یار کی زلف پریشاں کا کیا ‫ ‫وہ ہمارا حقۂ آشفتہ حالی ہوگیا

جی دیتا ہے بوسہ پہ طلبگار تمھارا ‫ ‫لیتا ہے گراں جنس خریدار تمھارا
کھودی گئی عاشق کی لحد گھر میں تمھارے ‫ ‫داخل ہوا جنت میں گنہگار تمھارا
ہاتھ بڑھا کر جو بلائیں تو وہ بولے ‫ ‫بس بڑھ نہ چلو دیکھ لیا پیار تمھارا
ہے جنس وفا حسن کے بازار میں عنقا ‫ ‫کیا لے گا بجز داغ خریدار تمھارا
صد شکر کہ تخفیف ہوئی دام بلا میں ‫ ‫پر کوتاہ ہوا گیسوے خمدار تمھارا
خورشید ہمیشہ ہے بلاے یرقاں میں ‫ ‫کب علیلی سے اچھا ہوا بیمار تمھارا

لگا ہے رودگ آنکھوں کو برا ہو بدگمانی کا ‫ ‫کھٹکتا ہے مژہ کی طرح سایہ یار جانی کا

گل کرتا ہے جو وہ رشک[2] چمن دریا میں ‫ ‫پھول جاتا ہے حبابوں سے چمن دریا میں
صحبت نیک دلِ بد میں اثر کرتی ہے ‫ ‫سانپ کا زہر سے خالی ہے دہن دریا میں
کیوں خوشی آئے نہ اُسے آب رواں کی محرم ‫ ‫کہ ازل سے ہے حبابوں کا وطن دریا میں

وہ دیکھا کرے ہر چند زحل چشم حسد سے ‫ ‫پر کیا آنکھ ملائے گا مرے طالع بد سے
صحرا میں مجھے دیکھ نہیں سکتا ہے مجنوں ‫ ‫پر اللہ بچائے نگہ دیدۂ بد سے

---

[1] ن۔ پ جس نے
[2] ن۔ پ غنچہ دہن

آنکھیں ملا رہا ہے زحل اس کے خال سے | لایا نہ رہ رنگ کنہیا (کذا) بلال سے
اے رشک ماہ ہیں جو یہی خوش خرامیاں | پانی بھرے گا کبک دری تری چال سے

لمونے برگ وحشت سے گلستاں مجکو جنگل ہے
میں ہوں وہ بید مجنوں شاخ آہو جسکی کونپل ہے
عجائب رنگ دکھلاتا ہے پرتو زلف شبگوں کا
کبھی ہونٹوں پہ مستی ہے کبھی آنکھوں میں کاجل ہے
شب فرقت میں لیوں میں شام سے تا صبح رو رہا ہوں
کہ بستر دامن دریا ہے بالاپوش بادل ہے

نہ رکھا شل قمر چرخ نے عریاں مجکو | تیس دن بعد ملا ایک گریباں مجکو
کیا نہ داغ جنوں سے مری مٹی ہے عزیز | گنج کی طرح کیا خاک میں پنہاں مجکو

حاصل کمال ہوگا نہ گھبرا زوال میں | پھولے گا پھول بدر کا شاخ ہلال میں
کرتی ہے خون پنجۂ مژگاں سے چشم یار | ثابت ہوا کہ شیر ہے آہو کی کھال میں
نالہ کہتا ہے عصائے فلک پیر ہوں میں | آہ کہتی ہے در عرش کی زنجیر ہوں میں
معرکے جیت لیے جوہر خاموشی سے | ہمہ تن گو کہ زباں صورت شمشیر ہوں میں

اُبھرے وہ دخل کیا ہے جو اس میں غرق ہے | پانی تمھارے چاہ ذقن میں عمیق ہے
اے ناخدائے کشتی پیکر یہ ہوش باش | آب بقا سے قلزم ہستی عمیق ہے

لازم ہے کوہ دشت میں مسکن ہو اے حنا — فرہاد اپنا یار ہے مجنوں شفیق ہے

عزیز — نوجوان سراپا تمیز شیخ تفضل حسین تخلص "عزیز" ولد مولوی عبدالاحد ابن مولوی فائق (مرحوم و مغفور) شاگرد میر مظفر علی اسیر
من کلامہ[1]

چھٹ کے دل چوٹی سے زلف پر شکن میں رہ گیا — چین سے نکلا اگر آہو ختن میں رہ گیا
یار نے دست حنائی سے کیا زخمی مجھے — کیا ہوا اگر چور ہر زخم بدن میں رہ گیا
سینہ کاوی جس نے کی مثل نگیں ہنگام فکر — نام اس شاعر کا بس ملک سخن میں رہ گیا
دل کے لینے پر تو خوش ہیں بوسہ لینے پر خفا — میں تو حیراں ان بتوں کے مکر و فن میں رہ گیا
یہ وہ یوسف ہے نہ پائی قید سے جس نے نجات — زلف سے نکلا جو دل چاہِ ذقن میں رہ گیا

جو مزا ہجر میں اُس بُت کے اٹھایا ہم نے — بخدا لطف نہ وہ وصل میں پایا ہم نے
صورت نقش قدم خاک سے ہرگز نہ اٹھا — دل کو اس کوچہ سے ہرچند اٹھایا ہم نے
زلف جاناں کی درازی کو نہ پہنچا ہرگز — اپنے مضمون کو سو بار بڑھایا ہم نے
یاد گلشن میں یہ تڑپے کہ قفس کو توڑا — خوف صیاد کو خاطر سے بھلایا[2] ہم نے
خاک میں مل گئے لیکن نہ خیال اس کو ہوا — کیسے بیدرد سے دل اپنا لگایا ہم نے
شوق پابوسی سے سر تیرے جو قدموں پہ دھرا — آج پھر حد سے قدم اپنا بڑھایا ہم نے

چاہِ ذقن کی تیرے صنم جس کو چاہ ہو — آب حیات اُس کو نہ مد نگاہ ہو
دیر و حرم سے کام بھلا اس کو کیا رہے — جس کا کہ آستانِ صنم سجدہ گاہ ہو

---

[1] ن ۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار ۔ [2] ن ۔ ب اٹھایا

دیکھے بدی کی آنکھ سے جو زلف و خالِ یار — مثلِ زحل جہان میں وہ رو سیاہ ہو
تڑپے تھے اِس اُمید سے کنجِ قفس میں کل — شاید کسی طرف تو نکلنے کی راہ ہو
کیا فائدہ ہے تیغ کو گر نا علم وہاں پہ — جس جا کہ ایک آپ کی کافی نگاہ ہو

کاظم | فکرِ درست طبیعت سائر، شیخ کاظم علی خاں تخلص "کاظم" اہلِ خطہ برادری اکرام محمد خاں، خانساماں، شاگردِ مظفر علی اسیرؔ۔ من کلامہ[2]

جلوہ گر لختِ جگر دیدۂ پُرآب میں ہے — لوگ کہتے ہیں کہ گُہرِ ناب یہ تالاب میں ہے
بیقراری جو ہمارے دلِ بیتاب میں ہے — نہ تو شعلہ میں نہ بجلی میں نہ سیماب میں ہے
ترے دانتوں کو جو ہنستے ہوئے دیکھا تھا کبھی — یہ وہی شرم ہے جو گوہرِ خوش آب میں ہے
آئینہ چہرۂ جاناں سے مقابل کیا ہو — جوہر وہ کب آئینۂ سیماب میں ہے
آئینہ میں نہیں ہے عکس فگن روئے صبیح — جلوۂ شیرِ سحر کاسۂ مہتاب میں ہے
پیرِ گردوں کبھی دکھاتا ہے جوانی ہم کو — ہالہ یا خطِ سیہ چہرۂ مہتاب میں ہے
جتنے ادنیٰ ہیں فقط نام ہے سن لو ان کا پر — نم نہیں نام کو بھی چشمۂ مہتاب میں ہے
لعلِ لب کا ہوں میں بیمار مسیحا سن رکھ — منحصر میری شفا شربتِ عناب میں ہے
جو اسے داغِ کلف سمجھے ہیں وہ اندھے ہیں پہ — ماہتابی کا تری عکس یہ مہتاب میں ہے
بینیِ صاف تہِ ابروے خمدار نہیں — منبرِ نور عیاں نور کی محراب میں ہے
برقِ نالاں ہے تو سیماب طپاں ہے دن رات — میرے مرنے سے قیامت مرے احباب میں ہے
چاندنی سے ترے دالان کی نسبت کیا ہے — داغِ مہتاب عیاں چادرِ مہتاب میں ہے
کاظمؔ آگاہ ہوتا حال سے وہ برقِ جمال — طپش اس واسطے میرے دلِ بیتاب میں ہے

---

[1] ن۔ پ۔ قریب ترین اکرام محمد خاں خانساماں۔
[2] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار۔

سر و گردن میں ہے مدت سے ستمگر جھگڑا   بیچ میں تیغ جو پڑ جائے صفائی ہو جائے

نزع میں یار کا جو آیا خط   بارے لیکن مجھے سنایا خط
کیا جلایا ہے نامہ بر تو نے   غیر کے خط میں میرا لایا خط

نہیں افشاں ہے یہ پیشانی پر لبِ جاناں پر
جڑے ہیں دستِ قدرت نے ستارے ماہِ تاباں پر
بجائے فاتحہ دیتے ہیں لاکھوں گالیاں آکر
چڑھاتے ہیں وہ تیوری گل کی جا گورِ غریباں پر

بیجا نہیں کمر سے جو الفت زیادہ ہے   خیر الامور اوسطہا ہم کو یاد ہے

آتش | کلام اُن کا لائقِ تحسین و لایقِ عش عش، ناظمِ اقلیمِ سخنوری، خواجہ حیدر علی تخلص[۱] "آتش" ولد خواجہ علی بخش، اولادِ خواجہ عبد اللہ احرار، وطن[۲] اجداد بغداد (شاگردِ رشید ملکہ قائم مقام میاں مصحفی) اب بنائے ریختہ اس رکن سالم سے پائدار، باوجود پیرانہ سالی کے طرز عاشقانہ ہر شعر کا شعار، عارف کامل، قانع اور متوکل خواجہ صاحب سا کمیاب اور کلام معجز نظام (ان کا) سب انتخاب (اس قدر مشہور کہ اسے جمع کرنے کی حاجت نہیں۔ تیمناً چند شعر لکھے جاتے جاتے ہیں) شاگردِ مصحفی ملکہ قائم مقام۔ یہ چند شعر کہ اس صحیفہ کی زینت اُن سے ہے، لکھے جاتے ہیں

---

[۱] ن۔ پ متخلص بہ   [۲] ن۔ پ اُن کے بزرگوں کا

تصویر ہر نقش ہے بینش چشم اس رندے روشن کا
نگہباں برق کو ہیں نے کیا ہے اپنے خرمن کا

ادب تا چند اے دست ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

غضب ہے جان کو پہلو میں ہونا دل سے دشمن کا
محل خوف ہے ہمسایہ تھا سب دیر برہمن کا

جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر
ہمارے اس کے پردہ رہ گیا دیوار آہن کا

گیا قتل اس نے کہنے سے رقیب تیرہ باطن کے
رکھا گردن پہ اپنے دوست نے احسان دشمن کا

مے گلرنگ سے جھلکی جو سرخی پان کی اس میں
گلوے یار پہ عالم ہوا شیشے کی گردن کا

چُنی افشاں جو پیشانی پہ اس نے چاندنی چھٹکی
ملی مستی تو آئینہ میں پھولا تختہ سوسن کا

مجھے بھی گر کسی نے محکمہ میں حشر کے پوچھا
تو سن لینا کہ پردہ کھل گیا قاتل کے دامن کا

وحشت دل نے کیا ہے وہ بیاباں پیدا سیکڑوں کوس نہیں صورت انساں پیدا

ظہور آدم خاکی سے یہ دل کو یقیں آیا تماشہ انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا

بھاتا ہے نہایت دل کو خط رخسار جاناں کا
گھسیٹے گا مجھے کانٹوں میں سبزہ اس بیاباں[51] کا

رواں رکھتا ہے خون آنکھوں سے ہجر اس ماہ تاباں کا
شفق آلودہ رہتا ہے ہلال اپنے گریباں کا

گریباں گیر قاتل ہوں گے ہم فردائے محشر کو
ہمارا محضر خوں ہے ہر اک پاٹ اپنے داماں کا

لکھے ہیں سر گزشت دل کے مضموں یک قلم اس میں
تماشا قتل گہ کا ہے مطالعہ میرے دیواں کا

(مطالعہ نادرست)

بہت سے بوسے لینے پر کیا کم ارتباط اس نے
یقیں ہے سیر خوری رتبہ کھو دیتی ہے انساں[52] کا

عدم کو باز گشت روح ہے یک روز ہستی سے
ارادہ بندہ رہا ہے مصر سے یوسف کو کنعاں کا

خون میرا جم کے تیغ قاتل پر
مخمل سرخ کا غلاف ہوا

زہر پرہیز ہو گیا مجھ کو
زردہ دریاں سے المضاف ہوا

(انتخاب جاودانی)

زوال حسن ہے عاشق کنارا کرتے جاتے ہیں
بہار باغ ہوتی ہے خزاں موسم ہے پت جھڑ کا

عجب محبوب باشوکت ہے اے باد بہاری تو
صدائے خندۂ گل ہے سواری کا تری کڑکا

زلیخا کو دکھا اے آسماں تصویر یوسف کی
یہ دل دیوانہ ہے جس کا پری پیکر ہے وہ لڑکا

بہار عالم نیرنگ رکھتا ہے مزاج اپنا
جوانوں میں جواں بوڑھوں میں بوڑھا لڑکوں میں لڑکا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

تصویر کھینچی اس کے رخ سبز فام کی
یک صفحہ میں قلم نے گلستاں تمام کی

ناساز ہے یہ انجمن دہر کی ہوا
مطرب نے راہ بھولی ہے اپنے مقام کی

اس پر چلیں گے مثل قلم پائے نوخطاں
تربت ہماری تختی ہے مشق خرام کی

صورت پذیر ہو حرکت سے خبر کیا
پتلا بنا سکے نہ م..... ا..... کی

---

[51] ن۔ پ گلستان۔
[52] ن۔ پ جہاں

اصلاح لینے آتے ہیں رنگیں خیال لوگ
خدمت ہے اس چمن میں مجھے انتظام کی

اللہ رے پھڑکنا اسیرانِ تازہ کا
صیاد خیر مانگتا ہے اپنے دام کی

باغِ جہاں میں گل کی قناعت ہے چار رنگ
عمر دو روزہ ایک قبا میں تمام کی

دیوان دوم

ساقی ہوں تیس روز سے مشتاق دید کا
دکھلا دے جام مے ہیں مجھے چاند عید کا

سودائیوں کو حاکم ظالم سے ڈر نہیں
داغِ جنوں ہر ایک نگیں ہے حدید کا

حاضر ہے چاہے جو کوئی نعمت فقیر کی
شیریں کلام اپنا ہے توشہ فرید کا

کنج قفس میں پہونچی صبا لے کے بوئے گل
خط آگیا بہارِ چمن کی رسید کا

خراب پھرتے تھے عالم کو دل کو بھولے ہوئے
مکان یار کا دیوار در میان نکلا

سنیں گے قصۂ یوسف زبان سے اس کی
کوئی ہماری طرف سے جو کاروان نکلا

اللہ کے سوا نہ کسی نے کبھی سنا
نالہ مرا غریب کی فریاد ہوگیا

ہنگامہ گل و لالہ کی ہے جیب دری کا
دیوانہ ہوا چاہیے شیشے کی پری کا

ایک بوٹے[1] سے قد کا[2] ہے بیان نقش جو بیٹھا
دل رنگ نہ کھاتا ہے عقیق شجری کا

سبزہ میری تربت کا ہرا خوب ہوا ہے
اس میں جو ہرن آئیں تو موقع ہے چری کا

آئینہ نہیں دیکھتے زلفیں ہیں تنتیں
کم سن ہیں وہ عالم ہے ابھی بے خبری کا

دیوانہ ہے کس چاند سے رخسار کا آتش
زنجیر کا غل قہقہہ ہے کبک دری کا

---

[1] ن ۔ ب بوٹا [2] ن ۔ پ زلبس

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو — ہمیشہ خواب ہی دیکھا کیے چھپر کھٹ کا
شراب پینے کا کیا ذکر یاربے تیرے — پیا جو پانی بھی ہم نے تو حلق میں اٹکا

رعد کا شور ہو موروں کی صدا سے پیدا — جھومتا ابر بہاری ہے ہوا سے پیدا
نہ تو بھوکے ہوئے تھے ہم نہ پیاسے پیدا — ہو گئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا
چاہیئے اشک بھی ہوں نالہ کے پیچھے پیچھے — آمدِ قافلہ ہے بانگِ درا سے پیدا
قد کشی آج ہیں وہ سرو سے کرتے جاتے — کل کی ہے بات ہوئے تھے جو ذرا سے پیدا
تخت پریوں کا اڑا لائے جو دیوانوں تک — یارب ایسی کوئی آندھی ہو ہوا سے پیدا
شاہدِ گل کو ہے منظور شکارِ بلبل — مٹھیاں باغ میں ہوتی ہیں حنا سے پیدا
پابرہنہ سرِ عریاں و تنِ گرد آلودہ — ہے کراماتِ گدا حال گدا سے پیدا
دیکھ کر آئینہ بیزار نہ ہو صورت سے — ہوتے ہیں جوشِ جوانی میں مہاسے پیدا
لبِ شیریں کی ترے چاشنی ممکن نہ ہوئی — رس میں شکر ہوئی شکر سے بتاسے پیدا
عور ہے موسمِ سرما ہے قریب اے آتش — کیجیے ربط کسی مہر لقا سے پیدا

موسمِ گل ہے جنوں ہے شورِ وشر برپا دنوں — جن چڑھا رہتا ہے دیوانوں کے سر پر ان دنوں
بادشاہ وقت ہے جوشِ[2] جوانی نے کیا — لال پردہ ہے لٹکتا ان کے در پر ان دنوں
رخ سے پہلے کار عاشق کرتی ہے گیسوئے یار — شام کا قصہ نہیں رہتا سحر پر ان دنوں

خزاں میں بلبلوں سے کیٹ رکھے ناز گلشن میں — شرارت کیجیے ماتم زدوں کی چہل سے شیون میں

---

[1] ن - پ ہو گیا — [2] ن - پ حسن و

یہ سودا ہے شہادت کا ہمارے سر کو اے قاتل ۔ تری تلوار کا بھرتی ہے دم جو رگ ہے گردن میں
سنا ہے عاشقوں سے برق وش بھی نام جو اپنا ۔ تماشہ دیکھتے ہیں وہ لگا کر آگ خرمن میں
طریق عشق میں آتش قدم مجھ سا نہ گزرے گا ۔ گریباں میں بجھی ہے جب لگی ہے آگ دامن میں
بلاتا میں نہیں ہوں دوستی سے اس ستمگر کو ۔ چھری دیتا ہوں اپنے ذبح کو میں دست دشمن میں
شریف کعبہ کو کعبہ مبارک ہم تو اے آتش ۔ بتوں کے گھورنے کو جاتے ہیں دیر برہمن میں

رہا کرتا ہے درد اک رات دن بے یار پہلو میں ۔ دل نالاں ہوا ہے خانۂ بیمار پہلو میں
کھڑا رہ کر جو میں حسرت سے دروازے کو تکتا ہوں ۔ بٹھا لیتی ہے قصر یار کی دیوار پہلو میں
کسی کروٹ سے نیند آئی نہ اس بردے کے سودے میں ۔ نہ رکھی میں نے جب تک کھینچ کر تلوار پہلو میں
دعائیں مانگ کر اللہ سے تجھ کو جگایا ہے ۔ سلا دے یار کو اے طالع بیدار پہلو میں

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے پ الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
نہایت دل کو ہے مرغوب بوسہ خال مشکیں کا پ دہن تک اپنے کب تک دیکھیے یہ دانہ آتا ہے
طلب دنیا کو کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی پ گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی پ خیال آبرو سے ہمت مردانہ آتا ہے

جاں بخش لب کی عشق میں ایذا اٹھائیے ۔ بیمار ہو کے ناز مسیحا اٹھائیے
مفلس ہوں لاکھ پر یہی زیبا ہو دل کو دھن ۔ یوسف کو قرض لے کے تقاضا اٹھائیے

سانپ کا زہر وہ گیسو میں اگلنے والے ۔ آہوئے چشم چھلاوے کو ہیں چھلنے والے
کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے ۔ او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

کششِ عشق نے بارے اثر اتنا تو کیا	پھر کھڑے ہوتے ہیں منہ پھیر کے چلنے والے

اٹھائے بارِ عشق اس عالمِ غدار میں آئے	کہاں سے ہم کہاں پکڑے ہوئے بیگار میں آئے
خریداروں میں عاشق اپنے ناموں کو ہیں لکھواتے	تماشا ہے وہ یوسف بن کے ہیں بازار میں آئے

صدر | صدرِ بیتِ بلند، سیدِ ارجمند، صاحب بخش و قدر، میر صدر الدین تخلص "صدر" اولاد سے خواجہ باسط صاحب، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش، چونکہ سودائے شعر بدو سے اس کے دماغ میں پیچیدہ تھا نہایت[1] میں نہ بزرگوار مجنون ہوا۔ یہ چند شعر کہ اس کے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں[2]۔

ٹھہرے سنے نہ پنجۂ مرجاں کے زور کے	کاٹے کسی نے ہاتھ نہ مہندی کے چور کے
سوتے ہیں پیل پھیل کے عاشق کا ڈر نہیں	بارہ برس کا سن ہے ابھی کچھ خبر نہیں

مختصر درد غمِ ہجر کا نہ فتر ہو جائے	وعدۂ وصل مری جان مکرر[3] ہو جائے
سلسلہ ہے یہی جمعیتِ خاطر کا صبا	نہ پریشاں کہیں وہ زلف معنبر ہو جائے
ہے یقیں سختیِ ایام سے اپنے مجکو	موم کو ہاتھ لگا دوں تو وہ پتھر ہو جائے
دلِ وحشی ہے وفاکیش نہ منہ پھیرے گا	پر جو جفا یار کو منظور ہو اس پر ہو جائے

ہوئے منفک نہ خطِ سبز رخِ جاناں سے	جیسے تفسیر جدا ہو نہ کبھی قرآں سے
قتل کرتا ہے جو وہ جرم پہ تو یہ بے جرم	پر دُزد کا خوف زیادہ ہے مجھے سلطاں سے
تیرے اٹھنے سے ہوا کلبۂ احزاں تاریک	رونق محفلِ شادی تھی فقط مہماں سے
دولتِ عشق سے جز گریہ ہوا کچھ نہ حصول	دانۂ اشک تھی قسمت میں مرے دہقاں سے

---

[1] ن۔ پ۔ آخر [2] ن۔ پ ختم ہوتے ہیں [3] ن۔ پ مقرر

گھر میں بیٹھے ہوئے پیدا کرے خواہاں اپنا ؎ حسن کی جنس کو کچھ کام نہیں دوکاں سے
طول اس کی سے یقیں اپنی مجھے مرگ کا ہے ؎ عمر ہے خضر کی کوتاہ شبِ ہجراں سے

تیرے بہارِ حسن کا عالم نہ پائے گل ہنس کر ہزار اپنی خجالت مٹائے گل
بلبل نے اس کو تنگ بغل میں لیا نہ ہو سو سو جگہ سے نکلی ہوئی ہے قبائے گل

حیراں کار ہیں خطِ سبز تباں میں ہم پاتے ہیں یاں بہار کا عالم خزاں میں ہم
تنہا روی قبول نہیں دردِ سر قبول خاموش ہو جرس تو رہیں کارواں میں ہم
اُس سے کبھی پیش آتی نہیں غیر دوستی دشمن سمجھتے ہیں جسے اپنے گماں میں ہم
دردِ فراق اور تمنائے وصلِ یار یہ یادگار چھوڑ چلے ہیں جہاں میں ہم

ہوں وہ میکش کہ خمِ مے میں ہاں کرتا ہوں زندہ درگور رہوں میں اپنی میکاری سے
ہوئے جو پانی سے ازراہ نہ بکے آگ کے مول دیکھوں جس چیز کو میں چشمِ خریداری سے

عاشقوں کو قتل کرتے ہیں یہ رسوائی کے ساتھ
قہر ہے الفت دلا خوبانِ ہرجائی کے ساتھ (پ)[1]
دشتِ وحشت میں ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہے وہ
چل نہیں سکتا ہے مجنوں تیرے سودائی کے ساتھ (پ)

کون سا خورشید رو ہے جلوہ فرما بام پر صبحِ صادق کا گماں ہوتا ہے مجکو شام پر
حرمانِ یاس و غم کا شگفتہ چمن نہ ہو جب تک کہ تازہ سینہ کا داغِ کہن نہ ہو

---

[1] ن - پ گنہگاری

شالِ سیہ لپٹی ہے کانوں سے یار نے	اندیشہ ہے مجھے کہیں سورج گہن نہ ہو

فقیر | شاعر خوش تقریر میر کمال الدین تخلص بہ فقیر برادر میر صدر الدین شاگرد خواجہ صاحب[1] من کلامہ

کون کہتا ہے منہ دکھا ہم کو	اپنی آواز ہی سُنا ہم کو
ان بتوں سے کریں محبت ترک	اتنی توفیق دے خدا ہم کو
جب سے ہیں حسن پر فقیر ہوئے	تب سے کہتے ہیں بے نوا ہم کو

کیا بری خو ہے اے فقیر اُن کی	تا کیا ستم خوش جمال کرتے ہیں
نام عاشق کی ضد سے بلبل کو	مول لے کر حلال کرتے ہیں

دمِ رخصت یہ رو یا یار کے میں منہ پہ منہ رکھ کر
کہ آبِ اشک سے بھر بھر دیا چاہ زنخداں کو

کس پری پیکر کا دیوانہ یہ چرخِ پیر ہے	ہالۂ مہ طوق ہے اور کہکشاں زنجیر ہے

ترے رونے پہ گل ہنستے ہیں بلبل، غنچے کھلتے ہیں
مرے نالوں سے لرزاں ہے زمیں افلاک ہلتے ہیں

سالک | ملک[2] سخن کے مالک میر مصطفے بخش تخلص "سالک" نبیرۂ خواجہ باسط، شاگرد د خواجہ) آتش، یہ اشعار (اس مرحوم سے یادگار

---

[1] ن۔ پ حیدر علی آتش	[2] ن۔ پ سخنوری کا

پھٹا ہے عشق میں تیرے گریبانِ غنچۂ گل کا مری فریاد نے دم کر دیا ہے بند بلبل کا
دکھائی دیتے ہیں خورشید و مہ پلّے ترازو کے یہ کس محبوب کو مدِ نظر ہے تُلنا گُل کا
مجھے بحرِ محبت مثلِ موسیٰ راہ دیتا ہے مقید ہوں نہ کشتی کا نہ میں پابند ہوں پُل کا
ہوا جب عشق کامل حسن پھر اپنا نہیں رہتا جلایا آشیانہ آتشِ گل نے نہ بلبل کا
ہوا ہوں اک پری کی چشمِ مستانہ کا دیوانہ مری زنجیر کا غل شور ہے شیشہ کی قلقل کا

کھٹکا نہ باغباں کو نہ گُل کو گراں ہوا تقصیر کیا جو مجھ سے خفا باغباں ہوا
خاطر کو اپنی جمع رکھوائے سگ ہما حصہ تمہارا میرا ہر اک استخواں ہوا
طفلی میں یہ اشارۂ گیسوئے یار تھا ہوگا بلائے بد جو یہ لڑکا جواں ہوا

غضب ہے کیوں، ہوئے کیوں مہرباں نہیں معلوم
فریب اس کا کسی کو یہاں نہیں معلوم
ہے کل کی بات تمھیں بات کر نہ آتی تھی
کہاں سے ایسے ہوئے بدزباں نہیں معلوم
پتا کہیں پہ جو یارانِ رفتہ کا نہ ملا
کہاں گئے ہیں وہ جن کا نشاں نہیں معلوم

اچھا کیا جو منہ کو چھپایا نقاب میں سو سو طرح کے لطف ہیں تیرے حجاب میں
اے بحرِ حسن[1] تو جو نہاتا ہے بحر میں دریا نہیں سماتا ہے چشمِ حباب میں

عارف | مشہور و متعارف، میر جمال الدین تخلص عارف۔ نبیرۂ خواجہ

۱۔ د ا ن ۔ پ: اے بحرِ حسن جب سے نہاتا ہے اس میں تو

باسط شاگرد خواجہ آتش۔ یہ کلام اس کا

نشۂ عرفاں جو کیفیت مجھے دکھلائے گا | میری آنکھوں میں برابر خار و گل ہو جائے گا
عشق گل میں بلبل ایسا ہی اگر چلائے گا | باغباں صیاد سے فریاد کرنے جائے گا
کہتے ہیں ابروے قاتل کو مصور دیکھ کر | ہم سے اس تلوار کا نقشہ نہ کھینچا جائے گا

داغ دل چاک گریباں بخشا | عشق نے کیا سر و ساماں بخشا
مرگیا مائل رخ ہیں، تو مجھے | پڑھ کے اس حور نے قرآں بخشا

نہیں ہے نقد جاں تک، پاس اب کس بات کا کھٹکا
عدم کے رہ روؤں کو ڈر رہے چھٹی کا نہ پرمٹ کا
ہوا مائل جیب طفل خو کی آج میں ہٹ کا
(پ) نہ مجکو سونگھنے دی بوئے گیسو لاکھ سر پٹکا

دل بیچنے کھڑے ہیں ترے گھر کی راہ پر | ارزاں ہے مول لو جو اسے اک نگاہ پر
اے عشق کیا زمانہ سے تاثیر اٹھ گئی | دکھا نہ دل کسی کا مری آہ آہ پر
مہتاب بادریشہ ہے اور کہکشاں طناب | قبہ ہے آفتاب تری بارگاہ پر

روشن اک شب ہو اگر مردوں کے ایواں میں چراغ
گل ہوا سے ہو مجھے لیکن نہ داماں میں چراغ
روشنی ہے عاشقوں کے دم سے باغ دہر میں
بلبلوں کو اے گلو سمجھو گلستاں میں چراغ

لہ ن، ب، پ یہ اس سے یادگار

ضعف سے گرتے ہیں دست غیر سے رفتار ہم (کذا) پاؤں رکھتے ہیں نہیں پر صورت پرکار ہم
کس طرح سے ہو نہ نیلی نبض اپنی اے طبیب ہو گئے ہیں دیکھ کر خط یار کا بیمار ہم

رند | خلاصۂ خاندان عالی شان، منتخبۂ دودمان امیران ہند، نبیرۂ نواب بخشی خاں (بہادر) اعنی نواب سید محمد خاں بہادر تخلص "رند" شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش۔ یہ[1] اشعار اس سے یادگار

دلچسپ مرقع ہے ہر اک نقش یہاں کا نقشہ کسی استاد نے کھینچا ہے جہاں کا
دقت[2] ہو نئی معنی میں تو کیا لطف بیاں کا مطلب میں صفا ہو یہ تکلف ہے بیاں کا
صحرا سے گلستاں کی طرف لائی تھی وحشت دل یہاں سے بھی گھبرایا برا ہو خفقاں کا
پھولا ہی پھلا چھوڑ کے اٹھ جاؤں جہاں کو اللہ دکھائے تجھے عالم نہ خزاں کا
تھا قصد حرم الفت بت دیر میں لائی آنکلا کدھر کو میں ارادہ تھا کہاں کا
مر مر گئے عاشق ترے ٹکرا کے سروں کو تو نے نہ کبھی روزن دیوار سے جھانکا
ہستی نے بھلایا ہے مجھے گور کا رستہ اے مرگ بتا دے تو پتہ میرے مکاں کا
یارب کبھی نکلا نہ کبھی یا صنم اس سے کچھ مجھ پہ نتیجہ نہ کھلا میری زباں کا
تربت بھی پس مرگ ہو ہموار زمیں سے تا نام بھی باقی نہ رہے میرے نشاں کا
شہرہ ہے بہت آپ کی شیریں سخنی کا نہ منہ میں زباں ذائقہ چکھوں میں زباں کا
اک عمر سے ہے زندگی و موت میں جھگڑا قصہ نہیں چکتا یہ بکھیڑا ہے کہاں کا

زلفیں چھوڑی ہیں کہ جوڑا اس نے چھوڑا سانپ کا دیکھیے کس کس کو ڈستا ہے یہ جوڑا سانپ کا
گورے گالوں پہ تمھاری زلفیں لہراتی نہیں یاسمن زار صباحت میں ہے جوڑا سانپ کا
نالہ دل پہ مرے وہ زلفیں لہراتی نہیں وجد کرتا ہے صدائے نے پہ جوڑا سانپ کا

---

[1] ن۔ پ کلام ان کا لایق تحسین و محل عش۔ [2] ن۔ پ میں مصرعے مقدم و موخر ہیں۔

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے — اور صیاد نے چرکا دیا جاتے جاتے
خط نے اس عارضِ گلگوں پہ کیا عرصہ تنگ — خار ہیں صحنِ گلستاں کو دباتے جاتے
کیا چڑھو گے نہ کسی روز مری گھات پہ تم — آخر اس راہ سے تم روز ہو آتے جاتے
آزماتا ہوں محبت میں میں ظرفِ دل کو — دردِ غم اس میں کہاں تک ہیں سماتے جاتے
یک بیک دل سے مٹے حرفِ محبت کیونکر — لالہ رو داغ ترا جائے گا جاتے جاتے

ہو نہ مایوس ریاضت کا صلہ ملتا ہے — بندگی کرنے سے کہتے ہیں خدا ملتا ہے
راہبر گم رہا ہے رہزن کا مسافر ہے سلوک — خضر سے گور کی منزل کا پتا ملتا ہے
گل کو فی الجملہ تشابہ ہے کفِ پا سے ترے — وہ صفائی تو کہاں رنگ ذرا ملتا ہے
جب سے کی ہے تری خدمت میں سعادت حاصل — چند ویرانے میں ڈھونڈو تو ہما ملتا ہے
شیفتہ اس لبِ شیریں کے ہیں جب سے اے رند — پانی پیتے ہیں تو شربت کا مزا ملتا ہے

اٹھا ہے پردہ فقط اک نقاب باقی ہے — ابھی مزاج میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے
چھٹا نہیں ہے ابھی سر رشتہ عشق گیسو کا — ہنوز سلسلہ پیچ و تاب باقی ہے
ہزار شکر چھٹے قیل و قال عالم سے — فقط لحد کا سوال و جواب باقی ہے
حلال کر کے وہ کہتا ہے اپنے بسمل سے — تڑپ لے اور اگر اضطراب باقی ہے
وہ بادہ نوش ہوں ساقی نہ جاؤں گا جب تک — کباب سیخ میں خم میں شراب باقی ہے
ابھی تو خوب برستے ہیں میکدوں پہ سحاب — چڑھاؤ جام ہوا ہے شراب باقی ہے
وصالِ یار سے کیا بے تکلفی ہو رند — مجھے لحاظ ہے ان کو حجاب باقی ہے

رنگت گلوں کی بادِ خزاں سے بدل گئی — بلبل اداس ہو کے چمن سے نکل گئی

لہ ن۔ پ راستے۔

دیوانہ وار کیوں نہ پھروں خاک چھانتا | تابوت میں وہ پری مرے آگر نکل گئی
رنجک کی طرح ساتھ اڑا رنگ رو مرا | صبح شب وصال کی جب توپ چل گئی
عالم پسند ہو گئی جو بات تم نے کی | جو چال تم چلے وہ زمانہ میں چل گئی
وقت سحر جو اٹھ گئے وہ آغوش سے گیا | ثابت ہوا کہ روح بدن سے نکل گئی

دم بھر نہیں قرار ستارہ نورد ہے | جیسے شریک ریگ رواں اپنی گرد ہے
مہندی لگا کے تم تو کرو ہاتھ پاؤں سرخ | صاحب کو کیا غلام کا گر رنگ زرد ہے

ماہ[۱] علم و ہنر سے ماہر اور آگاہ، مرزا عنایت علی تخلص "ماہ" مصاحب راجہ بلوان سنگھ بہادر ابن راجہ چیت سنگھ والیِ بنارس شاگرد ونالشس.

من کلامہ

واللہ ان بتوں کی جو آتی نظر کمر | مضمون کمر کا باندھتے ہم باندھ کر کمر
خود رفتہ ہو گئے نہ وصل کی شب شوق دید | ڈھونڈا کیا ہوں یار کی میں تابستر کمر
ابرو نہ چشم ہے نہ دنداں لب دہن | سب کچھ ہے ان بتوں کے نہیں ہے مگر کمر
للہ ہم پہ کھولو تو یہ عقدہ اے بتو | بولو دہن کہاں ہے تمہارا کدھر کمر
شاید جواب صاف دیا یار نے اسے | بگڑے ہے دونوں ہاتھوں سے جو ماہ بر کمر
ہر بار اس تلاش میں غائب ہوا کیا | اب تک نہ پائی ماہ نے اس کی مگر کمر

ناطق[۲] عارف حقائق شیخ احمد شاہ، تخلص "ناطق" خلف محمد شاہ ساکن سکندر پور توابع عظیم آباد شاگرد مرزا عنایت علی ماہ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

زلف کا مضمون کیا تحریر اپنے ہاتھ سے | میں نے ڈالی پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے
بعد مردن بھی نہ ہو احسان کسی کا اس لیے | کر رہا ہوں قبر کی تعمیر اپنے ہاتھ سے

۱۔ ن۔پ میں ان کا ترجمہ نہیں ہے ۲۔ ن۔پ میں ان کا ترجمہ نہیں ہے

دیدۂ نرگس ابھی بینا ہو اے سرو رواں — کہ جو کھینچے سرمۂ تحریر اپنے ہاتھ سے
ایک دن تو خود نگار بنا رہے مثل حنا — قتل کرتا گر بت بے پیر اپنے ہاتھ سے
یہ دعا ناطق کی ساقی ازل سے ہے مدام — جام کوثر دیں مجھے شبیر اپنے ہاتھ سے

شیدا[۱] محمد حسن خاں تخلص شیدا پسر رمضان علی خاں بہادر شاگرد آتش۔ یہ کلام اس سے یادگار۔

اچھے ہونے کے نہیں ایسے ہیں اے یار پڑے — دیکھیے کیا ہو برے اب کی ہیں بیمار پڑے
دولت حسن ہر اک چاہتا ہے ہیں لوٹو لوٹن — لوٹ میں ایسے میں یوسف کے خریدار پڑے
اس کے شعلہ نے مجھے پھونک دیا پھونک دیا — بھاڑ میں حسن کی یہ گرمیِ بازار پڑے
پیٹھ پیچھے جو برا کہتے ہو مجکو کہہ لو — قدر کھل جائے اگر سامنا اے یار پڑے
لے کے دل جان وہ محبوب ہے ہم پہ دیتا — لینے کے دینے اسے عاقبتِ کار پڑے
راز الفت کو نہ اغیار سے اظہار کرو — غیر کے منہ نہ مری بات یہ اے یار پڑے
دل صد چاک سے سلجھانے کا کب قصد کیا — تم الجھ کس لیے اے گیسوے خمدار پڑے
لیں جو زلفوں کی بلائیں تو یہ جھنجھلا کے کہا — دیکھو ان باتوں سے ہم کو نہ کہیں مار پڑے
یار کے ساتھ جو ہیں کھٹ میں سنا ہے جو مجھے — منہ لپیٹے ہوئے بستر پہ ہیں اغیار پڑے
بعد مردن بھی خلش تھی جو فلک کو منظور — عوض چادر گل قبر پہ ہیں خار پڑے
سخن سخت نے ڈالے ہیں جگر میں ناسور تلخ — دل میں ناسور ترے ہاتھوں سے اے یار پڑے
باندھنا غیر کا مضمون ہے ننگ اے شیدا — مال بیگانہ پہ آنکھ اپنی نہ زنہار پڑے

شرم آتی نہیں غیر سے پردہ نہیں کرتے — باتیں یہ بُری کرتے ہو اچھا نہیں کرتے
عاشق موئے جاتے ہیں مداوا نہیں کرتے — تم کیسے مسیحا ہو کہ اچھا نہیں کرتے

۱؎ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

پیغام تو ملنے کا اسے بھیجا ہے دیکھیں — منظور وہ کرتے ہیں اسے یا نہیں کرتے

بوسہ ملے اس لب کا تمنا ہے تو یہ ہے — زلفوں کی بلا لیجئے سودا ہے تو یہ ہے
سو دم یہ پڑھو سورۂ اخلاص تم اس کے — عاشق کی محبت کا نتیجہ ہے تو یہ ہے

افضل : زور رعنائی بہتر از اول، شاعر شیریں زبان، حسن یار خان تخلص
بہ افضل، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ من کلامہ[۱]

دل ہے دیوانہ الٰہی کس پری تمثال کا — ہوش اڑا دیتا ہے افسانہ ہمارے حال کا
دیکھتا ہوں روبروے یار خلوت میں اسے — کس طرح قائل نہ ہوں آئینہ کے اقبال کا
روز و شب لے لے کے جس کا نام چلاتے ہیں ہم پر — وہ کبھی پرساں نہیں ہوتا ہمارے حال کا
اس قدر عاشق تھے تیرے خال کے اے تاجدار — کھیل بھی کھیلا تو ہم نے گنجفہ میں خال کا
کیجئے افضل غم شبیر میں رو کر سفید — روز ہوتا ہے سیہ نامہ مرے اعمال کا

چھری گردن پہ اپنی پھیر لوں گا اپنے ہاتھوں سے
نہ مجھ سے رنج دیکھا جائے گا بازوے قاتل کا
مقدر سے زیادہ جو طلب کرتے ہیں دنیا میں
گماں ہے خط پیشانی میں[۲] ان کے خط باطل کا

رات نکلا تھا چمک کر مہ تاباں کیسا — تجھکو دیکھا تو ہوا پھر وہ پشیماں کیسا
وحشت دل کا اشارہ ہے کہ چل صحرا کو پر — ناتوانی مجھے کہتی ہے بیاباں کیسا
دل کو گیسوے پریشاں سے ہوا عشق افضل — نظر آتا ہے[۳] مجھے خواب پریشاں کیسا

۱۔ ن۔ ب میں اشعار اس سے یادگار ۲۔ ن۔ ب پر ۳۔ ن ا۔ پ دکھایا ہے

چشم بیمار کا نہ ہو بیمار پ تندرستی ہزار نعمت ہے

نمود صفحۂ ہستی میں اپنا کام نہیں | نگیں کی شکل سے واقف ہمارا نام نہیں
کبھی ہے شہر میں بستر کبھی ہے صحرا میں | نفیر ہوں میں معین مرا مقام نہیں

مرنے کے بعد قدر ہوئی اپنی یار کو[ط] | سچ کہتے ہیں کہ خلق بھی مردہ پسند ہے

ناصر | فکر نادر، طبیعت حاضر مرزا میر تخلص "ناصر" شیعۂ غالی، تبرا اس کا شعار۔ مقتول بیداد پیادہ ہائے سرکار۔ شاگرد خواجہ آتش یہ اشعار اس مظلوم سے یادگار

چشم وگردن کا تری شب بزم میں افسانہ تھا | تھی تہی قالب صراحی سرنگوں پیمانہ تھا
ہم سے وہ آئینہ رو کس طرح ہوتا صاف دل | دود آہ اپنا غبار خاطر جانانہ تھا

نذر لحد بعد فنا ہو گئے | دین سے ہستی کے ادا ہو گئے
سینہ خراشی سے کھلا راز عشق | ناخن غم عقدہ کشا ہو گئے
شمع کے مانند جلے استخواں | داغ مرے حق میں ہما ہو گئے
تیغ کا احسان مری گردن پہ ہے | سیکڑوں مطلب یہ ادا ہو گئے
دیکھیے احوال پہ ناصر کے کیا | ہم بھی گرفتار بلا ہو گئے

واہب | مرد سخنور، شیخ ہدایت حیدر تخلص "واہب" ساکن فیض آباد، ستار نوازی کا کاسب شاگرد خواجہ صاحب، شعر اس کے دکھ، ناخن زن دل ہیں لکھے جاتے ہیں

سینہ کے داغوں کی گرمی سے گریبان جل گیا | آب اشک آتشیں سے اپنا داماں جل گیا

ط ن۔ پ اپنی ہوئی قدر یار کو

ضبط کرتے کرتے وحشت میں جو اُف میں نے کیا خار و خس چٹخنے لگے سینۂ بیاباں جل گیا

طالع بد باز رکھتا ہے مجھے مقصود سے یار ملتا ہے تو پھر خالی مکاں ملتا نہیں

تدبیر سے تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا فرہاد کو شیریں نہ ملی کوہ کنی سے
وارستہ ہوں میں آزادوں میں مجھے کیا کام رومال ہے، سیلی ہے، چھڑی ہے، کفنی ہے

بسمل شخص لئیق مرد قابل و شاعر نازک ادا، مرزا عنایت علی تخلص "بسمل" ساکن فیض آباد و شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش یہ (اشعار آبدار) اس سے یادگار

گردوں کہیں دکھائے تو صورت سحاب کی پیر مغاں سخی ہے کمی کیا شراب کی
افشاں سے روئے یار کا ایسا ہوا بناؤ ہوتی ہے جیسے لوح سے زینت کتاب کی
آہ دل برشتہ سے اے ترک کر حذر کرتی ہے کام تیر کا سیخ اس کباب کی
وہ رشک ماہتاب اگر دھوپ میں چلے سورج مکھی لگائے فلک آفتاب کی

دولت حسن اگر تو نے لٹائی ہوتی بادشاہوں کو تمنائے گدائی ہوتی
دیکھ کر صورت صیاد کو میں جیتا ہوں زندگی کا ہے کو ہوتی جو رہائی ہوتی
قبر میں ساتھ لئے اپنے سکندر جاتا آئینہ میں جو ترے رخ کی صفائی ہوتی
آسماں کچھ بھی جو فرصت مجھے دیتا بسمل اس زمیں میں بھی بہت خاک اڑائی ہوتی

سازش کی دشمنوں سے محبت میں یار کی جو بات دل پہ جبر تھی وہ اختیار کی
زینت ہر ایک داغ سے ہے جسم زار کی پہنائی ہے جنوں نے قبا جامہ وار کی

مومن و کافر کا مرجع کوئے جانانہ رہا　شیخ کا کعبہ برہمن کا صنم خانہ رہا
آئینہ ہر وقت پیش روئے جانانہ رہا　وہ پری صورت پہ اپنی آپ دیوانہ رہا
کیجئے کیوں کر نہ ساقی سے گلا اس بات کا　خم بھرے غیروں کے خالی اپنا پیمانہ رہا
مختلف احوال دنیا کا ہے ہر شام و سحر　شب کو آبادی سرا دن کو ویرانہ رہا

بیٹھے ہیں کر کے عشق کا نام و نشاں خراب　ہم سا کوئی جہاں میں نہیں خانماں خراب[۱]
دنیا تو زمیں ہیں کوئے یار کی　شی ہماری کیجیو نہ اے آسماں خراب
دولت سرائے یار کی تعریف کیا کروں　یہ گھر بنا ہے سیکڑوں ہو کر مکاں خراب
گردش زدوں کے نالوں سے چکر میں چرخ ہے　اہل زمیں کے ہاتھوں سے ہے آسماں خراب

عالی | مشہور بہ خوش مقالی جناب آغا صاحب علی رضا خاں، تخلص "عالی" ولد[۲] آغا علی محمد خاں (مرحوم)، قوم بنات (کذا) نبیرۂ عضد الدولہ شہامت علی خاں بہادر ظفر جنگ عرف مرزا جنگلی ابن نواب شجاع الدولہ بہادر، جناب موصوف شاگرد مرزا عنایت علی بسمل، نیاز مند کو اُن کی خدمت میں ہمیشہ سے نیاز حاصل۔ ایک دن اس مصرع میں مصرع لگانے کے لئے مجھ سے ارشاد فرمایا

بُرد، رمال انچہ دزد گذاشت

بدیہتہً میں نے یہ مصرع کہا[۳]

نیست بد نقش مثل من بہ جہاں

بہت پسند فرمایا اور قدر دانی سے مصرعۂ ثانی کو اولیٰ کیا۔ یہ چند اشعار ان سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں۔

---

[۱] ن - پ　ہم سا نہیں جہاں میں کوئی خانماں خراب
[۲] ن - پ ابن - [۳] ن - پ عرض کیا　[۴] ن - پ من کلامہ

عشق ہے باز آتشیں رو سے — شعلے اُٹھتے ہیں ہر بُن مو سے
کام کیا زلف و رخ کے عاشق کو — گل کی رنگت سے مشک کی بو سے
کیسا روتے ہو ہجر میں عالی — تر نہیں چشم ایک آنسو سے

کمی ہے حسن کی الفت زیادہ اُس میں پاتا ہوں — تنزل ہے ترقی پر ترقی ہے تنزل پر

کس کو نہیں ہے اُس بت ہرجائی کی تلاش — کعبہ میں شیخ دیر میں ہے برہمن خراب
کاٹے گا کون کون نہ پر گام پر گلا — کس کس کا گھر کرے گا نہ تیرا چلن خراب

اے جان جسم سے نہ نکل غم میں یار کے — جاتا ہے میزباں کوئی مہماں کو چھوڑ کر
عالی کسے ہے عالمِ وحشت میں یہ خیال — دامن کو پھاڑیے نہ گریباں کو چھوڑ کر

طاقت کسے ہے ہجر میں صبر و قرار کی — تکلیف دل پہ جبر سے ہے اختیار کی

دولت دیدار سے ہر وقت مالا مال ہے — بادشاہ وقت ہے ہر اک گدائے کوئے دوست

بندے کو اعتبار ہے صاحب کے قول کا — درکار ہے نہ عہد نہ پیماں ضرور ہے

ایک گل رو کے چراغِ حسن پر میں سا لہا — دن کو گر بلبل رہا تو شب کو پروانہ رہا

لہ ن۔ پ دنیا میں

کرتا نہیں اقرار جو وہ وصل کا مجھ سے — آگاہ مگر ہاں سے لب یار نہیں ہے
خورشید سے سیکھے ہیں چلن اب تو یہ اُس نے — گر صبح کہیں یار ہے تو شام کہیں ہے

دل کو کیا سینے میں ٹٹولتے ہو — گم ہیں کب مفلسوں کے مال ہوا

شناور گوہر بحر شرافت، لعل معدن نجابت، سخنور نامور، صاحب ہنر، التخلص "شناور" خلف الصدق شاہ میر خاں (فیض آبادی)، ابن آغا الفیر فیض آبادی شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش افسوس کہ عین موسم میں نہال اس کی حیات[1] کا صدمہ باد (تند) خزاں سے مرجھا گیا۔ یہ اشعار اس مرحوم سے یادگار۔

عالم فریب حسن خداداد ہو گیا — وہ بت بناؤ کر کے پری زاد ہو گیا
پیشہ ستمگری کا اُسے یاد ہو گیا — بیداد کرتے کرتے وہ جلاد ہو گیا
رکھا قدم جو کوچۂ گیسوئے یار میں — ایسی ہوا چلی کہ میں برباد ہو گیا
مجھ کشتۂ وفا کا رکھا[2] سوگ یار نے — شیریں کے گھر میں ماتم فرہاد ہو گیا
اس شاعری کا حال شناور[3] نہ پوچھئے — مصرعہ اِدھر کہا اُدھر استاد ہو گیا

کم نہیں فردوس سے خوبی میں ایواں یار کا — چشم حور العین ہے روزن تری دیوار کا
کیوں نہ شہرہ ہو کھائے ابروئے خمدار کا — قاتل نمرود پشہ ہے اسی تلوار کا
اُس نے لاکھوں کا کیا خوں اس نے گردو چار کا — ابروئے قاتل نے مارا مورچہ تلوار کا
او مسیحا ہے خراب اب تو تغافل تا کجا — مردوں میں لکھا گیا چہرہ ترے بیمار کا
ہو گئی حالت زوال حسن جاناں سے خبر — خط نورُستہ نہیں پرچہ ہے یہ اخبار کا
ہو گیا ہوں چشم جاناں کے تصور میں مریض — ہو اٹھنڈائی کو پیالہ نرگس بیمار کا

---

[1] ن۔ پ زندگی [2] ن۔ پ۔ کیا [3] ن۔ پ کے فن کا شناور نہ حال پوچھ

بیدرنگی ان مسوں میں بیت ابرو کی کہاں — راست خم تلوار[1] میں کب کاٹ ہے خط دار کا
اس قدر ہلکا کیا ہے ناتوانی نے مجھے — پیرہن سے بوجھ کم ہے میرے جسم زار کا

کب ہے عریانی سے بہتر کوئی دنیا میں لباس — یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا[2] نہیں سیدھا الٹا

دونوں زلفیں تھیں جو اس کافر کی جوڑا سانپ کا
ایک کو منڈوا کے جوڑا اس نے توڑا سانپ کا
دونوں ابرو دونوں زلفیں چار موذی ہیں بہم
ایک بچھو کا ہے جوڑا ، ایک جوڑا سانپ کا

محبت سے نہ کچھ حاصل بجز داغِ جگر دیکھا — مدام اس نخل کو لاتے ہوئے داغِ ثمر دیکھا

وہ ترک جو لٹکاتا ہے شمشیر گلے میں — یاں خون کی عیاں ہوتی ہے تحریر گلے میں
ذرا سی بات پر وہ آستینوں کو اُلٹتے ہیں — پ لڑائی ہر گھڑی ہوتی ہے کپڑے روز پھٹتے ہیں

آوارہ اک ہمیں نہ فقط در بدر پھرے — کیا کیا تری تلاش میں شمس و قمر پھرے
بحرِ جہاں میں سیر کو دم بھر اگر پھرے — مثلِ حباب ساتھ لیے اپنا گھر پھرے
کیا بے محل تو بول اٹھا ہے[3] شبِ وصال — حلقوم پر چھری ترے مرغِ سحر پھرے
جاتے ہیں اب تو کوچۂ قاتل کی سیر کو — پھر آملیں گے یاروں سے جیتے اگر پھرے
کہتے ہیں کعبہ کو ہے صنم کو بھی دیکھے — پ منہ اپنے مرغِ قبلہ نما کا کدھر پھرے

---

[1] ن . پ تلوار [2] ن - پ میں [3] ن - پ رہا

سامنے اُس عارضِ پر نور کے ماہ تاباں اک بجھی قندیل ہے
ہم فقیروں کو میسر کیا نہیں اپنی جھولی عمرو کی زنبیل ہے

بلا میں پھنسا ہوں مصیبت نئی ہے یہ ہے عشق پہلا یہ آفت نئی ہے
کہاں سرگزشت محبت نئی ہے حکایت وہی ہے عبارت نئی ہے
رسائی تو قسمت نے کردی ہے واں تک پہ نزدہ ہے اتنا کہ صحبت نئی ہے
نہیں شوق جب سے ہے سیرِ چمن کا پہ گلستاں کی ہر جا حکایت نئی ہے
گنہگار ٹھہرا میں فریاد کر کے عجب منصفی ہے عدالت نئی ہے
بہت تیرے مستوں سے کرتی ہے گرمی مئے شوق ساقی نہایت نئی ہے

ہے زباں مستی نگہ میں یاں جگر میں داغ ہے اُس سرِ رہی میں ہے دھبہ اس سپر میں داغ ہے
کس طرح بھائے بہارِ باغ ہجرِ یار میں لالہ و گل بے رخِ رنگیں نظر میں داغ ہے

شعلہ رویار کی محفل سے جو تو آتی ہے پہ کچھ تجھے شرم بھی اے شمع کبھو آتی ہے
تیری زلفوں کی محبت نے یہ کی ہے تاثیر پہ جسم کے رونگٹوں سے مشک کی بو آتی ہے

ایسا ہی تنگ میری فریاد نے کیا ہے جب ذبح کا ارادہ صیاد نے کیا ہے

اڑا یا دل نہیں معلوم کب سوتے میں جاناں نے ہمارے گھر میں رہ کر رات کو چوری کی مہماں نے

مجکو خوش آئے شبِ فرقت میں کیونکر چاندنی تیرہ بختوں کو اندھیرے سے ہے بدتر چاندنی

بعد مدت ہے لبِ دریا میسر چاندنی   ابر مہلت دے تو دیکھوں آج شب بھر چاندنی
عقل کو ہنگام پیری میں نہیں ہٹنا فروغ   صبح کو بے نور ہوتی ہے منور چاندنی

شرر | صاحب کلک برق پیکر، مرزا آغا حسن تخلص "شرر"، جوان خوش رو، گرم سخن، بیت شعلہ، مصرعِ شمعِ روشن شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش۔ یہ اشعار اس سے یادگار

زلف میں چاہنے والوں کے دلِ زار بندھے   ایک رسی میں نظر آئے گنہگار بندھے
شاعروں پر ابھی احوال عدم کھل جائے   تیرا مضمون اگر اے کمر یار بندھے
ہر بشر کو تنِ خاکی کی مرمت ہے ضرور   پائداری ہے اگر پشتۂ دیوار بندھے
چاندنی چھٹکے اگر کیسی ہی اندھیاری ہو   روئے روشن کا تصور اگر اے یار بندھے
اے صنم شیخ و برہمن ہیں گرفتار ترے   ایک زنار میں ہیں کافر و دیندار بندھے
اے شرر کچھ تو نئی بات کسی شعر میں ہو   لطف کیا ایک ہی مضمون جو ہر بار بندھے

شاعر ہوں اس پہ رشک مجھے دیکھ کر ہوا   مصراعِ قد سا جو کوئی موزوں شجر ہوا
ہم سے خزاں رسیدوں کی جانب ہو کوئی کیا   دیکھا ہرا جدھر کو زمانہ اُدھر ہوا
چھپتے ہو روٹھ کے مجھ سے مرے دل میں تم عبث   رہتا نہیں ہے پردہ جہاں گھر میں گھر ہوا
اے عندلیب بس کہ مرا حال غیر حال ہے   نالہ کیا نہ تو نے کہ ٹکڑے جگر ہوا

میرے ماتم میں وہ بت ناشاد نہ ہو   گھر میں شیریں کے غمِ فرہاد نہ ہو
خیر ہے ہم سے کڑا پن اے بت تو   موم جو ہو اس سے تم فولاد نہ ہو
ہر طرح الفت میں ہے مٹی خراب   خاک ہو تو خاک بھی برباد ہو
اس قفس میں پھر نہ یک دم جی لگے   پر آنکھ سے اوجھل اگر صیاد ہو

کیوں تردد ہے تمہیں کیا فکر ہے ہم بجا لائیں جو کچھ ارشاد ہو

گذر اس پر نہیں اس ماہ لقا کے گھر میں آئے ہم جور کے کوچہ میں وفا کے گھر میں
لے گیا دل بت بے مہر دغا کے گھر میں روشنی کرتے ہیں ہم رند خدا کے گھر میں
جا کے پھر آنے کو انسان کا کیا جی چاہے سیر فردوس ہے اُس حور لقا کے گھر میں
مال دنیا سے اگر کچھ نہیں موجود نہ ہو دولت فقر تو ہے ہم فقرا کے گھر میں
اور دروازہ پہ کیا جان کے بندہ جاتا کون سی شے نہیں موجود خدا کے گھر میں
راہ پر آتی ہے قسمت تو یہی ہوتا ہے لے گئے مجھ کو وہ باتوں میں لگا کے گھر میں
زاہدا آج کھلا مجھ پہ اذاں کا پردہ تم کبھی چلاتے ہو اس بت کو خدا کے گھر میں
اے ہنر ایک نہیں کافر و دیندار کی راہ کوئی بت خانہ میں ہے کوئی خدا کے گھر میں

ہم کبھی نگاہ لطف کے اُمیدوار ہیں مشفق ادھر بھی دیکھئے شفقت کی آنکھ سے
حیران ہوں کہ تیری مروت کو کیا ہوا دیکھا کبھی ادھر نہ مروت کی آنکھ سے

پوچھو نہ کبھی جو نہ ہم نہ نتا ہو تم کیسے ہمارے آشنا ہو
کرتے ہو یہ کس سے جھوٹے وعدے اُس سے کہو جو نہ جانتا ہو

بوئے صندل کی جو پیدا میری مشت خاک نے مار ڈالا مجھکو کس کی صندلی پوشاک نے
پھر وہی دیوانگی ہے پھر وہی سودا مجھے پاؤں پھیلائے ہیں پھر دامن تلک ہر چاک نے
موتیوں کو اس طرح کوئی نہیں کرتا جلا تیرے دانتوں میں لکیریں ڈال دیں مسواک نے
عشق میں مجکو پھنسا کر اپنی راہ لی پ عقل نے ہوش و خرد نے فہم نے ادراک نے

آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں جب اُدھر کہتے ہیں وہ پ خیر تو ہے پھر بہت مجکو لگے ہوتا کنے
اے شرر جس دم کوئی جھوکا ہوا کا آ گیا کوئے جاناں کے کیے چکر ہماری خاک نے

اے جان دم لبوں پہ ہے بوسہ شتاب دو اُمیدوار کر کے نہ مجکو جواب دو
سمجھوں یہی کہ آج دیا آپ نے جواب پ برسوں میں بھی جو بات کا میری جواب دو
ایسے کہاں نصیب کہے آ کے نامہ بر یہ خط لو اور ابھی مجھے خط کا جواب دو
دونوں جہان میں ہے تمہارا جواب بھی پ مردے جواب دیں جو کہو تم جواب دو
اُس کے قتیل عشق کو تکیہ سے کام کیا لے جاکے اس گلی میں مجھے گاڑ دو اب دو
مے کش ہوں روز حشر کہوں گا یہی شرر پیاسا ہوں مجکو ساقی کوثر شراب دو

سحر | جادو بیان (و) فسوں کار میر علی حسین تخلص "سحر" شاگرد آغا حسن شرر، یہ اُس سے یادگار

ہماری آہ میں کچھ بھی اگر اثر ہوتا تو وہ یقیں ہے اتنا نہ بے خبر ہوتا
شب فراق جو گردوں پہ جلوہ گر ہوتا سفید داغ مری آنکھ میں قمر ہوتا
کہیں چراغ بھی جلتا ہے آگے سورج کے مجال ہے کہ ترے سامنے قمر ہوتا
گدائی میں ہے سلیماں کا مرتبہ حاصل پ پری کا ہے مرے ویرانے میں گذر ہوتا
اسی بہانہ سے اس تک رسائی کرتا میں کوئی جو خط اسے لکھتا میں نامہ بر ہوتا
لگاتے سنگ پھر اطفال جان کر وحشی پ بہار آتی کہیں نالہ زار سر ہوتا
یہاں مکان بنایا تو کیا کیا ہم نے مزا تھا جب کہ کسی دل میں اپنا گھر ہوتا
کمال ساتھ کے سونے کی آرزو تھی سحر کبھی تو پہلو میں وہ شوخ سیمبر ہوتا

سحر میں کامل تھے اور قابض تھے ہم تسخیر پر پا سکے قابو نہ لیکن اُس بت بے پیر پر

آ اُدھر بھی رحم کھا اے بت خدا کے واسطے
بن گئی ہے اب تو جانِ عاشقِ دلگیر پر

قید خانہ میں جو اے بت یاد آئی تیری زلف[1]
شک مجھے سنبل کا گذرا پاؤں کی زنجیر پر

چشمِ غیرت سے کرے جو عالمِ فانی کی سیر
مقرہ کا ہو گماں اُس کو ہر اک تعمیر پر

خط میں یہ لکھے تھے میں نے درد کے مضموں آہ
رو دیا بے اختیار اس نے میری تحریر پر

مجکو یوں ہی ہے ترے قول و قسم کا اعتبار
ہاتھ کیوں رکھتا ہے قاتل قبضۂ شمشیر پر

اے شہِ خوبی کسی سے سحر کو کب عشق ہے
جان جاتی ہے تمھارے حسنِ عالمگیر پر

سید | رہنے[2] والا دلی کا لکھنؤ میں وارد میر عنایت حسین تخلص "سید" شاگرد شرر من کلامہ

تیغ ابرو سے کیا قتل اس بتِ بیباک نے
مار ڈالا بے گنہ مجکو مرے سفاک نے

وصل کی صورت بگڑ جاتی ہے بنکر کیا کروں
پ سخت عاجز کر دیا ہے گردشِ افلاک نے

روندکر مقتول[3] کے لاشہ کو اپنی راہ لی
پھر کے بھی دیکھا نہ اس کے توسنِ چالاک نے

ہر بن مُو سے مرے شعلہ نہ نکلے کس طرح
بھون ڈالا مجکو عشق روئے آتشناک نے

سرکشوں کے سر جھکے کوچہ میں اس محبوب کے
آستانِ یار پر سجدے کیے افلاک نے

میری آمرزش کی صورت حشر میں کوئی نہ تھی
بخشوایا مجکو اے سید شہِ لولاک نے

آپ فرماتے ہیں کچھ ارشاد ہو پ خود غلط جو ہو اسے کیسا یاد ہو
رہ گئے محروم ساقی کل تو ہم آج تو ساغر کوئی امداد ہو
اب کھلا یہ عشق کو منظور تھا پ کوئی مجنوں ہو کوئی فرہاد ہو

---

[1] ن۔ پ قید خانہ میں جو آئی یاد اے گل تیری زلف

[2] ن۔ پ نوجوان شوریدہ سر میر عنایت حسن تخلص "سید" ساکن دہلی شاگرد شرر

[3] ن۔ پ مقتولوں کی لاشوں کو۔

یار کی تصویر مجھ کو کھینچ دے ‌ ‌ کوئی ہو مانی کوئی بہزاد ہو
اُس گلی کی خاک اڑاتے ہو بہت ‌ ‌ تم نہ اے سیّد کہیں برباد ہو

امیر | ابتدا اندر ذہن رسا تخلص "امیر" نام امیر مرزا شاگرد آغا حسن شرر[1] ہے
اس سے یادگار

منہ سے تیرے منہ اگر ملا ہو ‌ ‌ اے کانِ ملاحت اک مزا ہو
کچھ بات ہے جس پہ بد مزہ ہو ‌ ‌ رکتے ہو عبث عبث خفا ہو
کیا سیرِ چمن خوش آئے اس کو ‌ ‌ جس کا اک گلی میں دل لگا ہو
برسوں ہوئے ہم سے دوستی کو ‌ ‌ مدت کے ہمارے آشنا ہو
میں تو تمھیں دل سے چاہتا ہوں ‌ ‌ تم بندے کو چاہو یا نہ چاہو
خیرات سمجھ کے ایک بوسہ ‌ ‌ دے ڈال مجھے ترا بھلا ہو
رکھے جو قدم وہ شاہ خوبی ‌ ‌ مسند ابھی میرا[2] بوریا ہو
ان روزوں امیر سچ بتاؤ ‌ ‌ کس پر وہ نشیں پہ مبتلا ہو

رونق | صاحب نظم و نسق شیخ رونق علی تخلص "رونق" شاگرد آغا حسن شرر ہے۔[3] اس سے یادگار

جو میرے سامنے وہ رشکِ مہر و ماہ رہے ‌ ‌ جہاں آنکھوں میں دن رات کیوں سیاہ رہے
تو وہ حسین ہے گر دیکھ لے جھلک تیری ‌ ‌ کسی کو حضرت یوسف کی پھر نہ چاہ رہے
کبھی تو چاند میں سمجھا اسے کبھی خورشید ‌ ‌ تمھارے چہرے پہ کیا کیا نہ اشتباہ رہے
نہ ایک دن بھی وہ خانہ خراب ہاتھ لگا ‌ ‌ بہت خراب پھرے ہم بہت تباہ رہے

---

[1] ن - پ - من کلامہ ‌ ‌ [2] ت - پ - اپنا
[3] ٹ - پ - من اشعارہ

برائے سیر اکیلے کہیں نہ جائیں حضور — اگر خوشی ہو تو ہمراہ خیر خواہ رہے
یہی خدا سے ہے دن رات اب دعائے ذوقؔ — ہمیشہ پہلو میں وہ رشکِ مہر و ماہ رہے

جیسے ترے فراق میں ہم نے اٹھائے رنج — دشمن کو بھی خدا نہ کبھی وہ دکھائے رنج
کیوں دیر کی ہے اے سگِ کوئے حبیب آ — کھاتا ہے ہڈیوں کو ہمارے ہُمائے رنج
مہندی لگا کے غیر سے ہم خواب تم ہوئے — اے جانِ رنگ رنگ کے ہم نے اٹھائے رنج
رونقِ شبِ وصال کی اب آرزو نہیں — فرقت ہے جب سے یار سے ہوں آشنائے رنج

گلشنؔ | از دفترِ سخن، راجہ جیا لال تخلّص "گلشنؔ" مردِ با خبر مطلب برار غیر
شاگردِ خواجہ (حیدر علی) آتشؔ ـ من کلامہ

سودائے گیسوئے بتِ خونخوار ہو گیا — آزاد تھا جو دل سو گرفتار ہو گیا
آوازِ پائے یار اگر خواب میں سنی — سویا نہ صبح تک جو میں بیدار ہو گیا
مجلس میں جس طرف تری ترچھی نگہ ہوئی — اک تیر تھا کہ توڑ کے دل پار ہو گیا
سیرِ چمن کو یار جو آیا تو دیکھنا — آنکھوں میں عندلیب کی گل خار ہو گیا

دل تھمتے ہی گھبرا کے لگی جان نکلنے — الفت کے مرض نے نہ دیا ہم کو سنبھلنے
آزاد کرے جو گرفتارِ ازل کو — قمری کے گلے میں سے لگے طوق نکلنے

بہار آئی شگوفہ پھولا، کھلا ہے تختہ ہر اک چمن کا
کہیں تماشہ ہے یاسمن کا کہیں نظارہ ہے نسترن کا

لہ ن ـ پ گلشن شاگرد خواجہ حیدر علی آتشؔ

کوئی ہمانند شمع گھلتا کوئی ہے پروانہ وار جلتا
نہیں جو وہ روشنیِ محفل عجب ہے احوال انجمن کا
قدم دھرا ہے جو عاشقی میں تو نیستی کو سمجھ لے ہستی (پ)
عزیز کرتا جو جان شیریں تو نام ہوتا نہ کوہ کن کا

یہ عالم کاہش غم سے ہے اپنی ناتوانی کا ۔ کہ یاروں کو تعجب ہے ہماری سخت[1] جانی کا
قد رعنا صنوبر، زلف سنبل، چہرہ لالہ ہے ۔ بہار باغ ہے عالم تیرے جوشِ جوانی کا
ضرر پہنچا سکے کب شمع اقبال کو دشمن ۔ نہ ہووے آتش یاقوت کو اندیشہ پانی کا
دل شیدا کی حالت پوچھیے گاشن تو کہتا ہے ۔ گلہ کس منہ سے کیجے یار کی نامہربانی کا

الفت جو ہم کو تجھ سے اے مہربان ہووے ۔ پ دل لے کے تو ہمارا خواہاں جان ہووے

جلیل | سعید ازلی، میر ہدایت علی ہدایت ہیں، ہدایت تخلص کرتا تھا۔ جب میر دوست (علی)، سے شورش موقوف کر کے تخلص اپنا "خلیل" کیا، اس نے بسبب اتحاد باطنی کے ہم صورت خلیل تخلص اپنا "جلیل" قرار دیا۔ القصہ وہ شاعر خوش تقریر بہ سبب کسب عمل او تسخیر کے دیوانہ مطلق ہو گیا ہے خالق جن و بشر اس پر رحم کرے کہ محب ولی اس مولف کا اور شاگرد ذکی حیدر علی آتش کا ہے،
من کلامہ۔

محو کرتا ہے جو اُس کو یک نظر میں آئنہ ۔ ہے مگر استاد کامل اس ہنر میں آئنہ
تیغ ابرو سے ہے کیا خوف و خطر میں آئنہ ۔ منہ چھپاتا ہے جو فولادی سپر میں آئنہ
غرق گرداب تحیر کیوں نہ ہوا ے بحر حسن ۔ دیکھتا ہے ناف کو تیری کمر میں آئنہ

---

[1] ن۔ پ زندگانی

عکس افگن عارضِ جاناں نہ اس میں ہو اگر پ ٹھوکریں کھاتا پھرے ہر رہگذر میں آئینہ
صافیِ باطن کے آگے اس کا کچھ رتبہ نہیں منفعل ہے محفلِ اہلِ نظر میں آئینہ
قاتلِ عالم ہے اے سفاک خود بینی تری تیغ کے بدلے تو رکھ اپنی کمر میں آئینہ
دھیان رہتا ہے کسی کے روئے آتشناک کا آتشیں رہتا ہے ساتھ اپنے سفر میں آئینہ
لوٹتا ہے مفت میں رخسارِ گلگوں کی بہار ماہ نو کو دیکھ کر ماہ صفر میں آئینہ
ہم نہ دیکھیں منہ ترا دیکھے تو اے آئینہ رو کیوں نہ کھٹکے خار سا اپنی نظر میں آئینہ
دوست دشمن کو ہدایت کیوں نہ سمجھے دل مرا نیک و بد کو خوب رکھتا ہے نظر میں آئینہ

چاندنی ہر اک سو ہے گل کی باغ میں بو ہے بادہ ہے لب جو ہے ساقیِ پری رو ہے
سنبل اس کا گیسو ہے غیرتِ چمن رو ہے شاخِ گل وہ بازو ہے سرو قد دلجو ہے
تو ہے قاتلِ دوراں، چشم ہے تری فتاں تیر ہیں صنم مژگاں کہ کماں وہ ابرو ہے
نازکی بدن میں ہے گل کی بو دہن میں ہے معجزہ سخن میں ہے چشم عین جادو ہے
ہیں جو صاحب ایماں کہتے ہیں وہ یہ ہر آں روئے یار ہے قرآں کعبہ طاق ابرو ہے
بازو شمع روشن ہے ماہِ نو وہ جوشن ہے صبح اسکی گردن ہے آفتاب جگنو ہے
بے ترے ہے ویرانہ کعبہ اور بت خانہ ہوں ترا میں پروانہ شمعِ انجمن تو ہے
تنگ زندگی سے ہوں دل مرا ہوا ہے خوں کیوں نہ میں گلا کاٹوں عشقِ تیغ ابرو ہے
دورِ ساغرِ مل ہے فصل لالہ و گل ہے عندلیب کا غل ہے قمریوں کی کو کو ہے
یاد کر کے وہ دنداں ہوں میں اے صنم گریاں رشکِ گوہرِ غلطاں میرا آنسو آنسو ہے
کیوں تیرا رکا ہے دل کیا پڑی تجھے مشکل فکرِ شعر سے غافل اے جلیل جو تو ہے

جلیل | سید جلیل، شاعر بے عدیل، صاحب تحصیل، میر دوست علی تخلص "خلیل" کلام اس کا مطبوع و دلکش، شاگرد رشید خواجہ حیدر علی آتش۔ یہ

اشعار اس (سید) بزرگوار سے یادگار

جاتے ہی رنگ اڑا دیا اس گل عذار نے | باندھا تھا ہوا بہت تھی چمن میں بہار نے
خوں ریزی میں کمی نہ کی ابروے یار نے | پھیرا دم جہاد نہ منہ ذوالفقار نے
کھویا صفاے رخ کو خط ردے یار نے | مٹی میں چاندنی کو ملایا غبار نے
خوں حسرتوں کا دل میں کیا ہجر یار نے | کعبہ میں بھی پناہ نہ پائی شکار نے
ابرو دکھایا عالم مستی میں یار نے | تلوار ماری گھوڑے پہ چڑھ کر سوار نے
نکلی جو روح تن سے لگا میں پکارنے | توسن کو اپنے چھوڑ دیا ہے سوار نے
تاڑی سے میرے زخم جو دھوئیں تو ہے بجا پ | دل میں کٹار مارا ہے ابروے یار نے
صدمے ہیں منعموں کے لیے باغ دہر میں پ | پتھر نہ کھائے کس شجر میوہ دار نے
اک زلزلہ سا رہتا ہے جس دن سے دفن ہوں | مجھ سے پناہ مانگی ہے میرے مزار نے
تا مرگ روح نے مری تن پروری نہ کی | گھوڑے کو اپنے فاقوں ہی مارا سوار نے
جب زلف مشکبار صنم کی ہوا بندھی پ | بو کھل کے دی نہ نافۂ مشک تتار نے
میری سنی نہ اپنی کہی اٹھ کھڑے ہوئے | آئے تھے آپ گھر مرے چھڈا اتار نے
مدت میں وصل یار ہوا ہے مجھے نصیب | بچھڑے ملا دیے مرے پروردگار نے
آب حیات نور سحر نے پلا دیا | مردہ ہی کر دیا تھا شب انتظار نے
میں وہ شکار گاہ جہاں میں شکار ہوں پ | جانا ہوں آپ یار کی تھوڑی آتار نے
زلفوں سے سلسلہ جو یہ مجروح نے کیا پ | ڈالا بلا میں آپ کو زخمی شکار نے
پھیلا اندھیر دھواں مری آہوں کا اے خلیل | کھولی ہے زلف شام شب انتظار نے

طالع رسا ہیں میرے دل بیقرار کے | کنگھی کی طرح رہتا ہے پٹوں میں یار کے
روتا ہوں دل قمار محبت میں ہار کے | دھاگو میں آگیا بت زنار دار کے

اللہ رے تصرفِ تاثیرِ عشقِ گل — بالوں میں عندلیب کے پر ہیں بہار کے
بے قدر کر دیا نگہ چشم یار نے — کوڑی کے مول بک گئے ہیں پھول کنار کے
اے ماہ رو نہ بھاگ کیا ہے جو مجھکو قتل — ٹلتی نہیں ہے چاندنی زخمی کو مار کے
اچھے نہیں ہیں جوششِ وحشت کے رنگ ڈھنگ — تیور کچھ اب کی سال برے ہیں بہار کے
جب لے گئی ہے بادِ صبا بوئے زلف یار — کیا کیا دھوئیں اڑائے ہیں آتش نثار کے
مانند گرد باد لپٹیں گے ہم تجھے — آنا صبا نہ پاس ہمارے غبار کے
سودا گیا نہ مر کے بھی زنجیر زلف کا — سمجھا گلے کا طوق کٹہرے کو مزار کے
عشقِ بتاں کا بوجھ اٹھائیں جو پیٹھ پر — کھل جائیں بند سب کمر کوہسار کے
نالے کیے بغیر میں رکھتا نہیں قدم — جاتا ہوں گھر میں یار کے در پر پکار کے
آبِ حیات ہے عرقِ جسم یار بھی — پژمردہ ایک دن نہ ہوئے پھول ہار کے
دم سے طلسم آدمِ خاکی کا ہے خلیل — پھرتی ہیں پتلیاں یہ سہارے سے تار کے

نالے کرتا ہوں ترے دل میں اثر ہو کہ نہ ہو — صور میں پھونکتا ہوں تجھ کو خبر ہو کہ نہ ہو
ہجر میں وصل کی امید پہ میں روتا ہوں — پانی اس نخل کو دیتا ہوں ثمر ہو کہ نہ ہو
حشر پر وعدۂ دیدار ہے میں روتا ہوں — بھیڑ ہو جائے گی رخ یار ادھر ہو کہ نہ ہو
طالب دید ہوں رخ اپنا دکھاؤ تمھیں کیا — غش ہو سکتے ہو مجھے تاب نظر ہو کہ نہ ہو
تم سنو یا نہ سنو نالے کیے جاؤں گا — دردِ دل کہنے سے مطلب ہے اثر ہو کہ نہ ہو
سیم تن یار بغل میں ہے شب و روز خلیل — دل تو رکھتے ہیں غنی گانٹھ میں زر ہو کہ نہ ہو

بے نشۂ مے ہو نہ مری آہ رسا گرم — خورشید کی تاثیر سے ہوتی ہے ہوا گرم
دل آتش فرقت سے جو ہے بعدِ فنا گرم — پا تربت ہے مری کان سے گندھک ہوا گرم

دل آتشِ فرقت سے یہ جلتا ہے شب و روز — گویا مرے پہلو میں ہے دن رات توا گرم
ہے مالکِ خشک و ترِ عالم وہی انساں — پ وہ وقت خدا دے جسے سرد آب غذا گرم
تاثیرِ تپِ عشق ہے حکمت سے نرالی — تن برف سے ٹھنڈا ہے دل آتش سے سوا گرم
جلتا ہے بدن شمع کی صورت تپِ غم سے — پ ہے جامۂ فانوس کی مانند قبا گرم
تپ چڑھتی ہے کر چکتا ہے دل جس گھڑی نالے — ہو جاتی ہے بنادق ہر اک بعد غذا گرم
افسردہ ہے داغِ دلِ بے عشق ہمیشہ — نادار کے گھر میں نہیں ہوتا ہے توا گرم
سوزِ دلِ محزوں سے یہ حال ہوا ہے — پ ہے تارِ نفس سیخِ کبابی سے سوا گرم
تم گرمیاں کرنے لگے ہر بات میں سب سے — اب حد سے سوا ہو گئے ہو نامِ خدا گرم
وہ حسن کا شعلہ نہ لپٹ کر کبھی سویا — جاڑے میں کسی شب مرا پہلو نہ ہوا گرم

شمس | خلاصۂ خاندانِ عالی شان، نواب محمد علی خاں بہادر عرف ننھے نواب پسر نواب معتمد الدولہ بہادر، تخلص "شمس" شاگردِ میر دوست علی (خلیل)۔ یہ اشعار اس ذوی الاقتدار سے یادگار

ترا جمال جو پیشِ نظر نہیں رکھتے — وہ مثلِ دیدۂ نرگس بصر نہیں رکھتے
ہماری دل کی تپش سے خبر نہیں رکھتے — وہ آکے ہاتھ کبھی سینہ پر نہیں رکھتے
تمھارے نامہ بروں کا ہے عرش پر یہ دماغ — پ سروں پہ اپنے ہما کے بھی پر نہیں رکھتے
خموش رہتے ہیں مانند طائرِ تصویر — پ زبانِ عاشقِ شوریدہ سر نہیں رکھتے
صبا پیام یہ کہنا مری طرف سے اُسے — تم اپنے بے خبروں کی خبر نہیں رکھتے
کیا ہے حسنِ جوانی نے یہ انہیں بدمست — ہماری کیا کہ وہ اپنی خبر نہیں رکھتے
یقینِ مرگ شبِ ہجر بس جو رہتا ہے — پ تو شام ہی سے امیدِ سحر نہیں رکھتے
الٰہی کیوں نہیں سنتے ہیں وہ مری فریاد — پ گلوں کی طرح سے وہ گوش گر نہیں رکھتے
کہا ہے جب سے انھیں بادشاہِ حسن و جمال — پ وہ مجھ فقیر کے تکیہ پہ سر نہیں رکھتے

شبِ فراق میں اپنا تو ذکر کیا کیجے ۔ پ اُمیدِ صبح خروسِ سحر نہیں رکھتے
نظیرتا نظر آئے نہ اپنی صورت کا ۔ وہ آئینہ کو بھی پیشِ نظر نہیں رکھتے
فقیر اُس شہِ خوباں کے ہیں یہ بے پروا ۔ کبھی ہما کے بھی تکیہ میں پر نہیں رکھتے
خدا ہی جانے وہ رشکِ قمر کہاں ہے شمسؔ ۔ سحر سے آج ہم اُس کی خبر نہیں رکھتے

ہوا نہیں ترے چہرے پہ خط عیاں صیّاد ل ابھی ہے دام اسیری مرا نہاں صیّاد
قفس میں پھول کی رکھے پیالیاں صیّاد ل جو عندلیب کا ہووے مزاج داں صیّاد

ابرو کے پاس گیسوے پُرخم کو لائیے ل اک دن تو اس کمان پہ چلّا چڑھائیے

یہ الفت ہوئی یار جانی تمھاری ل وظیفہ ہے میرا کہانی تمھاری
دم آنکھوں میں آیا بس اب منہ دکھاؤ ل بہت سن چکے لن ترانی تمھاری
نہیں دیتے چھلا تو چھلے کا گل دو ل رہے پاس کچھ تو نشانی تمھاری

دل عاشق زلف و رخ جانانہ ہوا ہے ل پھر قابلِ زنجیر یہ دیوانہ ہوا ہے
اے شمسؔ حسینوں کا جو رہتا ہے تصور ل آئینۂ دل رشکِ پری خانہ ہوا ہے

گلا گھٹتا ہے دم رکتا ہے میرے طائرِ جاں کا ل گلے پھندا الٰہی الفت زلفِ پریشاں کا
ہمارا دم فنا ہوگا نقاب الٹو نہ چہرے سے ل تمھاری بے حجابی میں ہے عالم تیغِ عریاں کا

امیر | خوش تقریر، لالہ شادی لال تخلص "امیر" پہلے لالہ موجی رام کا شاگرد تھا[1] اب میر دوست علی (خلیل) کے خوانِ کرم کا اُمیدوار ہے۔ یہ[2] اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ تھے [2] ن۔ پ من کلامہ

جی میں ہے اُس کی چاند سی تصویر دیکھئے | وحشت میں میر کوچہ زنجیر دیکھئے
وہ شمع بزم غیر ہو اور ہم جلا کریں | جو کچھ دکھائے خواہش تقدیر دیکھئے
ضعف بصر میں بھی یہ مجھے شوق دید ہے | عینک لگا کے یار کی تصویر دیکھئے
سرمہ سے اپنی چشم کو خوں ریز کیجئے | پتھر چٹا کے تیز ہی شمشیر دیکھئے
تم میری آہ دگر یہ کا کرتے ہو کیا گلہ | اپنے تو ظلم اے بت بے پیر دیکھئے
کب دیکھیں قید زلف سے ہم چھوٹیں اے امیر | کب نکلے اپنے پاؤں کی زنجیر دیکھئے

انور | خوش گفتار لالہ دہلوی تخلص "انور"[۵۲] شاگرد خلیل یہ اس سے یادگار

کرو ہی نگاہ سے جو کیا قتل یار نے | کھایا نہ میری لاش کو خاک مزار نے

ظہور | مرد باشعور جگل کشور تخلص "ظہور" والا نہ (راجہ) جیالال پہلے شاگرد خلیل[۵۳] تھا اب خواجہ صاحب سے تلمذ۔ من کلامہ[۵۴]

دیتی ہے پیچ کیا ہمیں تقدیر دیکھئے | کیوں کر پھنسائے زلف گرہ گیر دیکھئے
گواپنے[۵۵] سامنے ہو مرقع جہان کا | تیرے سوا نہ اور کی تصویر دیکھئے
سیکھے ہے چشم یار فسوں سازیاں بہت | کس کس کے دل کو کرتی ہے تسخیر دیکھئے
مد نظر ہے دیدۂ مشتاق کو یہی | پ[۵۶] جب دیکھئے تو یار کی تصویر دیکھئے
جو دیکھنا ہے یار کو دیتا ہے یہ دعا | اے نوجواں فلک سے تجھے پیر دیکھئے
چکر میں چرخ آئے زمیں کو ہو زلزلہ | آہ رسا کی اپنی بھی تاثیر دیکھئے
دل ہٹ گیا ہو جس بت ظالم سے اے ظہور | ہرگز نہ اس کی چاند سی تصویر دیکھئے

شایق | شوریدہ سری میں بید مجنوں پر فایق، دیوانہ خو، لالہ سیوارام تخلص "شایق"۔ ابتدا[۵۷] میں کلام اس کا منظور مرزا علی نظر کا تھا بعد اس کے

---

[۵۲] ن۔ پ ہے ہے [۵۳] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [۵۴] ن۔ پ خلیل کے تھے اب آتش کے ہیں [۵۵] ن۔ پ نہ [۵۵] ن۔ پ گو سامنے ہو اپنے مرقع جہان کا [۵۶] ن۔ پ پہلے

میاں مصحفی کا شاگرد ہوا جب طبیعت نے فی الجملہ ترقی پیدا کی متابعت (خواجہ حیدر علی) آتش کی خوش آئی۔ خواجہ صاحب کی حمایت[1] سے شیخ ناسخ کے منسوخ کرنے کا قصد[2] کیا اور جواب (اُس کی) ہر غزل کا کہا۔ شدہ شدہ یہ خبر ناسخ تک[3] پہونچی۔ یہ غزل کہ نتیجہ اس قضیہ کا ہے شیخ نے کہی[4]

کہہ رہا ہے ایک جاہل میرے دیواں کا جواب ۔ بو مسیلم نے کہا تھا جیسے قرآں کا جواب

کیا کلیم اللہ سے نسبت ہے اس ناپاک کو ۔ چاہیے فرعون کو دے اپنے ہاماں کا جواب

چونکہ لفظ ہامان[5] استاد کی طرف عائد ہوتا تھا۔ یہ علیح کہہ[6] کر کسی شاگرد کے نام پر مشہور کر دیا

چاہیئے مومن کو دے اُس نامسلماں کا جواب ۔ جو کہے دیواں کو اپنے ہے یہ قرآں کا جواب[7]

(یہ چند شعر کہ اس سے یادگار ہیں واسطے التزام کے لکھے جاتے ہیں)

دمبدم ہم ٹھوکریں کھاتے ہیں رسوائی کے ساتھ ۔ دوستی کرنا نہ تھا اُس طفل ہرجائی کے ساتھ

عالم وحشت میں یاد آیا جو سرو قدِ یار ۔ خوب رویا میں لپٹ کر نخل صحرائی کے ساتھ

تخم الفت ہو کے پامالِ حسیناں ہو گئے ۔ مل گئے مٹی میں شائق اپنی دانائی کے ساتھ

لگا جاتا ہے برچھی آتے جاتے گور پر میری ۔ لایہ پھل مجھے اس جنگجو سے دل لگانے کا

دقار السنان کا کھٹتا ہے آخر خندۂ بیجا ۔ ذہن ہونا کشادہ عیب ہے موتی کے دانے کا

قید ہستی میں نہایت تنگ دل کا حال ہے ۔ مرغ جاں کو سلسلۂ تارِ نفس کا جال ہے

---

[1] ن۔ پ کے زور [2] ن۔ پ ارادہ باندھا

[3] ن۔ پ شیخ تلک [4] ن۔ پ لکھی [5] ن۔ پ خواجہ صاحب

[6] ن۔ پ کسی شاگرد کو کہہ دیا [7] اس شعر کے بعد ن۔ پ کے حاشیہ پر ناسخ اور شائق کے سلسلہ میں بہت فحش روائتیں درج ہیں جو یہاں نظر انداز کی جاتی ہیں۔

پاؤں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے واں کی زمیں پ میرے نالوں سے یہ کوئے یار میں بھونچال ہے
اس قدر سودا ہے کس کی زلف کا شائق مجھے نوکِ نشتر کی طلب کرتی رگِ قیفال ہے
سلسلہ مجنوں سے جا ملتا ہے مجھ آزاد کا پ جرم آہو بید کی پتی چھڑی رومال ہے (کذا)
مجھکو گھائل کرکے رحم آیا اُسے تو دیکھنا پٹی اپنے زخم کی تلوار کا رومال ہے

اپنے گریہ سے دلِ یار نہ تازہ پایا کون سا کھیت ہرا ورنہ ہوا باراں سے
رنجِ فرقت میں ہوئی وصل میں ایذا دہ چند درد میں اپنے تفاوت نہ ہوا درماں سے
لوز میں پستہ کے ہرگز نہ ملی وہ لذت جو حلاوت کہ اٹھائی ہے لبِ جاناں سے
ہم غریبوں کی خبر یار کو کیا ہو شائق کون کرتا ہے بیاں حالِ گدا سلطاں سے

حسینوں پر ازل سے دل ہے مجھ دیوانے کا بھڑکا
کھلونے تھے مرے مٹی کی پریاں جب میں تھا لڑکا
یوں مرے لختِ جگر ہیں دیدۂ پُر آب میں
جیسے لہراتی ہیں گلگوں مچھلیاں تالاب میں

بام پر ساقیِ خوش رو ہو بغل میں یار ہو پ بادہ نوشی کا مزہ جب ہے شبِ مہتاب میں
کاٹتا ہوں میں تڑپ کر جس طرح سے روزِ ہجر پ یہ قلق ہوتا نہیں شب کو دلِ سرخاب میں
دیکھ کر آئینہ ہنستا ہے تو یوں جھڑتے ہیں پھول
پھلجھڑی کو جس طرح سے چھوڑتے ہیں آب میں
الٰہی ہے ڈھونڈنا زیرِ فلک آسودگی گاؤ کو فربہ نہ دیکھا خانۂ قصاب میں

نسیم | مرد سخنور پنڈت دیا شنکر تخلص نسیمؔ، خواجہ آتشؔ کا شاگرد قدیم۔

یہ اشعار اس سے یادگار

خم نہ بن کر خود غرض بن جائیے — مثل ساغر اور کے کام آئیے
ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا — خاکساروں پر کرم فرمائیے
آپ آہو چشم ہیں آہو نہیں — ہم سے وحشت کی نہ لیجیے آئیے
جوہر تیغ نگہ کھل جائے گا — منہ نہ میرے زخم کا کھلوائیے
ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں جب ہم نسیم — کہتے ہیں وہ ٹھنڈے ٹھنڈے جائیے

دل لگا کر اس نے ٹھانی ہم سے جی میں دشمنی — بڑھ کے ہو جاتی ہے آخر دل لگی میں دشمنی
مجھ سے تو جیسا ہے پیارے تجھ سے ویسا میں بھی ہوں — دوستی میں دوستی اور دشمنی میں دشمنی
طفل بدخو و مریض و عاشق و مجنوں کے ساتھ — دشمنی میں دوستی ہے دوستی میں دشمنی

جب ہو چکی شراب تو میں مست مر گیا — شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا
سمجھا ہے حق کو اپنے ہی جانب ہر ایک شخص — یہ چاند اس کے ساتھ چلا جو جدھر گیا
طوفان نوح اس میں ہو یا شور حشر ہو — ہونا جو ہے وہ ہو گا جو گذرا گذر گیا
بیدل جو تجھ کو پایا تو بولا خیال یار — مہمان بلا کے صاحب خانہ کدھر گیا

عشق | خوش لہجہ نازک ادا (آغا رضا) تخلص عشق ۔ نام آغا رضا شاگرد زمانی) خواجہ (حیدر علی) آتش ۔ من کلامہ

غم طول شب فرقت کا یہ حاصل ٹھہرا — جان پر بن گئی جینا مجھے مشکل ٹھہرا
ذکر دلبر سے تو بیتاب ہوا ہے دل زار — بات کرنا بھی ترے سامنے مشکل ٹھہرا
بیقراری کا ہیں وہ اے ضبط مزے پائے ہیں — جان دیدوں گا ابھی میں جو مرا دل ٹھہرا

۱؎ ن ۔ پ مرد

گفتگو ناصح بے عقل سے نادانی تھی ۔ پ ۔ بحث مہمل سہی جو کی آپ میں جاہل ٹھہرا
بے قراری نہ گئی یوں تو کبھی جینے جی ۔ جسم سے جان جو نکلی تو مرا دل ٹھہرا
دل پہ قابو نہ رہا ترک ملاقات کے بعد ۔ سہل ٹھہرایا تھا جس کو وہی مشکل ٹھہرا
دم الجھنے لگا ہمدرد کی بیتابی سے ۔ باغ میں سن کے نہ میں شورِ عنادل ٹھہرا
خون تھوکا ہے غم عشق کی بیماری سے ۔ پ ۔ دق نہ کر مجکو طبیب اس کو نہ تو سل ٹھہرا
تیری الفت میں گئی جان ہماری آخر ۔ پ ۔ عشق بازی کا یہ انجام یہ حاصل ٹھہرا
بے گنہ قتل مجھے کرکے تو بدنام نہ ہو ۔ پہلے تقصیر تو کوئی[1] مرے قاتل ٹھہرا
بیمار مرض ہوئی تسکین کی صورت اے عشق ۔ خفقان کم ہوا آخر کو مرا دل ٹھہرا

بوسہ کے فائدے میں ہے نقصان جاں پسند ۔ بازارِ عشق میں ہے یہ سود و زیاں پسند
تارِ نفس کو کرتی ہے عمرِ رواں پسند ۔ ہے کشتی حیات کو یہ بادباں پسند
مضموں بلند کرتی ہے طبعِ رواں پسند ۔ مجکو زمین شعر کا ہے آسماں پسند
اللہ رے دماغ سگِ کوئے یار کا ۔ خرگوش کے کیے نہ مرے استخواں پسند
بندہ کی طرح چاہیئے صاحب کو انکسار ۔ اللہ کو غرور نہیں مہرباں پسند
دو بوسے بھی لیے تو یہ جھنجھلا کے بولے وہ ۔ پ ۔ اتنا بھی سیر خور نہیں میہماں پسند
دیوانے کیا مقید صوم و صلوٰۃ ہوں ۔ پابند شرع کو ہیں یہ دو بیڑیاں پسند
جینا وصالِ یار میں مرنا فراق میں ۔ باغِ جہاں میں ہیں یہ بہار و خزاں پسند
کہنے کو یوں تو دل بھی ہے آنکھیں بھی ہیں مگر ۔ بہتر ہے وہ مکان جو[3] کرے[2] وہ مکاں پسند
اپنی زبان خراب نہ کر لفظ سخت سے ۔ ہے مثل سگ عبث تجھے یہ استخواں پسند

---

[1] ن ۔ پ میری کوئی ۔ [2] ن ۔ پ ۔ ہ ۔ [3] ن پ جو

اے عشق ہو تو ایسی ہو گرمی کلام میں　　یاں ہے زبان[۱] آتش شیریں بیاں پسند

اوجؔ طبیعت اس کی بحر زخار، خامہ تحریر موج مشفقی (مجی)، مرزا علی حسین تخلص "اوج" خلف الصدق جناب مرزا عسکری[۲] صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ. علم نجوم میں (دہ) بے ہمتا۔ نیازمند (کو قدیم سے) اس خاندان پاک سے اک نیاز، مرزائے موصوف شاگرد خواجہ حیدر علی آتش کے ہیں۔ چونکہ سیر کتب ودواوین نار سیہ اُن کو بہت رہتی ہے شعر خوب کہتے ہیں۔ من اشعارہ

نکلے جو خط لب تو دہن کا پتہ ملے　　گر خضر ہو تو چشمۂ آب بقا ملے

زاہد بناؤں میں بخدا سجدہ گہ اُسے　　اپنے صنم کا مجکو اگر سنگ پا ملے

سونگھوں جو اُس کی زلف جھڑے زہر سانپ کا　　پ چوسوں جو ہونٹ لذت آب بقا ملے

بالیدگی دل ہوئی سوز و گداز سے　　آتش سے نخل موم کو نشو و نما ملے

ایسی ترے فراق میں صورت بدل گئی　　بیگانہ وار مجھ سے مرے آشنا ملے

پرتو رخ سے ہوا ہے لب جاناں روشن　　تابش مہر سے ہے لعل بدخشاں روشن

چاندنی میں جو گیا بحر پہ وہ شعلۂ حسن　　بیخ شانہ سا ہوا پنجۂ مرجاں روشن

سایہ اس نور مجسم کا زمیں پر جو گرے　　ذرے ہوں صورت خورشید درخشاں روشن

ترے سودے میں کیا چاک جو اے غیرت مہر　　صبح کی طرح ہوا اپنا گریباں روشن

گوہر گوش کا ہے زلف کے کشتوں کو خیال　　مہرۂ مار سے ہے گنج شہیداں روشن

اسے پری وصف جو ترے خط لب کا لکھوں　　حرف ہو مثل خط مہر سلیماں روشن

---

[۱] ن۔پ بیان　　[۲] ن۔پ عسکر علی۔

[۳] ن۔پ یہ شعران سے یادگار

نہ گئی داغ زلیخا کی سیاہی اب تک
چشم یعقوب ہوئی اے مہ کنعاں دشمن

آوج کار دے سیہ معرکۂ حشر میں
مہر سے آپ کے ہو یا شہ مرداں دشمن

ہوں صید محبت مجھے نخچیر نہ کہنا
زخمی ہوں نگہہ کا ہدف تیر نہ کہنا

آئینہ مہتاب میں نقشا ہے کلف کا
اس کو رخ دلدار کی تصویر نہ کہنا

جلادوں کے قبضہ میں ہو شمشیر سیہ تاب
پ سرمہ کی یہ ان آنکھوں میں تحریر نہ کہنا

رشک آئینہ ہیں تیرے رخ زیبا دونو
چشمہ مہر سے افزوں ہیں مصفا دونو

چاہیے جوش جنوں میں مجھے دوہری زنجیر
گیسوے یار ہیں سرمایۂ سودا دونو

کس کو حیرت بخدا اے بت بے پیر نہیں
کون جلوے سے ترے صورت تصویر نہیں

کون اے ترک ترے تیر کا نخچیر نہیں
کس نشانہ پہ بندھا دیدۂ زہ گیر نہیں

روئے گل رنگ پہ گیسو ڈال کے ڈھلکتی ہے مری
قدح مے ہے یہ زاہد قدح شیر نہیں

سونگھے ہے عالم رویا میں تیری زلف سیاہ
غیر سودا کوئی اس خواب کی تعبیر نہیں

دل ویراں ہو مگر تیرے کرم سے آباد
اس خرابہ کے لیے صورت تعمیر نہیں

دود دل ترجمۂ داغ جگر ہے اے شوخ
غیر بو مصحف گل کی کوئی تفسیر نہیں

دامن پیراہن یوسف قبا، کیا ہو گیا
چاک گویا پردۂ راز زلیخا ہو گیا

اور رعنا خط سے وہ رخسار زیبا ہو گیا پ
لوح سیمیں کی بڑھی قیمت جو مینا ہو گیا

ہوشیاری سے نہیں کم غفلت عشاق بھی
مثل بیداری عیاں خواب زلیخا ہو گیا

جنس بوسہ نقد جاں دے کر خریدی آپ سے
فیصلہ قیمت نے پایا خوب سودا ہو گیا

بسکہ سوزِ عشق سے تیرے جلا اے ماہ رو آبلوں سے دل مرا عقد ثریا ہو گیا

عمر بھر داغ جنوں زیب سرِ دیکھا شمع ساں میں نے بجز شعلہ نہ افسر دیکھا
نسبت اس کو نہیں کچھ تیری بیاضِ رخ سے اے صنم حسن مہ مصر کا دفتر دیکھا

چین گیسو کا جو سودا ہو گیا مشک اپنا خون سارا ہو گیا
کم ہوئی نیند اس کمر کی یاد میں اپنا مرغ خواب عنقا ہو گیا

بخت سیہ ہے ابر بہمبر کی طرح ساتھ سر سے نہ میرے سایہ ہٹا اس گلیم کا

میں دل نہ دوں کبھی نہ کروں اعتبار زلف سوگند کھائے مصحف رخ کی ہزار زلف

رخ تیرے ستم کرتے ہیں گیسو سے زیادہ ظالم یہ مسلماں ہیں ہندو سے زیادہ
مارا جو اُن آنکھوں نے تو ہونٹوں نے جلایا اعجاز کا ہے مرتبہ جادو سے زیادہ
مر مر کے گڑیں دل میں تمنائیں ہزاروں پہلو ہے مرا گور کے پہلو سے زیادہ

نصرت | صاحب دولت و ریاست، مرزا محمد جعفر تخلص نصرت دلدا اچھے صاحب، ابن نواب قاسم علی خاں بہادر، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ یہ اشعار اس سے یادگار

پان کی لالی سے لب لعل بدخشاں ہو گیا جب ملی مہندی تو پنجہ رشک مرجاں ہو گیا
مصحف رو نے ترے کی منہدم بنیاد کفر توڑ کر زنار ہندو بھی مسلماں ہو گیا
اس پری نے ہاتھ کی اپنے انگوٹھی دی جسے قاف تک مشہور نام اس کا سلیماں ہو گیا

پان کھاکر آئینہ دیکھا جو اس محبوب نے | عکس لب سے آئینہ لعل بدخشاں ہو گیا
حسن[1] پر کیوں کر نہ اپنے یار کو ہووے غرور | اس پری کا شیفتہ نصرت سا انساں ہو گیا

منہ پھیر یں گے یہ معرکۂ آسماں سے ہم | یہ تو ہے ہیر بند نہیں ہیں جواں سے ہم

شغل سب چھوٹ گئے ہجر میں تیرے اے جاں | نالہ نہ آہ رہا شعر نہ سخن کے بدلے
تیرے کوچہ میں اگر مدفن کبھی اگر ہو اپنا | خاک پنڈے پہ ملیں واں کی کفن کے بدلے
حور کبھی دے تو نہ لوں ہاتھ سے اپنے نصرت | خلد کا سیب ترے سیب ذقن کے بدلے

حیران ذہن و عقل ہے ادراک ذات میں | قاصر زباں بشر کی ہے تیری صفات میں

منتہی | شاعر بامزا، بازار سخن کا گرم کرنے والا، مرزا میتا تخلص "منتہی" شاگرد خواجہ حیدر علی آتش یہ (اشعار) اس سے یادگار

غم پھٹکتا نہیں ارباب صفا کے گھر میں | موت کو دخل نہیں ہے شہدا کے گھر میں
سوزش عشق[2] سے جب دم مرا گھبراتا ہے | دشت کو بھاگتا ہوں آگ لگا کے گھر میں
خاکساروں پہ کرم کرتے ہیں ادنیٰ اعلیٰ | رزق مزدور ہے ہر شاہ و گدا کے گھر میں
اُس شہ حسن کو اب کی یہی لکھ بھیجوں گا | بادشاہ آتے ہیں اکثر فقرا کے گھر میں
کوچۂ یار میں جس دم مرا بستر ہوگا | بوریئے[3] جلکے بچھاؤں گا خدا کے گھر میں
کھینچتی ہے ہوس دل مجھے دنیا کی طرف | جھونکتی ہے مجھے تقدیر بلا کے گھر میں
اڑ گیا رحم اگر دل سے بتوں کے اڑ جائے | پر عدل و انصاف تو باقی ہے خدا کے گھر میں

---

[1] ن ۔ پ حسن پر اپنے نہ کیوں کر
[2] ن ۔ پ ہجر
[3] ن ۔ پ بور یا

ممکن مجھے جو ہو بے ریا ہو — مسند ہو کہ اس میں بوریا ہو
سرکش نہ ہو خاکسار ہرگز — کیا اسپ گلی چراغ پا ہو
ہو دے نہ تباہ کشتیِ دل پ — وہ بحر کرم جو آشنا ہو
مٹی کر دے جو آپ کو تو — نظروں میں خاکِ کیمیا ہو
کیوں زر پہ مرے نہ اہلِ دنیا — نامرد کو خواہشِ طلا ہو
منہ پہ کہنا تو ہے خوشامد پ — معشوق ہو خوب خوش ادا ہو
اے منتہی بزمِ یار کا حال پ — کیا جانیے بعد میرے کیا ہو

غازہ ملا ہے مہندی لگائی ہے یار نے — کیا کیا کھلائے گل چمنِ روزگار نے
روحِ رواں بدن سے کہیں کوچ کر گئی — پیدل کا ساتھ چھوڑ دیا ہے سوار نے
پیری میں یادِ طفلی و عہدِ شباب ہے — مشکل میں رفتگاں کو لگا ہوں پکارنے
دی ہے نجات فکر سے دنیا کی موت نے — بخشی ہے عافیت مجھے کنجِ مزار نے
اے روزِ وصلِ یار کدھر ہے ترا خیال پ — اندھیر کر رکھا ہے شبِ انتظار نے
روشن ہوا جو بعدِ فنا حالِ بیکسی — رو رو کے صبح کی مری شمعِ مزار نے
معشوق زندگی میں دیا خلد بعدِ مرگ — کیا کیا کرم کیے مرے پروردگار نے

شرفؔ | شریف ہردو طرف، سید باقر علی عرف آغا مجو تخلص "شرف"۔ جوان وجیہ، عالی خاندان، خوش لہجہ، ملائم زبان، گرمیِ برق و صفائی بحر اس کی طبع سے عیاں، بعد کشمکش رجوع بہ (حیدر علی) آتش (لایا) یہ اشعار اس (بزرگوار) سے یادگار

ہمدرد اس کو جان کے شور و فغاں سے ہم — کرتے ہیں غم غلط جرسِ کارواں سے ہم
مر مر گئے ترا دہنِ تنگ دیکھ کر — دل ہم سے تنگ تنگ ہوئے اپنی جاں سے ہم

خلق خدا ہمارے جنازہ کے ساتھ ہے پر کس دھوم سے عدم کو چلے ہیں جہاں سے ہم

پھر پھر کے دن کو گردِ محل تھک کے رات کو پڑ رہتے ہیں لپٹ کے ترے آستاں سے ہم

یہ دم ہے ضیق میں شبِ فرقت سے اے شرف منہ سے دل و جگر نکل آئے جو کھانسے ہم

سامنا مر کے ہوا گور کی اندھیاری کا کوئی پرساں نہیں کیا وقت ہے ناچاری کا

روزِ حشر آ کے فرشتوں نے جگایا تو کیا تم جو چونکاتے تو پھر لطف تھا بیداری کا

ایسے بھی ہوتے ہیں دنیا میں مروت والے کبھی شکوہ نہ کیا ہم نے دل آزاری کا

انکھڑیوں سے تری تشبیہ میں دوں دور از حال روگ ہے نرگسِ گلزار کو بیماری کا

رو دیں گے گور کے مردے بھی مری حالت پر داغ عیسیٰ کو رہے گا مری بیماری کا

اے شرف سود تنفس ہے خدا کا دم بھر چونک غفلت سے یہی وقت ہے ہشیاری کا

جہاں تو ہو نہ ہیرا اڑ کر ہوا ہے تیر میں آئے دوبارہ دم جو جانِ جاں ترے نخچیر میں آئے

گلے عشاق کٹوائیں سلامت تو رہے قاتل قیامت تک لہو کی بو تری شمشیر میں آئے

مرقع دیکھ کر اپنے مریضانِ محبت کا جسے اچھا کہو تم جان اُس تصویر میں آئے

کسی کو جان سے مارا اسے کتارہ کیا کوئی نظر قدرت کے کھیل اے ترک تیرے تیر میں آئے

ہوا ہے تم پہ جینے کا نہیں قُم قُم سے عیسیٰ کی جو تم ٹھکراؤ تو دم عاشقِ دلگیر میں آئے

شرف کھانا جو داں کھاؤ تو پانی یاں پیو آکے یہ مجکو مژدہ یارب یار کی تحریر میں آئے

مسیحا تجربہ مردوں سے کر لے اپنی حکمت کا نہیں ہوگا مداوا تجھ سے بیمارِ محبت کا

نہ دوں گا اس کے رخسارے سے آئینہ کو میں تشبیہ یہ شیشہ ہے سکندر کا وہ پرکالہ ہے قدرت کا

بیانِ دردِ دل دشمن کے ہاتھوں سے جگر تھاما لگی ہچکی اخیر ہجب کہ آیا نبری رقت کا

ہماری ہٹ بھی رکھ لو بوسہ یدوگالی پھر دینا — اٹھاؤ ناز تم بھی ناز بردارِ محبت کا
چلے آتے ہیں وہ خنجر بکف گنج شہیداں میں — بلا غم عاشقوں میں ہے یہی دن ہے قیامت کا
حق و ناحق بھی اس عاشق پہ کرتے ہو ستم جو کو — نہ بیرنگی کا دعویٰ ہے نہ کچھ بل ہے حمایت کا
دعائیں مانگتا ہوں اے شرف اللہ پہونچا دے — ہوس ہے دل کو حج کی عشق مولا کی زیارت کا

آزادؔ | رئیس فیض بنیاد شاہ مرزا تخلص[۵۱] "آزاد" ولد سلطان مرزا شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ یہ[۵۲] اس سے یادگار

ہم کو بھی دھیان ہجر کا کیا کیا لگا رہا — تم کو اگر خیال ہمارا لگا رہا
قاتل تو ایک وار میں دو ٹکڑے کر ہمیں[۵۳] — فرق آیا بانکپن میں جو تسمہ لگا رہا
شب بھر جگایا وعدہ نے اس شوخ کے مجھے — اب آئے گا وہ بس یہی کھٹکا لگا رہا
اقرار کرنے سے اُسے[۵۴] انکار ہی رہا — ایام وصل میں بھی بکھیڑا لگا رہا
تنہا گیا جو سیر کو آموں کے باغ میں — پ اشکوں کا دونوں آنکھوں سے ٹپکا لگا رہا
مدت کے بعد آج مرے ہاتھ لگ گئے — برسوں تمہارے گھات میں بندہ لگا رہا
مشتاق دید سیکڑوں آئے چلے گئے — دن رات کوئے یار میں میلہ لگا رہا
حالِ شبِ فراق نہ کچھ پوچھیں مجھ سے آپ — پ آزادؔ کو خیال تمہارا لگا رہا

نازکے طور اور انداز سخن کے بدلے — تجھ سے تیور ہیں کچھ اس غنچہ دہن کے بدلے
اس سے بہتر نہیں کچھ ہجر میں شغل اے دل زار — نالہ و آہ رہے شعر و سخن کے بدلے
یار کے سونے میں کیا خوب بن آئی اپنی — ہم نے چھلّے کئی اس رشک چمن کے بدلے

---

۵۱ ن۔ ب متخلص بہ۔ — ۵۲ ن۔ ب من کلامہ
۵۳ ن۔ ب مجھے — ۵۴ ن۔ ب انھیں

ناوک افگن کوئی مل جائے الٰہی ایسا — آہوے دل کو کرے صید ہرن کے بدلے
عیش میرا نہ کبھی دیکھ سکا پیر فلک — رنگ چنبر کی طرح چرخ کہن کے بدلے
ہاتھ آجائیں تو میں نعمت الوان سمجھوں — نارپستان صنم سیب ذقن کے بدلے
ان دنوں صدقے میں اس غنچہ دہن کے آزاد — بلبلیں چھوٹتی ہیں زاغ و زغن کے بدلے

صبا صاحب فکر رسا، خوش مذاق و نازک خیال میر وزیر متخلص بہ "صبا" سادہ گوے معنی بند، اور اردو خاص و عام پسند، شاگرد رشید خواجہ حیدر علی آتش۔ یہ اشعار اس سے یادگار

رات دن محو تماشاے بتاں رہتا ہے — آئینہ صورت چشم نگراں رہتا ہے
ہجر کہتے ہیں کسے فرق کہاں رہتا ہے — ہم بھی رہتے ہیں نہیں یار جہاں رہتا ہے
گھر کے دروازے میں زنجیر لگی رہتی ہے — میری وحشت سے انھیں بھی خفقاں رہتا ہے
نقش بر آب ہیں سب تاج و نگیں شاہوں کے — کس کا دنیا میں سدا نام و نشاں رہتا ہے

بہ ساغر مے اختصار میں گذری — عجب طرح کی قیامت خمار میں گذری
کبھی خزاں میں کبھی نو بہار میں گذری — کب ایک سی چمن روزگار میں گذری
جنوں کا داغ لگا گھر چھٹا اسیر ہوئے — ہزار رنگ کی آفت بہار میں گذری
بتوں کے عشق نے مجھ کو ہلاک کر ڈالا — یہ کیا مشیت پروردگار میں گذری
کدورتوں کے سبب دل رہا تہ و بالا — بسان شیشۂ ساعت غبار میں گذری
ضرور تربت مجنوں پہ گل چڑھاؤں گا — جو اب کی خیر سے فصل بہار میں گذری
فلک نے شام ہی سے بھور کر دیا میرا — نہ دو گھڑی بھی شب انتظار میں گذری
بہار عمر دو روزہ یہ جائے عبرت ہے — گلوں پہ کیا چمن روزگار میں گذری

۱؎ ن-پ ۱۸۱۔

صبا نہ کوئی پسِ مرگ پوچھنے آیا — کہو فرشتوں سے کیونکر مزار میں گذری

نہ جیب کا ہے نہ دامن کا تار باقی ہے — جنوں کا جوش ہے باقی بہار باقی ہے
لحد میں بھی تپشِ عشقِ یار باقی ہے — کہ ہڈیوں میں بھی اب تک خمار باقی ہے
شبِ فراق میں بچ جائیں گے تو جانیں گے — کچھ اور زندگیِ مستعار باقی ہے
خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد — زباں تو ہے ابھی اختیار باقی ہے
ہزار بار قیامت گذر گئی ہم پر — مگر ہنوز شبِ انتظار باقی ہے
جگر کو داغ دیا روح کو ملال دیا — کوئی ستم فلکِ بد شعار باقی ہے
سیاق پڑھ کے نہ دنیا کو لوٹ اے بیدرد — حسابِ[1] پرسشِ روزِ شمار باقی ہے
ہزار حیف اسے بھی فلک مٹائے[2] گا — کہیں کہیں جو یہ نقش و نگار باقی ہے
ہے ایک سا چمنِ حسنِ یار برسوں سے — خدا کی شان ہے اب تک بہار باقی ہے
مری طرح سے بگڑتا ہے اک دن اس کو بھی — خرابیِ فلکِ کج مدار باقی ہے
نشاں بھی نہ رہے گا مزار کا اپنے — ترا ہی نام مرے کردگار باقی ہے
جہادِ نفس بھی ہے اے صبا یہیں درپیش — بڑا ہی معرکۂ کارزار باقی ہے

جو نظر وہ باغ ہو برباد ہو — کوئی ہو گلچیں ہو یا صیاد ہو
قیدِ مذہب واقعی اک روگ ہے — آدمی کو چاہیے آزاد ہو
کوچۂ جاناں سے مطلب ہے ہمیں — دیر ویراں ہو حرم برباد[3] ہو
بک گئے ہیں اب تو وہ غیروں کے ہاتھ — بندہ پرور اب غلام آزاد ہو

---

[1] ن۔ب عذاب
[2] ن۔ب مٹائے
[3] ن۔ب آباد

سرو قدوں سے اگر پالا پڑے — خوب سیدھا باغ میں شمشاد ہو
میں نہ وہ بلبل ہوں جسے دونوں ہی یکساں — باغ ہو یا خانۂ صیاد ہو
ظاہر و باطن میں اے دل فرق ہو — بت بغل میں ہو خدا کی یاد ہو
رنگ لایا ہے لڑکپن آپ کا — نو بہارِ گلشنِ ایجاد ہو
بارِ الٰہا یوں اٹھیں محشر کو ہم — ہاتھ ہو اور دامنِ جلاد ہو

آبرو کی جو صفائی نقرا سے پیدا — صورتِ وصل ہوئی ذاتِ خدا سے پیدا
نفس امارہ سے کیوں زیر ہوا جاتا ہے — زور کر روح میں تقلیلِ غذا سے پیدا
گوشِ دل سے نہ سنا قافلہ میں یوسف کے — ہے زلیخا کی صدا بانگِ درا سے پیدا

طوفان یہ اٹھا مری چشمِ پُر آب سے — بدلی ہے آفتاب نے ٹوپی حباب سے
زخمِ کہن نئے ہوئے کیفِ شراب سے — انگور پھٹ گئے تپشِ آفتاب سے

دھوم ہے پیرہنِ یار کی بازاروں میں — چٹھیاں پڑتی ہیں یوسف کے خریداروں میں

تری طرف سے دل اے جان جاں اٹھا نہ سکے — بہت ضعیف تھے بارِ گراں اٹھا نہ سکے
حرم کو اس لیے اٹھ کر نہ بتکدے سے گئے — خدا کہے گا کہ جورِ بتاں اٹھا نہ سکے

آوازِ صور رکھتے ہیں شورِ فغاں سے ہم — دبتے نہیں زمیں کی طرح آسماں سے ہم
ہرگز سما سکیں گے نہ میدانِ حشر میں — اتنے گناہ لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم
گلشن بھی ہے شراب بھی ہے ابر تر بھی ہے — یادش بخیر یار کو لائیں کہاں سے ہم

یہ جذب حسن و عشق ہوا جا بنیں سے — آخر وہاں سے آپ چلے اور یہاں سے ہم
اللہ رے شوق منزل مقصود کا ہیں — نالوں میں بڑھ گئے جرس کارواں سے ہم

جنوں کا دلولہ موقوف ہے سیر بیاباں پر — الٰہی پھٹ پڑے سقف فلک دیوار زنداں پر
تری موج تبسم پر خضر کا دم نکلتا ہے — بھرا جاتا ہے پانی آبروئے آب حیواں پر
بتان سیمبر کا وصل دنیا میں غنیمت ہے — یہ وہ دولت نہیں جو چھوڑیئے زاہد کے ایماں پر

برا ہو موت کا جس نے یہ تفرقہ ڈالا — مزار میں مری میت ہے کوئے یار میں روح

کیف | اوروں کو اس پر تاسف وحیف شیخ فضل احمد تخلص "کیف"۔ کلام اس کا نہایت بامزا شاگرد میر وزیر صبا۔ یہ اشعار[۲] اس سے یادگار

صاف واں سے جواب ہوتا ہے — روز قاصد خراب ہوتا ہے
جسم خاکی کو چھوڑتی ہے روح — یہ گھروندا خراب ہوتا ہے
جو ہے مخلوق شان خالق ہے — ایک کا بھی جواب ہوتا ہے
دیکھ کر طفل اشک کو بولے — پ ایسا لڑکا خراب ہوتا ہے
پیجئے پیجئے شراب — کہن پ دل ہمارا کباب ہوتا ہے
جرم کرتے ہیں جان بوجھ کے لوگ — پ کیا ہی عہد شباب ہوتا ہے
دیکھ کر آہوان چشم صنم — پ زہرۂ شیر آب ہوتا ہے
اے قیامت نہ کر زیادہ شور — عاشقوں سے حساب ہوتا ہے
فاتحہ پڑھ کے رو نہ تربت پر — بار ہم پر عذاب ہوتا ہے
حشر میں کیوں ہجوم ہے اتنا — کیا کوئی بے نقاب ہوتا ہے

---

[۱] ن۔ پ سرشار صہبائے سرمد شیخ [۲] ن۔ پ من کلامہ

کیفؔ توبہ کرو محبت سے نام الفت خراب ہوتا ہے

جوہر کھلیں جو میرے دلِ بے مثال کے رکھیں وہ آئینہ سے زیادہ سنبھال کے
کیونکر رہیں نہ دل کو تصور وصال کے کچھ پر بند ہے نہیں مرے مرغِ خیال کے
ایسا نہ ہو کہ میری طرح ہو فریفتہ آئینہ نہ پھٹے گا ذرا دیکھ بھال کے
وہ ہم نہیں کہ اُف کریں سوزِ فراق سے منظور ہو تو دیکھ لو دوزخ میں ڈال کے
آنکھیں ہیں اشک بار ہمارے گناہ پر یہ نالے بہتے ہیں عرقِ انفعال کے
باور نہ ہو تو حضرت موسیٰ سے پوچھ لو مشتاق ہم بہت ہیں تمھارے جمال کے
پہلو میں ہے حباب سے نازک دلِ حزیں پ رکھنا لحد میں لاش ہماری سنبھال کے

دردِ دل سے حال اپنا طرفہ مضموں ہو گیا جبکہ دو نالے کیے اک شعر موزوں ہو گیا
زندگانی کی بسر میں نے اُمید و بیم میں گاہ خرّم ہو گیا میں گاہ محزوں ہو گیا
اپنے اپنے گھر چلوائے ہے کشتو سے ہو چکی شیشے سید سے ہو گئے ہر جام واژوں ہو گیا
تھا بہت مضمون عالی قامتِ دلدار کا صانعِ قدرت سے اک مصرع میں موزوں ہو گیا
آئینہ ہرگز نہ دکھلانا تھا اس بیدرد کو اور بھی اُس کو غرورِ حسن افزوں ہو گیا
کیفؔ حلم و بخل دونوں اختیاری امر تھے کوئی موسیٰ ہو گیا اور کوئی قاروں ہو گیا

منزلِ ہستی ہے یا میخانہ ہے ہر قدم پر لغزشِ مستانہ ہے
ہے علیٰ قدرِ مراتب سب کو عشق تھوڑا تھوڑا ہر کوئی دیوانہ ہے
کچھ بہت مغموم آتے ہو نظر کیفؔ کس بے رحم سے یارانہ ہے

سیّاح | جوان و آمادہ سداد و صلاح میر محمد رضا تخلص "سیّاح" ساکن

لے ن۔ پ مطلع

قصبہ بلگرام شاگرد میر وزیر صبا۔ یہ اس سے یادگار[1]

اللہ برا کرے خزاں کا | جتنا نہیں رنگ باغباں کا
تھک تھک گئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہم | پایا نہ سراغ رفتگاں کا
قصہ کو تاہ کر دیا ہے | ہم نے مجنوں کی داستاں کا
دیکھی ہے کسی کی جب سے صورت | دل کی ہے خبر نہ ہوش جاں کا
دل میں وہ نگاہ چبھ گئی ہے | مجروح ہوں تیر بے کماں کا
مانند غبار رہ گیا ہوں | چھوٹا ہے ساتھ کارواں کا
ہم عاشق گیسوئے صنم ہیں | سودا کیسا جنوں کہاں کا
یوں ہی جو رہی یہ آہ وزاری | نقشہ بگڑے گا آسماں کا
سیاح کبھی نہ اس نے پوچھا | رہنے والا ہے تو کہاں کا

جزا | شاعر باصفا میر مہدی حسن تخلص "جزا" ہے شاگرد میر وزیر صبا یہ اس سے ما بقی

گیا موسم گل میں تقویٰ ہمارا | ہوا رہن بادہ مصلا ہمارا
فرشتے بھی مجنوں کے تئے نہ ہوں گے | کہاں ہم کو لایا ہے سودا ہمارا
نہ ہو جائے تم کو بھی آزار الفت | بہت نہ دیکھتے ہو تماشا ہمارا
تمنا یہی ہے ہمیں بعد مردن | پہ گرے کوئے جاناں میں لاشہ ہمارا
کیا شیفتہ بخت نے جو بتوں پر | جزا کیا کہیں یہ بھی لکھا ہمارا

ساقی پلا شراب کہ دن ہیں امنگ کے | آئی بہار پھول کھلے رنگ رنگ کے

---

[1] ن۔ چ من کلامہ

بے یار ساری بزم کا ناساز ہے مزاج
مطرب پیالے توڑتا ہے جلترنگ کے
مطلب ہو سانولوں سے نہ کچھ سرخ فام سے
پ عاشق ہیں ہم تو ایک بت سبز رنگ کے
قدرت کے تیرے کھیل ہیں اے میرے کردگار
دنیا میں گل کھلائے ہیں کیا رنگ رنگ کے
کہتا ہے کون آپ برابر سلائیے
نیچے پڑے رہیں گے تمھارے پلنگ کے

فوق | سخنوری کا اسے ذوق و شوق، میر بندہ حسن تخلص "فوق" شاگرد میر وزیر صبا۔ من اشعارہ

روز یاں رہتی ہے اک گردشِ تقدیر نئی
سوجھتی ہے تجھے کیا کیا فلکِ پیر نئی
موسم گل میں یہ ہے دست جنوں زور دستی
روز اک میرے لیے بنتی ہے زنجیر نئی
دیکھ دنیا کے مرقع کو ذرا او مانی
ایک سے ایک نظر آتی ہے تصویر نئی
گفتگو ایسی کہاں کرتے تھے آگے اے جان
اب نکلنے لگی ہر بات میں تقریر نئی

صحت نہ پائیں گے تپ عشق بتاں سے ہم
کرتے ہیں کوئی دم میں سفر اس جہاں سے ہم
غفلت میں ساری عمر ہماری گذر گئی
چونکے ہزار حیف نہ خواب گراں سے ہم
اُس لالہ رو کا وصل نہ اک دن ہوا نصیب
یہ داغ لے کے جاتے ہیں باغ جہاں سے ہم
پھولے نہیں سماتے ہیں جامے میں مثل گل
ب نام بہار سنتے ہیں جب باغباں سے ہم
اے فوق یہ ارادہ ہمارا ہے آج کل
جائیں طواف کعبہ کو ہندوستاں سے ہم

کیا دل مرا ہو آپ کو اے جان جاں پسند
مفلس کا مال کرتے سلطاں کہاں پسند
جب قصر[1] تن سے روح ہماری نکل گئی
سمجھے یہ ہم مکیں کو نہ آیا مکاں پسند
اللہ رے مزاج سگ کوئے یار کا
آتے نہیں ہمارے اُسے استخواں پسند

---

[1] ن۔ پ جب روح قصر تن سے ہمارے

یوں تو ہزار گل ہیں چمن میں بھرے ہوئے — گل ہے وہی کہ جس کو کرے باغباں پسند
جوبن دکھائے لاکھ یہ دنیائے پیر زال — کرتے ہیں کب بھلا اسے ہم سے جواں پسند
زاہد تو کیا میں کہہ دوں خدا کے بھی روبرو — مجھ رند کو ہے مذہب پیر مغاں پسند
اے عندلیب نالہ میں اتنا اثر تو ہو — بے اختیار ہو کے کرے باغباں پسند
اشعار سن کے بزم میں کہتے ہیں سامعیں — اے فوق کیا ہمیں ہے تمھاری زباں پسند

شمیم | سپاہ پیشہ اور حلیم، امرائے مرزا تخلص "غمیم" جوان خوش رو نیک خو
شاگرد میر وزیر صبا یہ (اشعار) اس سے یادگار

واقعی اس ستم ایجاد سے لگا کیا ہے — ظلم کرنے میں فلک تجھ کو سلیقہ کیا ہے
عشق جب کرنے پہ آئے تو ہزاروں معشوق — اور لاکھوں ہیں حسیں آپ میں ایسا کیا ہے
اپنے کوچے سے مرا لاشہ نہ پھنکوا قاتل — ایک کونے میں پڑا ہے ترا لیتا کیا ہے
جان دے اس پہ کہ جو درد ذنار کھتا ہو — اے شمیم ایسے ستمگار پہ مرنا کیا ہے

اشک باری گر تجھے مد نظر ہو جائے گی — غرق کشتیٔ فلک اے چشم تر ہو جائے گی
رات دن کو تھے یہ چڑھ چڑھ کے نہ تم ٹھا کرو — بند گردوں پر رہ شمس و قمر ہو جائے گی
ہو چکی آزردگی آؤ گھڑی بھر سو رہیں — رات کم باقی ہے اے جاں پھر سحر ہو جائے گی
عازم شہر بتاں جس دم ہوئے ہم اے شمیم — غازۂ روئے بتاں گرد سفر ہو جائے گی

قیامت زا بیاں ہے آتش غم کی کہانی کا
جہنم اک شرارہ ہے مرے سوز نہانی کا

کیا معدوم ہم کو لاغری نے ہجر جاناں میں
بجا ہے اب اگر دعویٰ کریں ہم لن ترانی کا

قناعت کے مزے نے سیر رکھا عمر بھر ہم کو
رہا خوان توکل پر طریقہ میہمانی کا

شمیم خستہ دل نے زمزمہ جس دم کیا جاکر
ہوا ہم بند کیا کیا طائر ان بوستانی کا

ظلم کا رنگ ابھی ہاتھ میں قاتل ہوجائے خون میرا جو حنا میں ترے شامل ہوجائے

ترے فراق میں جب آہ آہ کرتے ہیں خدا کو اے بت کافر گواہ کرتے ہیں

عدم | مجمع لطف[1] و کرم، واحد علی خاں تخلص[2] "عدم" شاگرد میروزیر صبا۔ یہ اس[3] سے یادگار

حور کو دیکھیں نہ اس غنچہ دہن کے بدلے سیب جنت کو نہ لیں سیب ذقن کے بدلے
مست ہوں بعد فنا غسل مے ناب سے ہو ساقی انگور کے پتے ہوں کفن کے بدلے
تو وہ ظالم ہے جو سر کاٹ کے دے دوں تجکو پ گالیاں دے مرے مُردے کو کفن کے بدلے
اے عدم پیر ہوے لطف جوانی نہ رہا گھر میں اب بیٹھ رہو سیر چمن کے بدلے

ستم گر ہیں جفا جو ہیں بہت بیداد کرتے ہیں حسینوں نے وہ سیکھا ہے کہ جو جلاد کرتے ہیں
دیا ہے قتل کرنے کا جو حکم اس شاہ خوباں نے تاسف نوجوانی پر مری جلاد کرتے ہیں
خداوندا کہیں ناپید ایام جدائی ہو ہم ان کو یاد کرتے ہیں وہ ہم کو یاد کرتے ہیں
خدا کے واسطے اب لا اٹھا دنیا کے رہنے سے عدم تجکو عدم کے رہنے والے یاد کرتے ہیں

---

[1] ن۔ پ شیریں زبان خوش قلم [2] ن۔ پ متخلص بہ
[3] ن۔ پ من کلامہ

وصف | صاحب مذاق، مہذب الاخلاق، شمع شبستان دوستی، میر محمود علی تخلص " وصف " آشنا پرست نیک خو ساکن کانہیۓ پور، وارد لکھنؤ، شاگرد میر دزیر صبا۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

مذہب اپنا عشق میں رندانہ ہے ایک سا یاں کعبہ و بتخانہ ہے
رات آئی ہے کدھر پیمانہ ہے ساقیا کیوں گل چراغ خانہ ہے
چودہویں کا چاند ہے وہ ماہ رو شام سے روشن مرا کاشانہ ہے
زلفِ جاناں ہے جو دستِ غیر میں دل مرا صد چاک مثل شانہ ہے
حال میرا سن کے فرماتے ہیں وہ داستاں ہے قصہ ہے افسانہ ہے
غم نہ کھانا جان دینا ہجر میں وصف یہ بھی ہمت مردانہ ہے

مر مر گئے فراق میں حالت تباہ کی صورت نہ نکلی اُس سے کوئی رسم و راہ کی
اللہ ری خلش ترے تیرِ نگاہ کی ہر دل سے آرہی ہے صدا واہ واہ کی
اس سنگ دل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی تاثیر ہم نے دیکھ لی اس اپنی چاہ کی
انساں کو خوف نامۂ اعمال چاہیے پرسش ضرور ہوتی ہے اک دن گناہ کی
کیا ہمارے طائرِ دل کو کیا شکار کیا بات ہے حضور کے تیرِ نگاہ کی
اے وصف ہم کو اپنی شفاعت کی فکر کیا امت ہیں ہم جناب رسالت پناہ[1] کی

قدر | مرد خوش آئین، میر نصیر الدین، تخلص " قدر " مقیم کانہ پور، شاگرد صبا من کلامہ

کافر ہو وہ جس کی یہ دعا ہو اللہ نہ کوئی بت خدا ہو
شوخی سے وہ پوچھتے ہیں مجھ سے بتلاؤ تو کس کے مبتلا ہو

---

[1] مراد کانپور۔

روئے روشن پہ یوں ہیں زلفیں — جس طرح چاند پر گھٹا ہو
باز آؤ بتوں کی دوستی سے — توبہ کرو بندۂ خدا ہو
ایسا نہیں کوئی طائرِ روح — جو دام سے عشق کے بچا ہو
ہے قدر کی یہ دعا شب و روز — ہر شب مرے پاس مہ لقا ہو

وحید | (سخنور) خوش بیان، سرفراز علی خاں، ساکن تھانہ[1]، تخلص "وحید" میر وزیر صبا کا شاگرد رشید۔ منہ[2]

انھی گیسوے جاناں سے خطر ہو کہ نہ ہو — جس کا منتر نہ ہو اس کالے سے ڈر ہو کہ نہ ہو
عشق ابروے ہے ہمیں خال سے کچھ کام نہیں — مرد تلوار ہی رکھتے ہیں سپر ہو کہ نہ ہو
صبح تک فرقتِ دلبر میں جئیں یا نہ جئیں[3] — شب بسر ہو کہ نہ ہو دیکھیں سحر ہو کہ نہ ہو
ناز بیجا نہ اٹھیں گے نہ اٹھیں گے ہم سے — اس میں اے جان توجہ کی نظر ہو کہ نہ ہو
اے وحیدؔ الفتِ جاناں میں یا نہ دم بھر چپ ہو — نالے کرنا تجھے لازم ہے اثر ہو کہ نہ ہو

بیڑیاں دو ہری کا بھری جائیں مرے پاؤں میں — ایڑیوں تک جو تری زلف معنبر چھوٹے
الفت یار نے کیا تفرقہ پردازی کی — دوست سے دوست برادر سے برادر چھوٹے
جان ہم دے کے ترے دامِ الم سے نکلے — سستے چھوٹے جو ترے ہاتھ سے مر کر چھوٹے

ازل | خوش کردار، نیک عمل، آغا حسن تخلص "ازل" شاگرد میر وزیر صبا۔ منہ
من استعارہ

اپنی صورت ہمیں کاہے کو دکھائی تھی بھلا — ناز سے منہ کو دوپٹے میں چھپانے والے
غل شبانہ عمل میں کیوں کرتے ہیں خان سحر — کون ہوتے ہیں یہ پچھلے سے جگانے والے

---

[1] مراد: سوہان
[2] ن۔ پ من کلامہ [3] ن۔پ بچیں یا نہ بچیں۔

ایک دن تو مرے پہلو میں سلا دے اس کو — اے عزیزوں کے سدا ناز اٹھانے والے
پھر کے دیکھیں نہ کبھی کوئی مرے یا کہ جیئے — کیسے بے رحم ہیں منہ پھیر کے جانے والے
کون آئے گا جنازہ پہ پس مرگ ازل — کاندھے دے جائیں گے تابوت اٹھانے والے

مسرور | جوان باشعور، ولایت حسین تخلص "سرور" پسر محمد جعفر مخمور، ابتدا میں ردی کش اپنے پدر کا تھا، جب دور اس کا تمام ہوا یہ ناتمام کیفیت شعر سے میر کلو عرش کے دور میں شریک رہا۔ اب اس کے شرارۂ سخن سے روشن کہ اخگر مجمر خواجہ حیدر علی آتش کا ہے۔ مصرع حافظ شیراز کا اس کے مطابق حال ہے

ایں بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود

یہ اشعار اس سے یادگار

مجھے غربت میں یاد آیا جو اس بت کا بدن دوہرا
دل بے صبر کو ہونے لگا رنج و محن دوہرا

پس مردن بھی خوف پنجۂ وحشت رہا ایسا
پہنایا دوستوں نے میرے لاشہ کو کفن دوہرا

دل عشاق پر صدمہ ہر اک ٹھوکر سے ہوتا ہے
میان رقص گاتا ہے جو وہ رشک چمن دوہرا[1]

مہیا بزم مے نوشی ہے گر وہ ترک بھی آئے
ہمارے دل کو حاصل ہوئے لطف انجمن دوہرا

نکلتا ہے نہ اقرار اور نہ انکار اے سرور اس میں
سوال وصل میں کہتا ہے وہ ایسا سخن دوہرا

---

[1] ن۔ پ شعر

اشک سے طوفان برپا ہو گیا قطرۂ ناچیز دریا ہو گیا
قد ترا فتنہ تھا ہنگام خرام فتنہ سے اک فتنہ برپا ہو گیا
شہرہ ہے اب اس لب جاں بخش کا دورۂ عہد مسیحا ہو گیا
شیریں طوائف کی طرح ہیں یہ مقطع اس کا بہتوں کو ناگوار گزرا
فرہاد اپنے وقت ہو لیکن کبھی اے سرگرد شیریں کو دیکھتا ہوں محبت کی آنکھ سے

سخن | حریص ہنر و فن لالہ رام دیال تخلص "سخن" ہندی گو، فارسی خواں، ایک کا دوسرے سے نہ یاں باوجودیکہ پیشہ اس کا گھڑی سازی کا ہے۔ صحبت اس کی کسی سے کوئی نہیں اللہ یار خاں سحاب کے مشاعرہ میں نظارا ہو گیا، کے مقابل میں؛ نعرہ ہوا، اس نے پڑھا تھا۔ مرزا محمد رضا برق[1] اکثر وہ ذکر بیان فرماتے ہیں بلکہ تمام ہنودان کی نظر سے گرے ہوئے ہیں۔ دو چار شاگرد کہ نہایت محبت سے اس نے بہم پہونچائے تھے حریفوں نے تقسیم کر لیے چنانچہ ذکر اس کا موجی رام کے احوال میں ہو گیا ہے وہ بسبب کسب نجاری کے آپ کو خاقانی سمجھتا ہے۔ قصہ کوتاہ فارسی میں تلمذ اسکو ملا علی اکبر شیرازی سے اور ہندی میں خواجہ حیدر علی آتش سے۔ یہ اشعار[2] یادگار

ملتے ہو غیروں سے اب میرا بلانا کیسا پھیر لی آنکھ تو پھر آنکھ ملانا کیسا
جب کہ بے پردہ ہوئے مجھ سے تو کیسا یہ حجاب منہ دکھا کر کے دوپٹہ میں چھپانا کیسا
خون روتا ہوں مگل رو ہیں تر سے گر دو کھڑے رنگ لایا میرا اشک بہانا کیسا
حلقۂ گیسوئے خمدار سے بل کرتا ہے سر چڑھا یار تری زلف کا شانا کیسا

ہا ہجر جاناں میں جو گریاں دیدۂ بیخواب ہو ایکدم میں مزرعۂ خشک جہاں سیراب ہو

[1] ن۔ پ آج تک اس کا [2] ن۔ پ من کلامہ

گر لبِ دریا قدم رکھے کبھی وہ ماہ رو | غیرتِ مہرِ فلک ہر حلقۂ گرداب ہو
گر ترے روئے عرق آلودہ کی دیکھے چمک | شرم سے آئینۂ مہرِ منور آب ہو
کشتیٔ گردونِ گرداں ٹکڑے ٹکڑے ہووے ہیں | جوش زن جس دم ہماری چشم کا سیلاب ہو

جس کو دیکھا ستمِ چرخ سے پُرغم دیکھا | ہم نے عالم میں نہ کوئی دلِ خرم دیکھا
خوں رلایا مجھے اے یار تصور نے ترے | بلبل و گل کو کبھی میں نے جو باہم دیکھا
اٹھ گیا محفلِ خوباں سے جو وہ عیسیٰ دم | ہم نے ہر آئینۂ رخسار کو بے دم دیکھا
کیوں نہ میں محفلِ عالم کو کہوں غم خانہ | پ ہر طرف میں نے یہاں حلقۂ ماتم دیکھا
میں وہ مجنوں ہوں کہ عالم نے مرے بعدِ فنا | رات دن خانۂ زنجیر میں ماتم دیکھا
کیوں نہ میں فرقتِ دلدار میں نالاں ہوں سخن | اپنی بالیں پہ نہ میں نے کوئی ہمدم دیکھا

دم ہر اک بلبل کا پھڑکا ہے تری تقریر پر | عاشق شیدا ہوا ہر گل تری تصویر پر
برقِ آتش بار میرے خرمنِ دل پر گری پ | جب نگاہِ خشم ڈالی اس نے مجھ دلگیر پر
اس کے کوچے کے گدا ہوں کیوں نہ مستغنی مزاج پ | خاکِ پائے یار رکھتی ہے شرف اکسیر پر
بیکلی ہم کو اڑا لے جائے ہے دلدار تک | شوق دل سے رکھتے ایسا ہم عاشقِ دلگیر پر
صورتِ ناقوس کرتا ہوں میں نالے رات دن پ | پڑ گئی ہے آنکھ جب سے اس بتِ بے پیر پر
غافلو اک روز دنیا سے سفر ہو جائے گا | دل لگاتے ہو عبث تم فقر کی تعمیر پر
کیوں نہ دم پھڑکے ہمارا تیری باتوں پر صنم پ | ہو گئی قربان طوطی بھی تری تقریر پر
دیکھیے کس کس کا خوں ہو قتلِ عشاق میں | ہاتھ اس قاتل نے رکھا قبضۂ شمشیر پر

نمود اشعار اس کے ملاحت آلود، جوانِ صبیح، میر مہدی حسن تخلص نمود، شاگرد آتش۔ من کلامہ[1]

---

[1] ن۔ پ ہر شعر اس سے یادگار۔

[illegible]ے کہاں حضور کو میرے ملال کے — چھینٹا نہ دیجے آنکھ سے آنسو نکال کے
زینے نہ طے ہوئے ترے بامِ وصال کے — تھک تھک گئے ہیں پاؤں ہمارے خیال کے
تیور جو پائے خشم بتِ بے مثال کے — دیوانے ہم تو ہو گئے چشمِ غزال کے
اے جان اب صفائی کی باتیں نہ کیجیے — دل میں مرے پہاڑ ہیں گردِ ملال کے
بعد فنا بھی چرخ نے راحت نہ دی مجھے — پھینکا زمیں سے مرا مردہ نکال کے
اس سرو قد نے ہم سے نہ لوائیں چھاتیاں — افسوس ہاتھ آئے نہ پھول اُس نہال کے
کچھ منہ سے تم کہو نہ کہو ہم سمجھ گئے — اے جان چھپتے نہیں تیور ملال کے
لازم ہے اپنی لاش گرے کوہِ طور پر — مارے ہوئے ہیں ہم تری برقِ جمال کے
نقشہ نہ جب کھنچا خمِ ابروئے یار کا پ — بہزاد نے بنا دیے نقشے ہلال کے
کیا میں شبِ فراق کی حالت بیاں کروں پ — رہ رہ گیا ہوں ہاتھوں سے دل کو سنبھال کے
آنکھیں بچھی ہیں راہ میں ہر اہلِ دید کی — رکھیے قدم زمیں پہ ذرا دیکھ بھال کے
کیا چیز مال و زر ہے اگر وہ طلب کریں پ — ہم جان تک بھی دیتے ہیں بدلے وصال کے
آتا ہے جب کہ آبروئے حشر کا خیال — طوفان اٹھتے ہیں عرقِ انفعال کے
کس کا گدا ہے در پہ شب و روز آسماں پ — خورشید و ماہ دونوں ہیں کاسے سوال کے
تیرِ غمِ فراق نے غربال کر دیا پ — دکھلاؤں کس کو اپنا کلیجہ نکال کے
تیری زباں گالیاں دینے سے بڑھ گئی — یہ تیغ تیز ہو گئی جوہر نکال کے
رونے ہی کے سبب سے مری آبرو گئی — خالی صدف کو کر دیا گوہر نکال کے
طولِ شبِ فراق سے گھبرا نہ اے نمونہ — آثار ہوتے جاتے ہیں روزِ وصال کے

اعظم | سخنوروں میں علم، میر اعظم شاہ تخلص "اعظم" شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش۔ پیشتر ازیں میر موصوف بادشاہ کے مجرائیوں میں تھے حسب الارشاد حضرت اقدس و اعلیٰ تاریخ میں تحفہ بہار محفل کے یہ مطلع کہا نہایت پسند ہوا۔

رہے محبوب؛ مسازی ہے بالطف و سامانی بہارِ محفل عیسیٰ دمے، داؤد الحانی

ان روزوں میں کلکٹری فوج شاہی اُس سے متعلق ہے۔ یہ اشعار[۵۱] یادگار۔

عالم مطیع ابروے خمدار نے کیا قبضہ جہان پر تری تلوار نے کیا
آزردہ دل کو رات کی تکرار نے کیا بے لطف کیا مجھے ترے انکار نے کیا
ناکارہ جنس وہ تھا میں بازار دہر میں افسوس مجکو لے کے خریدار نے کیا

دیکھا تو خاکسار کا رتبہ بلند ہے دریا ہے پست ساحلِ دریا بلند ہے

پامال ہوئی ہر کسی مغرور کی مٹی قدموں کے تلے ہے سر فغفور کی مٹی
بو سونگھتے ہی اُس کی کہا میں نے انا الحق ل یہ عطر ہے جس کا وہ تھی منصور کی مٹی

بوتل شبِ فراق میں افعی سے کم نہیں مے زہر ہے مجھے دہن مار جام ہے

دو ہیں طریق کا فرو دیندار کے لیے رشتہ ہے ایک سبحہ و زنار کے لیے
اپنے محل کے نیچے بنانا میرا مزار یہ پشتہ خوب ہے تری دیوار کے لیے
اس پر اگر وہ رشکِ سلیماں سوار ہو پریاں کہاریاں ہوں ہوادار کے لیے
ہوگا نثار قبر میں اس پر[۵۲] بھی لا کلام کام آئے گی زمیں نہ زمیندار کے لیے
آب رواں کی پگڑی جو بندھوائی تو کبھی ل چور (کذا) حباب ہو تری دستار کے لیے
افشاں ضرور چاہیئے گیسوے یار کے ہو چیتاں سفید سیہ مار کے لیے
کیوں کر نہ اس کو تیغ سے تشبیہ دیجئے ابروے کام یار نے تلوار کے لیے

---

۵۱ ن. پ. میں کماسہ
۵۲ ن. پ کو

سر میں سودا یار کی زلف سیہ کا جب سے ہے
باندھتا ہوں اپنی بکتر میں میں توڑا سانپ کا (پ)

(نوٹ :- معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس پلٹن میں وہ سالار تھا اس کا لقب توڑے والی ہے)

گیسوے مشکیں سدا رہتے ہیں اس کے کان تک
آگے بابی سے نہیں بڑھتا یہ جوڑا سانپ کا (پ)

ہیں وہی بالکل نہیں کچھ ڈھنگ جھوڑا سانپ کا
گیسو رکھے اس نے یا پالا ہے جوڑا سانپ کا (ل)

ایک گیسو کو منڈایا ہے تو اس کو بھی منڈا
کاٹتا ہے پیچ کے اے بیباک جوڑا سانپ کا

گل اس بغیر زخم ہے تیر خدنگ کا — بلبل کی ہر صدا ہے گلولہ تفنگ کا
دامن تک اس کے ہاتھ نہ پہنچا ہزار حیف — نکلا نہ حوصلہ مرے دل کی اُمنگ کا
ابرو کمان ہے تیغ نگہ تیر ہے مژہ — پ سب اس کے پاس لیس ہے سامان جنگ کا
داغوں کو میرے مرہم زنگار چاہیئے — اعظم میں سوختہ ہوں کسی سبز رنگ کا

بڑھائی منہ لگا کر یار نے توقیر شیشہ کی — ل نہ کیوں رشک آئے مجکو ہاے ری تقدیر شیشہ کی

آنکھ میں یار نے سرمہ نہ لگایا ہوتا — اُس نے آہو کو نہ صیاد بنایا ہوتا

واعظ کرے گا کیوں نہ مذمت شراب کی — اندھے کے آگے قدر نہیں آفتاب کی
مستغنی دو جہاں سے ہوں کیا مجکو چاہیئے — تو ہے بغل میں ہاتھ میں بوتل شراب کی

فرہاد کوہ پر تو میں جنگل میں مرگیا ٭ کس کس کی تو نے عشق نہ مٹی خراب کی
اعظم فشار قبر سے کچھ مجکو غم نہیں ٭ ایمان میرا دوستی ہے بو تراب کی

منکر وہ ہوں گے حشر میں کیا قتل سے مرے ٭ محضر ہمارے خون کا خطِ جبیں ہوا
جو ایک سے دبا وہ دبا دوسرے سے بھی ٭ زیرِ فلک جو آیا وہ زیرِ زمیں ہوا
نہ ہی روح گو ننگ اگر ہو تو حیف ہے ٭ ل کس جانکنی میں رنج کی خاطر نگیں ہوا
بوسہ میں لب کے ذائقۂ شہد جو ملا ٭ چھتے کا خطِ یار پہ مجکو یقیں ہوا

نور الدین | وارث تاج و نگیں، شاہزادۂ عالی گہر[1]، مرزا نور الدین تخلص اسم مبارک، پہلے سخن ان کا گوہر گوش میر مظفر حسین ضمیرؔ کا تھا اب سماعت اُس کی (خواجہ حیدر علی) آتشؔ پر مقرر، یہ کلام[2] ان کا معجز نظام

انسان چلے وہ چال جو ہو وے جہاں پسند ٭ مہمان ہے ہو وہ کار جو ہو میزباں پسند
کچکول و بوریا کے سوا مجھ فقیر کو ٭ نے تخت ہے نہ افسر نوشیرواں پسند
آیا ہما بھی اور سگِ جاناں بھی لاش پر ٭ دیکھیں ہمارے کرتا ہے کون استخواں پسند
للّٰہ کربلا میں بلا بھیجیے اسے ٭ ہے تیرا نور دین کو شہ آستاں پسند

حیدر | رشک دارا، فخر سکندر، شاہزادہ (عالی گہر) مرزا حیدر تخلص نام نامی، پہلے توجہ اُن کی میر ضمیرؔ کی طرف تھی اب آتشؔ[3] کی جانب یہ اشعار[4] ان سے یادگار

بلبل نہیں ہوں میں جو کرد دل بتاں پسند ٭ عاشق ہوں مجھ کو یار کا ہے آستاں پسند
مردوں کو ہے سماعتِ مردانگی ضرور ٭ حمزہؓ کی اہل رزم کو ہے داستاں پسند

---

[1] ن۔ ب تبار [2] ن۔ ب سن کلامہ
[3] ن۔ ب خواجہ صاحب [4] ن۔ ب اس عالی مقدار سے یادگار

اے چرخ خطوۂ سگ جاناں تو ہوئیں گے ۔ گر گور کو ہوئے نہ مرے استخواں پسند
دیکھے جو میرے سینۂ پُر داغ کا چمن ۔ ہوتے نہ عندلیب کو پھر بوستاں پسند
حیدر ریہاں سے چلیے جہانگیر ہو جیسے ۔ گر عزم ہے نہ کیجئے ہندوستاں پسند

ہمایوں بخت ۔ زینت تاج و تخت ، شہزادہ عالی مرتبت وارث مسند خلافت مرزا ہمایوں بخت "تخلص اسم مبارک" ، (حال) ان کا تیز بد سکوں رہ ، یہ اشعار یادگار

ہمدرد کا ہے باغ میں سب کو بیاں پسند ۔ بلبل کی ہے چمن میں مجھے داستاں پسند
کیوں کر رکاب چھوڑ دوں اس شہسوار کی ۔ مجکو سمندِ ناز کی ہیں شوخیاں پسند
آندھی ہیں آپ خرمنِ ہستی جلانے میں ۔ زیور میں اس لئے نہیں ہیں بجلیاں پسند
اس بادشاہِ حسن کا کشتہ ہوں اے فلک ۔ اغلب ہیں ہوں ہما کو مرے استخواں پسند
میں عندلیب ہوں چمنِ حسنِ یار کا ۔ کیا مجکو باغباں ہو ترا بوستاں پسند
اس بحر میں تو باد مخالف مراد ہے ۔ پ کشتیٔ دل کو آہ کا ہے بادباں پسند
نام آوری کا پاس ہمایوں ضرور ہے ۔ وہ کام کیجیو کہ جو ہووے جہاں پسند

ظفر ۔ خوش تقریر ، نیکو سخنور ، شیخ ظفر علی تخلص "ظفر" ولد شیخ کرامت علی دیوان اپنا اس نے میر مظفر علی آسیر کی توجہ سے تیار کیا اور آخر میں شاگرد خواجہ آتش کا ہوا ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

یا ہم تھے یا رقیب ہوا یار آپ کا ۔ پہلو نشیں ہے گل کی جگہ خار آپ کا
پردا نہیں جو گھر میں جدائی ہے آپ کی ۔ بندہ تو اب نہیں ہے خریدار آپ کا
داتوں میں وہ چمک نہیں آئینہ دیکھ لو ۔ جھوٹا ہے اب تو ہر در شہسوار آپ کا
باقی لبوں میں معجزۂ عیسیٰ نہیں رہا ۔ کس کو غرض ہے کون ہو بیمار آپ کا

لہ ن ۔ ب : من گلاب

غیروں سے مل کے ہم سے کبھی ملنے کا ہے پیام — خوش ہے مزاج اے بتِ عیار آپ کا
سجدہ کبھی ظفر نہ کرے اُس طرف کو اب — کعبہ ہے آستاں اگر اے یار آپ کا
یا چشمِ آفتاب کو تابِ نظر نہ تھی — پ یا شپرہ ہے طالبِ دیدار آپ کا

یوسف | عزیزِ اہلِ جہاں یوسف خاں تخلص "یوسف"۔ شاگردِ خواجہ آتش شیریں زبان،[1] اشعار اُس کے گرمیٔ بازار۔

شبِ وصلت کی سحر جبکہ نمایاں ہو گی — تن جدا جان سے اور تن سے جدا جاں ہو گی
چشمِ جانانہ کا صحرا میں جو آئے گا خیال — کشتِ دل اپنی چراگاہِ غزالاں ہو گی
روشنی کون سے دن دیکھے گا نہ جانِ جہاں — پھر بتا کس رات مری صرفِ چراغاں ہو گی
سیرِ گلزار سے افزوں اُسے سودا ہو گا — راحتِ دل کو نہ ہوائے چمنستاں ہو گی
دل[2] سے یوسف کے نہ جائے گا خیالِ خوباں — یہ حویلی نہ کبھی دیکھنا ویراں ہو گی

جنوں انگیز چلتی ہے ہوا ہر وقت گلشن میں — ل گریباں موسمِ گل میں نہیں پھانسی ہے گردن میں
نہ عاشق ہوں کسی کی زلفِ پیچاں کا نہ سودائی — ل عبث حداد نے جکڑا مجھے زنجیرِ آہن میں
شکایت تیرے خنجر کی کروں گا حشر تک قاتل — ل رہا تسمہ اگر باقی ذرا بھی میری گردن میں
نہیں کچھ احتیاج روشنی شمعِ کافوری — ل چراغِ داغِ دل جلتا ہے میرے خانۂ تن میں
نہ ہی کاوش چلی جاتی ہے گلچیں کی عنادل سے — ل خزاں میں بھی بھرے ہیں خار لا لا کر نشیمن میں
ترقی اپنے اپنے دین کو دیتے ہیں سب یوسف — ل یہی جھگڑا رہے گا حشر تک شیخ و برہمن میں

نہیں ہے سبزۂ خط عارضِ گل رنگِ جاناں پر — ل چڑھ آئی ہے سپاہ مور کی ملکِ سلیماں پر

---

[1] ن۔ پ خوش تقریر شیریں بیان۔ [1a] ن۔ پ من کلامہ

[2] ن۔ پ دلِ یوسف سے نہ جائے گا خیالِ خوباں

دل نالاں ہوا عاشق قد دلجوئے جاناں پر ؎ بنایا فاختہ نے آشیاں سرو گلستاں پر

رنگ رخ ہے گلاب کے مانند ؎ زلفیں ہیں مشک ناب کے مانند
ناف گرداب سینہ دریا ہے ؎ چھاتیاں ہیں حباب کے مانند

اصغر | مرد باشوکت و فر، (دیگہ شاعر) خوش سخنور، علی اصغر خاں تخلص "اصغر" عزیز ترین نواب ظہیر الدولہ (نواب محمد یحییٰ خاں) بہادر شاگرد خواجہ (حیدر علی) آتش۔ یہ اشعار اس سے یادگار

تشنہ لب ہوں مے سرجوش پلائے ساقی ؎ لب ساغر کو مرے لب سے ملا دے ساقی
سر جھکاتا ہوں ترے پاؤں پہ بس دیر نہ کر ؎ گردن شیشہ مری سمت جھکا دے ساقی
یاد میں رندوں کی ہوتی ہے بڑی کیفیت ؎ نام پر جم کے کبھی اک جام لنڈھا دے ساقی
ایک چلو بھی مجھے دے ڈال بھلا جام کی خیر ؎ برکت تیرے خم مے میں خدا دے ساقی
مے گلرنگ کو بھر شیشے میں خم خالی کر ؎ دختر رز کو بری زاد بنا دے ساقی
باغ ہے ابر ہے اور ٹھنڈی ہوا چلتی ہے ؎ مے کو جی چاہتا ہے کیا ہیں ارادے ساقی
قلزم بادۂ عصیاں میں یہ طوفانی ہے ؎ کشتی جرم مری پار لگا دے ساقی
مر گیا ہوں الم فرقت میخانہ میں ؎ پائے خم تھوڑی سی اب قبر کو جا دے ساقی
دختر رز کی محبت میں ہوا دیوانہ ؎ موج مے کی مجھے زنجیر پنہا دے ساقی
ایک دم بھی جو بخود آؤں تو دے ساغر مے ؎ خود فراموشی مجھے یاد نہ لا دے ساقی
ہوش اصغر کے اڑے طاق سے شیشوں کو اتار ؎ اک جھمگڑا سے پریوں کا دکھا دے ساقی

عالی | صاحب خوش خیالی، خواجہ عبداللہ عرف آلو جی تخلص "عالی" خلف خواجہ عبدالشکور شاگرد آتش۔ یہ اشعار اس سے مشہور[1]

---

[1] ن۔پ یادگار

ہاتھ باندھے ہر ایک دلبر ہے　　اے حنا تیرا کیا مقدر ہے
بوسے لیں غیر گالیاں ہم کھائیں　　اپنا اپنا صنم مقدر ہے
سر کٹا کے ملی ہے قاتل تھاہ　　تا گلہ موجِ آبِ خنجر ہے

اے پری شکل سلیماں گرچہ پیدا از در ہو　　چال وہ چلیے نہ مل جائے کوئی گو مور ہو
تلخ کامی سے مری زہراب ہو آبحیات　　شور بختی سے مری قند مکرر شور ہو
کیا عجب نیرنگی چرخ مشعبد سے اگر　　مور ہو جائے سلیماں اور سلیماں مور ہو

گو علیل و ناتواں و خستہ و بیمار ہے　　ایک ہی قتال مردم ترک چشمِ یار ہے
بادۂ غفلت سے ہر فرد بشر سرشار ہے　　چرخ مینائی کبھی رشک خانہ خمار ہے
ہووے تسکینِ دلِ مشتاق یارب کس طرح　　ہم نے مانا روزِ محشر وعدۂ دیدار ہے

پری رو تو نہ جن و پری ہے　　سلیماں رخ دہن انگشتری ہے
ازل سے قدر نیکوں کی ہے کم تر　　زحل بالانشین مشتری ہے
پری میں کون سا ہے پر سرخاب　　اُتارا جس کو شیشہ میں پری ہے

ترک چشم صنم نے کام کیا　　طرفۃ العین میں تمام کیا
رو سیاہی ہے مثل نقش نگیں　　ہم نے روشن جہاں میں نام کیا
محتسب اس میں کیا تھی کیفیت　　دختر رز کو کیوں حرام کیا
دیکھی تاثیر عشق یوسف کو　　اے زلیخا ترا م غلام کیا

خارِ دل کا اور ہے خارِ کفِ پا اور ہے ۔ صدمۂ جاں اور ہے تکلیفِ اعضا اور ہے

منعمانِ بے خبر کو کیا خبر اُس گنج کی ۔ دولتِ آسائشِ ترکِ تمنا اور ہے

کرتی ہے تحلیل گو تکبیرِ زاہد کی مگر ۔ دلخراش آوازِ ناقوسِ کلیسا اور ہے

دولت | خوش فکر، نیک طبیعت، خواجہ محمد تخلص "دولت" (برادر ابو جی؟ پسر خواجہ عبدالشکور) شاگرد خواجہ آتش ۔ من کلامہ

دل کو افزوں ہے تڑپ نخچیر سے ۔ کشتہ ہوں گا کس کی میں شمشیر سے

آبِ حیواں میں بجھی ہے تیغِ یار ۔ مردے زندہ ہوئیں گے شمشیر سے

ہے زبانِ شمع اپنی بھی زباں ۔ گو جلا شکوہ نہیں تقدیر سے

اے جنوں صحرا کو لے چل ہو چکا ۔ استغنا رہ دانۂ زنجیر سے

حالِ شیریں کہہ نہ اپنے کوہکن ۔ کچھ نہ حاصل ہو گا تو نے تیر سے

تیغِ ابرو نے کیا ہے مجکو قتل ۔ قبر کھووے گو رکن شمشیر سے[1]

تیغِ ابرو کو چھوا ہو گر کبھی ۔ ہاتھ میرے کاٹیے شمشیر سے

آیۂ رحمت ہے اس کافر کا تیر ۔ ہے وہ نامسلم تو بچا گے تیر سے

تیرِ مژگاں نے کیا ہے مجکو قتل ۔ ہو مرا تابوت چوبِ تیر سے

اس کی صورت سے مقابل گر کر دوں ۔ رنگ یوسف کی اڑے تصویر سے

بیعتِ پیرِ مغاں گر ہاتھ آئے ۔ دست کش ہوں زاہدِ بے پیر سے

ہوئی خاطرِ شاد، ناشاد کیا کیا ۔ فلک نے کیا مجکو برباد کیا کیا

عدم کو گئے قافلے کیسے کیسے ۔ خزاں نے کیے باغ برباد کیا کیا

چٹکتے تھے غنچے چہکتی تھی بلبل ۔ چمن میں تری شب کو تھی یاد کیا کیا

---

[1] ن - پ شمشیر

نہ شیریں ملی مفت دی جان شیریں — گیا حسرتیں لے کے فرہاد کیا کیا
کوئی بات تو نے نہ مانی ہماری — بجالائے ہم تیرا ارشاد کیا کیا
سنی ایک نہ تو نے بھی اس سنگدل نے — فلک تک گئی نہ رہنہ فریاد کیا کیا
تغافل شعاری سے اس تند خو کی — ہوئی مشت خاک اپنی برباد کیا کیا
طبیعت نے لوٹے مزے کیسے کیسے — ان آنکھوں سے دیکھے پری زاد کیا کیا
یہ سرکار سے عشق کی ہم کو صولت — ہوئے سکۂ داغ امداد کیا کیا

عاشور علی خاں | نواب عاشور علی خاں خلف الصدق نواب محمد علی خاں، ابن وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر، مالک خلق و حلم، صاحب فضل و علم، شاعر سترگ، سخنور بزرگ، ذرے اس کی تربیت سے آفتاب، پارۂ سنگ صحبت سراسر افادت سے لعل مذاب، ایسا سیر چشم کہ گلدستۂ مضمون (اس کی نظر میں (دستہ) خار اور گوہر سخن کے جمع کرنے سے خریطۂ بیاض کو ننگ و عار، غیر صاحب دیوان اور سفینۂ خاص سادہ عنوان، مولف کے بجد ہونے سے یہ مخمس منقبت میں تصنیف کیا اور تذکرے میں لکھنے کو دیا۔

عارف راز خفی سیار أو ادنیٰ علی — مرجع والنجم سبحان الذی أسریٰ علی
باب شہر علم و فخر یثرب و بطحا علی — مبطل آثار بدعت صاحب فتوی علی
قاری قرآں، خطیب مسجد اقصیٰ علی

رونق بزم ولایت جانشین مصطفےٰ — حامل عرش معظم کارفرما ئے قضا
حرز ارباب فتوت کاشف کرب و عنا — رازق ہر ذی حیات فالق حب و لوا
نقشبند صورت اطفال مولانا علی

اشجع و منفرد و صفدر غازی زندہ شفا — شرح معجز نما ناسخ ادیان سلف
قبلہ اہل یقیں میر عرب شاہ نجف — مہبط انوار قدسی نیر برج شرف

نائبِ خیر الوریٰ بے مثل و بے ہمتا علیؑ

خازنِ علمِ الٰہی شارحِ آیات روح | رحمت للعالمیں، فتاحِ ابوابِ فتوح
معجزہ بخشِ سلیماں مرشدِ داؤد و روح | مونسِ ایوب و یوسف غمگسارِ خضر و نوح

ہالکِ فرعون بے دیں حافظِ موسیٰ علیؑ

ہادی و رہبر امام مقتدائے کائنات | زینتِ محراب و منبر، رونقِ صوم و صلوٰت
اشرفِ اولادِ آدم سید والا صفات | طیب و طاہر لطیف و صاف طینت پاک ذات

آشنائے بحرِ عرفاں گوہرِ یکتا علیؑ

اسحاق | سخن دانی میں شہرۂ آفاق، مرزا اسحاق، نبیرۂ نواب ظفر الدولہ، خلف مرزا علی خاں بہادر تخلص اُس کا "اسحٰق" شاگرد نواب عاشور علی خاں ہے۔ اشعار یادگار

عاشق خیال زلف میں گریاں اگر ہوا | گیسوئے شبِ فراق کا اشکوں سے تر ہوا
عشاق رعبِ حسن سے حیرت زدہ بنے | آئینہ خانہ اُس شہِ خوبی کا گھر ہوا
کس رشکِ آفتاب کا کشتہ ہوا اے فلک | ہر ماہ وش جو غم میں مرے نوحہ گر ہوا

روکیں سمندِ عمر کو ہم کس مقام پر | چلتا نہیں ہے بس فرسِ بے لگام پر
اُس غیرتِ بہار کے کوندوں کیے ہیں یاد صنف | پھڑکے ہے عندلیب ہمارے کلام پر
دیوانگانِ عشق کی مانگی ہے اس نے فرد | ہوتا ہے صاد دیکھیے کس کس کے نام پر
زنداں دکھایا کوچۂ گیسوئے یار نے | جوشِ جنوں سے پہونچا میں اپنے مقام پر
بوسہ پہ یار الجھتا ہے زلفوں کی طرح سے | پ جھگڑا یہ دیکھیں آتا ہے کب اختتام پر
اسحٰق تیرے رونے نے رسوا کیا مجھے | کھلتا نہ رازِ عشق کبھی خاص و عام پر

لہ ن۔پ من کلامہ۔

ستم پر اب ستم یہ قاتل بے پیر کرتے ہیں ۔ مری میت دیارِ عشق میں تشہیر کرتے ہیں
لحد میں شب کو فرشِ خاک پر اک رُوز سوتا ہوں ۔ حسیں یہ خواب مخمل کی بیاں تعبیر کرتے ہیں
بچھا کر دامِ زلفِ مشک افشاں چشمِ وحشی پر ۔ بتِ ہندی غزالانِ حرم تسخیر کرتے ہیں
برنگِ غنچۂ خنداں کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ترے مجروح دردآمیز وہ تقریر کرتے ہیں
یقیں ہوتا ہے آوازِ تفنگِ کاروانی کا ۔ ترے دیوانے جس دم نالۂ شبگیر کرتے ہیں
مرکب میں رُہے شامل سوادِ دیدۂ عنقا ۔ دہانِ یار کے مضموں ہم تحریر کرتے ہیں
دہانِ گور سے اسحٰق یہ آواز آتی ہے ۔ عجب غافل ہیں جو قصر و محل تعمیر کرتے ہیں
لگے ہیں پر ہما کے تیر میں کس کو کہ تو صید افگن ۔ دماغِ بادشاہانہ ترے نخچیر کرتے ہیں

دل مرا صورتِ عنقا جو نہاں رہتا ہے ۔ کس کمر کا ہے اسے عشق کہاں رہتا ہے
قمریاں کرتی ہیں مسکن مرے ویرانوں میں ۔ کبھی مہمان جو وہ سروِ رواں رہتا ہے
وعدۂ وصل کو وہ بحرِ لطافت بھولا ۔ سچ تو یہ ہے کہیں پانی پہ نشاں رہتا ہے
ہے جو اک پردہ نشیں کے لبِ جاں بخش کا عشق ۔ دردِ دل میں مرے اسحٰق نہاں رہتا ہے

طائرِ دل ہوس ہے خنجر کی ۔ طرز ہے تجھ بن مرغ جوہر کی
لبِ شیریں کے عکس سے اے ترک ۔ باڑھ بیٹھی ہوئی ہے خنجر کی
سخت باتیں بتوں کی سنتا ہوں ۔ چھاتی کیوں کر پھٹے نہ پتھر کی
خون بہتا نہیں ہے زخموں سے ۔ نہر جاری ہے آبِ خنجر کی
آئنہ سے لیا ہے تو نے خراج ۔ یہ حکومت نہ تھی سکندر کی
آکے وہ ماہ پھر گیا الٹا ۔ تھی یہ گردش مرے مقدر کی
طائرِ دل کے آگے اے صیاد ۔ کیا اڑاتا ہے آج بے پر کی

اے مسیحا یہ آنکھ کی گردش — صاف کوٹھی بنی ہے چکر کی
صاف بھر اس میں مے تو اے ساقی — آئینہ کی شکل ساغر کی
وقت پابوس اپنا حلقۂ چشم — ہیچنی بن گیا کبوتر کی
یار ہرجائی کو ہے خط لکھا — ہے تباہی مرے کبوتر کی
کر دعا حق سے تو یہ اے اسحٰق — ہو غلامی نصیب حیدر کی

جلا | شیریں کلام، نازک ادا، مرزا واجد علی خاں تخلص " جلا " خلف[1] الصدق نواب مرزا فخر الدین حیدر (بہادر) ابن شجاعت الدولہ بہادر، دہ خوش بیان، شاگرد نواب عاشور علی خاں کا۔ من کلامہ[3]

مرغ جاں جس دم پھنسائے دام زلفِ خاک نے — آب و دانہ خلق فرمایا خدائے پاک نے
دوستوں تک دشمنی کی زندۂ افلاک نے — خاک کا پایا ہے بستر صاحب لولاک نے
ہر رگ گردن نظیر شہپر پروانہ ہے — قتل پر باندھی کمر کس شعلۂ[2] ردسفاک نے
سبزۂ خط روئے تاباں پر نہیں پیدا کیا — چشمۂ آب زمرد بحر حسن پاک نے
اپنے مستوں کا جو ساقی جائزہ لکھنے لگا — پیش کش کیں مے کی قلیں زیست تاک نے
وادیٔ وحشت نظر آیا جو اوج جنوں — پاؤں پھیلائے ہیں طفل اشک وحشت ناک نے
کوچۂ جاناں میں ہر اک شے پہ ویرانی ہے ختم — طائر ذرہ پھنسائے دام موج خاک نے
ہر نہال باغ کو سرو چراغاں کر دیا — قمری دل سوختہ کی آہ آتشناک نے
جادۂ ملک عدم سے نابلد تھے جاں نثار — عاشق تھرے پر لگایا خنجر سفاک نے
سبزۂ خط اس صنم کے گورے گالوں پر نہیں — شیر پیکر زہر اگلا افعی ضحاک نے
کیا عجب پنہاں جو روئے شاہد مقصود ہے — بیچ میں دیوار کھینچی میری مشتِ خاک نے

---

[1] ن ۔ بپا نیسر — [3] ن ۔ ب تنہ

[2] ن ۔ ب شمع

طاہر | فن شعر سے آگاہ اور ماہر، مرزا بندہ حسن، متوطن فتح پور ہسوہ[1] وارد لکھنؤ، تخلص "طاہر" دنت کا اپنے طاہر وحید، شاگرد عاشور علی خاں۔

من کلامہ

الفت گیسوئے خمدار لیے پھرتے ہیں — ہم یہ سودا سر بازار لیے پھرتے ہیں
حسن کی جنس طرحدار لیے پھرتے ہیں — سیکڑوں ساتھ خریدار لیے پھرتے ہیں
غیر ممکن ہے مریض غم فرقت کا علاج — آپ وہ نرگس بیمار لیے پھرتے ہیں
کشتۂ تیغ تغافل ہیں ہزاروں جانباز — وہ عبث خنجر خونخوار لیے پھرتے ہیں

ابتدا سے ہیں فدائے جلوۂ جانانہ ہم — شمع بزم عیش گر وہ ہے تو ہیں پروانہ ہم
جان کر اس عالم ایجاد کو ویرانہ ہم — ساتھ لائے مثل طفل اشک آب و دانہ ہم
رکھ دیا جو پائے ساقی پر نشہ کی دھن میں سر — پ جانتے ہیں زاہد و یہ سجدۂ شکرانہ ہم
کیوں نہ ہو اے کافر زنجیر پیشانی نصیب — غیر کو دیکھیں تری زلفوں میں کرتے شانہ ہم
ہے شب تاریک ساقی شمع مینا چاہئے — جو خم ہیں مستی کے سمجھ لیں گے رہ میخانہ ہم
داغ سودا تاج رشک قیصر ہر اک گردانہ — رکھتے ہیں دشمن جنوں میں تیرہ شاہانہ ہم

الم | اشتق بہت، سن و سال کم، آغا مہدی تخلص[5] "الم" تلامیذ[6] نواب عاشور علی خاں یہ اس کا بیان[7]

شوق خوں ریزی ہوا جب اس ستم ایجاد کو — زہر قاتل میں بجھایا خنجر فولاد کو
سخت جانی سے مری شکوہ ہے یہ جلاد کو — کر دیا عاری ہمارے خنجر فولاد کو
کیا کہیں ہم اے جنوں پست و بلندۂ عشق — دشت میں مجنوں کو مارا کوہ پر فرہاد کو

---

۱ مراد، دیوان — ۲ ن۔ ب تخلص ہ
۳ ن۔ ب، شاگرد — ۴ ن۔ ب من کلامہ

آئی ہے فصلِ جنوں لوہا ہوا سونے کے مول — مرتبہ اکسیر سازوں کا ملا حداد کو
کاوشِ غم سے بھرے ہیں اس میں نشتر سیکڑوں — دل سے اپنے کیا ہے نسبت کیئے فصاد کو
ذکر لازم ہے ولا انجام میں آغاز کی — شورِ ماتم کا نتیجہ صورتِ مبارکباد کو
جلوۂ رخسار روشن عام فرماتا ہے یار — نورِ عرفاں ہو مبارک کورِ مادر زاد کو
درد کی لذت سمجھے جو طالب ہیں اے جوشِ جنوں — پ جانتے ہیں وہ رگِ جاں نشترِ فصاد کو
ہم گنہگاروں نے پائی قیدِ ہستی سے نجات — دے جزائے خیر خالق خنجرِ جلاد کو
طائرِ تصویر کی صورت بنا ہے مرغِ دل — اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے دیکھ کر صیاد کو
بلبلِ بے بال و پر کی آئیں جب کلیاں نکل — رو کشِ گلشن بنایا خانۂ صیاد کو
اے اکمل کچھ سانہ پایا بلبلِ شیریں بیاں — گل رخوں نے چھان ڈالا گلشنِ ایجاد کو

دو چار دن سے یار جو آتا نظر نہیں — کس کس طرف گئے اسے ڈھونڈھا کدھر نہیں
پیدا ہوئی ہیں آنکھ میں کس طرح پھلیاں — معجز نما وہ دستِ حنائی اگر نہیں
پیشِ نظر ہے جب سے وہ محبوبِ سیمبر — کم بادلے کے تار سے اپنی نظر نہیں
سیبِ ذقن کے عشق میں دل داغدار ہے — گلزارِ حسنِ یار میں گل ہے ثمر نہیں
جلتا ہوں آتشِ گلِ رخسارِ یار سے — جنت یہ وہ ہے جس کے مقابل سقر نہیں
موسیٰ کی طرح کیوں نہ کریں لن ترانیاں — عاشق کا جسم زار ہے اس کی کمر نہیں
عشاق شادیٔ مرگ ہوئے اس کو دیکھ کر — پیکِ اجل ہے یار کا پیغام بر نہیں
کیا صید ہو کسی کے وہ شہبازِ فکر سے — کتر سے ہمارے طائرِ مضموں کے پر نہیں
حیران اس قدر ہوا وہ آئینہ دیکھ کر — عاشق تو کیا ہے اپنی بھی اُن کو خبر نہیں

مسودہ۔ ب موسیٰ کی طرح سے نہ کرے لن ترانیاں — عاشق کی چشم ناز ہے اس کی کمر نہیں

اللہ رے بتوں کی تلوّن مزاجیاں — اقرار شام کو جو کیا تو سحر نہیں
شیریں زباں سے وصف صباحت کرو بیاں — حصہ میں کیا الم کے یہ شہد و شکر نہیں

گل | رئیس[1] باتجمل نواب امیر مرزا خان بہادر تخلص "گل" ابن نواب سیف علی خاں بہادر تخلص "شگفتہ" شاگرد عاشور علی خاں من کلامہ

یہ طرز دل کو آئی نہ اے جان جاں پسند — وہ چال چل کہ جس کو کرے اک جہاں پسند
چپ رہ نہ کھول غنچۂ منقار عندلیب — گلشن میں اک گل کو نہیں یہ زباں پسند
گل کھا کے ہم نے سینہ بنایا ہے رشک باغ — آیا نہ اس پہ بھی تجھے یہ بوستاں پسند
شیشہ جو دل کا دے کے بت مے پرست کو — پ ہم نے کہا پسند ہے بولا کہ ہاں پسند
چپ کے سے کبھی جو بات کروں اس کی بزم میں — کہتا ہے چپ رہو نہیں آتی فغاں پسند
اس درجہ خوش دماغ ہیں گلزار دہر میں — غنچوں کے کبھی نہ آئے انھیں عطرداں پسند
پہنی ہیں جب سے یار نے منت کی ہنسلیاں — سودائیوں کو اس کے ہے طوق گراں پسند
اے عشق کیوں نہ حسن کا سر سبز کھیت ہو — پتوں کے ساتھ آئیں انھیں بالیاں پسند
ہم خار سے کھٹکتے ہیں نظروں میں آپ کی — گل آج کل ہیں آپ کو اے مہرباں پسند

کیوں نہ اے گل ترا شہرہ ہو سخن دانوں میں — شعر اس رنگ کے دیکھے نہیں دیوانوں میں
بیڑیاں توڑیے غل ہے یہی دیوانوں میں — کیجئے دخل بلا قید پری خانوں میں
کھینچتا بسکہ اسیروں کو ہے مقتل کی طرف — ہاتھ اس ترک کا رہتا ہے گریبانوں میں
رشتہ داری ہوئی ہر خار سے مجھ وحشی کو — دھجیاں اڑتی ہیں دامن کی بیابانوں میں

ممتاز | کال الدین تخلص "ممتاز" نواب[2] عاشور علی خاں کی شاگردی پہ اس کو

---

[1] ن۔پ نواب امیر مرزا خاں ابن نواب سیف علی خاں تخلص شگفتہ رئیس باتجمل تخلص "گل" شاگرد جدید نواب عاشور علی خاں یہ اس سے یادگار [2] ن۔پ تلمذی پر نواب عاشور علی خاں کی

ناز۔ من کلامہ

ہے یہی چال جو قاتل تری تلواروں کی | بھیڑ چھٹ جائے گی اک دم میں گنہگاروں کی
سرمگیں چشم سیہ زلف سیہ خال سیاہ | رہ گئے جاناں نہیں بستی ہے سیہ کاروں کی
کر رہے ہیں جو شکر خند مرے داغ[۱] جگر | باڑھ بیٹھی ہے مگر یار کی تلواروں کی
لو نہ بادام ہیں اُس پستہ دہن کی آنکھیں | لذتیں ہیں لبِ شیریں میں شکر پاروں کی
تیرا کوچہ نہیں اے یار شفاخانہ ہے | ڈولیاں آئیں نہ کس طرح سے بیماروں کی
ہر سود کو یہی حکم ہے صیادوں کا | ہو رہا حال یہ تصویر گرفتاروں کی
روزنوں میں ہوں نہ کیوں دیدۂ مشتاق کھلے[۲] | خاکِ عاشق سے بنا ہے تری دیواروں کی
آسماں اور زمیں کا ہے تفاوت ممتاز | پھبتی کہیے دُرِ دنداں پہ اگر تاروں کی

مثلِ سودا زدہ پھرتے ہیں جو بازاروں میں | ہم ہیں اک غیرتِ یوسف کے خریداروں میں
ہم سے حیرت زدہ اے یار بہت حاضر ہیں | قدِ آدم یہ لگا آئینے دیواروں میں
ترش باغیر لبِ شیریں سے سخن کرتے ہیں | گھنڈیوں کا ہے مزا اس کے شکر پاروں میں

جان صاحب | بہترین ریختی گویاں میر یار علی تخلص "جان" صاحب شاگرد نواب عاشور علی خاں۔ یہ[۳] اس سے یادگار۔

شان میں اللہ کی مطلع وہ ہو دیوان کا | جیسے بسم اللہ پہلا ٹکڑا ہے قرآن کا
ذکر ہر مصرع میں آتا ہے خدا کی شان کا | لوگو بیت اللہ ہے مطلع مرے دیوان کا
حیدری خانم خدا کے شیر کی تعریف میں | شعر جو ہے شیر ہے وہ کلک کے میدان کا
وصف میں بی بی کے بچوں کے جو دو مصرعے لکھے | ہو گیا پُر نور وہ مطلع مرے دیوان کا

---

۱ ن۔ب زخم ۲ ن۔ب کی

۳ ن۔ب من کلامہ

وصف میں بارہ اماموں کے کہوں بارہ جو شعر پہ عرش پر ہو دگر اس بارہ دری کی شان کا

کیا منہ ہے منہ چڑھائے کوئی اس زبان کا کس مردوے کو علم ہے میرے بیان کا

وہ دل درگور ہی جنیا لے کبھی جو نام الفت کا کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
ابھی سے دل برا اس کا نگوڑے عشق کے پالے خدا حافظ ہے اے حسرت تری بیٹی کی عصمت کا
رہا اٹھارہ مردوں سے جو اک دن اشرفی خانم پہ چلن ٹکسال والے سے سوا ہے اس کی ہمت کا
بڑھائی کیوں زلیخا مولوی ما نے یوسف کہ کیا خانہ خراب اس کو دکھایا کوچہ الفت کا

بٹیا خبر لو جو رد کی ہرکارہ سے پھنسی تم بے خبر تھے ہم نے خبردار کر دیا
رو رو کے اندھی ہو گئی کچھ سوجھتا نہیں یوسف کے عشق نے تجھے دیوار کر دیا

ڈولہ گئی انگریز کو ہمشیر تمھاری روٹی کی بخوبی ہوئی تدبیر تمھاری
چلتی نہیں جو رو پہ جو تدبیر تمھاری بٹیا اسے میں کیا کروں تقدیر تمھاری
عصمت تو بڑی نیک تھی اب ہو گئی بدکار ہمسائی یہ صحبت کی ہے تاثیر تمھاری
اے جان بسر ہوویں گے کس طرح سے اوقات میرا کہیں منصب ہے نہ جاگیر تمھاری

رو رو پھر آتی ہے لونڈی مری جا کر خالی بھاڑ میں جائے کرایہ وہ کریں گھر خالی
خون کا ایک نہیں دھبا نظر آتا ہے لڑکا نامرد ہے پھر آئی جو چادر خالی

اجی وہ آندھی سے لڑنے کو ایک بار آئی ہوا کے گھوڑے پہ دولت قدم سوار آئی

پھنسایا مرزا کو شہباز خاں کی لونڈی نے　　جب آئی گھر میں مرے کھیلنے شکار آئی
بسا بسایا گھر اجڑا نہ میں پھلی پھولی　　پہ نگوڑی سبز قدم ایسی نہ بہار آئی
نہ ایک بار بھی دیکھو کہا میں اُن کے جاؤں نثار　　رکھ کے ہتھیلی پہ وہ ہزار آئی
دوگانا اُڑ گیا سیمابی کا کیا پارا　　جو ایسی دھوپ میں تو ہو کے بیقرار آئی

چوتھی کو تو صورت میں ذرا دیکھوں دلھن کی　　بندھوا کے اٹھنی ابھی لا دو مجھے گھن کی
حق ماں کا کبھی سمجھو نہ بیچہ ماموں دلھن کی　　بٹیا تمھیں لازم ہے کرو بات چلن کی
کیا بھولے بنے جاتے ہو ایسے مرے ننھے　　اٹھانی نہیں آتی ہیں دلھن کی
چل دور پرے ہٹ یہ نہیں لوں گی میں چاول　　بنیا ترا دھگڑا تھا جو تو لائی ہے کنکی
یہ الٹا چلن سیر میں پنسیری کا دھوکا　　ہرگز نہیں بھاتیں مجھے باتیں یہ غبن کی
پھنسواؤں گی سرسوں کو جگناتھ کے گھر میں　　بختاوری آئی ہے تمھارے رام رتن کی

بڑی باجی نے ناحق یہ ستم جو مجھ پہ توڑا ہے　　بتائیں تو وہ میرا کون سا دُکھڑا انگوڑا ہے

خدا دیتا ہے ٹکڑا نان نفقہ کا سہارا ہے　　وہ راجہ مجھ پہ مرتا ہے کہ جس کا نان پارہ ہے

وہ جن کا ڈولہ اب اے نو بہار لیتے ہیں　　اسی نگوڑے کی خاطر یہ بار لیتے ہیں
خدا نے ہاتھ دیے ہیں انھیں کھجانے کو　　خرابی پشتے کی ہے پشت خار لیتے ہیں
نہ کوئی جائے بلانے کو جان صاحب کے　　ہم آپ کوٹھے پہ چڑھ کر پکار لیتے ہیں

نئی اخلاص کی صورت دکھائی عشق بازی نے　　جو گانے کو مری مسجد میں رکھا اک نمازی نے

رکھ لے ہمسائی مرا مال چرا کے گھر میں — اینٹ اٹھوں گی دوگانہ میں خدا کے گھر میں

دانا | روشن لال تخلص "دانا" شاگرد نواب عاشور علی خاں۔ من کلامہ[1]

اٹھنے کے نہیں ناز یہ ہر بار تمھارے — ہیں زار بہت عاشق بیمار تمھارے

سرکش[2] ہوں اگر شعلۂ رخسار تمھارے — بن جائیں دھواں گیسوے خمدار تمھارے

یکسر ہیں یہ سب پیچ مرے بخت سیہ کے — پ بل کرتے ہیں جو گیسوے خمدار تمھارے

آتا ہے نظر خواب میں وہ غیرت یوسف — اے حضرت دل بخت ہیں بیدار تمھارے

آتی نہیں جو زلف گرہ گیر ہاتھ میں — سودا ئیو لپیٹ لو زنجیر ہاتھ میں

سوز تپ فراق کا اللہ رے اثر — بن جائے آگ لوں جو طباشیر ہاتھ میں

دانا کے دل میں وصل کی شب یہ ہوس رہی — آئے نہ پاؤں اور بت بے پیر ہاتھ میں

برپا | خوش لہجہ گوری شنکر[3] تخلص "برپا" شاگرد نواب عاشور علی خاں۔ یہ اس کا بیان۔

سدھاری جان حزیں جسم زار باقی ہے — سوار گم ہے نشان غبار باقی ہے

ہمیں بھی حد ادب سے نہ آگے بڑھنا تھا — بجا ہے دل میں جو ان کے غبار باقی ہے

ہوئی نصیب زمانے کو دولت دیدار — فقط یہ آپ کا امیدوار باقی ہے

لپٹ کے مجھ سے شب وصل میں یہ فرمایا — کچھ اور حسرت بوس کنار باقی ہے

ہزاروں دیکھے ہیں دنیا میں گو نشیب فراز — گڑھے کا گور کی لیکن اتار باقی ہے

جناب حضرت استاد کے تصدق سے — ریاض نظم میں برپا بہار[4] باقی ہے

---

[1] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار [2] ن۔ پ سرکش نہ ہوں گر شعلہ رخسار تمھارے

[3] ن۔ پ کنور سنگھ [4] ن۔ پ غبار

دنیا سے ہم چلے یہ صنم گو منا چلے اس سے بگاڑ کے جو چلے کیا بنا چلے
ہر چند ناتواں ہوں پر آزار عشق سے پر کی طرح اڑوں جو اُدھر کی ہوا چلے
میر دآہیں بھر نے ۱ بھرتے، مرا دم نکل گیا گھر کا چراغ جھونکے ہوا کے بجھا چلے
کیا گلبدن چڑھائیں گے صدقہ اتار کے پھولا ہے میں ہزار جو میرا بنا چلے
ڈوبے جو بحر ہجر میں نکلے مؤے ہوئے ترا صنم کی شکل سے نا آشنا چلے

غیور[۲] | صاحب فہم و شعور، منشی رحمت اللہ خاں، پسر عنایت اللہ خاں تخلص "غیور" متوسل شرف الدولہ بہادر شاگرد عاشور علی خاں، یہ اس سے یادگار:

عشق ہے حسن بت بے پیر سے سامنے ہیں عالم تصویر سے
مرغ جاں کو خواہش پرواز ہے مانگتا ہے پر تمھارے تیر سے
مرگیا زنداں میں دیوانہ کوئی غل ہے برپا خانۂ زنجیر سے
الجھی ہیں آپس میں زلفیں یار کی عشق ہے زنجیر کو زنجیر سے
نرگس آنکھوں کا میں دیوانہ ہوں کیا صدا نکلے مری زنجیر سے
غوبی عارض عیاں خط سے ہوئی معنی مصحف کھلے تفسیر سے
ہاتھ میں مچھلی سمندر بن گئی اس حنا کے شعلہ کی تاثیر سے
کھیت میں ہوں زخم کشتوں کے ترے سینچیے آب دم شمشیر سے
کیوں نہ گورے گال پہ لہرائے زلف سانپ کو ہوتی ہے رغبت شیر سے
خاک پائے یار ہاتھ آئی غیور کیوں نہ نفرت ہو مجھے اکسیر سے

بچہ کمین | طرز جدید میں مشہور اور نامور، شیخ باقر علی تخلص "بچہ کمین"۔

---

۱ ن۔ب لیتے لیتے ۲ ن۔پ میں ان کا ترجمہ نہیں ہے

قصبہ رودلی کا رئیس وجہتر، بندش مضمون پوچ زیادہ رکچی سے بہتر، آخر آخر وہ آلودگی سے پاک ہوکر قاصد کربلائے معلیٰ ہوا، شدت اشتیاق زیارت سے روح نے جسد کو رستہ ہی میں چھوڑا اور آپ ثواب عتبات عالیات حاصل کیا یہ اشعار اس پروردۂ خوان نعمت نواب عاشور علی خاں سے یادگار

عشق سے چرکیں کو کس خوش چشم سے ..... کا پ ہے ... ہیں اس کے عالم روغن بادام کا
سامنے اس کے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے پ گواچھالے گا بہت چرکیں ہے اپنے نام کا

معطر ہو گیا اک گو زمیں سارا امکان اپنا پ تر اسفرا یہ اے گل پیرہن ہے عطرداں اپنا

ہے پرستاری بیمار محبت مشکل ..... پھٹ جاتی ہے ہو جاتے ہیں غمخوار جدا

جانا اہل آبرو کو دے کبھی گند مزاج حوض پاخانہ میں کب تعمیر فوارہ ہوا

رند ہر اک مارے خطرے کے مودب ہو گیا محتسب کے آتے ہی میخانہ مکتب ہو گیا
رفع حاجت کے لیے آیا جو پاخانہ میں یار گھورا گھاری ہی میں حاصل اپنا مطلب ہو گیا

۔ کی طرح منہ کلی میرے سامنے ڈھا لگا یہ آپ نے گند غمزہ نکالا ہے کہاں کا
دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے رغبت نہ کرے گوہ پہ کبھی زاغ کماں کا

مہر و وفا کے بدلے ستم یار نے کیا چرکیں عمل یہ آہ شرر بار نے کیا

اگر بیت الخلائے یار چرکیں کا مکاں ہوگا پ وہی تسکین دل ہوگی وہی آرام جاں ہوگا

دلائی کیچڑوں نے یاد اس زلف پریشاں کی کھڑی لینڈی جو دیکھی دھیان آیا قد موزوں کا

شعلۂ رخسار جاناں ہے چراغ خانہ آج شمع ہو کے ...... میں آیا اگر پروانہ آج

رد کئے گوز جدا اپنا تو بڑی بات نہ تھی شیخ صاحب ہیں تو اتنی بھی کرامات نہ تھی

وہ مضمون گوہ کے پیدا ہوں مری طبع گرامی سے جنبش آئے یا چرکیں کا غل ہو گور جامی سے

اگر ہوتے نہ دار فتہ کسی زہرہ شمائل کے تو ٹٹرتے کس لیے زنداں میں قیدی چاہ بابل کے
لب شیریں کے تیرے خال یاد آئے جو ہگنے میں جو نکلے پیٹ سے سُدے وہ لڈو بن گئے تل کے

دستوں پہ دست آتے ہیں بجھتے ہیں پتوڑے اس حال میں نہ آئے یہ تم سے بعید ہے

ہگا یا خون مدت تک خیال روئے رنگیں نے مروڑا پیٹ میرا اٹھا جو دیکھا زلف پیچاں کو

گلستان دہر میں تجھ سا کوئی گل رو نہیں پ تو وہ غنچہ لب ہے جس کے پاد میں بد بو نہیں

کوئی اتنا بھی نہ جانے طعن خاص عام ہو بزم میں پادے کوئی چرکیں ہمارا نام ہو

صاحب قرآن | حاجی طائفۂ زنان، سید امام علی[1] تخلص "صاحب قران" سید صحیح النسب شاعر خوش کسب ساکن قصبہ بلگرام، شوخی طبع سے مفت بدنام (رسوائی انام گوارا) یہ اُس[2] کا کلام

رات روشن سے اندھیرے میں کوئی کچھ کر گیا — اس نئی گرمی کو سُن کر میں ہنسی سے مر گیا
اس مکر جانے کو کیا کہتے ہیں مخلو خیر ہے — پھر رہا کیا — باقی جب — اندر گیا

نفس نے تخم تری ..... میں ڈالا نکلا — کیا زمیں تھی کہ نمود ہوتے ہی ڈالا نکلا
اشک اب متصل آتے ہیں مری آنکھوں سے — ہوش لڑکے نے جہاں گھر میں سنبھالا نکلا

پوچھا صاحب قراں نے جادی سے — تیرے نیچے یہ غار سی کیا ہے
لگی کہنے کہ دیکھ لو صاحب — ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

نیچے سے وہ آب کھینچتی ہے — اوپر سے شراب کھینچتی ہے
لاہے کی سمجھ کٹوری اُس کو — دریا سے حباب کھینچتی ہے

لاتی ہے جو درمیاں ہیں حیلے روشن — اتنے تو ہم نہیں ہیں ڈھیلے روشن
بے پرتو نفس کب منور — ہو — ہووے نہ چراغ بے فتیلے روشن

زمانہ سے کیا اُٹھ گئی نکوئی — نہ ملتا ہے مانگے نہ دیتا ہے کوئی

---

[1] ن ۔ پ میر غلام علی ۔ صاحب تذکرہ سخن شعرا نے سید امام ولد سید غلام حسین رضوی بلگرامی نام لکھا ہے ۔ مرتب [2] ن ۔ پ یہ اس سے یادگار

کہو غافلوں سے کہ اتنا سمجھ لیں   رہے گا نہ کوئی رہے گی نکوئی

پھرتا رہے محفل میں شاہوں کی یہ پیمانہ   آباد رہے ساقی دایم ترا میخانہ

ہولی کی بزم میں تھا گو دخل رات اپنا   چھاتی کے قمقموں تک پہنچا نہ ہاتھ اپنا

جب کہ جلوہ ہوا مجلس میں ترے آنے کا   رات کو شمع سے دل پھر گیا پروانے کا
گرچہ ہر خانۂ زرودہ میں دم رکتا ہے   پر تری زلف میں یہ دل نہیں گھبرانے کا
— سے میرے نہ ڈر شوق سے ہم بستر ہو   بے اجازت ترے اندر یہ نہیں جانے کا

دو تین شعر صاف کہ آلودگیٔ فحش سے پاک ہیں لکھے جاتے ہیں۔
یہ رشتہ ہے محبت کا نہ ٹوٹا ہے نہ ٹوٹے گا   دل اس کے دام گیسو سے نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا
شکست دل کی اے صاحب قراں تہمت نہ دے اس کو
کسی نے ملک کو اپنے نہ لوٹا ہے نہ لوٹے گا

اسرار | بے عزتی خلق خدا اُسے گوارا، مرزا بندہ علی عرف مرزا بندو تخلص "اسرار" شاگرد صاحبقراں یہ اس کا بیان۔ یہ شعر اس کے (آلودگی) فحش سے پاک میں لکھے جاتے ہیں)[1]
اُمید ضبط کتنی مجھے[2] خانہ خراب سے   عاشق سمجھ گئے وہ[3] مجھے اضطراب سے

---

[1] انتخاب میں سے ابتدائی نو شعر تحریر نہیں کیے جا رہے ہیں کیونکہ بہت فحش ہیں۔ شمیم
[2] ن۔ پ دل   [3] ن۔ پ گیا۔

طبع رسا کو کیا کسی رہبر کی احتیاج ہم خود نکال لیتے ہیں مطلب کتاب سے
بل بے نزاکت اس کی نہایا جو بحر میں چھڑیاں بدن پہ اس کے لگیں موج آب سے
کیوں واژگوں رہے نہ مرا کاسۂ سوال سیکھی ہے بس یہ میں نے قناعت حباب سے

ناسخ ناسخ رسم کہن، مجتہد علم شعر و سخن، صاحب رائے سلیم، یادگار صائب و کلیم، خلاق معانی شیریں بیان، مفتی مسایل سخنوران مرحوم و مغفور شیخ امام بخش متخلص بہ "ناسخ" پسر[1] شیخ خدا بخش، خوردہ فروش۔ میاں مصحفی صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ مشورہ شعر کا اس کو محمد عیسیٰ تنہا سے تھا اور وہ تربیت یافتہ میر کا اور اس کے بعض مقطع سے مطابقت (میر (محمد تقی میر کی ظاہر، چنانچہ بجانتے ہیں خوب اُردوئے معلی کی زبان مدتوں صحبت رہی ہے ہم کو ناسخ میر سے
شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

واللہ اعلم بالصواب۔ حکایت ایک دن حسب اتفاق یہ فقیر اس کی خدمت سراسر افادت میں گیا استفسار خیر و عافیت کے بعد سبب آنے کا پوچھا۔ میں نے کہا[2] واسطے استفادہ کے حاضر ہوا ہوں اور یہ مطلع کہ زمین[3] اس کی تازہ تھی پڑھا

ملے نہ رخ سے اگر غازہ عذار ہوں میں نہ آنے دے مجھے آنکھوں میں گر خمار ہوں میں

فرمایا کہ "خمار" "اُتار" کو کہتے ہیں تم نے نشاء کے مقام پر باندھا ہے میں نے کہا خمار کے معنی (لغت میں) کیفیت شراب کے (آئے) ہیں اور کیفیت نشاء پر دال ہوسکتے ہیں چنانچہ یہ شعر صائب کا

ترک چشم مخمور ت مست ناتوانیہاست سرمہ بانگاہ او گرم ہم عنانیہاست

مرزا رفیع سودا

کیا کروں گا لے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

---

[1] ن۔ پ خلف [2] ن۔ پ عرض کیا [3] ن۔ پ تازہ طرح ہوا تھا میں نے پڑھا

مرزا تقی ترقی

وہ خماری انکھڑیاں بکھرے ہوئے بالوں میں یوں
جس طرح دو مست جکڑے[1] ہوویں زنجیروں کے بیچ

پھر[2] فرمایا میرے نزدیک نادرست ہے۔ دوسرا شعر میں نے پڑھا

بدن پہ میرے نہ کیوں چست ہو قبائے جنوں   یہ داغ کھائے ہیں میں نے کہ جامہ وار ہوں میں

کہنے لگے جامہ دار بوٹی دار بھی ہوتی ہے میں نے کہا بہت بہتر۔ دوسری غزل میں یہ شعر تھا

بزم عاشق کا دوگونہ ہو فروزاں رنگ حسن   شعلۂ رخ سے کرے روشن جو وہ جانانہ شمع

کہنے لگے کہ "دوگونہ" کی جگہ "دوچنداں" بنایا چاہئے کہ وہ غیر مشہور اور یہ متعارف میں نے کہا "گونہ" کا لفظ رخ کے مقابل میں (مناسب اور) زینت بخش ہے ہنوز وہ تقریر تمام نہ ہوئی تھی کہ خواجہ بہادر حسین فراق اُن کی خدمت میں تشریف لائے اور شیخ صاحب سے کلام کیا کہ منور خاں غافل آپ کے شعر پر اعتراض کرتا ہے بے تامل فرمایا کہ وہ غافل ہے اور غافلوں نے بیشتر کلام اللہ پر بھی اعتراض[3] کیا ہے مجھے یہ تشبیہ ناقص تمام تر ناگوار گزری آخر دریافت ہوا۔ وہ شعر اعتراض[4] یہ ہے

عجب حالت ہوئی طاری ترے آنے سے گلشن پر   کہ یوں بیتاب ہے گل جس طرح دانے ہوں گلخن پر

اعتراض یہ کہ دانے ریگ پر بیتاب ہوتے ہیں گلخن[5] پر نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ گرم ہونا گلخن[6] کا مشہور ہے یا ریگ کا۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا خوب جواب عنایت ہوا ہے کچھ اپنے کلام سے مستفید فرمائیے۔ برخلاف اپنی عادت کے دو غزلیں پڑھیں۔ مرزا خانی نوازش سلمہ فرماتے ہیں کہ مرزا احسن صاحب نے ناسخ کے اس ایک شعر پر دو اعتراض کیے۔

---

۱ ن۔ پ الجھے ۲ ن۔ پ ان شعروں کے سننے پر بھی کہ میرے نزدیک نادرست ہے۔
۳ ن۔ پ کرتے تھے ۴ ن۔ پ جس پر منور خاں نے اعتراض کیا تھا وہ شعر یہ ہے ۵ ن۔ پ نہ کہ گلخن پر ۶ ن۔ پ بھاڑ

سوز تا کم ہو نہ میرے زخم کے ناسور کا　　یار نے مرہم بنایا شمع کے کافور کا

ایک تو یہ کہ شمع کافوری نہیں ہوتی۔ لبسبب صفائی کے کافور سے اس کو نسبت دیتے ہیں۔ دوسرا اعتراض کہ خاصہ معشوق کا ستم سازی ہے نہ مرہم سازی۔ مرزا جعفر علی فصیح کہ شاگرد آن کے ہیں وہ ایک شمع ساز کہن سال کو مرزا محسن، صاحب کی خدمت میں لائے اس نے کہا میں شمع کافوری بناتا ہوں اور برادر مرزا جعفر علی فصیح کے غنی کاشمیری کا شعر واسطے سند کے پڑھنے آئے

سوز داغ دل ما دفع نہ شد از مرہم　　گرمیِ شمع ز کافور نمی گردد کم

دوسرا جواب یہ کہ سبب مرہم سازی کا شعر میں ظاہر، جو وہ نہ سمجھیں تو اس کا جواب نہیں۔ غرض اس نقل سے یہ ہے کہ شہرہ اُس کا اس کی استعداد و قابلیت سے تھا اور معرکہ آرائیوں سے، یہ دو معرکے ایک یہ دوسرا سوجی رام کا ایسا اس نے سر کیا تھا کہ حاسدوں کے جی چھوٹ گئے تھے اب کہ اس شہر سے میدان خالی ہے طرح طرح کے الزام اس کی طرف عاید ہیں حالانکہ کلام کسی کا سرقہ اور توارد سے پاک نہیں۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست　　در کف موسیٰ ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

قصہ مختصر ایسا شاعر با اقبال اور سخنور فارغ بال کمتر ہوا ہے ایسے صاحب کمال کا دنیا سے اٹھ جانا صدمہ عظیم اور حادثہ بزرگ ہے میر محمد شایق نے کہ تاریخ اُس کے انتقال کی کہی ہے[1] وہ یہ ہے

سفر ناگاہ ناسخ از جہاں کرد　　محمدؐ یا الٰہی باد حامی
بجو اندہ پر خرد تاریخ جستم　　بگفتا شاعر بے مثل نامی
۱۲۵۴ھ

[1] د۔پ: صحیح تو یہ ہے کہ ۔۔ ن۔پ یہ کہی ہے

میر علی اوسط رشک کہ بہترین تلامیذ شیخ صاحب سے ہیں اُنھوں نے یہ فرمایا ہے

مقتدائے من و استاد من و قبلۂ من حیف گر دیدۂ خاک نہاں واویلا

رشک تاریخ پے لوح مزارش بنوشت مرقد ناسخ اعجاز بیاں واویلا

دوسری تاریخ کہ دو بحر میں پڑھی جاتی ہے متدارک فاعلن ہشت بار ۔

متقارب فعولن ہشت بار

اٹھا مرگ ناسخ کا غل چارسو سے گیا لطف تحقیق کا گفتگو سے

کہا رشک نے مصرعۂ سال رحلت ولا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے

اگرچہ تمام کلام اس کا چیدہ و پسندیدہ ہے واسطے التزام کے چند شعر لکھے جاتے ہیں (بعد انتقال شیخ صاحب کے تمام مال و اسباب اور املاک پر حسب زعیمت اُن کی مرزائی صاحب ٹکسال والے کہ جن کا ذکر آگے گزرا قابض و متصرف ہوئے ۔ اللہ باقی من کل فانی ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ کی جا ہے)

گلفشاں عکس ہوا اُس کے رخ رنگیں کا ہے جو آئنہ میں عالم سبد گلچیں کا

خاک ہو جائیں گے ہم شوق ہو کیا تزئیں کا سرمہ ہے خاک لحد دیدۂ آخر بیں کا

مانگی باراں کی جو ہم بادہ پرستوں نے دعا رعد نے سنتے ہی اک نعرہ کیا آمیں کا

فرقت یار میں کیا ہوش اڑے جاتے ہیں شہپر خواب ہے جو پر ہے مرے بالیں کا

داغ حسرت کہ مٹا نقش حیات فرہاد سنگ پر نقش جو تیار ہوا شیریں کا

آج ہوتا ہے دلا درد جو میٹھا میٹھا دھیان آیا ہے تجھے کس کے لب شیریں کا

باغ میں روندے بہت گلچوں کے خرمن زیر پا لا کبھی اپنے شہیدوں کے بھی مدفن زیر پا

ہاتھ دوڑائے زمیں سے سو شہید نازنے پ آگیا چلنے میں جو قاتل کے دامن زیر پا

روئے جاناں پہ ہوا خط معنبر پیدا　　ہو گئے حسن کی پرواز کو شہپر پیدا
ہوں میں وہ صید کہ ہیں جزو بدن تک دشمن　　تیروں کے واسطے ہوتے ہیں مرے پر پیدا
ہوں وہ گریاں کہ پس مرگ مری تربت پر　　سبزہ تر کے عوض ہو مژۂ تر پیدا
آتش رنگ حنا سے وہ صنم کہتا ہے　　ہاتھ میں چھلیوں کی جا ہوں سمندر پیدا

تیرے جلانے کو اے سنگ دل صنم ہم نے　　اک اور صاعقۂ طور سے تپاک کیا
مارا ہے چشم مست نے میرے سیم میں ہوں　　نرگس کے پھول اور کٹورا گلاب کا
اے میکشو یقیں ہے کہ نکلے بط شراب　　وہ مست ناز توڑے جو پیالہ حباب[1] کا

تو نے شہباز نظر کو جو ادھر چھوڑ دیا　　ہم نے بھی طایر جاں باندھ کے پر چھوڑ دیا
ذبح کر ڈالوں گا گر اب کی تو بولا شب وصل　　میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا
آگیا کچھ جو زباں پر مزۂ زہر فراق　　غم نے چکھتے ہی مرا خون جگر چھوڑ دیا

سرو پہ سایہ پڑا تیرا وہ موزوں ہو گیا　　میرے سایہ کے اثر سے بید مجنوں ہو گیا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا تھا ولے[2]　　آج آتی شب ہجراں میں تو احسان ہوتا
کیا قوی ہے یہ دلیل اس کی پریزادی کی　　ربط انسان سے کرتا اگر انساں ہوتا

ہے تصور جیسے آنکھوں میں کسی کی چال کا　　میری پلکوں میں ہے عالم سبزۂ پامال کا
ہو گیا ثابت کہ ہے دس خوش قدوں کا تجھ میں حسن　　تیرے قامت کے الف پر ہے جو نقطہ خال کا

---

[1] ن۔ پ۔ جشنہ　　[2] ن۔ پ ہے مگر

نقطہ دس کا الف کے پہلو میں ہوتا ہے اوپر نہیں ہوتا -

جب سے نظروں میں سمائی ہے کمر اینداں ہوں — رنج دیتا ہے بہت آنکھوں میں پڑنا بال کا

یہ عشق ایسی بلائے بد ہے جس کے نام کی دولت — درختوں کو سکھاتا ہے لپٹنا عشق پیچاں کا

تجھ سے سیکھا ہے مگر طرز خرام اے یار خواب — میری آنکھوں کے حضور آتا نہیں زنہار خواب
کم جنازے سے نہیں شبہائے فرقت میں پلنگ — موت سے بھی مجکو افزوں ہے کہیں بے یار خواب

کہتے ہیں سب دیکھ کر ابرو کو چشم یار پر — کھینچی ہے تلوار کس بے رحم نے بیمار پر
جب سے ہے مجھ ناتواں کو تیری مژگاں کا خیال — خلق کہتی ہے ہوا ہے خار عاشق خار پر
دل کو زاہد کھو لے ہیں اپنی سیہ بختی سے راہ — شمع مینا چاہیئے میخانہ کی دیوار پر
بے ارادہ طے ہوئی جاتی ہے یاں راہ عدم — پ باڑھ رکھوائی ہے اس نے آج کیا تلوار پر
ہے گل تر سے گل تصویر کی قیمت زیاد — نوش ہے یاں بے حقیقت کو حقیقت دار پر
ہو نہ دنیا میں کسی کو انتظار خواب وصل — یہ نوشتہ ہے بیاض دیدۂ بیدار پر
جب گیا گلگشت کو گلزار میں وہ شرمگیں — پٹیاں بندھوائیں چشم نرگس بیمار پر

سر سبزہ سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو — ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

دے خدا ہمت اگر موران کوئے یار کو — پ کھینچ لے جائیں لحد سے میرے جسم زار کو

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے — وگرنہ ماہ کو یک شب کمال رہتا ہے

یہ پھنک رہا ہے مرا جسم آتشِ غم سے — کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے

زار انتظارِ خط نے کیا اس قدر مجھے — پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے
ہوں وہ غمیں کہ لب نہ ہنسی سے ہوں آشنا — دیوار قہقہہ بھی جو آئے نظر مجھے

راز کا چاہیئے عاشق کو چھپانا ایسا — دل میں ہو ذکرِ صنم[1] ہاتھ میں قرآں ہووے
کعبہ سے قبلہ نما کا نہیں پھرتا کبھی منہ — کاش اس مرغ کی تقلید میں انساں ہووے

کچھ عدم کا بھی خیال اے دل تجھے یاں چاہیئے — گو عزیزِ مصر ہے پر یادِ کنعاں چاہیئے

مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے — دنیا میں قدرداں نہیں اہلِ کمال کے
عالم جو اپنی آہ میں ہے گردباد کا — تودے ہمارے دل میں ہیں گردِ ملال کے
مرنا قبول ہے مجھے دنیا نہیں قبول — غمزے اٹھیں گے مجھ سے نہ اس پیر زال کے
ہمت اگر نہیں فلکِ دوں کو کیا ہے غم — یاں لب کبھی آشنا نہیں حرفِ سوال کے
آنسو ٹپک پڑا جو کوئی بزمِ یار میں — دریا بہے مرے عرقِ انفعال کے
ناسخ اٹھیں گے حشر کو وہ لوگ سرخرو — دنیا میں جو محب ہیں پیمبرؐ کی آل کے

دیوان دوم

میکشی میں روتے روتے میں ہوا بے یار کور — نشاء کے نور دل کی جا آنکھوں میں جالا ہو گیا
دیکھ کر روزِ سیہ گرما میں میں سمجھا ہوں یہ — دھوپ کی شدت سے دن کا رنگ کالا ہو گیا
غم ہوا اس درجہ مجھ وحشی کی حالت دیکھ کر — پ جو ہرن تھا خشک ہو کر مرگ چھالا ہو گیا

---

[1] ن۔ پ خدا

ایک درہم اور داخل گنج قارون دل میں ہوا — پست ایسا میرے طالع کا ستارا ہو گیا
بیخودی کا میں دیکھ کر خورشید کو کہتا ہوں روز — آج بھی رخسارِ تاباں کا نظارا ہو گیا
یہ نزاکت یہ لطافت جسم میں ہوتی نہیں — تم نے جو دل میں چھپایا آشکارا ہو گیا
ختم ہے جادوگری تم پر کہ اے چشمانِ یار — ناسخ جادو بیاں عاشق تمہارا ہو گیا

قدح لیے ہوئے گل مثل بادہ خوار آیا — پ خزاں چمن سے گئی موسم بہار آیا
چمن میں کوئی گل تر جو شاخ پر دیکھا — تو مجکو یاد وہ محبوب نے سوار آیا
کبھی نہ قطرہ دیا تو نے ساقیا مجکو — ادھر نہ آتش مے کا کوئی شرار آیا
لگا جو تیر ترا سینہ مشبک میں — میں خوش ہوا کہ مرے دام میں شکار آیا

اے شہسوار گر نہ کیا کشتۂ نگاہ — پہنچا دے قبر تک[1] تو تپنچہ قبور کا

ہجر میں یوں مری آنکھوں سے ہوا خوں پیدا — جیسے انگور سے ہو بادۂ گلگوں پیدا
توڑ وہ ہے مہر درخشاں کہ ترے جلوے سے — بدلے سایہ کے ہوئے گیسوے شبگوں پیدا
نہ ہمارے دل بیتاب کو زلفوں سے نکال — پارے سے ہوتے نہیں گیسوؤں میں جوں پیدا

قدراست وضع راست ہر اک بات اس کی راست — رکھے کمان یار تو ہو تیر دوش پر

جسم عاشق میں برابر ہے دلا گھر باہر — ایک سا جلوۂ معشوق ہے اندر باہر
یہ تمنا ہے صنم ہو جو قیامت برپا — قبر سے مجکو نکالے تری ٹھوکر باہر

---

[1] دیوان مطبوعہ میں نہیں ہے۔ شمیم

آمد آمد جو سنی میرے سہی قامت کی
باغ سے دوڑ بڑے سرو و صنوبر باہر

خانۂ چشم میں بے یار جو نیند آنے لگی
مردم دیدہ یہ چلائے کہ باہر باہر

میں وہ بلبل ہوں کہ اے گل ترے گل تکیوں سے
بوسہ لینے کے لیے نکلے مرے پر باہر

ناز حوروں کے اٹھائیں یہ کہاں ہم کو دماغ
پہ ہو ہمارا در فردوس سے بستر باہر

ترا دہن ہے وہ شیریں کہ ایک کلی سے
تماشہ بن گیا ہر اک حباب دریا میں

مرزا صاحب[1] کے زعم میں یہ ایک شعر ناسخ کا ہے باقی توارد اور سرقہ، شاید شعر کہ میں لکھتا ہوں انھوں نے ملاحظہ نہیں فرمایا اگر دیکھتے وہ شعر کا مالک اسے کہتے

دانے میں انگیا کے چڑیا کے بنت کی چنیاں
پلتی ہے بالی کی مچھلی موتیوں کی آب میں

حلم اگر دل میں نہ ہو ہے کہیں بہتر پتھر
ڈھیلے اچھے ہیں اگر ہو نہ وفا آنکھوں میں

جب کبھی پہنا جڑاؤ اس نے گوہر[2] کان میں
نازکی بولی کہ کیوں لٹکائے پتھر کان میں

بزم میں پاتا نہیں جو ساقی گلفام کو
جانتا ہوں میں ہتھیلی کا پھپھولا جام کو

کشتۂ تیغ جدائی ہوں یقیں ہے مجھکو
عضو سے عضو قیامت کو جدا پیدا ہو

بچ رہا ہے تیل جو بالوں سے دے ڈالو ہمیں
اے صنم بہر چراغ زیست روغن چاہیئے

دیکھنا تاثیر میرے نالۂ جانکاہ کی
سن کے اس بے رحم نے بے اختیار اک آہ کی

---

[1] ن۔ پ مرزا محسن
[2] ن۔ ب زیور

حد سے گذری پستی طالع تو کیا سمجھوں ہوں میں ‌ پ ‌ آسماں نے گنج تاروں پر مری تنخواہ کی
رات دن ایسا فراق یار میں روتا ہوں میں ‌ پ ‌ اب مرا کمرہ نہیں کوٹھی ہے گویا چاہ کی
خط سبز آیا جو منہ پر کم ہوئی زلف دراز ‌ پ ‌ راہ ظلمت معجزہ سے خضر نے کوتاہ کی

بیٹھی ہوئی فرس یار اگر چل نکلے ‌ ‌ خاک زیر قدم آجائے تو شکر ہو جائے

دھوپ بہتر ہے شب فرقت کی بدتر چاندنی ‌ ‌ صاعقہ کے طور سے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی
خاکساری بھی نہ چھوڑے دے خدا جس کو عروج ‌ ‌ آسماں پر ماہ تاباں ہے زمیں پر چاندنی
ایک ہفتہ سے بہم ساتوں میسر ہیں مجھے ‌ ‌ دشت، دریا، سبزہ، ساقی، شیشۂ ساغر، چاندنی

لمولفہ

نامیسر ایک ہفتہ سے ہیں یہ ساتوں مجھے ‌ ‌ صبر، طاقت، شمع، بالیں، خواب، دلبر، چاندنی

دیوان سویم

دم بدم آواز قلقل کی نہ کیوں آیا کرے ‌ ‌ ہو گئی مے روح ساقی شیشہ قالب ہو گیا

ہجر میں لاغر بدن حد سے زیادہ ہو گیا ‌ ‌ جو شلوکا تھا ہمارا وہ لبادہ ہو گیا
کرتے ہیں سالک ترقی سے تنزل اختیار ‌ ‌ جبکہ منزل پر سوار آیا پیادہ ہو گیا

مل کے مسی رتبہ دانتوں کا بہت کم کر دیا ‌ ‌ کیا غضب تم نے کیا ہیرے کو نیلم کر دیا

دردمند عاشق ہوں کب ہے ہوا برسات کی ‌ ‌ درد کو کرتی ہے دونی ہوا برسات کی

باغ وے ابر وغنا مہتاب نہر و وصل دوست ایک دل ہے اور حسرت ہے برابر سات کے

کی جو خیاطِ ازل نے تری پوشاک درست بچ رہے قطع میں یہ شمس و قمر دو ٹکڑے

کیا کروں باغ میں آئے جو صبا کے جھونکے چاہئے ہیں اُسی کوچہ کی ہوا کے جھونکے
رات دن کیا ہی جلاتے ہو رقیبو مجھکو کہیں دوزخ میں خدا تم کو بلا کے جھونکے
ہم فقیر ایسے ہیں اے شاہ کہ جاڑا جو لگا بھاڑ میں تاپنے کو بال ہما کے جھونکے

زمینیں ہیں نئی بیتیں ہیں اے یار نئی روز یاں ریختے کی اٹھتی ہے دیوار نئی
ماہ نو کیا ہے بھلا ابروے قاتل کے حضور کیوں فلک ہم کو دکھاتا ہے یہ تلوار نئی
اے کماندار مجھے تیروں کے سوفاروں سے دمبدم بہر فغاں ملتی ہے منقار نئی

اثر | امیر باکرم رئیس باحشم (خوش) سخن پذیر، شعرا پرور، نواب حسین علی خاں تخلص[1] "اثر" پسر امیر الدولہ حیدر بیگ خاں شاگرد نامی، شیخ (امام بخش) ناسخ، کلام اس کا (مضبوط اور) راسخ۔ کون سا ہفتہ تھا کہ شاعروں کی صحبت اُن کے دولت خانہ میں نہ ہوتی تھی۔ دولت[2] اس عالی ظرف کی اس میں صرف ہو۔ اپنی ستائش سے مسرور، غیر کی تعریف سے نفور، آغا حسن شرر اس نقل کو کس مزے سے بیان کرتے ہیں کہ سید محمد خاں رند کے دولت خانہ میں مشاعرہ مقرر تھا مرزا محمد رضا برق کو پڑھنے پر تعریف بہت سی ہوئی صاحب مشاعرہ نے کہا مرزا صاحب آپ سے کسی کو نسبت نہیں۔ حسین علی خاں صاحب کے چہرے پر آثار ملال ایسے سخن سے ظاہر اور نہایت کشیدہ خاطر ہوئے۔ آغا حسن کو طلب فرمایا

---

[1] ن - پ تخلص [2] ن - پ اسی میں دولت ان کی صرف ہوئی -

اور اس کلمہ کی شکایت نہایت سی نہایت ان سے کی۔ انہوں نے کہا آپ ناحق مکدر

ہوتے ہیں۔ یہ تو اُن کی ہجو ملیح ہے خاں صاحب نے کہا کاش یہ ہجو ملیح ہماری ہوتی

افسوس کہ بیک چشم زدن گردش چرخ کہن نے اس مختنم روزگار کو عدم کر دیا اور شوق شاعری کو کم۔ یہ چند شعر کہ اس (مغفور و مرحوم) سے یادگار ہیں، لکھے جاتے ہیں۔

سیر گلشن میں جو اس سے چار آنکھیں ہو گئیں ۔۔۔ نرگسِ گلزار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں
لے ترے حب مایل گلزار آنکھیں ہو گئیں ۔۔۔ کچھ نہ سوجھا باغ کی دیوار آنکھیں ہو گئیں
دیکھتے ہیں رخصت بام فلک آئینہ سے ہم ۔۔۔ پ شاید اب آئے نظر وہ چار آنکھیں ہو گئیں
نشہ کا ڈورا ہے یادہ بادہ کا ڈورا صنم ۔۔۔ پ بہر قتل عاشقاں تلوار آنکھیں ہو گئیں
جھونکتی ہے شعلۂ رخسار میں پروانہ ساں ۔۔۔ اس قدر اعضا میں کیوں مختار آنکھیں ہو گئیں
ہیں در دندان و لعل لب یہاں پیش نظر ۔۔۔ بہر عاشق جوہری بازار آنکھیں ہو گئیں

زطِ گریہ سے مرے مردم آبی ہو جائیں ۔۔۔ ہو نہ مردم کی جو بارانی مژگاں سر پر
زلف کی کالی بلا آنے نہ دے پریوں کو ۔۔۔ شاید آجائے تو آجائے سلیماں سر پر
جوش سودا نے کیا شمع کے مانند گداز ۔۔۔ بن گیا داغ جنوں دیدۂ گریاں سر پر
دیکھئے پیک اجل آئے کہ وہ یار آئے ۔۔۔ جان ہونٹوں پہ ہے اور وعدۂ جاناں سر پر

دار پر قمری کو کھینچا تو نے دلبر باغ میں ۔۔۔ کھنچ گئے حیرت سے کانٹوں پر گل تر باغ میں
داغ دل اس کو دیا ہے کیا کسی گلفام نے ۔۔۔ ستغاثی ہے جو لالہ آج حیدر باغ میں
اے دل نہ جستی دو رنگی ہر جگہ اچھی نہیں ۔۔۔ خار بن کر دشت میں وہ پھول بن کر باغ میں
عاشقوں کی تابش رخ سے بصارت اڑ گئی ۔۔۔ بقری تو نے اڑائے ہیں کبوتر باغ میں

بلبل شیدا کو راحت اے اثر مطلق نہیں پ گاہ ہے کنج قفس میں اور کبھی گھر باغ میں

ہے سیہ خانہ مرا ظلمات سے تاریک تر خوف سے پھر جاتی ہے باہر کی باہر چاندنی
اے اثر یہ رشک ہے شب کو نکلتا ہو جو یار مانگتی ہے کر کے شب تاب سے پر چاندنی

تدبیر | شاعر خوش تقریر، مرزا محمد باقر عرف مرزا مغل، تخلص "تدبیر" شاگرد شیخ ناسخ۔
من کلامہ[1]

زرد ہو روشن دلوں کے کیا کوئی اسباب کا غیر ممکن ہے چرانا چادر مہتاب کا
دائے محرومی کہ وقت ذبح ہے مجھ تشنہ کے حلق پر داسا پھرا تو خنجر بے آب کا

ہاتف | فنون شعر سے ماہر اور واقف، مرزا حیدر علی تخلص "ہاتف"۔ بزرگ اس کے ساکن شاہجہان آباد، لکھنؤ، اس کا میلاد، شاگرد ناسخ، تاریخ اس کی وفات کی دکہ ناسخ نے کہی ہے وہ) یہ ہے

حیدر علی ہاتف خوش فکر و بلیغ در عہد شباب مُرد از دق ہیہات
ناسخ بکمال غم نمودم چوں فکر ہاتف ز جہاں برفت شد سال وفات

من کلامہ

عاشقی کا مرے احوال نہ پوچھ اے ہاتف نہ بتاؤں گا میں یہ بات بتانے کی نہیں

جس نے سونگھا ہو کبھی اس کا پسینہ ہاتف عطر سے کیوں نہ دماغ اس کا پریشاں ہووے

بند زنداں میں ہیں ہم کوچۂ جاناں میں رقیب قید میں مرغ چمن، زاغ چمن زار میں ہے
وہ بھی جو دم بھرتے ہیں کمال تری الفت کا جنگ بسرا تنے لیے مجھ سے اور اغیار میں ہے

---

[1] ل۔ ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار۔

پھر گئی آکے جو آگے سے اجل اے ہاتف جان کیا نکلے مری، دل تو میرا یار میں ہے

گر قطرۂ اشک اپنا[1] میں دریا میں ملاؤں وہ قطرہ نظر آئے یہ دریا نظر آئے

ضبط | بیان کو اُس کے معنی سے (ایک) ربط، نوازش علی خاں تخلص "ضبط" خلف مقصود علی خاں، مصاحب جنت آرام گاہ، شاگرد شیخ ناسخ غفر اللہ۔ یہ اشعار اُس سے یادگار

گلہائے داغ عشق نے سینہ چمن کیا دست جنوں نے چاک مرا پیرہن کیا

لیلیٰ دشوں کے عشق میں مجنوں کی طرح آہ اب اختیار ہم نے بھی وحشت کا بن کیا

یوسف کو جذب عشق زلیخا نے ہم نشیں لا مصر میں وطن سے غریب الوطن کیا

از بسکہ اس زمانہ میں بے قدر ہے سخن سو ضبط ہم نے آج سے ضبط سخن کیا

طرحداروں کا رخ گلگوں بھی ہونا شرط ہے پ نازرفتار اور قد موزوں بھی ہونا شرط ہے

لے چل اے جوش جنوں دیوانگانِ عشق کو پ رہ نورد عرصہ ہاموں بھی ہونا شرط ہے

چرخ کہتا تو نے یہ اے گردش[2] گردوں مارا کہ ہمیں عشق میں کر خستہ و محزوں مارا

لعل لب وہ مسی آلودہ غضب تھے جس[3] سے ناگہاں لشکر عشاق پہ شبخوں مارا

منزل عشق تو تھی ضبط بہت دور دراز ہم نے اس پر بھی قدم حد سے کچھ افزوں مارا

اعجاز | معزز اور ممتاز، نواب اصغر علی خاں تخلص "اعجاز" خلف الرشید نواب نجابت علی خاں ابن نواب شجاع الدولہ بہادر، شاگرد[4] ناسخ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ اپنے کو [2] ن۔ پ گنبد [3] ن۔ پ نے

[4] ن۔ پ مشورہ سخن کا انھیں شیخ ناسخ سے پشتر یادگار

یوں ہوئے شب ہجر اگر شام سے تا صبح ‌ ‌ پ رویا کروں جوں شبنم تر شام سے تا صبح
دھڑکوں میں شب وصل کا کچھ چین نہ پایا ‌ ‌ پ پھرتی رہی آنکھوں میں سحر شام سے تا صبح

نہ تھا ربط چمن مجکو خزاں آئی جو گلشن پر ‌ ‌ صبا نے خاک اڑائی خوب سی میرے بھی مدفن پر
چراغ دل ہمارا بجھ گیا یوں داغ ہجراں سے ‌ ‌ کسی نے رکھ دیا سرپوش جیسے شمع روشن پر
چمن میں گل جو بن کر خاک سے شعلے نکلتے ہیں ‌ ‌ کبھی بجلی گری تھی کیا کسی دہقاں کے خرمن پر
نہیں ڈستی جو مجکو وصل کی شب کاکل پیچاں ‌ ‌ فسون عشق تو نے پڑھ دیا اعجاز ناگن پر

سروش | صاحب عقل و ہوش شیخ مراد علی تخلص "سروش" شاگرد شیخ ناسخ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

دنیا میں تجھ سا کب کوئی صاحب جمال ہے ‌ ‌ خورشید تیرے سامنے ہو کیا مجال ہے
کیوں روز ہجر کو نہ قیامت کا دن کہوں ‌ ‌ مجکو تو اک گھڑی تری فرقت میں سال ہے
ہر دم فراق یار میں ہے آرزوئے مرگ ‌ ‌ کب ہم کو اے سروش اُمید وصال ہے

بچ گئے اب کی اگر عشق کے آزار سے ہم ‌ ‌ دل لگا دیں گے نہ پھر ایسے ستمگار سے ہم
عشق میں آپ کو قمری سے برابر نہ کریں ‌ ‌ سرو کو دیدیں نہ تشبیہ قد یار سے ہم
تیر کیوں مارتا ہے تیغ سے کر قتل ہمیں ‌ ‌ عشق رکھتے ہیں فقط ابروے خمدار سے ہم
ٹھنڈی سانسیں بھریں ہر گھڑی کیونکر نہ لے والے ‌ ‌ سخت جلتے ہیں تری گرمی بازار سے ہم
ہم سے ٹوٹا نہ دل بلبل نالاں ہرگز ‌ ‌ ایک بھی پھول نہ لائے کبھی گلزار سے ہم
دل دیا جس کو سروش اپنا وہی دشمن ہے ‌ ‌ رکھیں اُمید وفا کیا کسی دلدار سے ہم

---

۵ ن۔پ یا ‌ ‌ ۶ ن۔پ من کلامہ

فصیح | خواجہ مکرم، شیخ الحرم، برگزیدۂ دارین[1]، حاجی حرمین، صاحب تہلیل و تسبیح
مرزا جعفر علی تخلص "فصیح" صاحب دیوان و مثنویات، مرثیہ گوے حضرت میں معروف،
شغل اول موقوف، مرثیہ میں صف آرائی اس کا ایجاد اور حسینی مضامین میں استاد
تلمیذ[2] اسے شیخ ناسخ سے، یہ (دو) اشعار (عاشقانہ) مشق اول سے یادگار

مصحف رو کی تلاوت کے میں قابل نہ ہوا — ہاتھ میرا کسی گردن میں حمائل نہ ہوا
یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال — بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا

مجھ میں اک عیب یہی ہے کہ وفادار ہوں میں — تم میں دو وصف ہیں بد خو بھی ہو مغرور بھی ہو

ملال | کم گو، اور (دلبیار) خوش مقال، محمد رضا خاں تخلص "ملال"۔ مرگ جوانانہ
سے اس کے سینۂ[3] احباب گنج صدر رنج و نکال، خوش نویسی میں بے نظیر، جعل میں
عدیم المثال، سبحان علی خاں اس باتمیز کو نہایت عزیز رکھتے تھے اس نقل[4] کا آپ ناقل
تھا کہ منشی علی نقی خاں نے ایک کتاب کتابت[5] کو دی اور واسطے صحت نویسی کے یہ شرط
ٹھہری[6] جو حرف غلط رقم ہوں (گے) اس کے ہم عدد فلوس اجرت میں کم ہوں (گے)۔
اس بندۂ خدا نے جو حرف آپ غلط لکھا منقول عنہ میں چھیل چھال کر وہی بنا دیا،
نقل کیا[7] اصل کو بھی خاک میں ملایا۔ جب منشی مذکور پر وہ راز برملا ہوا شکوہ اس
کا بیش از بیش کیا، باوجود اختیار کے درپے[8] آبرو نہ ہوا۔ قصہ مختصر مشورہ اس کو
شیخ ناسخ سے (تھا) یہ اشعار[9] یادگار

---

[1] ن۔ ب کونین [2] ن۔ ب شاگرد شیخ امام بخش ناسخ۔ [3] ن۔ پ اس کے احباب کا سینہ صدر رنج، جعل میں استاد بہت سے ہنر و فن اسے یاد [4] ن۔ پ یہ نقل اس کی تردستی پر دلیل
[5] ن۔ پ اس سے لکھوائی [6] ن۔ ب ٹھہرائی [7] ن۔ پ کے ساتھ
[8] ن۔ پ آبرو کے درپے نہ ہوا [9] ن۔ پ من کلامہ

کیا دوں نواز ہمت چرخ بخیل ہے　　محتاج طعمہ باز ہے آسودہ چیل ہے

اوڑھنی پٹھے کی اوڑھی اس نے وہاں بالائے سر　　سیکڑوں گرنے لگیں یاں بجلیاں بالائے سر

میں کیوں نہ مورد تحسین ہوں نکتہ چینوں میں　　کہ شعر کہتا ہوں اچھی بری زمینوں میں

مچھلی الماس کی گوغل بت بے پیر میں ہے　　عالم دام بلا زلف گرہ گیر میں ہے

کیا بیاں کیجیے تیر نگہِ یار کی ساخت　　چشم سوفار ہے کاجل کی مری تیر میں ہے

ثاقب | نورِ معنی کا کاسب، مرزا مہدی تخلص[1] "ثاقب" شاگرد ناسخ۔ یہ اس سے یادگار

نہ کیوں کر صاف ہوں بعد شہادت میں ستمگر سے　　غبار دل مرا قاتل نے دھویا آب خنجر سے

رہی جب تک کہ تیری سرد مہری اس رہا گریاں　　زمستاں کو بسر میں نے کیا پانی کی چادر سے

ہوا مجبوس میں جس دم جنوں نے پاؤں پھیلائے　　رواں کشتیِ وحشت ہو ئی بیڑی کے لنگر سے

نہیں ممکن ہرا ہو نقش الفت اشکباری سے　　بھلا سیراب کب گلشن ہوا ہے آب گوہر سے

قیامت قامت دلدار کے مضمون لکھتے ہیں　　نہیں کم آفتابی دائرہ خورشید محشر سے

نہیں چشم توقع عمدگان عہد سے ثاقب　　کسی نے پیاس اپنی کب بجھائی آب گوہر سے

کس کی نظر کو تیرے نظارے کی تاب ہے　　خورشید جس کو کہتے ہیں تیری نقاب ہے

اس گل کا چہرہ پھول ہے گویا گلاب کا　　خوشبو ہے اس قدر کہ پسینہ گلاب ہے

پھیلا کے پاؤں سوئیں گے چل کر لحد میں ہم　　بیداری اپنی بھی شب فرقت میں خواب ہے

---

[1] ن۔ پ تخلّص

موتی جو تھے کے لب پہ ترے جلوہ گر ہوئے — میں نے کہا کہ یہ لب کوثر حباب ہے

آزاد عالی نسب والاتراد، سید علی حسین تخلص "آزاد" مرگ جواں پسرے ناشاد، بیت نالہ مصرعہ فریاد، شاگرد رشید[1] شیخ ناسخ، یہ اس کا کلام راسخ۔

موسم گل میں ہو بلبل کو جنوں گر پیدا — نوک ہر خار کرے صورت نشتر پیدا
نہیں ممکن کہ فرومایہ کو حاصل ہو کمال — تیغ چوبی کبھی کرتی نہیں جوہر پیدا
اب تو ہر بوسے پہ کرنے لگے چشم بد دور — لب ترے چاشنی قند مکرر پیدا
کیوں نہ غیروں سے ملیں وہ کہ ہو اکرتے ہیں ربط — باز سے باز کبوتر سے کبوتر پیدا
ہم ہیں اس شوخ کے پامال خرام اے آزاد — جس کے ہر گام پہ ہو فتنۂ محشر پیدا

شب کو میں ایسا فراق یار میں بیتاب تھا — دل نہ تھا پہلو میں گویا پارۂ سیماب تھا
قلقل مینا سے کستی حلق بریدہ کی صدا — خانۂ ساقی بھی گویا خانہ قصاب تھا

سوزش شمع ہے سوز جگر پروانہ — جل گئے خاک ہوئے بال نہ پر پروانہ
سب پہ ہو جائے گا روشن ہنر پروانہ — ہو گیا شمع تلک گر گذرِ پروانہ
لاکھ صورت سے چھپے پردۂ فانوس میں شمع — اڑ کے جا پڑتی ہے اس پہ نظر پروانہ

ہوائے نشہ ہے ساقی ہوائے برشگالی میں — شراب لعل گوں بھر دے زمرد کی پیالی میں

مستعد مرنے پہ ہیں جینے سے دل بیزار ہے — اے اجل کس کو یہاں عمر ابد درکار ہے

---

[1] ن۔ پ شیخ امام بخش کے شاگرد رشید یہ اس سید بزرگوار کی گفت و شنید [2] ن۔ پ میں

خندہ زن باغ میں گر وہ گل رعنا ہوگا — غنچے کھل جائیں گے سب زور تماشا ہوگا
قصد میں نے جو کیا ہے اسے خط لکھنے کا — تیرہ بختی سے کبوتر مجھے عنقا ہوگا

عطر مٹی کا بھی جو ملتے نہ تھے پوشاک میں — ہم نے ان کے اثر ان دیکھے ہیں لُتے خاک میں
استخوانوں میں ہر اک سینہ کے دل پر آبلہ — خوشۂ انگور ہے یادار لسبت تاک میں
ایک موتی کی جو نتھ پہنے اسے دیکھا تو بس — آگیا ضبط دل بے صبر سے دم ناک میں
دانت مانجھے گر وہ چوب تلخ سے شیریں دہن — نیشکر کا خود بخود آئے مزہ مسواک میں

سحر سید ناصر علی) تخلص سحر" زمیندار رام نگر[1] محلات لکھنؤ، دوست باوفا، جگت آشنا تھا دل احباب اس کے مرگ سے خوناب شاگرد ناسخ۔ تاریخ اس کی[2] وفات کی تصنیف استاد

سید عالی نسب ناصر علی — پنجشنبہ[3] زیں جہاں رحلت نمود
گفت ہاتف سال تاریخ وفات — حیف روز اول ذیقعدہ بود
۱۲۷۹ھ

من کلامہ

پھر دلا عشق ہوا اُس بت ہرجائی کا — کوئی دیوانہ ہو قائل تری دانائی کا
دشت کی سیر تو کر اے دل وحشی چل کر — زور عالم ہے ہر اک آہوے صحرائی کا
جمع کرتا ہوں تصور میں ترے ہوش و حواس — دھیان تنہائی میں ہے انجمن آرائی کا
اب تو آئینہ سے ملتی نہیں فرصت یک دم — شہرہ ہے نام خدا اس کی خود آرائی کا

شوق دل کا جو راہبر ہوگا — ڈھونڈھ لیں گے اُسے جدھر ہوگا
آئے گا تو اگر عیادت کو — عین احسان سحر پر ہوگا

---

[1] ن۔ پ، مہذب الاخلاق، مغفور آفاق [2] ن۔ پ تاریخ اس کے وفات کی جو شیخ صاحب نے کہی ہے اس کی بیت آخر یہ ہے۔ [3] دیوان مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۶ء ع م سیر گلشن جنت لکھنؤ

سوائے مہر و محبت مرا شعار نہیں | بجان دوست کہ دشمن سے بھی غبار نہیں
وطن سے دور گڑے ایسے ہم یہاں اے مرگ | پہ کہ نقشِ پا بھی کسی کا سرِ مزار نہیں

طرز عالم سے جدا رکھتے ہو | زور انداز و ادا رکھتے ہو
پوچھتے ہیں وہ مرا دل لے کر | اور کچھ دل کے سوا رکھتے ہو
زور ہے یاد لگاوٹ تم کو | برسوں باتوں میں لگا رکھتے ہو

خوں سے رنگین ہیں اس ستم ایجاد کے ہاتھ | پہ نہ اٹھیں اس پہ الٰہی کبھی فریاد کے ہاتھ
قتل ہوں میں تو نکل جائے مرے دل کی ہوس | پہ چوم لوں ہر دہنِ زخم سے جلاد کے ہاتھ
بعد مردن بھی تمنائے ہم آغوشی ہے | پہ نکلے پڑتے ہیں کفن سے ترے ناشاد کے ہاتھ
خامۂ سحر سے ہے نہر مضامیں جاری | پہ چشمۂ سحر کرم ہیں مگر استاد کے ہاتھ

لطف شب وصال جو یاد آگیا مجھے | دل نے تمام رات نہ سونے دیا مجھے
یہ کوسنا خدا کی قسم ہے دعا مجھے | پھر آپ ایک بار کہیں کیا کہا مجھے
جس دم جواب طاقت پا نے دیا مجھے | بیگانہ وار چھوڑ گئے آشنا مجھے
دشت بلا میں چھوڑ گئے مجھ ضعیف کو | یاران رفتگان سے رہا یہ گلا مجھے
آوارہ پھرتے دشت پرائے کہاں کہاں | کنجِ قفس کمال غنیمت ہوا مجھے
مجھ خاکسار کا نہ ملا دشت میں نشاں | اک عمر گرد باد پھرا ڈھونڈتا مجھے
کیا آشیاں بناؤں کہ آتی ہے ہر سحر | گل کے شکست رنگ سے بانگ درا مجھے
کیوں کر نہ مشکلیں مری آساں رہیں مدام | اے سحر ہے وسیلۂ مشکل کشا مجھے

انس | خوش فکر، نازک ادا، متخلص "انس" نام محمد مرزا، غزالان معنی اس کے اسیر دام،

مشہور انام[1] شاگرد شیخ (امام بخش) ناسخ مغفور[2] یہ اشعار اسی کے نام پر مشہور

راحت ہو عجب طرح کی تا حشر بدن کو — خاک در جاناں سے جو لکھوائیں کفن کو
پُرزا ابھی ہیں شہر خموشاں سے نہ آیا — کیوں اہل وطن بھول گئے اہل وطن کو
ہے دشت سے ہم نالہ تراشوں کو محبت — گلزار مبارک رہے مرغان چمن کو
دل ریش نہیں ہوتے ہیں خوش بزم جہاں میں — کیا کام ہنسی سے دہن زخم بدن کو
شہرہ تری زلفوں کا ہوا جب سے جہاں میں — ہے بار گراں مشک غزالان ختن کو
ہے پیرہن جسم گراں روح رواں پر — کس طرح گوارا ہو قفس مرغ چمن کو
اے قبر نہ دے رنج کہ غمناک ہے طبیعت — ہم چھوڑ کے آئے ہیں ابھی اپنے وطن کو
غم کشتوں[3] کو جز رنج ہے کیا کام کسی سے — بلبل نہیں درکار گل زخم بدن کو
ہر شاہ و گدا رکھتا ہے انس اپنے مکاں سے — کیوں روح رواں چھوڑ گئی خانۂ تن کو

نہیں ہے دل جو ترے عشق سے خراب نہ ہو — وہ چشم کدر ہے جو ہجر سے پر آب نہ ہو
نکال لاتی ہے مدفن سے بیقراری دل — پ کسی کو ہجر میں ایسا بھی اضطراب نہ ہو
بغیر نقش فنا کچھ نظر نہیں آتا — ہماری چشم کہیں دیدۂ حباب نہ ہو
نصیب ہو نہ سکندر کی طرح سیر تری — ہمارے پاس جو ساقی لب شراب نہ ہو
نہ ہو جو عارض تاباں پہ اس کے نقطۂ خال — بیاض حسن سزاوار انتخاب نہ ہو

کیا اس سرا میں خضر کوئی جاوداں رہے — بے قدر ہے زیادہ اگر میہماں رہے
اگر چراغ گور صبا نے بجھا دیا — محروم سب طرح سے ہم اے آسماں رہے
ظالم کو سیر باغ جہاں کیا نصیب ہو — بے بال و پر بجا ہے جو زاغ کماں رہے

---

[1] ن۔ پ میاں خاص و عام [2] ن۔ پ اس سے یادگار [3] ن۔ پ غمگینوں

بجلی کو ہم سے آگ تھی گلشن جلا دیا | تا ایک خار بھی نہ پئے آشیاں رہے
شاید رہا ہوں آمدِ فصلِ بہار میں | زندہ ہم اس اُمید پہ اے باغباں رہے
اس باغ میں نہ بات کی فرصت ملی ہمیں | غنچہ کی طرح گرچہ سراپا زباں رہے
آیا جو سیر کے لیے پامال کر گیا | ہم اس چمن میں صورت برگِ خزاں رہے
بلبل یہ روئی فرقتِ گل سے بہار میں | زیرِ قفس گلاب کے دریا رواں رہے

عشق[۵۲] موجد سخن بر تر بما، تازہ مشق سید حسین مرزا تخلص "عشق" خلف محمد مرزا انس، شاگرد اپنے والد ماجد کے اور شادی اُن کی دختر بلند اختر میر مظفر حسین ضمیر سے ہوئی ہے۔ دونوں طرف سے شاعر صاحب غزل و خمسہ و مسدس اور مرثیہ و سلام بھی خوب فرماتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ ایک روز کا تذکرہ ہے کہ عشرہ محرم میں راقم تذکرہ ہذا امام باڑے جناب لاڈو جانی صاحب واقع نخاس لکھنؤ مجلس میں گیا تھا اور یہ صاحبزادہ تازہ شباب میں آغاز تشریف لائے اور منبر پہ جا کے مرثیہ حال جناب علی اکبر علیہ السلام کا از اوّل تا آخر رزم بزم میں خوب پڑھا اور آخر مرثیہ مذکورہ میں تخلص اپنا عشق کہ باندھا تھا پڑھا میں نے کہا سبحان اللہ اس صاحبزادے نے تو مشق نویں تو یہ مرثیہ خوب کہا اور پڑھا اب ہی سے تو اس کا یہ حال ہے آئندہ اگر نظر بد سے محفوظ رہا تو خوب کہے گا اور نام پیدا کرے گا ؎

ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا

میرے جواب میں ایک صاحب کہ شاگردان میر انیس صاحب سے ہیں از راہ نفسانیت بولے کیوں نہ ہو یہ صاحب زادہ کس کا ہے اور خویش کس شاعر بزرگ کا ہے بقول مصرعہ شاعر

---

۵۱ ن۔ پ دہان   ۵۲ ان کا ذکر ن ل میں ہے اور ن۔ پ کے حاشیہ پر درج ہے۔ شمیم

نخل کس باغ کا ہے اور ثمر کس کا ہے

اور علاوہ اس کے چند مرثیے تو میر ضمیر نے ان کے جہیز میں بھی ساتھ کئے ہیں کیا عجب ہے کہ یہ مرثیہ جہیز ہو اور انھوں نے اپنا تخلص عشق ملا کے یہ مرثیہ جہیز شدہ پڑھا ہو۔ میں چپ ہو رہا اور اُن کے سخن کا جواب نہ دیا بعد اس کے مجلس برخاست ہوئی اور بندہ اپنے گھر آیا یہ چند اشعار میاں عشق صاحب سے یادگار لکھے جاتے ہیں۔ غزل میاں عشق صاحب

اُس حور کے گھر سے کہیں جایا نہیں جاتا — جنت سے قدم آگے بڑھایا نہیں جاتا
کیوں سوئے لحد نامہ سے آیا نہیں جاتا — عیسٰی ہمیں مارا ہے جلایا نہیں جاتا (کذا)
چپ بیٹھے ہو کس بلبل شیدا کا ہے ماتم — پھولوں میں لباس آج بسایا نہیں جاتا
اغیار میں بیٹھے ہوئے دیکھے تمھیں کیونکر — صدمہ دل نازک سے اٹھایا نہیں جاتا
کہتے ہیں مرے پارۂ دل ہاتھ میں لے کر — وہ آئینہ توڑا کہ بنایا نہیں جاتا
خط پھینک دیا یار نے پڑھتے ہی مرا نام — تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا
وہ رشک مسیحا جو نہ آیا تو نہ آیا — اے پیک اجل تجھ سے بھی آیا نہیں جاتا
کثرت سے ہیں معشوق مگر ملک عدم میں — لوگوں سے وہاں جا کے جو آیا نہیں جاتا
گر ضعف یہی ہے تو میں لاغر نہ مروں گا — اب سوئے عدم روح سے جایا نہیں جاتا
آتے نہیں وہ جب سے خفا ہو کے گئے ہیں — جو کام بگڑتا ہے بنایا نہیں جاتا
لاکھوں کے گلے نامِ خدا کاٹ چکے ہو — منت کا ابھی طوق بڑھایا نہیں جاتا
سر کا مرے لاشہ سے یہ کہہ کر (کذا) — سویا ہے ابھی عشق جگایا نہیں جاتا

قدس[1] نام محمد رضا، عرف چھبن صاحب تخلص "قدس" برادر محمد مرزا، انتقال اس مرحوم کا افسانۂ عجیب اور سانحہ غریب ہے کہ ساز و برگ کد خدائی

---

[1] ن. پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

شادی مرگ ہوا اور ماجھے کا جوڑا تختہ تابوت پر اترا۔ یہ چند شعر کہ اس یادگار شیخ سے بقا ہیں لکھے جاتے ہیں۔

دل حلقہ ہائے زلف پریشاں میں رہ گیا
یوسف اسیر خانۂ زنداں میں رہ گیا

مرکر بھی داغ غم دل سوزاں میں رہ گیا
روشن چراغ خانۂ ویراں میں رہ گیا

ہر سال یاں بہار خزاں سے بدل ہوئی
گلچیں کو داغ اپنے گلستاں میں رہ گیا

کیوں کر چھٹیں گے بار تعلق سے ہم ضعیف
سو بار الجھ کے ہاتھ گریباں میں رہ گیا

لالہ کو دیکھ کر یہی ثابت ہوا ہمیں
مجنوں کا داغ دشت کے داماں میں رہ گیا

مارا ہے مجکو لالہ عذاروں کے عشق نے
کیا کیا نہ داغ اس دل سوزاں میں رہ گیا

وحشی کا حال اپنے نہ پوچھو بری رخو
کانٹا سا بن کے دشت کے داماں میں رہ گیا

جوش جنوں نے زار کیا مجکو اس قدر
گویا کہ ایک تار گریباں میں رہ گیا

اکثر عزیز و یار عدم کو گئے ہیں قدس
تو کیا سمجھ کے عالم امکاں میں رہ گیا

آباد | صنعت تضمین میں استاد، مہدی حسن[1] خاں تخلص "آباد" تمند بینش ناسخ کو پنج مل مٹھائی بناتا ہے اور واہ واہ کے مزے اٹھاتا ہے۔ جن روز دن میں یہ تذکرہ تالیف ہوتا تھا اسمعیل گنج میں دھلوائی کی دکان کے اوپر مجھ سے (اور) ان سے ملاقات ہوئی، پوچھنے لگے مجھے کیا لکھا ہے میں نے کہا شاعر خوش فکر شاگرد ناسخ۔ بد مزہ ہو کر کہا کہ اپنا ہی شاگرد لکھا ہوتا، مجھے اس کے کہنے سے تعجب ہوا پوچھا[2] کہ سبب انکار ناسخ کی شاگردی کا سے بیان فرمایئے بے تامل کہا کہ اب ان سے ہم اچھے ہیں اور اگر کچھ دخل و تصرف اپنے کلام میں سا ہے تو مرزا محسن[3] کا ہے۔ کیا تماشا ہے کہ شیخ کا ہر شاگرد آپ کو اس سے بہتر جانتا ہے یہ فقط ناحق شناسی ہے

---

[1] ن۔ پ حسین
[2] ن۔ پ آخر استفسار کیا
[3] ن۔ پ افسوس

شیخ[1] ہو نا تو کہاں پر شیخ چلی ہو تو ہو

یہ چند شعر کہ اس سے یادگار ہیں لکھے جاتے ہیں

دم فکر سخن گر دعف دنداں جلوہ افگن ہو
عجب کیا ہے زمین شعر میں[2] ہیرے کی معدن ہو

نئی صورت سے وصف روئے تاباں جلوہ افگن ہو
ورق چمکے یہ روئے شاہد مضموں پہ جو بن ہو

نظر میں گر خیال روئے جاناں[3] جلوہ افگن ہو
ہمارے سامنے ہر وقت گویا چاند روشن ہو

اگر تم گرم کر دیکھو تو اس کا حال روشن ہو
پ ہماری خاک آگے ہو تمھارا پیچھے توسن ہو

دلا شوق وصال یار میں جامہ سے ہو باہر
حیا کا دور پردہ ہو یہ ابر چاک دامن ہو

مکانوں میں کنول کی زیب سے غافل یہ بہتر ہے
اندھیری گور اگر نور عمل سے تیری روشن ہو

بڑھا ہے سلسلہ ایسا ہمارے جوش وحشت کا
گریبان سحر سے چاہیئے پیوند دامن ہو

شگفتہ نقش پا ہوں صورت گل اے گل خوبی
تمھاری چال سے روئے زمیں پہ تازہ گلشن ہو

خیال یار کے مضموں قلم سے آئیں گر باہر
ورق اڑ اڑ کے روئے شاہد مضموں پہ دامن ہو

نہ دیکھے غیر روئے رشک گل کو اس قدر دیکھوں
رہے چکر دبس اس سے نظر دیوار گلشن ہو

جلا دیتا ہے دل کو اور رونا جوش وحشت[4] کا
ہمارے اشک یوں ہیں جس طرح آتش پہ روغن ہو

پس از مردن لحد کی روشنی ہے زینت ظاہر
چراغوں سے اندھیری گور کب مرنے کی روشن ہو

کہاں تک بچا ہیے اس کو بچا سیل حوادث سے
کبھی بربادئے آباد اپنا خانۂ تن ہو

صحبت | شاعر خوش طبیعت، بخشش علی خاں تخلص "صحبت" ولد نوروز علی خاں، برادر حیدر بیگ خاں آشنا کے، ثابت حاضر و غایب یکساں، خوش نویسی میں حدّاد زماں شاگرد شیخ ناسخ، یہ اس کا بیاں[5]

---

[1] شیخ ہوتا ہے کہاں پر شیخ چلی تو نہیں [2] ن۔پ میں [3] ن۔پ تاباں
[4] ن۔پ رقت [5] ن۔پ اشعار اس سے یادگار

کافی بہار اپنے گل داغ تن کی ہے | یاں باغ کی ہوا ہے نہ خواہش چمن کی ہے
خوشبو برنگ گل جو تمھارے بدن کی ہے | گل کی کلی ہر ایک کلی پیرہن کی ہے
مر جاؤں تو علاج ہو داغ فراق کا | کافور میرے حق میں سفیدی کفن کی ہے
گر چوڑیاں بھی ہاتھ میں پہنیں تو بانک کی | یہ بھی نشانی ایک ترے بانکپن کی ہے
بازار عاشقی میں چلن داغ نو کا ہے | اُس اشرفی کی قدر سوا ہے جو گھن کی ہے
تار شعاع لے کے جو آتا ہے آفتاب | جھولے کے واسطے کسے حاجت رسن کی ہے
عفو گناہ پہ تجکو شش و پنج ہے عبث | محبت ترے تو دل میں ولا پنجتن کی ہے

اُن آنکھوں کی الفت کے مارے ہوئے ہیں | چکارے جہاں ہیچ کارے ہوئے ہیں
چڑھانا مری قبر پر پھول انھیں کے | جو ہار اُن کے باسی اُتارے ہوئے ہیں
بڑی مدتوں میں بڑی مشکلوں میں | ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں
جو چوسر بھی کھیلیں تو ہرگز نہ جیتیں پ ہم ایسے دلوں ان سے ہارے ہوئے ہیں

دام میں صید لیے جب کوئی صیاد آیا | اپنا پھنسنا ہمیں ان گیسوؤں میں یاد آیا
یار کا ابروئے پرخم جو ہمیں[1] یاد آیا | سمجھا تلوار لیے قتل کو جلاد آیا
موت کی بھی مجھے ہچکی نہ کسی دن آئی | وہ تو بھولا تھا قضا کو بھی نہیں یاد آیا
شہرہ پہنچا جو تری داد رسی کا ہر جا | رحم بھی کھولے ہوئے منہ پے فریاد آیا
ہر بگولہ مری تعظیم کو کہتا اٹھا | دن پھرے دشت کے لو قیس کا استاد آیا

مُحتسب سے مجھے کیا خوف کہ مے نوش نہیں | نشۂ بادۂ الفت سے ذرا ہوش نہیں

---

[1] ن۔ پ تجھے

میں مرگیا ہوں اک بت اشیریں کلام پر | دلوانا فاتحہ مرا شربت کے جام پر
ناقص پہ دور چرخ میں آتی نہیں بلا | آفت گہن کی ہوتی ہے ماہ تمام پر

اُس کا نظارہ جو منظور سر مو ہو جائے | سرمۂ چشم سواد شب گیسو ہو جائے
قرص خورشید سے ہم پلہ ہو گر حسن ترا | ہے یقیں مجھکو کہ پاسنگ ترازو ہو جائے
گر عقیق شجری ہاتھ میں لے وہ باشرم | پتھر اس کا بھی یقیں ہے کہ لجالو ہو جائے

رقیبوں سے پڑھوائے نامہ ہمارا | تمھارا گنہ کیا یہ لکھا ہمارا
سبک یار کے آگے گو ہیں رقیبو | مگر تم پہ بھاری ہے مُردہ ہمارا
اطاعت تری اے صنم ہے عبادت | ترے پاؤں پڑتا ہے سجدا ہمارا

کیا کہوں یار کی الطاف و عنایات کی بات | بعد برسوں کے ہے جو آئی تو یک بات کی بات
عشق زلف و رخ جاناں میں ہوا یہ نسیاں | یاد رہتی ہی نہیں دن کو مجھے رات کی بات

لگی ہوئی تھی مری ایک گلعذار میں روح | برنگ غنچہ شگفتہ ہوئی بہار میں روح
غضب سے کرتا ہے بے جان لطف سے جاں دار | پ مگر ہے عاشقوں کی تیرے اختیار میں روح
ہمارا دیدۂ مدفن بھی دار ہے گا مدام | خدانخواستہ نکلی اگر بہار میں روح

ہشیار | بے علم اور خوش گفتار موزون الطبع میر[1] امجد علی تخلص ہشیار ولد سید غلام حسن داماد میر محمد حسین تجلی خاندان میر (محمد) تقی۔ (بقول میاں مصحفی) شاگرد شیخ ناسخ یہ (اشعار) اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ سید

کس نے غرفہ سے دکھایا رُخ پُر نور ہمیں | جو نظر آئی شبِ مہ شبِ دیجور ہمیں

دراز دستِ ستم جس کا اک جہاں پر ہے | دل اپنا ان دنوں مایل اسی جواں پر ہے
دھمک سے جس کے لرزتے ہیں آسمان زمیں | وہ کوہ عشق گراں مجھ سے ناتواں پر ہے
غمِ فراق سے جس کے ہوں جاں بلب ہشیار | مزاج اُس کا مرے اب تک امتحاں پر ہے

عشق میں تیرے ہوئی یاں تک تو رسوائی مجھے | اپنے بیگانے سبھی کہتے ہیں سودائی مجھے
اک نگہ کے ساتھ میرے اڑ گئے ہوش و حواس | کس نے غرفہ سے یہ اپنی شکل دکھلائی مجھے
تو جو کہتا ہے مجھے ہشیار مت مل یار سے | یہ نصیحت کب تری ناصح پسند آئی مجھے

قلق ہے دل پہ مرے یاں تلک کہ اک پل میں | (دیا)
ہزار لختِ جگر چشمِ خوں فشاں برسا ہیں

گویا | بلبلِ داستاں، طوطیٔ بیاں، پیرِ (باتدبیر) مردِ رسا، حسام الدولہ فقیر محمد خاں بہادر تخلص "گویا"۔ انجام اس کا آغاز سے بہتر۔ جیب دولتمند تھا اب شیعۂ امیر المومنین حیدر، مدتوں اس کی سرکار میں یہ چند سخنور مثل خواجہ وزیر و مرزا فرخ و منور خاں غافل نوکر رہے منورہ شر اس کا اس وحید روزگار کو شیخ امام بخش ناسخ سے۔ یہ اشعار (اس سے) یادگار

تصور تھا جو وقتِ مرگ یک لیلیٰ شمایل کا | مرے تابوت پر دھوکا ہوا مجنوں کو محمل کا
تعلق ہووے دامن گیر سالک کا یہ ممکن ہے | نہیں آب رواں کو خوف موجوں کی سلاسل کا
نہیں ہے علم جانبازی میں کچھ حاجت معلم کی | تڑپنا آپ ہی استاد ہے تعلیم بسمل کا

لہ ان پ خوشتر

سویدا ہے سوادِ منزلِ مقصود زاہد کو ۔۔۔ نہ پہنچا کعبہ کو جو نابلد ہے وادیِ دل کا
یہ زنداں [1] ہے تن اپنا روحِ صافی کیوں نہ گھبرائے ۔۔۔ ملک کو کس طرح خوش آئے مسکن چاہِ بابل کا
نہ دیکھوں سوئے دریا تشنگی میں بے دماغی سے ۔۔۔ اگر میں غرق ہوں دامن کبھی پکڑوں نہ ساحل کا
ملے ہیں روح کو شہپر برائے عرش پروازی ۔۔۔ پ نہ ہو پابند لے گویا تو جس میں پائے در گل کا

اگر نامہ میں لکھوں حال کچھ بیتابیِ دل کا ۔۔۔ پ ابھی عالم ہو مرغِ نامہ بر میں مرغِ بسمل کا
تماشا شیشہ بازی کا دکھایا اس پری رو کو ۔۔۔ پ کہا یوں حال قاصد نے مری بیتابیِ دل کا
شبِ فرقت کا گزرہ حال پوچھے گر تو کہیو اے قاصد ۔۔۔ بہت رویا بہت تڑپا بہت پیٹا بہت بلکا

اے پری پیکر میں دیوانہ ہوں تیری چال کا ۔۔۔ طوق ہے میرے گلے میں حلقۂ خلخال کا
وصف اس موئے کمر کا خط میں ہم لکھ دیں اگر ۔۔۔ دائرہ ہر اک کبوتر کو ہو پھندا جال کا
ہے یقیں آنکھیں مری اب اڑ کے دیکھیں گی تجھے ۔۔۔ حسرتِ دیدار میں ہوگا مرض پر بال کا
بھیج کر خط انتظار ایسا کبوتر کا کیا ۔۔۔ ہوگیا آنکھوں میں آخر عارضہ پربال کا

یہ اشارہ کر رہا ہے ہم کو حلقہ دام کا ۔۔۔ ہے کفِ صیاد میں دانہ تمہارے نام کا
مجھ میں اور اس میں [2] ہے اب ایسا ہجومِ اختلاط ۔۔۔ دخل ہو سکتا نہیں ہے بیچ میں پیغام کا
تھی یہ الفت چشمِ جاناں سے مجھے طفلی میں بھی ۔۔۔ پ شیر کے بدلے پیا شیرا سدا بادام کا
واہ ری قسمت کی خوبی آگیا پیغامِ موت ۔۔۔ پ پر جواب آیا نہ زاں سے اب تلک پیغام کا
اپنے پہلو میں جگہ دے کون غیر از سوزِ غم ۔۔۔ آہ میں اشک چکیدہ ہوں کباب خام کا

واہ رے تلوؤں کی رنگت نقشِ پا گلگوں ہوا ۔۔۔ ہائے رے قدِ سرو جس کے سایہ سے موزوں ہوا

---

[1] ن ۔ پ تن ہے ۔۔۔ [2] ن ۔ پ اب ایسا ہے

مصرعۂ ابروئے مگر رکھ دیا استاد نے — اس سے بہتر دوسرا مصرع نہ جب موزوں ہوا

تھا جو افتادگی شعار اپنا — نہ زمیں سے اٹھا غبار اپنا
ناز نے دی نہ رخصت آگے کی — دو قدم جب رہا مزار اپنا

ہے کف پا میں حنا کا گل عیاں بالائے سر — شعلہ اس کے زیر پا ہے اور دھواں بالائے سر
قصر تیرے ناتواں کا ہے مثال گرد باد — باد کا جھونکا اٹھا لے گا سکاں بالائے سر
دیکھ لے دنیا میں کم ہیں دست اور دشمن بہت — پ سات زیر پا زمیں تو آسماں بالائے سر
آسماں آئی دوپٹہ تارے افشاں چاند منہ — مانگ اس کی ہے برنگ کہکشاں بالائے سر
آہ بے تاثیر میں گر کچھ اثر پیدا کروں — گھر میں بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں گھر پیدا کروں
تے پہنا کر بٹھاؤں موتیوں کا ہار میں — نخل قد یار میں برگ و ثمر پیدا کروں
ہو وے شبنم کی طرح پرواز میری تا فلک — پ پرتو خورشید سے گر بال و پر پیدا کروں
خط اگر لکھوں کبھی میں اپنے رشک ماہ کو — بیضۂ گردوں سے مرغ نامہ بر پیدا کروں

نیم بسمل کیا ادا ہے یہ — عاشقو لوٹنے کی جا ہے یہ

ہوں مثل نے نہ دو مجھے نسبت سپند سے — نالے نکل رہے ہیں مرے بند بند سے
تو دیکھتا ہے آئینہ اور تیرے منہ کو میں — بہتر مری پسند ہے تیری پسند سے

سرو مینا ہے نوائے فاختہ مستانہ ہے — پ دست ساقی شاخ ہے ہر ایک گل پیمانہ ہے
زلف تھی اک ناگ اس نے لاکھ افعی کر دیے — دشمن جانی مرا سو رد سے تیرا شانہ ہے

جو حسیں ہے اپنی آرائش اُسے منظور ہے ✤ باغ میں کنگھی ہے یاں زلفوں میں اس کی شانۂ
آج افسانے سنا کرتا ہے بہرِ خواب ناز ✤ دیکھ لینا بے خبر کل تو بھی اک افسانہ ہے
درد و غم اندوہ کس کس کا گذر ہوتا نہیں ✤ یاالٰہی دل مرا ہے یا مسافر خانہ ہے
قیس و کوہ یا وامق و فرہاد پر موقوف کیا ✤ جو ترے کوچہ میں آیا اے پری دیوانہ ہے

اوڑ آنکھوں میں کوئی دم ٹھہرو ✤ پتلیوں کا یہاں تماشا ہے

فراق، منشی اور رشاق، خواجہ بہادر حسین تخلص "فراق"، پسر خواجہ مرزا خاں املکے، شاگرد شیخ ناسخ۔ من کلامہ

روشن ہے جو شمع رخ جانانہ چمن میں ✤ سب مرغ چمن بن گئے پروانہ چمن میں
مت آپ سے اے حضرت دل پھنسیے قفس میں ✤ صیاد سے مت کیجئے یارانہ چمن میں
سب مرغ چمن سمجھے گرے ہی باغ میں بجلی ✤ چمکا جو نہی عکس رخ جانانہ چمن میں
اے دوست ترے کوچہ میں اس طرح پڑا ہوں ✤ جس طرح سے ہو سبزۂ بیگانہ چمن میں
اس شمع تجلی کا نظر آیا جو مکھڑا ✤ ہر ایک گل تر ہوا پروانہ چمن میں
فرقت میں ہر اک گل ہے مجھے خار فراق آہ ✤ لگتا نہیں ہر گز دل دیوانہ چمن میں

اے صبا آتی ہے تجھ میں بوئے دوست ✤ چھو گئے شاید کہیں گیسوئے دوست
آپ سے جاتا نہیں لاچار ہوں ✤ دل لیے جاتا ہے کھینچے سوئے دوست
زاہدا جنت مبارک ہو تجھے ✤ ہے مجھے جنت سے بہتر کوئے دوست
لن ترانی بھی یہ اس کا ناز ہے ✤ ایک دن دیکھیں گے آخر روئے دوست
دوستو محراب مسجد میں ہو قبر ✤ ہوں شہید خنجر ابروئے دوست
مرغ دل اپنا بھی ہے اک فاختہ ✤ سرو ہے گر قامت دلجوئے دوست

---

[1] ن۔پ، املکے

کام کیا زنجیر سے مجکو فراق ہوں اسیر حلقۂ گیسوئے دوست

مجھے عشق نے بخشا ہے حسن صفا مجھے یار کے حسن وصفا کی قسم
مجھے جور وجفا سے بجائے وفا مجھے اہل وفا کی وفا کی قسم
کیا ضبط یہ میں نے نہ نالہ کیا نہ کبھی مجھے جوشش خوں ہی ہوا
مرا راز نہاں نہ کسی پہ کھلا مجھے یار کی شرم وحیا کی قسم
ہوئی نشہ میں گو مجھے لغزش پا و لے بے خبری میں یہ ہوش رہا
جو گرا ابھی تو پاؤں پہ اُس کے گرا مجھے ساقیٔ ہوش ربا کی قسم

چمن میں گر کبھی نظارہ شمشاد کرتے ہیں تو کس حسرت سے تیرا قد موزوں یاد کرتے ہیں
چمن میں ہم جو بیتابی سے تم کو یاد کرتے ہیں گل و بلبل بھی سن کر نالہ و فریاد کرتے ہیں
لبوں تک آئی ہے جان حزیں قاصد کو بھیجا ہے اسی کے منتظر ہیں دیکھیں کیا ارشاد کرتے ہیں

صبر | سید خوش نسب، میر اسد، مقبول درگاہ صمد تخلص "صبر" قریب ترین نواب معتمد الدولہ بہادر شاگرد (شیخ) ناسخ، لطافت[1] ابر کلام میں اس کے

بن گیا آتشکدہ داغوں سے یاں بالائے سر اب سمندر باندھتے ہیں آشیاں بالائے سر
آفتیں ہی آفتیں آئیں یہاں بالائے سر یار نے باندھا اگر جوڑا وہاں بالائے سر
یاد آئی گر ہنسی اُس بحر خوبی کی مجھے اس قدر رویا ہوا دریا رواں بالائے سر
میرے سر پہ ہیں شگفتہ مثل گل داغ جنوں کیا عجب گر ہو ہجوم بلبلاں بالائے سر

---

[1] ن - پ اپنی ہے   [2] ن پ من کلامہ

فرقت دلدار میں ہم سے اٹھا جاتا نہیں بارِ غم ہے یا کہ ہے کوہِ گراں بالائے سر
گریہی ہے جوش میری چشم دریابار کا پر گر پڑے گا ایک دن یہ آسماں بالائے سر
آج گر لاؤ تم جتنی چاہو سرکشی پاؤں رکھ کر کل چلے گا کل جہاں بالائے سر
ہے یقیں اے صبر پہنچے صدمۂ کوہ گراں رکھ لوں برگِ کاہ گر میں ناتواں بالائے سر

نوجوانی میں ترکِ یار کیا جبر اے صبر اختیار کیا

شائق | لالہ فتح چند، تخلص "شائق"، قوم کا کھتری، بہ مذہب ہنود کے ائمہ اطہار سے عقیدت صادق رکھتا ہے۔ کلام مراثی نظام اس کا دلیل خوش اعتقادی کی، اور یہ ایک شادی کی ہے۔ محب بے ریا، دوست باوفا مولف کا ہے۔ ابتدا میں تلمذ طالب علی خاں عیشی سے رکھتا تھا۔ آخر شاگرد شیخ ناسخ کا ہوا۔ یہ اس سے یادگار۔

جس کے نظارے کی ہے مجکو تمنا نہ کھلا تا بہ آل کا دیدار خدایا نہ کھلا
زلف و رخ دونوں ہیں کیوں ہمدم مرا دل کیونکر شک میں ڈالا ہے مجھے اس نے دوراہا کھلا

مرغ دل پنجۂ صیاد کو گلشن سمجھا شاخِ انگشت کو وہ شاخِ نشیمن سمجھا

مجھے بوسہ جو دیتے نامور میں ہر کہیں ہوتا تمھارا یہ لب لعلیں مرا نقش نگیں ہوتا

حوصلہ بڑھ گیا اس سے ستم ایجادوں کا خون شیریں یہ ہوا سیکڑوں فرہادوں کا

لہ ن - پ اک کہ ن - پ من کلامہ

عشق مژگاں نے کیا یوں دلِ روشن بیتاب — جیسے شعلہ کو کرے جنبشِ دامن بیتاب
شکوہ کہ ظرفِ میکدہ میں بدمزہ شراب — خمِ غدیر کی مجھے ساقی پلا شراب
رکھتی نہیں حد اس کسی کے بجا شراب — نام خدا ہے شاہدِ رنگیں ادا شراب

بہار میں نہ مرے بال و پر کتر صیاد — رہے گی حسرتِ پرواز سال بھر صیاد

پردہ رہ جائے جو ہو روح بدن سے باہر — زندگانی میں نہ ہوں پاؤں چمن سے باہر

دولت خدا نے دی ہے مگر حوصلہ نہیں — پستاں بڑھے تو کیا جو دل ان کا بڑھا نہیں

کیوں دلا خاطرِ صیاد کروں یا نہ کروں — حوصلہ تنگ ہے فریاد کروں یا نہ کروں
حالتِ نزع کو پہنچا ہوں میں جس کی دولت — ہچکی آئے تو اسے یاد کروں یا نہ کروں
منہ لگایا نہ مجھے غیر کو دمساز کیا — مثلِ نَے نالہ و فریاد کروں یا نہ کروں
مینھ برستا ہے مرا جام ہے مے سے خالی — رعد کی طرح سے فریاد کروں یا نہ کروں
میری جانب وہ نہیں دیکھتے اے پاسِ ادب — حکم کیا ہے مجھے فریاد کروں یا نہ کروں
مجھ سے دیوانے کو زنجیر سے کیا مطلب تھا — پ اے جنوں شکوۂ حداد کروں یا نہ کروں
میرے صیاد کو اس فکر میں گذری یہ فصل — پ میں قفس سے اُسے آزاد کروں یا نہ کروں

قہقہے اُڑتے ہیں ہر سمت جو میخانے میں — زعفرانی ہے مگر مے کسی پیمانے میں

لہ ن۔ پ گلگشت

روئے افشانی دکھاتا ہے وہ دلبر کس دن　　دیکھئے اپنا چمکتا ہے مقدر کس دن

طالع چمک رہے ہیں دلِ داغدار کے　　افشاں کی طرح رہتا ہے زلفوں میں یار کے

تمام رات نہ پوچھا ہمیں کدھر سوئے　　وہ کھیل کھیل کے اپنے پلنگ پر سوئے

ماہِ عارض پہ ترے خط ہے گہن کے بدلے　　بے وفا ہیں یہ مرے رنج و محن کے بدلے

کیا یہ ناتواں مجکو بلائے ہجر جاناں نے　　کہ قابو پا کے پھانسی دی مجھے میرے گریباں نے

آہ آتشناک کے دل پر ستم دیکھا کیے　　گھر جلا آنکھوں کے آگے اور ہم دیکھا کیے

نیل بوسے کا جو اے رشکِ قمر باقی ہے　　تھی کبھی ہم سے بھی صحبت وہ[۱] اثر باقی ہے

ناکام کی پوری کہیں منت نہیں ہوتی　　درگاہ میں بھی ان کی زیارت نہیں ہوتی

ٹھہرنا ہے غم و اندوہ کو دشوار پہلو میں　　وہ کیا پہلو میں بیٹھے ہے دلِ بیمار پہلو میں
ہمارے پر کبھی اے عقدہ دھرتے بالش پر ہیں　　کہ تکیہ بیشتر رکھتا ہے وہ دلدار پہلو میں
تصور بیشتر ہے اس سہی قامت کے ابرو کا　　علم آیا مجھے درکار ہے تلوار پہلو میں
اٹھا لے تو برابر سے جو اپنے بالشِ پر کو　　نکل آئے مرے سونے کی جا اے یار پہلو میں

۱؎ ن۔ پ۔ یہ

الٰہی قبر شایق ہو منور ان کے قدموں سے　　علی ہو زیر رو بر و اور احمد مختار پہلو میں

ہاتوں میں یہاں ہی نہیں مرے نشتر لگے ہوئے　　تلووں میں خار بھی ہیں برابر لگے ہوئے
رہتا ہے نیک بخت کا بعد از فنا بھی فیض　　کس تاج میں ہما کے نہیں پر لگے ہوئے
یاں آ کے کوئی قیس کوئی کوہ کن ہوا　　واں سب کے پاس پاس تھے نشتر لگے ہوئے
سوتے بھی ہو تو دیتے ہو اس کا جواب تم　　کیا ہی رقیب کی ہو عدا پر لگے ہوئے
کیا دار نسبت تاک ہے سقف فلک سے کم　　اس میں بھی خوشہ خوشہ ہیں اختر لگے ہوئے
شایق ہوس نے ہم سے ہے کہلائی یہ غزل　　بندے میں اس کے سمجھو نہ گوہر لگے ہوئے

ہر کا اسباب ساماں تیرے قابل چاہیئے　　محمل دل تجھ کو اے شیریں شمائل چاہیئے
گھرتے پھر میرا اللہ ہے کو ٹھے کو ٹھے آیئے　　غزلوں بندہ نہیں جو تم کو محمل چاہیئے

ساقی پلا شراب کہ دن ہیں امنگ کے　　آئی بہار پھول کھلے رنگ رنگ کے

خلاف دوسرے تھے چاک قفس سے کیا دیکھا　　رہے چمن میں مگر ہم چمن سے دور رہے

شایق کامشفق اخلاق و دقائق، ریختہ پر تاریخ گوئی اس کی فائق، سید خوش نسب، میر محمد تخلص، "شایق" شاگرد شیخ امام بخش ناسخ۔ ایک غزل اور دو تین تاریخ اس بزرگوار سے یادگار

دہن غنچہ ہے بلبل کی طرح ہر ایک مفتوں ہے　　نہال گلستان حسن تیرا قد موزوں ہے
کسی کو چشم سے الفت کسی کو خال سے رغبت　　کسی کو شوق ہے مے کا کسی کو ذوق افیوں ہے
تنزل ایک دن ہوگا غرور اتنا نہ لازم ہے　　ترقی پر تمھارا اگرچہ حسن روز افزوں ہے

ارادہ کیا ہے تم نے سرخ جو موباف ڈالی ہی[1] — ہمارے کشورِ دل پر مگر آہنگ شبخوں ہے
مصور کھینچ سکتا ہے نہ شاعر باندھ سکتا ہے — ترے توڑے میاں کا کس قدر باریک مضموں ہے
وہ لیلیٰ کی محبت سے نہیں آزاد ہو سکتا — جو حلقہ زلف کا ہے حلقۂ زنجیر مجنوں سا ہے
تصور بس کہ رہتا ہے اسے ابروے لیلیٰ کا — پے خمیدہ قامتِ مجنوں بسانِ بیدِ مجنوں سا ہے
تہی دستانِ قسمت کو بجز حسرت نہیں حاصل — فلک پہ گنجِ انجم ہے زمیں پر[2] گنجِ قاروں سا ہے
تری صورت نہیں ہے اے پری تسخیرِ عالم ہے — تری ہر بات ہے نہ سحر ہے جادو ہے افسوں ہے
ہماری کس طرح سے زندگی ہو دیکھیں اے ساقی — یہاں ہے ضبط مشکل واں تغافل روز افزوں ہے

تاریخیں

نظر علی خاں نے گولہ گنج کے چورا ہے پر ایک مسجد ۱۲۵۰ھ میں بنوائی تھی کہ اس میں گیارہ مسجدوں کا نقشہ ہے واسطے سال تاریخ کے تمنا اور فرمائش اس کی یہ تھی کہ "خانہ خدا" مادہ تاریخ ہو۔ میر موصوف نے تاریخ اس کی حسب تمنا خوب کہی

گر بگیری حروف منقوطہ — ہست در خانۂ خدا تاریخ
حرف باقی کہ غیر منقوطہ اند — یافت دیگر از ضیا تاریخ
اوسط اعداد یازدہ مسجد — شائق این گفت بے بہا تاریخ

حضرت خلد منزل نصیر الدین حیدر بادشاہ نے ایک خلعت بنوایا تھا کہ اس پر تمام کلام اللہ نقش تھا اس کی تاریخ میر صاحب نے یہ کہی

خلعت کلام مجید ۔ ۱۲۴۸ھ

(ایضاً) حضرت فردوس منزل کی تاریخ صنعت مساوی الاعداد میں چنانچہ "طاعت و تسبیح" ہم عدد اور سجدہ گاہ "و نماز" ہم عدد و لفظ محل تعقید میں برابر ۔ ولہ

---

[1] ن ۔ پ "ڈالا ۔"   [2] ن ۔ پ ۔ میں

جناب قبلۂ عالم جو ساخت مسجد نو — بعد سرور بعد آرزو بدل بہ نیاز
نوشت مصرع تاریخ سال او شائق — محل طاعت و تسبیح و سجدہ گاہ و نماز

حبیب | اطفال معنی کا ادیب، سید والاشراد، میر نواب تخلص "حبیب" برادر اوسط میر محمد شائق، بواسطہ برادر خورد شاگرد شیخ ناسخ، مرثیہ گوئے جناب سید الشہدا علیہ السلام، کلام میں اس کے فصاحت تمام، معراج نامہ تصنیف کیا اس کا اور معراج ناموں سے بہتر، اختلاف اور تصرف اس میں کمتر، ایک مثنوی اقبال الدولہ بہادر کی فرمائش سے اس نے کہی اور روح طبع ہوئی۔ چونکہ شعر عاشقانہ اس نے بہت کم کہے ہیں، اسی مثنوی سے یہ غزل لکھی جاتی ہے

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے — الفت تری اس قدر بہت ہے
اے دوست نہ ہو ہمارا دشمن — بس یک دل کینہ ور بہت ہے
ہم آبلہ بن رہے ہیں ہم کو — اک جنبش نیشتر بہت ہے
اس رنگ سے اس طرف نہ جانا — دامن ترا خوں میں تر بہت ہے

سیفی | مشاق اور منتہی، میر وارث علی، تخلص "سیفی" شاگرد شیخ ناسخ[۱] یہ اشعار[۲] اس سے یادگار

سامنے عشاق کے کیونکر نہ ہو توقیر زلف — پھر گئی بھائی یار نے اپنے خوشا تقدیر زلف
زینت زلف مسلسل کے لیے شانہ بنا — شمع عارض کے لیے پیدا ہوا گلگیر زلف
آگیا آخر قلم میں بال بس خاموش ہو — پ ختم ہونے کی نہیں سیفی کبھی تقریر زلف
دن جو روشن ہے اثر ہے چہرۂ پر نور کا — رات جو تاریک ہوتی ہے یہ ہے تاثیر زلف
زلف کا نقشہ کبھی دن میں کھنچے ممکن نہیں — پ ہاں شب دیجور میں شاید کھنچے تصویر زلف

اسد | صاحب ہوش و خرد، اسد اللہ خاں تخلص "اسد" شاگرد سیفی یہ

۱۔ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے ۲۔ ن۔ پ خوش اشعار

(اشعار) اس سے یادگار

کیا غضب تو نے دل شیدا کیا — ربط کس بے رحم سے پیدا کیا
واقعی عاشق تو میں مشہور ہوں — اور میں نے جرم صاحب کیا کیا
بوسہ کا کیا ذکر ہے گالی نہ دی — میں تو برسوں آپ سے مانگا کیا
یہ غزل اس کو سنا چل کر اسدؔ — جس نے تجھ کو اس قدر گویا کیا

فرخ | شاعر اور داستان خوان واصف زلف فرخ، کرامت اللہ خاں تخلص "فرخ"، اثر[1] نقل کا راوی معتبر کی زبان سے بیان جب وہ[2] اپنی غزل مرزا حاجی قمر کے مشاعرے میں پڑھتا تھا ہر شخص کہتا تھا فرخ حال ناسخ کہ فرخ اس کے تلامیذ میں ہوا، من اشعارہ۔

مرے آگے نہ اے قاتل علم کر تیغ دشمن پر — مجھی کو قتل کر تو خون میرا میری گردن پر
نہیں خوف نگاہ یار جیسے داغ ہیں تن پر — اثر تلوار کا ہرگز[3] نہیں ہوتا ہے جوشن پر
بتلایا خندۂ دنداں نمائے یار نے دل کو — گری اک برق آب سلک گوہر میرے خرمن پر
سیہ زنداں میں اپنے روشنی کا ذکر کیا ہو وے — پ کرے جب کار گل یاں پہ تو خورشید روزن پر
جو بہر فاتحہ وہ مہر برج حسن آ جائے — پ تو ہر ذرہ ہو خورشید قیامت میرے مدفن پر
کوئی سرو رواں شاید پئے گلگشت آتا ہے — سحر سے بیٹھے ہیں مرغ چمن دیوار گلشن پر
بگولے خاک بر سر رو رہے ہیں مجنوں کے ماتم میں — چراغ چشم غزالاں رات بھر روشن ہے مدفن پر

غنی سایل کو عالی ہمتوں سے بیشتر پایا — صدف نے قطرہ مانگا ابر نیساں سے گہر پایا
نہ رحم آتا ہے اس گل کو نہ میں مرنے سے مرتا ہوں — جو پتھر کا دل اس نے، میں نے لوہے کا جگر پایا

---

[1] ن۔ پ اس کی [2] ن۔ پ میں مرزا حاجی قمر کے مشاعروں میں غزل اپنی پڑھتا تھا ہر کس و ناکس یہ کہتا تھا خوشا فرخ حال شیخ کہ فرخ اس کا شاگرد ہو۔ یہ اشعار اس سے یادگار [3] ن۔ پ اکثر

ہوا مہمان حق کعبہ میں کی تعمیر عرش اس نے — بسایا جس نے ویراں دل خدا کا گھر بنا پایا
جو ہو پشت و پناہ زیر دستاں وہ بہادر ہے — جواں مردی میں افزوں تیغ سے کار سپر پایا

سحر بے پردہ ہو رخسارہ گر اس مہر شارق کا — تو شرق شرم سے مغرب ہو خورشید مشارق کا
فروغ روئے روشن سوز داغ دل ہے عاشق کا — حضور مہر چمکا ہے ستارہ صبح صادق کا
سحر گر ہووے مشکیں سے چھپالے وہ رخ روشن — تو ہو وے نور غیرت سے مبدل صبح صادق کا
نچوڑوں عشق صافی میں تو کوثر کا بہے دریا — وہ دامن تر ہے اے زاہد خشک اس مست فاسق کا
ہٹاکر منہ سے بالوں کو جو تو کھلاوے رخ روشن — تو آدھی رات کو ہو جائے تڑکا صبح صادق کا
جہاز اپنا پھنسا ہے دیر سے گرداب حسرت میں — کبھی تو ایک جھونکا اے فلک باد موافق کا
گئے ہو غش و بصر و ندان و طاقت راہ پیری میں — ستم ہے چھوٹ جانا ساتھ یاران موافق کا
خلاف کہ دُر حجر کو لعل ابر دنے مہر بخشا — کرم کرتے ہیں عالی ظرف دہمت اپنے لائق کا
تواضع سے سرافراز ان ہمت کرتے ہیں بخشش — کہ بار میوہ سے لازم ہے جھکنا نخل باسق کا
جواہر زیب شہ باندھے اگر نعلوں کو سوا ہو — مرے مضمون چرانے سے نہ ہوگا نام سارق کا
جہاں میں لازم و ملزوم حسن و عشق ہیں فرخ — کہ ہر معشوق کو پایا ہے عاشق اپنے عاشق کا

حسام[1] | مروت تمام ، خلق اس کا عام ، چودہری حسام الدین قصبہ سلیم پور توابع پرگنہ اٹیٹھی ، شاگرد کرامت اللہ خاں فرخ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

بلبل آسا لب پہ جب شور فغاں پیدا ہوا — دل میں کیا عشق جمال گلرخاں پیدا ہوا
گوہر دنداں سے نکلی اس میں موتی کی لڑی — حقہ لعل میں تیرا دہن پیدا ہوا
کیوں نہ آئے نور بصر افزا کا گھر آنکھوں میں تمام — اس مکیں کے واسطے تھا یہ مکاں پیدا ہوا
غم سے کاہیدہ ہوا میں شکل ماہ نو حسام — جب سے دل میں اس کے عشق گلرخاں پیدا ہوا

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

نہال عشق سے زخم دل و داغ جگر پایا — یہ گل باغ جہاں میں ہم نے پایا یہ ثمر پایا
جب آئے ہم رقیبوں سے تجھے شیر و شکر پایا — ہمیشہ زہر غم سے کام جاں کو تلخ تر پایا
گیا آخر روانہ ہم نے اس کو کوئے جاناں میں — نہ بہتر طائر جاں سے جو مرغ نامہ بر پایا
حسام اس آرزو میں کٹ گئی عمر عزیز اپنی — نہ مطلب سے مگر نخل تمنا بار ور پایا

عکس اس گلشن رخسار کا اس پر جو پڑا — آئنہ میں ہوا عالم سبد گلچیں کا

کس طرح مجھ کو آئے نہ عالم نظر سیاہ — آنکھوں میں یار بن ہے جہاں سر بسر سیاہ
رکھتا وہ ماہ منزل عشاق میں قدم — ہوتا نہ ان کا کوکب طالع اگر سیاہ

جوش | صاحب عقل و ہوش، میر وارث علی تخلص "جوش" خلف منشی (میرا) حسن علی صاحب شاگرد ناسخ۔ یہ[1] اس سے یادگار

اے پری تیرے لیے فرش گل تر چاہیئے — غم زدوں کو خشت بالیں خاک بستر چاہیئے
سادہ رویوں سے میرا دل صاف ہوتا ہے سدا — میرے آئینہ کا دل میں یار کے گھر چاہیئے
آپ اتنا کیجئے دل سے نہ بھولے میری یاد — کون کہتا ہے مجھے میرے برابر چاہیئے
قامت و دندان کا ہوں مداح گیا و گے صلہ — ڈھیر موتی کا ترے قد کے برابر چاہیئے
دل کی بے چینی مری اے جوش دب جاتی نہیں — دل لگانے کو مرے کوئی ستم گر چاہیئے

سایل ہوں اے فلک یہ ترے انقلاب سے — لبریز ہو فقیر کا کاسہ شراب سے

آنکھیں جو تو نے پھیر لیں بس دم نکل گیا — یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

---

[1] ن۔ ب منہ

کس کس سے تیرے عشق میں ہم نے بگاڑیاں	بجلی سے رات خوب لڑے اضطراب میں

نادر | شاعر خوش مظاہر میر کلب حسین خاں تخلص "نادر" ڈپٹی کلکٹر ضلع اٹاوہ، ساکن بنارس، صاحب چہار دیوان، ہر مقطع میں مدح ائمہ اطہار، شاگرد (شیخ) ناسخ۔ یہ (اشعار) اُن سے یادگار

ہوں میں ان تنگ قباؤں کا نثار دامن	بار خاطر نہ کسی کا نہ غبار دامن

بکھری جو دن کو آئی نظر زلف یار کی	آنکھوں میں شکل پھر گئی شبہائے تار کی

دل میں ہوس زلف چلیپا نہیں رکھتے	سر رکھتے نہیں ہم کوئی سودا نہیں رکھتے

منظور منہ دکھلاتا ہے کس مست خواب کا	دست مسیح میں ہے لگن آفتاب کا

کچھ اپنے اختیار سے وہ کم سخن نہیں	گنجائش سخن ہی میان دہن نہیں

کیوان[1] | شیخ بدلی تخلص "کیوان" شاگرد میر کلب حسین نادر۔ منہ

کیوں مقید نہ رسن میں ہو ہماری گردن	زلف پیچاں میں جو لپٹی ہے تمھاری گردن

اخگر[2] | سخنور معتبر، میاں حیدری تخلص "اخگر" ساکن اٹاوہ، شاگرد نادر۔ یہ اس سے یادگار

لپٹائے جو غیروں کو وہ بے پیر گلے میں	کیوں پہنوں نہ میں طوق گلوگیر گلے میں

جز خاک در یار شفا تو کبھی نہ ہووے	داخل ہے دم نزع جو اکسیر گلے میں

زاہد کی بغل میں جو نظر آیا ہے قرآں	کی ہم نے حمایل تری تصویر گلے میں

---

[1] [2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

اخگر کہو کس کافر بدکیش کی ہے یاد ۔۔۔ اٹکا ہے جو یوں نعرۂ تکبیر گلے میں

مسیحا | حکیم حاذق طبیب رسا، خیال[۱] بند نازک ادا، محمد علی خاں تخلص بہ مسیحا، خلف[۲] الصادق مصطفےٰ خاں صاحب، آشنائے ثابت دوست ناسخ شاگرد (شیخ امام بخش) ناسخ۔ یہ (اشعار) اس سے یادگار۔

دھوکا ہے ترے قد پہ مجھے سروِ چمن کا ۔۔۔ ہے ساعدِ نازک پہ گماں شاخِ سمن کا

کیوں تجھ پہ نہ قرباں ہوں او چاند کے ٹکڑے ۔۔۔ کیا رنگ ہے کیا روپ ہے کیا لوچ بدن کا

میں پہلے ہی سمجھا تھا کہ تم آج لڑو گے ۔۔۔ تم چیں بجبیں آئے تو ماتھا مرا ٹھنکا

اس غیرتِ گل پر جو میں گل کھا کے مرا ہوں ۔۔۔ روئے گا مرے واسطے طاؤس چمن کا

طینت کی کجی جاتی نہیں بعد فنا بھی ۔۔۔ پہ جل جائے اگر تو بھی نہ بل جائے رسن کا

بعد مردن بھی مری قبر پہ آیا نہ گیا ۔۔۔ اس پری زاد کا مجھ سے کبھی غمزہ نہ گیا

غیر کے آنے کا اس سے جو گلہ کرتا ہوں ۔۔۔ ہنس کے کہتا ہے مرے گھر کوئی آیا نہ گیا

آشنائی تری اے بحرِ لطافت چھوڑی ۔۔۔ مرتبہ غیر کا آنکھوں سے جو دیکھا نہ گیا

نہ ہوئی وحشتِ دل بوسۂ لب سے زائل ۔۔۔ یہ بھی تقدیر کہ عناب سے سودا نہ گیا

دم گیا، جان گئی، صبر گیا، ہوش گئے ۔۔۔ ایک جانے سے مرے یار کے کیا کیا نہ گیا

آب و دانہ ہے چھٹا رات کا سونا چھوٹا ۔۔۔ ایک محبوب کے چھٹ جانے سے کیا کیا چھوٹا

میں نے کب بوسے لیے مجھ پہ یہ طوفان نہ لو ۔۔۔ لب گلرنگ سے کب پان کا لاکھا چھوٹا

دانۂ خال کی الفت میں دیا سر میں نے ۔۔۔ سرگرانی نہ رہی خوب میں سستا چھوٹا

سر سے سودا نہ تری زلف معنبر کا گیا ۔۔۔ بوسۂ لب کا نہ ہم سے کبھی لپکا چھوٹا

۱؎ ن ۔ ب، شاعر نازک ادا ۔۔۔ ۲؎ ن ۔ ب پسر مصطفےٰ خاں

ختم اوس[1] چاند کے ٹکڑے پہ ہے نزاکت تجھ پر — چاندنی میں جو چلا تن سے پسینہ چھوٹا
عمر بھر قید محبت سے رہائی نہ ہوئی — جھانکنا تاکنا ہم سے نہ مسیحا چھوٹا

بام پر آ جو نقاب رخ زیبا ہو جائے — شب مہتاب میں اک اور تماشا ہو جائے
اوڑھ کر سبز دوپٹہ مری چھاتی سے لگو — کچھ تو سرسبز مرا نخل تمنا ہو جائے
تیغ ابرو کے جو مضمون کوئی ہاتھ[2] لگے — کشور شعر و سخن پر مرا قبضہ ہو جائے
یہ لطافت یہ نزاکت ہے رخ انور میں — آئے بوسے کا تصور تو وہ نیلا ہو جائے
حور ہے کوچۂ جاناں میں بنے سودائی — سایۂ دیوار کا جن کا اسے سایہ ہو جائے
لب جاں بخش سے اعجاز ہوا کرتے ہیں — کیوں نہ عاشق تری صورت پہ مسیحا ہو جائے

معجز — مرزا محمد رضا تخلص "معجز" تلامیذ مسیحا[3] میں محرز۔ من کلامہ[4]

گر کلیم اللہ دیکھے ساعد پرنور کو — دیدۂ غول بیاباں سمجھے شعلۂ[5] طور کو
جل گئے عاشق جو دیکھا ساعد پرنور کو — مژدہ اے موسیٰ یہ سمجھوں گا میں شمع طور کو
نرگس بیمار چشم صنم جب یاد آئی باغ میں — تاک کے بیٹھا چمن میں سایۂ انگور کو
گم ہوئے جب ہم نے پایا کوئے جاناں کا نشاں — بند آنکھیں کیں تو دیکھا اس بت مغرور کو
مر گیا ہوں فرقت روئے صبیح یار میں — میری میت پہ چھڑکنا صبح کے کافور کو
نامور رہتے ہیں اکثر عالم تجرید میں — کس نے پھلتے پھولتے دیکھا ہے نخل طور کو
روز ازل سے جہاں میں رند تردامن ہوں میں — میں نے گھٹی میں پیا ہے شیرۂ انگور کو
جو کہ عالی ظرف ہیں ممنون وہ ہوتے نہیں — حاجت روغن نہیں معجز چراغ طور کو

---

[1] ن۔ ب اے   [2] ن۔ ب آئے   [3] ن۔ ب میں مسیحا کے محرز
[4] ن۔ ب یہ اشعار اس سے یادگار   [5] ن۔ ب شمع

وصف لکھا ہے جو ہم نے ابروے خمدار کا ۔۔۔ کاٹ ہے اپنے صریر کلک میں تلوار کا
حال اے مونسی نہ دیکھا نرگسِ بیمار کا ۔۔۔ لکھ دیا عیسیٰ نے نسخہ شربتِ دیدار کا
تو جو اے بحرِ لطافت کھل کھلا کر ہنس پڑے ۔۔۔ تیرے کوچہ پہ گماں ہو جوہری بازار کا
ہونٹ اس نازک بدن کے برگِ گل سے کم نہیں ۔۔۔ عکسِ دنداں پہ گماں ہے موتیا کے ہار کا
اور اپنی لاغری کا حال کیا تجھ سے کہوں ۔۔۔ رشتۂ جاں ہے نمونہ میرے جسمِ زار کا
نے نوازانِ جہاں قابل ہوا ے طرب پیسر ۔۔۔ بانسلی پہ ہے گماں منقارِ موسیقار کا
عشق ابرو میں ہے قاتل دہشت عین الکمال ۔۔۔ واسطے گنڈے کے دورا چاہیے تلوار کا

خضر | مرزا بندہ علی بیگ تخلص "خضر" محمد علی خاں مسیحا کی کرامت کا منتظر (یہ اشعار اس سے یادگار)

دیکھوں طلسم، حسن بت لالہ فام کا ۔۔۔ رخسار صبح زلف نمونہ ہے شام کا
افشاں نہیں ہے گیسوے شب رنگ یار میں ۔۔۔ تارے نظر پڑے جو ہوا وقت شام کا
مسی لگائی ہے تو ذرا پان کھائیے ۔۔۔ ہرگز نہیں بہ دورِ شفق لطف شام کا
ہر صبح یاد رخ میں گریباں پھٹا کیا ۔۔۔ رونا خیال زلف میں چھوٹا نہ شام کا
بینی نہیں ہے عارض و گیسو کے درمیاں ۔۔۔ یہ راہ ہے حلب کی وہ رستہ ہے شام کا
اعجاز حسن ہے بتِ عالی مقام کا ۔۔۔ پ نقش قدم میں طور ہے ماہِ تمام کا
اے بت نہ توڑ کعبہ دل تو خدا سے ڈر ۔۔۔ پاسِ ادب ضرور ہے بیت الحرام کا
محفل میں ہے یہ ساقی مہوش کو ڈھونڈتا ۔۔۔ گردش میں بے سبب نہیں آنا ہے جام کا
طے ہو سکا نہ جادۂ تعریف زلف یار ۔۔۔ رہ رہ گیا قدم قلم مشک فام کا
مجھ کو غرورِ عشق تمھیں حسن پر گھمنڈ ۔۔۔ صاحب بنے گا تم سے نہ مجھ نہ غلام کا
اے خضر ان دنوں میں جو ہم پر خفا ہے یار ۔۔۔ رستہ ہے صاف بند پیام و سلام کا

فکر | ہر کہیں اس کا ذکر شیخ ذو الفقار علی تخلص "فکر" شاگرد محمد علی خاں مسیحا

یہ اس سے یادگار

برگشتہ یہ اب ہو گئی تقدیر ہماری سنتا ہی نہیں نوبت بے پیر ہماری
حیرت میں ہوں کس حور کا یاد آیا سراپا صورت جو ہوئی صورت تصویر ہماری
زندان محبت سے نہ چھوٹے کا کبھی تو آوازیں دیتی ہے زنجیر ہماری
اے فکر ملے خاک در یار جو ہم کو جائے نہ نظر پھر ہوئے اکسیر ہماری

شک ہے جبین صاف پہ ماہ تمام کا پ رخسار صبح زلف نمونہ ہے شام کا
آہو کی طرح صحبت مردم سے ہے گریز عاشق ہوں میں جو چشم بت لالہ فام کا

شہید[۱] مرد صالح اور رسید مولوی محمد بخش تخلص "شہید" سلسلہ نسب اس کا محمد بن ابی بکرؓ سے ملتا ہے۔ رئیس پرگنہ سندیلہ مقیم لکھنؤ شاگرد شیخ ناسخ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

مستانہ یار گر شجر تاک تک گیا ہر خوشہ گرمی رخ روشن سے پک گیا
جس وقت شعلۂ غم فرقت بھڑک گیا ہر خال تن سپند کی صورت چٹک گیا
اللہ ری سوزش دل سوزاں کہ بعد مرگ دانہ گرا جو خاک پہ میری چٹک گیا

---

[۱] ن۔ پ کے حاشیہ پر شہید کے بیان کے سلسلے میں یہ عبارت بھی درج ہے مولوی صاحب مذکور شہر لکھنؤ میں کہ غریب الوطن تھے امام باڑہ لاڈو خانم صاحبہ واقع نخاس میں ہمراہ مکرم علی خاں رہتے تھے۔ بعد انتقال شیخ ناسخ صاحب مرزا محمد رضا برق کے یہاں آنے جانے لگے بلکہ ان کے مصاحب خاص کیا ہمزاد ہو گئے اور بالکل ان کی صورت اور وضع اپنے میں بنائی اور طرز وطریق ان کا اختیار کیا اور ہر بات میں ان کی تقلید کرنے لگے۔ جب مرزا محمد رضا برق کا ترقی اقبال ہوا (بقیہ صفحہ ۵۳۱ پر)

اترے نوالہ حلق سے فرقت میں ہے محال — پانی اگر پیا تو گلے میں اٹک گیا
رکھا جو اس نے ہاتھ کمر کا ملا نشاں — کی بات یار نے تو دہن کا بھی شک گیا
اللہ رے اضطراب دل بے قرار کا — سنگ مزار لاکھ جگہ سے چٹک گیا
بیٹھا کہیں اٹھا کہیں گر گر پڑا کہیں — پ کن کن خرابیوں سے در یار تک گیا

(بقیہ حاشیہ سلسلہ ص۵۳۰) اور مرزا صاحب مذکور فتح الدولہ بخشی الملک ہو گئے تب بخشی صاحب موصوف نے مولوی صاحب مذکور پر رحم کھا کر بیس روپیہ کا درماہا بخشی گری سے بلا شرط خدمت کر دیا مولوی صاحب نے اس کو غنیمت جانا۔ چندے مولوی صاحب نے یوں اوقات بسر کی کہ صبح فتح الدولہ بہادر کے مکان پر جانا اور تا دو پہر حاضر رہنا۔ بعد اس کے اپنے مکان یعنی امام باڑہ نخاس میں آنا اور ہمراہ مکرم علی خاں کے اکل و شرب کرنا اور مکرم علی خاں بھی تمام خانہ داری مولوی صاحب کی مثل اہل خانہ مدام سرانجام دیتے رہے اور معمول تھا مولوی صاحب کا کہ ہر جمعہ کو بوقت سہ پہر امام باڑہ مذکور میں شاگردان مرزا صاحب اور اپنے شاگردوں کو جمع کرتے تھے اور آٹھویں دن بروز جمعہ ایک چھوٹا سا مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ چندے یوں اوقات بسر ہی رہی بعد برہمی سلطنت اودھ و انتزاع ملک لکھنؤ وہ بخشی گری اور حکومت سب خاک و سیاہ ہو گئی اور حضور واجد علی شاہ مع مصاحبین خاص مثل انجم الدولہ و مسیح الدولہ و بخشی مرزا محمد رضا برق ہمراہ رکاب حضرت بادشاہ برائے استغاثہ روانہ سمت کلکتہ ہوئے اور یہ جلسہ بھی درہم برہم ہوا۔ بموجب شعر۔

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت الناس ہے
نہ انجم نہ مسیح نہ برق خناس ہے

اس کے بعد مولوی شہید صاحب دلیر الدولہ مرزا حیدر صاحب کے (بقیہ حاشیہ ص۵۳۲) پر

کیا نازکی ہے چلنے میں منہ ہو گیا سفید گویا کہ رنگ ساتھ عرق کے ٹپک گیا
کہتا ہے دیکھ کر وہ مرے جسم زار کو کچھ ان دنوں شہید نہایت جھٹک گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۱) پاس حاضر ہوتے گئے۔ دلیر الدولہ بہادر نے سرداری در یاست کو کام فرما کر کے کچھ مولوی صاحب کے واسطے سد رمق مقرر فرمایا۔ چند ایام کے بعد کہ ناگاہ غدر ہو گیا اور مولوی صاحب اس غدر میں بہت خراب و برباد ہوئے بعد خرابی بصرہ جب دوبارہ عملداری سرکار انگریزی ہوئی بعد چندے جانب سرکار انگریزی بہادر منشی رام دیال اکسٹرا اسسٹنٹ واسطے انکم ٹیکس کے لکھنؤ میں مقرر ہوئے۔ اس ظالم نے داروغہ عاشق علی خاں کو اپنی طرف سے واسطے تحصیل زر ٹیکس محلہ کٹرا ابو تراب خاں مقرر کیا۔ داروغہ مذکور نے صاحبان کٹرہ کو واسطے تحصیل زر ٹیکس کے تنگ کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب اور مکرم علی خاں کو بھی طلب کیا اور زر ٹیکس مانگا۔ مولوی صاحب نے کہا میرے پاس بجز جان ایک جبہ نہیں ہے۔ راقم حاشیہ تذکرہ ہذا اس وقت وہاں داروغہ کے پاس کمرے کے اس جلسہ میں موجود تھا۔ داروغہ نے مولوی صاحب سے کہا کہ وہ دولت بخشی گڑھی کی اور کمائی سرکار مرزا حیدر صاحب کی کیا ہوئی۔ در جواب مولوی صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

قرار در کف آزادگاں نہ گیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

داروغہ نے خفا ہو کر مولوی صاحب سے کہا کہ آپ یوں زر ٹیکس نہ دیجیے گا۔ بعد اس کے سپاہی کو بلا کے حکم دیا کہ مولوی صاحب و مکرم علی کو نیچے کمرہ میں لے جا کے قید کرو۔ بوقت قید ہونے کے مولوی صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

جب کہ ہم اے شہید بیر ہوئے
دست اعدا میں تب اسیر ہوئے

(بقیہ صفحہ ۵۳۳ پر)

بھر ہر عارف ہے آیہ ثَمَّ وَجہُ اللہِ کا ۔۔۔ موج زن ہے بحر عرفاں ہر طرف اللہ کا
ہے صحیفہ ہر بشر خود صنعتِ اللہ کا ۔۔۔ ابروئے پر خم ہے نقشہ بسم اللہ کا
بہر استثنا موحد کو ہے کافی لا الٰہ ۔۔۔ اب لائے نافیہ مثبت ہے اِلّا اللہ کا

(بقیہ حاشیہ ۵۴۲) بعد اس کے مکرم علی خاں کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا سہ

تم ہوئے ہم ہوئے کہ میر ہوئے ۔۔۔ اسی پھندے میں سب اسیر ہوئے

راقم حاشیہ تذکرہ ہذا نے یہ حال دیکھ کر فوراً محمد مرزا خاں کو اس حال کی خبر دی ۔ خان مذکور نے اپنا رقعہ ضمانت کا لکھ کر مولوی صاحب کو طلب کیا ۔ مولوی نے کہا کہ بغیر رہائی مکرم علی خاں کے اس مجلس سے نہ جاؤں گا ۔ الغرض مولوی صاحب کا بھی مکرم علی خاں سے وہ حال تھا کہ جو شیخ ناسخ صاحب کا مرزا صاحب سے حال تھا ۔ العاقل تکفیہ الاشارہ سہ

میکدہ میں گو سراسر فعل نامعقول تھا ۔۔۔ مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول تھا

بعد اس کے محمد مرزا خاں نے دوبارہ مولوی صاحب و مکرم علی خاں دونوں صاحبوں کی ضمانت کر کے داروغہ عاشق علی خاں کے یہاں سے اپنے پاس بلا لیا ۔ جب مولوی صاحب اور مکرم علی خاں محمد مرزا خاں صاحب کے پاس گئے تو یہ شعر پڑھا ۔

جب اسے شہید ہو گئے ہم اس طرح کے پیر ۔۔۔ عاشق علی کے گھر میں ہوئے آ کے تب اسیر

اسی کو نت سے مولوی صاحب نے بعد چندے انتقال فرمایا ۔ بعد اس کے مکرم علی خاں کا سوگ رکھا اور ایام عدی (عدت) کے پورے کئے اور اس کے مال و اسباب اور دیوان و غزل ہائے وغیرہ بلکہ جتنے ان کے کاغذات و مسودات تھے اول سب پر حسب وصیت اس کے قابض و متصرف ہوئے ۔ اب مکرم علی خاں کا یہ حال ہے کہ جب سے مولوی صاحب نے انتقال کیا ہے بہ عارضہ بواسیر خونی و بادی بالشدت علیل رہتے ہیں بلکہ مسّے بواسیر کے موضع مخصوص سے باہر نکل آئے ہیں اور طعام بہ سبب ضعف معدہ کے ہاضم نہیں ہوتا اور کوئی ماہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں مکرم علی خاں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۴ پر ملاحظہ ہو)

فضل تیرا ہو تو پستی میں بلندی ہو سوا — رتبۂ معراج یوسف کو ہے گرنا چاہ کا
ہے دہانِ تنگ جاناں میں عبث سب کو کلام — اعتبار آ گے عقیلوں کے کہاں افواہ کا

پنجۂ سفاک کو زینت سے ننگ و عار ہے — ناخن تیغ قضا کو کب حنا درکار ہے
موئے سر از پا گنذشت خار پا از سر گذشت — فرقت دلدار میں یہ حال جسم زار ہے
دوستی بے دشمنی آفاق میں ممکن نہیں — شیر خوارہ بہر دایہ دشمن خونخوار ہے
زلف پر خم اپنے ہاتھوں سے بنالیتا ہے یار — میل انگلی اور آتش، آتش رخسار ہے
یوسفستان لکھنؤ کو گر کہوں تو ہے بجا — پ جس طرف کو جانکلیے مصر کا بازار ہے

تل لب رخ پر نہیں دیکھے ستارے پاس سے — کس نے دیکھے ہیں بھلا اس طرح تارے پاس سے
کیا حواس و صبر کیا تاب و تواں کیا ہوش و عقل — تیرے اٹھتے اٹھ گئے ہمدم کہ سارے پاس سے
آپ بہرا ہیں بنا عمداً فقط اس واسطے — تاکہ وہ خورشید رو آکر پکارے پاس سے
تاکہ ایذا ہو نہ مجکو اس پری نے اس لیے — دور سے پتھر لگائے پھول مارے پاس سے
اے شہید اللہ سے یہ ہے دعا ہو وہ بھی دن — تا کروں روئے صنم کے میں نظارے پاس سے

(بقیہ حاشیہ بہ سلسلہ صفحہ ۵۲۳) دس پندرہ روز علیل نہ رہتے ہوں اور پانچ چار ناغہ نہ کرتے ہوں۔ خدا ان کے حال پر رحم فرمائے اور یہ مصرعہ مکرم علی خاں بار بار پڑھتے ہیں اور مولوی صاحب کو یاد کرتے اور روتے ہیں ؎

مرا عیسیٰ آپ ہی مر گیا مجھے کس طرح سے شفا ملے

اللہ بس باقی ہوس ؎

شیریں رہی جہاں میں نہ گلفام رہ گیا
بس عاشقوں کا زیر فلک نام رہ گیا

ہیں لال لال دست نگاریں نگار کے — گویا ہیں نخل طور میں پتے چنار کے

بندے ہیں پنجتن کے نہ ہم چار یار کے — کہہ دیں گے اے شہید یہ منہ پر ہزار کے

دیکھیں گے بعد مرگ بھی ہم دن بہار کے — اشکوں سے تختے سبز رہیں گے مزار کے

رخ نے فروغ ہالۂ انجم دکھا دیا — گل یاں برنگ نجم ہیں پانی میں یار کے

معدوم مثل نقطۂ موہوم ہو گئے — مضموں اگر لکھے دہن تنگ یار کے

آنکھوں کی راہ اے ستم دم نکل گیا — دو چار دن نہ ہم سے کھنچے انتظار کے

توبہ کہاں کی، روزہ کہاں کا کہاں نماز — ساقی شراب لا کہ دن آئے بہار کے

کانٹوں پر یاں سوتا ہے واں پھولوں پر آسائش ہے
مرنا کھپنا ہم کو ہے واں زینت ہے آرائش ہے — پ

آٹھ پہر فرصت نہیں تم کو زینت ہے، زیبائش ہے
شانہ ہے مشاطہ ہے آئینہ ہے آرائش ہے — پ

فصدوں پر ہوتی ہیں فصدیں سودا بڑھتا جاتا ہے
جوشش وحشت گھٹتی نہیں ہے خون کی کیا افزائش ہے — پ

تپش نہ اٹھے دل میں کیوں کر اشکوں میں بھی سرخی ہے
کچا پھوڑا پھوٹا ہے رنگین اس سے آلائش ہے — پ

گل پر گل کھائے فرقت میں پھول کھلے ہیں سرتاپا
نخل چمن الفت نے بنایا داغوں سے آرائش ہے — پ

بڑھنا گھٹنا قسمت سے ہے بن گئے وہ ہم بدر و ہلال
اپنی جاں کی یاں کاہش ہے حسن کی واں افزائش ہے — پ

ٹکڑے گریباں پرزے داماں اشک فشاں فریاد کناں
صحرا کو اس طرح سے چلیے وحشت کی فرمائش ہے

یاں دھاگا سا مدّتوں سے فرقت کے جسم زار ہوا
واں ڈورہ لے کر ہردم بازو کی پیمائش ہے

ہجر صنم میں نیند نہ آنے کی اور نہیں تدبیر شہید
کنج لحد میں سوئیے چل کر محشر تک آسائش ہے

یاور ! ہمراز ولایتی و ہندوستانی، جوہری فنون نکتہ دانی موزونی تال و سُر ان کی بیت میں ٹھوکریں کھاتی ہے۔ تقطیع و چھب یہاں آکر درست ہو جاتی ہے۔ ہر ایک اس فن کی کشتی کو خوب دیکھتا بھالتا۔ مضمون و ذخیرہ ہر دم نیئے نکالتا۔ طائفہ شعرا میں یتبعہم الغاوون کے ہمسر، میاں امداد علی تخلص "یاور" اول میں اس دون کا تخلص گردون تھا مگر بوجہ اپنے پیشے کے کہ پابند ایک کا نہ رہتا۔ دلیل ہے اس پر تخلص کا بدلنا شاگرد ناخلف مولوی شہید کا۔ یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا یہ بچھڑا ولائیتی مقیم نخاس لکھنؤ کا ہے۔ بالفعل وہ اپنے کو جوہری کلام جانتا ہے کون اس سے پوچھے کہ تو علم موسیقی جانے علم عروض و قافیہ کیا جانے۔ بہرحال یہ چند اشعار اس سے یادگار ہیں۔ (اشعار میاں یاور)

میسر ہو پھر وصل جاناں ہمیں
دکھادے خدا پھر وہ ساماں ہمیں
عدم سے نکالا جو عریاں ہمیں
دکھانا تھا دنیا کا ساماں ہمیں

نہ دکھلاؤ ہنس ہنس کے دنداں ہمیں نہ رلواؤ مانند نیساں ہمیں

ترا کوچہ اے حور ہے باغ خلد
ترے گھر کا دربان ہے رضواں ہمیں
بتوں کا کچھ اس میں اجارہ نہیں
خدا نے کیا ہے مسلماں ہمیں
انگوٹھی نہیں اس پری رو نے دی
ہوئی آج مہر سلیماں ہمیں
دکھا کر رقیبوں کو رخسار عاف
جلاتے ہو اے مہر تاباں ہمیں
بٹھاؤ نہ اللہ غیروں کو پاس
ستاؤ نہ اے راحت جاں ہمیں
رہائی ہے دست اجل سے محال
نہ چھوڑے گی یہ دشمن جاں ہمیں
طمع سی طمع ہے کہ کہتی ہے خلق
میسر ہو دنیا کا ساماں ہمیں
چنے بھی چبانے کو دے گا ضرور
دیے ہیں اگر اس نے دنداں ہمیں
کہاں تک پڑے دل میں سلگا کریں
کہیں پھونک دے سوز ہجراں ہمیں
اگر دیکھتا کچھ بھی ہے ننگ و عار
تو پیدا نہ کرتا وہ عریاں ہمیں
یہ اس گل کے ہاتھوں سے آتے ہیں تنگ کہ کنج قفس ہے گلستاں ہمیں

نہ چھوڑا بغیر از پلائے شراب
کیا اس نے یاور مسلماں ہمیں

یوسف | یوسف کو اس کی آزادگی پر تاسف، یوسف بیگ تخلص بہ یوسف، خلف مرزا قاسم بیگ شاگرد مولوی شہید، یہ اس کی گفت و شنید۔

ہے تمنا اپنے پہلو میں وہ رشکِ حور ہو — ابر ہو ساقی ہو مے ہو ساغر بلور ہو
یا جواب صاف ہو یا وصل اب اے حور ہو — بات اک جھٹ پٹ کہو جو کچھ تمھیں منظور ہو
چشم جادو تیغ ابرو قد قیامت ساق شمع — گیسوے جاناں نہ کیوں شکل شب دیجور ہو
میکدے میں بھی خیال رند ہے اے دختِ رز — پوچھ لے پیرمغاں سے گر تجھے منظور ہو
ہم کو دور مصحف رخسار ساقی ہے مدام — کیوں نہ شوق سبحۂ صد دانۂ انگور ہو
بادۂ فرقت کا ہوں مخمور جائے رحم ہے — اب شراب وصل سے ساغر مرا معمور ہو
سلسلہ اپنا بھی ہے یوسف یہ جائے فخر ہے — جان و دل سے کیوں نہ وصفِ ناسخ مغفور ہو

وہ بزم مے کشی میں جو خواہاں گزک کے ہیں — لے جا کے ان کو میرے جگر کے کباب دو
ہو لطف چاندنی کا اٹھا دو نقاب کو — کو ٹھے پہ میرے آج تو ہوں ماہتاب دو
بیتاب ہوں بہت تپشِ آفتاب سے — یک قطرہ اپنے چہرے کا دو یا گلاب دو

واحد | خوش اعتقاد پنڈت سنگم لال تخلص "واحد" شاگرد[1] مولوی شہید، یہ اس سے یادگار

صرف دینار و درم گر تو جو دلبر چاہیے — عاشقی میں یہ مثل مشہور ہے زر چاہیے

---

[1] ن۔ب: خوش عقائد شاگرد مولوی شہید، من کلامہ

قامتِ دلدار کے مضمون لکھنے ہیں مجھے — بہرِ خامہ مجھکو اک شاخِ صنوبر چاہیئے
کشتیٔ جاں ہجر کے دریا میں ہوتی ہے تباہ — تیرے قدموں کا اسے اے جان لنگر چاہیئے
عشق دنداں میں طبیبو ہو رہا ہوں نیم جاں[1] — نسخہ میں بارے عرق کے آبِ گوہر چاہیئے
ایک بوسہ تو نے دیا ہے دوسرا بھی دیجئے — مجکو اے شیریں دہن قند مکرر چاہیئے
بسترِ گل پر نزاکت سے نہیں آتی ہے نیند — پ پردہ ہائے چشم کا اس گل کو بستر چاہیئے
زاہدوں کے واسطے زیبا طوافِ کعبہ ہے — عاشقوں کو کوچہ جاناں میں چکر چاہیئے
آتشِ دوری میں جلتا ہوں پڑا میں روز و شب — نام میرا اب کہیں آخر سمندر چاہیئے

آپ سو مرتبہ گو ہم سے خفا ہوتے ہیں — پر کوئی بات ہے ہم تم سے جدا ہوتے ہیں
میں اکیلا ہی نہیں قیدیٔ زلفِ جاناں — دہ نز دو چار گرفتارِ بلا ہوتے ہیں
جان جاتی ہے کوئی دم میں ہماری بجزا — اے غمِ یار ترے حق سے ادا ہوتے ہیں
اپنی برگشتگیٔ بخت تو دیکھو یارو — ہم دعا دیتے ہیں اُن کو وہ خفا ہوتے ہیں
روزِ محشر سے ہمیں خوف نہیں اے واحد — جو کہ عاشق ہیں وہ مقبولِ خدا ہوتے ہیں

عزیز[2] | صاحبِ دانش و تمیز، اعتماد الدولہ راجہ سید یوسف علی خاں بہادر تخلص "عزیز" پرگنہ ہڑہا توابع دارالخلافہ لکھنؤ۔ رانی وہاں کی بسبب سرتابی مغضوب بادشاہ ہوئی، یہ عزیز بسبب حمایت سعید الدولہ بہادر کے کہ ماموں راجہ موصوف کے ہیں اُس پرگنہ کے راجا ہوئے۔ یہ اشعار اُس کے مولوی شہید کی اصلاح سے مزین ہوئے لکھے جاتے ہیں۔

---

[1] ن۔ پ جاں بلب
[2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

نازک ہے یار شوق ہوا ہے شراب کا — ہو مے کشی کے واسطے پیالہ حباب کا
مارا ہے نازکی نے کسی بحرِ حسن کی — زیبا مری لحد کو ہے گنبد حباب کا

ہر گز خیال زلف پریشاں نہ چھوڑیے — مدفن بھی دشت میں ہو بیاباں نہ چھوڑیے
کچھ بس نہ چل سکا دلِ وحشی کے ہاتھ سے — چاہا بہت کہ کوچۂ جاناں نہ چھوڑیے

دل صد چاک میں وہ نازنیں ہے — کہ چلمن میں کوئی پردہ نشیں ہے
دم اب ہونٹوں پہ ہے صورت نہ کھاؤ — کسے یاں زندگانی کا یقیں ہے
مری آنکھوں میں کیا آ ہو سمائیں — خیال چشم مست سرمگیں ہے
عزیز افسوس نہ آتا تو کہتے — ترا دل کس لیے اندوہ گیں ہے

ہیں جو یاد لب جاں بخش صنم میں رویا — میری چشموں سے ہوا چشمۂ حیواں پیدا
کوئی مجھ سا بھی جگر سوز نہیں دنیا میں — میری آہوں سے ہوئی شمعِ شبستاں پیدا

کون وہ انساں ہے شکل روح جس میں تو نہیں
کون سا وہ گل ہے جس میں تو برنگ بو نہیں

کیا لکھوں حال دیدۂ تر کا — جوش اشکوں میں ہے سمندر کا
زلف طولانی صنم جو کھلے — ہو یقیں طول روزِ محشر کا
کمر یار جس کو کہتے ہیں — سایہ ہے میرے جسم لاغر کا
سنتے سنتے تمھارے سخت سخن — دل مرا ہو گیا ہے پتھر کا

اس قدر ہے عزیز کو تو عزیز　　رہا دربان صدا ترے در کا

بار ہو جائے گا بڑا در غم ہو جائے گا　　مجھ سے عاصی پر اگر تیرا کرم ہو جائے گا
گر گریں گے آپ پلکوں کے اشارے غیر سے　　برچھیاں پڑ جائیں گی مجھ پر ستم ہو جائے گا

مہر کو یار کا ٹوٹا ہوا ساغر سمجھا　　مہ کو میں جام سفالی کے برابر سمجھا
عشق ابرو میں ترے حال یہ پہنچا میرا　　کہ ہر اک شاخ کو میں باغ میں خنجر سمجھا

عادل[1] | بہاری لال تخلص "عادل" تلمذ اسے ... سے حاصل اس سے یادگار

عشق بتاں کا کوئی نہیں دل میں داغ ہے　　افسوس ہے کہ ... دل بے چراغ ہے
سوزاں ہمارے سینہ میں الفت کا داغ ہے　　اپنے سیاہ خانہ میں ... روشن چراغ ہے
خوشبو پسند آئے مجھے کیا گلاب کی　　اس رشک گل کے ... سے معطر دماغ ہے
دل خوب داغہائے محبت سے ہے بھرا　　سرسبز آج کل ... مرا خانہ باغ ہے
پھولوں کے سونگھنے سے ہوا در دسر مجھے　　وہ رشک گل کہا ... نازک دماغ ہے
الفت کا رنج باغ جہاں میں کسے نہیں　　لالہ کے بھی جگر ... محبت کا داغ ہے
روز فراق بھی شب تیرہ نظر پڑا　　سمجھا میں آفتاب کو روشن چراغ ہے
مقسوم میں نہ ہو تو ملے دلے کرم سے خاک (کذا) دریا میں بھی حباب کا خالی ایاغ ہے
بیٹھا ہے پامال نہ جو وہ غیرت چمن　　عادل ہمارا ... یہ دل باغ باغ ہے

---

[1] ... میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

نہیں ہے انس کوئی گل رخاں سے | تنفر ہو نہ کیوں کر بوستاں سے
خرابی کا ستم کا ہجر و غم کا | کریں کس کس کا شکوہ آسماں سے
غم عصیاں نہ درد و بے نصیبی | عدم کو لے چلے تحفے جہاں سے
نہیں ہیں داغ ہجر گل بدن پر | چنے ہیں پھول ہم نے بوستاں سے
ستم اتنے اٹھائے ہیں کہ واللہ | تنفر ہو گیا عشق بتاں سے
زباں اپنی سنبھالیں آپ ورنہ | نکل جائے گا کچھ میری زباں سے
کرو تم ظلم ہم پہ ہم کریں صبر | کلیجا لائیں ہم ایسا کہاں سے
ہوا ہوں اس پری پہ میرا لاشہ | اٹھانے آئیں گی حوریں جناں سے
ذرا اے دل جدائی میں کرو صبر | بھلا کیا فائدہ آہ و فغاں سے

کوثر | شاعر شیریں مقال، سخن ور زبان آور، مرزا احمدی تخلص "کوثر" پسر مرزا قطبی[1] صاحب، شاگرد شیخ امام بخش ناسخ سرگرم سخن رانی، صحبت مشاعرہ کا بانی یہ اشعار اس سے یادگار

موسم بادہ کشی ہے مجھے کیا کل آئے | رعد بھی کہتا ہے فریاد کہ بادل آئے
کس کی اب دیر ہے نہ باغ میں بادل آئے | پہ ساقیا شیشے کھلیں جھوم کے بادل آئے
وہ حرارت ہے مرے نخل سر تربت میں | لاکھ برسات ابر جو برسے تو نہ کونپل آئے
قمریاں بے حرکت بیٹھی قد یار ہوئیں | ہے یہ حیرت کی جگہ سرو میں بھی پھل آئے

اے پری رو رات بھر رہنے سے خوشبو ہو گیا | پھول کاغذ کا تری چوٹی میں خوشبو ہو گیا

چل بسی باد بہاری شور بلبل ہو گیا | ایک جھونکے میں چراغ زندگی گل ہو گیا

---

[1] ن۔ پ قطبی۔

پھول اٹھ بھی گئے یار گل اندام نہ آیا	مرنا بھی مرا ہائے مرے کام نہ آیا

تم جس کو سمجھتے ہو کہ یہ شانہ ہے میرا	دھوکا ہے سراسر دل دیوانہ ہے میرا
میرے دل صد چاک کی تاثیر تو دیکھو	وہ مجھ سے الجھتا ہے کہ یہ شانہ ہے میرا
او سنگ ستم ترک مئے ناب نہ ہو گا	شیشہ بھی جو ٹوٹے گا وہ پیمانہ ہے میرا
اس درجہ تعلّی ہے مجھے بادہ کشی میں	خورشید کو کہتا ہے کہ پیمانہ ہے میرا
تھراتا ہے گردوں پہ اسے دیکھ کے خورشید	یہ خوف سے لبریز سیہ خانہ ہے میرا
ہم وضع ہے ہم پیشہ ہے ہمدرد ہے ہم شکل	مجنوں کا جو قصہ ہے وہ افسانہ ہے میرا
کوثر بخدا چشم حقیقت سے جو دیکھا	دنیا میں نہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے میرا

کیا مری تربت پہ وہ گل پھول لا کر دھر گیا	گر کبھی آیا تو الٹے شمع کو گل کر گیا
میرے مرنے سے یقیں ہے دوستوں کو ہو خوشی	رنج سے چھوٹا مسافر جبکہ اپنے گھر گیا

وہ زار ہوں کہ چشم جہاں سے نہاں گرا	جس جا گرا بسانِ نگہ بے نشاں گرا
اُمیدوار معذرت تو میں بھی ہوں	ساقی کے پاؤں پر تجھے پیر مغاں گرا
اللہ ری رسائی تیغ نگاہ یار	خلد بریں سے طیر بلند آشیاں گرا
اس رشک گل کو دیکھ کر[1] آئے نہ تاب حسن	بلبل ادھر گری تو اُدھر باغباں گرا
اتنا تو روئیے کہ فرشتے بھی یہ کہیں	طوفان اشک سے نہ کہیں آسماں گرا

تجھ سے اے دست جنوں حال ہے پنہاں اپنا	صورت غنچہ ہے دامن میں گریباں اپنا

---

[1] ن۔ پ دیکھ کے

جس نے گلشن میں نظر کی ترے رخساروں پر ✤ ہاتھ سے پھینک دیا گل کو وہیں خاروں پر
لعل لب سبزۂ خط خال سیہ زلف سیاہ ✤ کس قدر آپ ہیں مغرور انہی چاروں پر
بیگناہوں پہ تو جیا نہ ستم کرتا ہے ✤ ظلم ایسا نہ کرے کوئی گنہگاروں پر
جب نہ ہو اُن کو ترا شربت دیدار نصیب ✤ خاک جینے کا گماں ہو ترے بیماروں پر
درد فرقت سے نہ رنیا نہ کبھی نالہ کیا ✤ نہ کھلا راز مرے دل کا مرے یاروں پر

حسن دیکھا ہی کیا یار نہ دل آرام اپنا ✤ واں وہی ناز رہا ہو گیا یاں کام اپنا
لذت وصل صنم یاد دلائی اس نے ✤ ہیں نے انعام دیا ہجر کو آرام اپنا
اسکی زلفوں کا یہاں تک ہمیں رہتا ہے خیال ✤ دم کبھی آنکھوں سے جو نکلا تو سر شام اپنا
جاکے قاصد کبھی واں سے نہ پھرا سچ ہے یہ ✤ آپ سے خوب ادا ہوتا ہے پیغام اپنا

ایسے ہیں وہ لطیف سر راہ بارہا ✤ مثل نگاہ چشم سے پنہاں نکل گئے

پلٹنا بخت کا دل کا الٹنا خوشنمائی ہے ✤ تمھاری ایک کروٹ میں یہ دو پہلو نکلتے ہیں

راوی | جوان رعنا خوش منظر، فن شاعری سے باخبر، خواجہ صاحب علی شاگرد مرزا مہدی کو فہ نبیرۂ عبداللطیف خاں شریف قصبہ باون، یہ اشعار اس سے یادگار

دل ناشاد کو میں شاد کروں یا نہ کروں ✤ ہجر میں نالہ و فریاد کروں یا نہ کروں
طوق منت کا وہ پہنے ہیں بڑی پہنوں ✤ آج کل منت حداد کروں یا نہ کروں
پھر بہار آئی ہوا پھر مجھے جوشِ سودا ✤ خواہش نشتر فصّاد کروں یا نہ کروں

کھینچی ہے یا نہیں کھینچی ہے شبیہ جاناں
حسد اے مانی و بہزاد کروں یا نہ کروں

ضبط اے دل نہیں ہوتا ہے کروں حرف کو چاک
کسی صحرا کو پھر آباد کروں یا نہ کروں

خوف ہمسایہ سے نالہ نہ کروں روؤں نہ میں
شب فرقت میرا سے یاد کروں یا نہ کروں

جان کر عاشق بے کس مجھے فرماتے ہیں
کوئی تازہ ستم ایجاد کروں یا نہ کروں

رنج فرقت سے خوشی ہوتی ہے میرے دل کو
مثل نے نالہ و فریاد کروں یا نہ کروں

مجکو ہے اس بت بے رحم سے نفرت روای
صفت حسن خداداد کروں یا نہ کروں

میر مستحسن خلیق کے انتقال کی اُس نے یہ تاریخ کہی

میر خلیق نکتہ سنج دار فنا کو چھوڑ کر
خلق کے دل پہ کوہ غم اپنے الم کا دھر گئے

راوی خستہ حال نے فکر جو فرط غم سے کی
ہاتف غیب نے کہا میر خلیق مر گئے

اس تاریخ پر بعض نے یہ اعتراض کیا کہ جب آیا پر ہمزہ ہو اس کے بئیں عدد لیتے ہیں اس قاعدہ سے نادرست ہے چونکہ تاریخ اچھی ہے اس کی درستی کے واسطے (ایک استاد کا قول بیان کیا جاتا ہے) میاں مصحفی نے تاریخ رام پور کی لڑائی فتح ہونے کی (یہ تاریخ) لکھی ہے لکھی جاتی ہے ؎

فتح آصف کی ہوئی دشمن بے دیں بھاگا

اس میں بھی ئے کی دس لئے ہیں (جسے شبہ ہو حساب کر لے)

کاظم[1] خوش سخنور، مرزا کاظم علی، مشہور کربلائی تخلص "کاظم" شاگرد گوثر ۔ منہ

قتل کی اپنے یقیں ہو گئی تدبیر مجھے
خط جو سرخی سے کیا یار نے تحریر مجھے

ہو گیا جوش جنوں تاب نہ آئی مجکو
اپنی منت کی جو دی یار نے زنجیر مجھے

---

[1] ن ۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے ۔

خنجر سے اپنے کاٹ لیا اس نے سر مرا شکر خدا کہ قصہ ہوا مختصر مرا
باغ ارم کی سیر کی پھر ہو نہ آرزو کاظم جو اُس کے کوچہ میں ہووے گذر مرا

قبول | شاعر مطبوع و مقبول، مرزا مہدی تخلص "قبول" خوش خلق دعائی مزاج، آشنائے ثابت قابل صحبت، شعر سے زیادہ شوق مرثیہ گوئی تحصیل خیر و نکوئی، شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ، یہ اشعار[۵] اس سے یادگار

روان رفتار کے صفوں میں خامہ اے صنم پایا زبان کلک کو توصیف ابرو میں قلم پایا
عزیزا اے یوسف دوراں ہے تیرے عشق کا سودا لا جب داغ سینہ کو تو ہم سمجھے درم پایا
اگر چشم زلیخا سے کبھی دیکھا ہے حسینوں نے ترے آگے نہایت حسن میں یوسف کو کم پایا
زمانے کی نظر آنے لگی سیر ایک ساغر میں گیا میخانہ میں جب میں تو میں نے جام جم پایا
قد جاناں ضعیفی میں زیادہ کیوں نہ قاتل ہو[۶] غضب ہے سیف نے تیغ صفاہانی کا خم پایا
سرور ایسا ہوا مجکو نہیں پھولا سماتا ہوں پ ملا بوسہ دہن کا یا گل باغ ارم پایا
قلم سر ہو گیا لیکن نہ سر کا پاؤں آگے سے پ دنا داری میں مجکو یار نے ثابت قدم پایا
تواضع اہل دنیا کی یقینی قاتل جاں ہے پ مثال تیغ دیکھا ہم نے اسکو جس کو خم پایا
کمر دیکھی جوں ہی تیری خوشی سے دم ہوا راہی پ پکاری ارواح ہم نے جادۂ ملک عدم پایا
جب اپنے دل کو دیکھا عشق میں مجنوں سے افزوں تھا پ دفا میں جب تجھے دیکھا بہت پہلے سے کم پایا
قبول اب کر دعا شاہ زمن کے واسطے دل سے پ کہ میں نے اس سے عزت پائی اور جاہ و حشم پایا

نہ ہو جب کوئی غم باقی تو پھر غمخوار پیدا ہو جو ہم ہو جائیں ناپیدا تو ماتم دار پیدا ہو
بجز دشمن نہ پایا دوست کوئی اس زمانے میں نئی دنیا جو پیدا ہو تو شاید یار پیدا ہو

---

[۵] ن - پ من کلامہ

[۶] ن - پ ہوا ہے سامری کے سحر سے کبھی عشوہ آنکھوں کا [۳] ن - پ ہو گیا قاتل

ہم اے قاتل وہ وحشی ہیں گریباں دم کا پھاڑیں بدن پر تیغ سے گر زخم دامن دار پیدا ہو

کیا مژگان جاناں نے نشانہ بے سبب مجکو کجی کے راستے سے تیر آیا یہ عجب مجکو
چلوں آنکھوں سے کچھ امداد ہو گر پائے مژگاں کی کیا ہے یار نے بے دست و پائی میں طلب مجکو

تو جو آتا ہے تو غش ہو کے میں جاتا ہوں میں ل تجھ کو پاتا نہیں جب ہوش میں آتا ہوں میں
مرض عشق گیا مر کے جو دریا پہنچا ل تجھ کو صحت ہوئی اے جان نہاتا ہوں میں
لخت دل اشک کے سیلاب میں کب ہیں پیداں ل نقش جب لکھتے ہیں دریا میں بہاتا ہوں میں
قتل کی خوشخبری سن کے ہوا شادی مرگ ل آب شمشیر کی حسرت لیے جاتا ہوں میں
خون دل اشکوں میں بے وجہ ملاتا نہ سمجھ اے صنم موتی کو یاقوت بناتا ہوں میں
شعر گوئی تو ہے کیا فخر بڑا ہے یہ قبول مرثیہ کہہ کے محبوں کو رلاتا ہوں میں

اے جان ہے ثبوت دہن میں سخن مجھے بوسہ قدم کا لوں جو دکھا دو دہن مجھے
وحشی مزاج ہوں مجھے عریاں کیجو دفن تربت میں پھاڑ کھائے گا میرا کفن مجھے

اس کا مقتول ہوں میں جس کا بدن دوہرا ہے گو اکہرا ہے مرا جسم کفن دوہرا ہے
مجھ سے اقرار تھا آنے کا گیا غیر کے گھر تجھ سے شکوہ مجھے اے عہد شکن دوہرا ہے

تو اے گل سیر کر گلزار عالم کی بہاروں میں ل ترا عاشق نہ نکلے گا کوئی مجھ سا ہزاروں میں
محباں کا محب ہوں حاسد دل سے ہے خلش مجکو ل گلوں میں گل ہوں میں در خار بن جاتا ہوں خاروں میں
گناہوں کی عقوبت سے رہائی بخشیو یارب مجھے محسوب کرنا حشر کو بے اعتباروں میں

ثبات حسن کیا جو لالہ کبھی ہو زینت کے لیے شامل ہمارے تخت دل کو گوندھ لے بیلے کے ہاروں میں

جو ہو تقسیم غم تو اے فلک غم دوست میں بھی ہوں ل مرے پر نام میرا لکھیو تو امیدواروں میں

آفتاب اپنے منھ چھپایا جب خم افلاک نے خوشۂ انگور پروین کو لگے ہم تاکنے

جبکہ زلفوں میں کیا شانہ دل صد چاک نے پ آئنہ دکھلایا حیراں ہو گئے مجھ غمناک نے

تیرے دانتوں میں صفائی کی ہے پیدا اے پری پ موج آب دُر کی صورت ریشۂ مسواک نے

اپنا ہمسر اب کسی کو سر مرا کہتا نہیں پ باد کے گھوڑے پہ چڑھوایا ترے فتراک نے

عیب ظاہر کر رہا تھا آسماں کینہ جو پردہ پوشی کی تن خاکی کی لیکن خاک نے

کون سے مجنون صحرا گرد کی یہ خاک ہے اس قدر کیوں پائی ہے سرگشتگی ہر چاک نے

کس قدر رسوا ہوا بدہضمی مے کا مرض ہو گیا مفتہ رقیبوں کو لگے ہم ڈرا کنے

کرکے گھسا پائے نازک میں ہمارے سامنے پ ہم سے کیسے ہاتھ ملوائے ترے دلّاک نے

طاق سے شیشہ پہ جب تو نے اتارا ساقیا پ طاق نسیاں تیرا اے ظالم لگے ہم تاکنے

اس سیم تن کے دل میں محبت مقیم کی ل اب زر کی کچھ نہ ہے نہ تمنا ہے سیم کی

اکسیر یہ زمانہ ہے نافہم کے لئے ل اس دہر میں خراب ہے مٹی فہیم کی

طالب ہو کون طاقت دیدار کس کو ہے ل جلوہ تو ہے پر آنکھ کہاں ہے کلیم کی

میرا سخن کریں گے مرے بعد سب عزیز ل ہوتی ہے اہل درد کو الفت یتیم کی

تو گنج تھا مرا سو اڑا لے گیا ہے غیر ل پائی مرے رقیب نے قسمت قسیم کی

ہو صرف وصف بینی و زلف و دہان یار ل تفسیر لکھ رہا ہوں الف لام میم کی

تا وقت مرگ مجکو نہ جانے گی اے قبول ل دیو رحیم نفس سے رحمت رحیم کی

ثبات[1] | شاعر خوش اوقات، مرزا محمد محسن ولد مرزا احسن تخلص "ثبات" شاگرد مرزا

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

ہدی قبول

دوں اگر نسبتیہ اپنی آہ آتش بار سے
برق جل کر گر پڑے اس چرخ مینا کار سے

کیوں نہ ہوں اس طفل ہندو کے گلے کا ہار میں
رشتۂ جاں کو ہے رشتہ رشتۂ زنار سے

آفتاب روے روشن سے اسے جھپکائیے
دیر سے آنکھیں لڑی ہیں روزن دیوار سے

جاں بلب ہوں طفل مجھ وحشی سے باز آتے نہیں
سیکڑوں خالی ہیں دامن دامن کہسار سے

عید کا دن ہے کردا ے جان جاں مجکو بھی شاد
آج تو میرے گلے لگ جاؤ آکر پیار سے

پاؤں کے چھالوں سے چل کر تر کر دا ے دشت
العطش کا شور سنتے ہیں زبان خار سے

زایر شاہ نجف ہوں جی میں ہے چل کر شتاب
مس کروں آنکھیں مزار حیدر کرار سے

سعید یار ایگانہ اور وحید، آغا نجف تخلص "سعید" شاگرد نامی مرزا ہدی

قبول یہ اشعار اس سے یادگار

صیاد دے گا قید کا رنج و محن مجھے
کیوں باغباں دکھاتا ہے سیر چمن مجھے

کھلوائیں ٹھوکریں تری رفتار نے مجھے
منہ کی کھلائے گا ترا عشق ذقن مجھے

تھا عشق جیتے جی جسے اک رشک ماہ کا
درکار اب ہے چادر مہ کا کفن مجھے

اس حور وش کے ساتھ گیا کل جو باغ کو
سیر بہشت ہو گئی سیر چمن مجھے

عاشق ہوا ہوں تجھ پہ جو اے بحر حسن میں
جھنکواتا ہے کنویں ترا چاہ ذقن مجھے

جب سے ہوا ہوں عالم غربت میں میہماں
کس درجہ یاد آتا ہے اپنا وطن مجھے

کچھ خوف حشر مجکو نہیں مطلق اے سعید
بخشوائیں گے خدا سے حسین و حسن مجھے

باغ میں جب تجھے اے غنچہ دہن دیکھیں گے
نہ کبھی ہم گل نسریں نہ سمن دیکھیں گے

اس لیے ہے سفر ملک عدم کا ارماں
کہ وہاں صورت یاران وطن دیکھیں گے

لہ ن۔ پ۔ یہ۔ ان کا ذکر نہیں ہے۔

ہم دعا دیں گے رہا کر دے قفس سے صیاد | تو پھلے پھولے گا ہم سیر چمن دیکھیں گے
آنکھیں کانی ہے اسیروں کو نہ گیسو دکھلا | نہ پھنسیں گے کبھی آہو جو رسن دیکھیں گے
کوچہ دیکھیں گے جو آکر گل رعنا تیرا | عندلیبان چمن پھر نہ چمن دیکھیں گے
باتیں تم ہم سے کروگے تو بر آئے گی مراد | کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے دہن دیکھیں گے
ہے یقیں ہوگا ماشاء اللہ جو کبھی بخت سعید | روضۂ حضرت سلطان زمن دیکھیں گے

ظہور[1] | طالب علم مستعد، مرد باشعور، آغا حسن تخلص "ظہور" ولد مرزا آئی رضا. شاگرد مرزا مہدی قبول، یہ اس سے یادگار

جب بام پر نمود وہ رشک قمر ہوا | ہرگز نہ چاند شرم سے پھر جلوہ گر ہوا
مشتاق وصل بسکہ مرا عضو عضو تھا | اے قاتل اس لیے نہ جدا تن سے سر ہوا
فرہاد سر کو پھوڑ کے تیشہ سے مر گیا | شیریں سے کہہ دو دور ترا درد سر ہوا
اب مجکو وصل کی ہوئی امید یار سے | خلعت سے سرفراز مرا نامہ بر ہوا
میں ڈھونڈھ لیتا حشر کے دن اس نشان سے | میرے لہو سے دامن قاتل نہ تر ہوا
دودِ جگر ہمارا نہ برباد جائے گا | کاجل ہمارے یار کو مد نظر ہوا
تاریک میری آنکھ میں اس سے زمانہ ہے | پنہاں مری نظر سے وہ رشک قمر ہوا
جب سے دہان یار کی الفت مجھے ہوئی | ایسا ہوا ہوں زار کہ موئے کمر ہوا
کچھ خوف حشر میرے نہیں دل میں اے ظہور | حامی روز حشر شہ بحر و بر ہوا

قابل[2] | طبیع اس کی محاورے پر مایل، میر رضا علی تخلص "قابل" شاگرد مرزا مہدی قبول یہ اشعار اس سے یادگار

عقدہ کسی عاجز کا جو وا کر تو بھلا ہے | مشہور جہاں میں ہے بھلا کر تو بھلا ہے
قابل تو سدا خون جگر اپنا پیئے گا | لا دل کو جو دلبر سے بچا کر تو بھلا ہے

---

[1] ن . ب میں ان کا ذکر نہیں ہے

ندیم | ذکی و فہیم، میر محمد شفیع ابن میر محمد رفیع میر منشی تخلص "ندیم" شاگرد (مرزا مہدی) قبول، یہ اس سے یادگار

رضواں نہیں ترا ہمیں باغِ جناں پسند — بھیجیں وہاں کہ ہے ہمیں کوئے بتاں پسند
ناخن کی شکل بدر کو تو نے کیا ہلال — اے چرخ پیر تو ہے بہت ناتواں پسند
خانہ بدوش ہیں ہمیں دنیا سے کام کیا — جن کا مکاں نہیں انہیں ہے لامکاں پسند
خوش لہجہ باغِ دہر میں مجھ سا نہیں ندیم — ہے بلبلِ چمن کو بھی میری زباں پسند

کیا بعد مرگ بھی مری حشمت ہے زندہ پر — لڑکے ہزاروں سنگ لگاتے ہیں گور پر
ہم ہجر میں موئے یہ نشانِ مزار ہے — لالہ کے بدلے داغ نمایاں ہے گور پر
وہ حکم ہے نہ ملک نہ وہ زور ہے نہ زر — کیا بیکسی برستی ہے شاہوں کی گور پر
زیرِ کفن جلاتی ہے ساقی کی یاد میں — مستانہ چل رہی ہے صبا میری گور پر
اے ترک تیری آنکھوں کا صیّاد صید ہے — ان آہوؤں کو فوق ہے بہرام گور پر
ایسا نہ ہو کہ ہاتھ کا لپکا اسے پڑے — تہدید کچھ ضرور ہے مہندی کے چور پر
معشوق بے وفا بھی ہوتے ہیں اے ندیم — گل خندہ زن ہے بلبلِ نالاں کے شور پر

سحر | اجودھیا پرساد تخلص "سحر" (ساکن لکھنؤ) شاگرد مرزا مہدی قبول یہ اشعار اس سے یادگار

خلش سے غیر کی کوچہ ترا اے گلبدن چھٹا — قیامت ہے کہ فصلِ گل میں بلبل سے چمن چھوٹا
تری آنکھوں کی گردش سے ہوئے خوش چشم آوارہ — چمن خالی ہوئے نرگس سے آہو سے ختن چھوٹا
زخود رفتہ ہوا جب کلک قدرت حسن اعضا میں — کمر بننے کو باقی رہ گئی نقشِ دہن چھوٹا
بلا سے پیچ سے زنجیر سے ممکن ہے چھٹ جانا — مگر کس دن اسیرِ دامِ زلفِ پرشکن چھوٹا
کیا عشق لب و دنداں نے تیرے بے وطن سب کو — گہر نکلے عدن سے اور یمن سے یمن چھوٹا

پھڑکتی آنکھ جب دیکھی ترے گیسو کے حلقہ میں — یقیں جانا سبھوں نے سنبلستاں میں ہرن چھوٹا
حدیث حسن نے تیری بھلایا قصۂ یوسف — نیا مضموں جو ہاتھ آیا تو مضمون کہن چھوٹا
پھنسا تو ہی نہیں اے سحر اس کافر کی الفت میں — نہ کوئی شیخ باقی ہے نہ کوئی برہمن چھوٹا

خشم | حکمت میں مشہور شاعری میں علم میر امیر علی تخلص "خشم" شاگرد شیخ (امام بخش) ناسخ من داشتہ[1]

یہ جی میں ہے کہ ہاتھوں کی جا پر لگائیے — اڑ کر کہیں سراغ کبوتر لگائیے
قامت کا دھیان تا بہ قیامت نہ جائے گا — گھر میں ہزار سرو صنوبر لگائیے
جھوٹوں کبھی امیر نے مجھ سے نہ یہ کہا — تکیہ میں اس فقیر کے بستر لگائیے
ہوگا نہ صنعتوں میں نہ تقطیع میں درست — مصرع جو کوئی مصرع قد پر لگائیے

عیش و عشرت کو سدا رنج و محن سمجھا کیا — خانہ شادی کو میں بیت الحزن سمجھا کیا
کھل پڑا جوڑا نہانے میں جو ردے یار پر — بے تامل اس کو میں سورج گہن سمجھا کیا
وائے نادانی کہ یہ غفلت مرے دل کو رہی — اس مسافر خانہ کو اپنا وطن سمجھا کیا
توڑ کر پیمانہ دل کو لگا پھر جوڑنے — اس کو بھی اک کھیل وہ پیماں شکن سمجھا کیا
اے خشم میں ہوں اصول خمسۂ دیں کا مقر — مجکو ہر مومن غلام پنجتن سمجھا کیا

نادر | اہل بیت علیہم السلام کا شاعر، منقبت گوئی پر ذہنیت، نادر مرزا عسکری، تخلص "نادر" شاگرد خشم من کلامہ

آخر اک دن زمیں میں جانا ہے — اپنی ہستی کا کیا ٹھکانا ہے

حسن پا در رکاب ہے نادر — یہ صدا ہے صنم کے گھنگرو میں

حافظ | شخص نابینا تخلص[2] "حافظ" شاگرد شیخ امام بخش ناسخ پیداش ہے

---

[1] ل - پ من کلامہ — [2] ل - پ حافظ لقب

یادگار۔

رٹ لگ گئی ہے دل کو بس اک بت کے نام کی
کعبہ سے آرہی ہے صدا رام رام کی

مہر[1] | مرزا حاتم علی بیگ تخلص "مہر" شاگرد ناسخ، کلام ان کا مضبوط اور راسخ[2]

شعلۂ طور ہے نے برق تجلی ہے وہ رخ — قہر اللہ کی قدرت ہے تماشا ہے وہ رخ
تن بے روح میں روح آتی ہے دیکھے سے اسے — منہ پہ عیسیٰ کے یہ کہتا ہوں مسیحا ہے وہ رخ
شمع کیونکر نہ جلے کیوں نہ قبا گل پھاڑے — رشک ہے حور کو کبھی تو نے یہ پایا ہے وہ رخ
مہر معشوق ہے اور صبح امید عاشق — حیرت یوسف و تسکین زلیخا ہے وہ رخ
شمع کو شعلہ کو مشعل کو مہ و مہر کو مہر — یہ فروغ اس کے ہے پرتو سے ہی ایسا ہے وہ رخ

راجا[3] | صاحب کوس و لوا، راجہ بلوان سنگھ تخلص "راجا" والی بنارس شاگرد مہر، من کلامہ

رنگ مہندی کا نہیں شام و سحر ہاتھ میں ہے — پنجۂ مہر ترے رشک قمر ہاتھ میں ہے
ذبح کر چھوڑ دے یا کنج قفس میں کر بند — اب تو صیاد ترے مرغ سحر ہاتھ میں ہے

تنہا[4] | شاعر بے مثل و یکتا، منشی کفایت علی تخلص "تنہا" شاگرد حاتم علی مہر، من اشعارہ

کب تک نہ کھائے گا مجھے تیغ جفا کے ہاتھ — قصہ تمام کر کہیں قاتل لگا کے ہاتھ
ہے جی میں لکھ کے برگ گل تر یہ حال دل — اس نازنیں کو بھیجئے پیک صبا کے ہاتھ

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

[2] خلف مرزا فیض علی بن مرزا مراد علی خاں صاحب، وکیل عدالت دیوانی اکبرآباد، صاحب دیوان و رسالہ "پنجۂ مہر" ہیں (سخن شعرا) مصنف چنار گدہ (سراپا سخن)

[3،4] ن پ میں ان کا ذکر نہیں۔

کرتے ہیں وہ مصافحہ غیروں سے یا نصیب — بزمِ طرب میں بیٹھ کے ہم سے اٹھا کے ہاتھ
خواہانِ آفریں ہیں وہ افسوس غیر سے — گردن پہ میری تیغِ جفا کے لگا کے ہاتھ
گم ہو گیا ہے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں دل مرا — دیکھو خدا کے واسطے ذرہ دکھا کے ہاتھ
رکھ تو دیا ہے سر بُتِ قاتل کے پاؤں پر — ہے آبرو مگر مری تنہا خدا کے ہاتھ

خفی[1] | امراز حسین اُس پہ جلی، مرزا محمد تخلص "خفی" شاگردِ شیخ ناسخ۔ یہ اس سے یادگار

قتلِ عشاق پہ کھینچے ہیں جو تلوار ابرو — بے گناہوں کو سمجھتے ہیں گنہگار ابرو
چشم و ابرو سے تمھارے خفگی ظاہر ہے — پھیری ہیں آنکھیں کشیدہ ہیں جواے یار ابرو
ترکِ چشم صفِ مژگاں و نگاہ خوں ریز — اب ہیں اس لشکرِ خونخوار کے سردار ابرو
ہے جو بوسہ کی اجازت سے تقرب مجھ کو — قابِ قوسین کا دکھلاتے ہیں آثار ابرو

قاصر | مرزا ابر علی بیگ تخلص "قاصر" شیخ[2] امام بخش ناسخ اس کے کلام کے ناظر

منہ

ہو جو سر گرمِ فغاں فریاد تیرے ہاتھ سے — کیوں نہ ہو نا شاد جانِ زار تیرے ہاتھ سے
میرا سر کاٹا نہ کاٹا پر جدا ہوتی ہے کب — گردنِ شوق اپنی اے جلاد تیرے ہاتھ سے
نیم بسمل لوٹتا ہوں ہائے ظالم وقتِ ذبح — چھٹ گیا کیوں خنجرِ فولاد تیرے ہاتھ سے
جرم خسرو کا نہ تقصیر اس میں کچھ شیریں کی ہے — موت لکھی ہے تری فرہاد تیرے ہاتھ سے
تو تو ہے صیاد عالم سچ بتا کیوں کر ہوا — طایرِ دل دخیا آزاد تیرے ہاتھ سے
دیکھ چشمِ عقل سے نافہم ہو دیں گے بھلا — شعرِ قاصر موزوں آزاد تیرے ہاتھ سے

رشک | شاعرِ سترگ، ممدوحِ خرد و بزرگ، زیورِ علم و فضل سے آراستہ، دبیر استہ، نظم میں ایک نظام، کلام میں متانتِ تمام، شعروں میں سلاست،

---

[1] ن۔ ب خفی کا ذکر نہیں ہے۔ [2] ن۔ ب۔ شاگردِ نثار اللہ خاں فراق۔ ولد مرزا رستم بیگ سمرقندی باشندہ دہلی مقیم لکھنؤ۔ اول شاگردِ نثار اللہ خاں فراق بعد غلام ہمدانی مصحفی (سراپا سخن)

رشک میر، (میر) علی اوسط، تخلص "رشک"۔ (کلام اس کا) منظورِ ضمایر خاطر[1] کا مرغوب، شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ بلکہ اُن[2] کے برابر محسوب، ساکن اور مولد فیض آباد۔ بدو سن سے شعر گوئی کا سواد طبیعت ہنر کی کاسب، صحبت[3] مشاعرہ پر راغب، فکرِ موزوں، طبیعت رساں، اس نقل کا اُن کی زبان سے بیان کہ اس آوان میں مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانہ میں صحبت مشاعرہ مقرر اور (روز مقررہ) وہاں ازدہام اہل فضل (و ہنر) ہوتا تھا۔ چونکہ مستحسن[4] خلیق فیض آباد میں استاد تھے اُن کو غزل دکھائی اور سامعین سے اس کی داد پائی چندے زمانہ اسی طور پر گذرا۔ ۱۲۳۱ھ میں کہ جناب عالیہ نے انتقال کیا اور سررشتۂ روزگار برہم ہوا اور عزم (بالجزم) سکونت لکھنؤ مصمم[5] ہوا۔ اس وقت بسبب اپنی اجنبیت کے دریافت حال شعرائے لکھنؤ میر صاحب مرحوم سے معلوم کیا اور سفارش چاہی میر صاحب نے بعد تامل کے فرمایا کہ میرے دوستوں میں شیخ امام بخش ناسخ ہیں کہ طبیعت ان کی بہت متین اور فی زماننا ایسا اور کوئی[6] شاعر نہیں ہے اُن کی خدمت میں حاضر رہنا۔ میں نے خط سفارش کا طلب کیا فرمایا[7] کہ اس کی کیا حاجت ہے فقط میرا سلام شوق کہنا۔ القصہ فیض آباد سے لکھنؤ میں آنے کا اتفاق ہوا۔ اور میر امجد علی ہوشیار کی معرفت شیخ صاحب کی خدمت میں پہونچا[8] بطریق نذر بعد سلام و پیام ایک غزل پیش کش کی سردست[9] مزین اصلاح سے ہوئی۔ اسے سونپ

---

[1] ن۔ پ۔ خواطر [2] ن۔ پ۔ ان [3] ن۔ پ۔ دل

[4] ن۔ پ۔ چار و ناچار مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا۔ غزل دکھلائی اور ہنرمندوں سے واہ واہ پائی۔ [5] ن۔ پ۔ کا ٹھہرا [6] ن۔ پ۔ کہا اس کی احتیاج نہیں میرا نام کہنا اور اپنا کلام پڑھنا [7] ن۔ پ۔ ن۔ پ۔ آیا۔

[8] ن۔ پ۔ باریاب ہوا [9] ن۔ پ۔ فرمایا اسے چھوڑ جاؤ کہ اصلاح کی جائے گی۔

کر رخصت ہوا اور دو چار دن کے بعد[1] پھر گیا، کہا کہ وہ مسودہ جاتا رہا آزردگی کو راہ نہ دو، اگر تمھاری کہی تھی پھر کہہ سکتے ہو، میں نے اسے امتحان سمجھا اور[2] پھر شعر اسی زمین میں کہہ کر لے گیا شیخ صاحب نے اسے زیور اصلاح سے آراستہ فرمایا۔ وہ زمانہ شاگردی ماہ ربیع الاول ۱۲۳۱ھ تھا اب جو میں نے تامل کہ تاریخ اپنی شاگردی کی کہوں[3] سہل تر یہ ہاتھ آئی یعنی لفظ ناسخ اور لفظ رشک مل کے تاریخ حاصل ہوئی۔ یہ عجب قضیۂ اتفاقیہ ہے۔ من کلامہ[5]

بت کا کبھی اللہ کا جلوہ نظر آیا ۔۔۔ دو مردمک دیدہ سے کیا کیا نظر آیا
پھرنے میں جو آنکھیں تبوں کی دیکھیں اے رشک ۔۔۔ اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

پھنسا عذاب میں گو اجتناب رکھتا تھا ۔۔۔ یہ دل رہی ہے جو مجکو خراب رکھتا تھا
پڑے تھے پردۂ حیرت ہماری آنکھوں پر ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے کہ وہ منہ پہ نقاب رکھتا تھا
حساب آپ لگے لینے کوڑی کوڑی کا ۔۔۔ اُمید عفو کی میں بے حساب رکھتا تھا
اسے بھی محتسب آسماں نہ دیکھ سکا ۔۔۔ شراب عشق مرا دل کباب رکھتا تھا
کسوف خط میں پھنسے اب تمھارے رخسارے ۔۔۔ خجالت ان سے کبھی آفتاب رکھتا تھا
مقابلہ مری آنکھوں کے کرتے ہی ساتھی ۔۔۔ وہ آبرو نہ رہی جو سحاب رکھتا تھا
مہ صفر میں نہ رہتا ملول کیونکر رشک ۔۔۔ غم حیات رسالت مآب رکھتا تھا
وصل کا وعدہ جو رات اے جان پورا ہو گیا ۔۔۔ ماہ کامل کی قسم ارمان پورا ہو گیا

---

[1] ن۔ پ میں حاضر ہوا فرمایا کہ وہ مسودہ گم ہو گیا۔ [2] ن۔ پ اور
[3] ن۔ پ میں نے اسی زمین میں اور شعر کہے اور
[4] ن۔ پ کہوں کہ یادگار رہے لفظ ناسخ اور لفظ رشک کے وہی سن ہوئے یعنی وہ تخلص مل کے تاریخ شاگردی کی حاصل ہوئی۔ [5] ن۔ پ من اشعار رشک۔

ہے بتوں کی یادگاری بھی خدا کی یاد بھی
اے تصور اب ہمارا دھیان پورا ہو گیا
کھل گیا جس رات سارا عنبریں گیسو ترا
تاجران مشک کا نقصان پورا ہو گیا
ہو گیا ساکت مری تعریف کرنے سے حسود
نطق سے خالی ہوا حیوان پورا ہو گیا

جذب الفت نے ہمارا دل شیدا کھینچا
جب سے نقاش ازل نے ترا نقشہ کھینچا
قیس کی دشت نوردی کو نہ پہنچوں گا کبھی
کیوں مجھے کانٹوں میں اے دامن صحرا کھینچا
لاگ بھی تھی کشش عشق کی ساتھی مجھ سے
تیر سفاک نے دل پر جو لگایا کھینچا
دہن زخم ہنسا تیرے برہنہ پا پر
جب کف پائے طلب سے کوئی کانٹا کھینچا

سرکش رہا حرم میں حضور بتان جھکا
افسوس ہے کہاں نہ جھکا میں کہاں جھکا
کیوں آسماں پہ نہ چڑھے مغز کا دماغ
کھانے کو ہڈیاں سگ کوئے بتاں جھکا
ہے لازم لطافت و رفعت فروتنی
اس واسطے زمیں نہ جھکی آسماں جھکا
نون انکسار کا ہے تواضع کا ضاد ہے
ایسا ترا ضعیف ترا ناتواں جھکا
اللہ رے مراجعت افتادگاں کا اوج
چاروں طرف سے سوئے زمیں آسماں جھکا

چمن سے جو وہ گلبدن بڑھ گیا
چراغ بہار چمن بڑھ گیا
بڑھی بعد مردن یہ کاہیدگی
کہ لاشے سے ہاتھوں کفن بڑھ گیا

سسک رہے ہیں کئی ناتوان سے باہر
قدم نکال کسی دن مکان سے باہر
کلام یار کی تعریف کس زباں سے کروں
ہے خوش بیانی جاناں بیان سے باہر
مرے جنازے کا اسباب بھی منگا رکھنا
نکلنا ہو جو اپنے مکان سے باہر

دہن کمر کی طرح تیرے سارے اعضا ہیں　　قیاس و وہم سے باہر گمان سے باہر
ہم اپنے قد خمیدہ کو گھر سمجھتے ہیں　　نہیں کمان کا خانہ کمان سے باہر
برائے جلوہ کثیف و لطیف یکساں ہیں　　نہ آپ جسم سے باہر نہ جان سے باہر
اثر تلمذ ناسخ کا کیوں نہ ہوے اے رشکؔ　　تمام طرز سخن ہے بیان سے باہر

کب تک زبان شکوہ نہ ہوگی یہاں دراز　　اپنی زبان دیکھ ذرا او زبان دراز
نقصان و جبر ایسا برابر ہو کس طرح　　کوتاہ زندگی شب ہجراں دراز

سر فدائے قدم پاک اسے کر جانے دو　　مر چلا رفتۂ رفتار تو مر جانے دو
باتیں کرتا ہے ہم آغوش نہیں ہوتا یار　　باندھو مضمون دہن فکر کمر جانے دو
سب تمھارے شہدا اڑ اک کے ہرکارے ہیں　　گلشن خلد میں مقتل کی خبر جانے دو
آئینہ ٹوٹ گیا مجھ سے تو کیا قہر ہوا　　دیکھو تم اپنی طرف آؤ ادھر جانے دو
شادیانہ سحر وصل کا پھر بجوانا　　پہلے فرقت کی شب اے رشک قمر جانے دو

مرغوب دل حلال ہے مکروہ دل حرام　　پ کافی ہیں لاکھ مسئلوں کو یہ جواب دو
نشا کا ہے یہ لطف کہ اترا چڑھا رہے　　پ تم بوسے دو تو لب کے، چڑھا کر شراب دو

لحن داؤد کو تالو میں دبا لیتے ہیں　　دون کی آپ کے دمساز بجا لیتے ہیں
میرے ہم پیشہ ہیں در پے مرے نقصانوں کے　　کچھ نہیں پاتے تو مضمون چرا لیتے ہیں
پیچ و تاب غم گیسو میں تن و جاں ہیں شریک　　پ بار بار الم یار بٹا لیتے ہیں

۱؎ ن - پ گذر

عشق میں حکم کف پا و کف دست ہے ایک ⁂ بیتیں کانٹوں سے ہم برہنہ پا لیتے ہیں
صفحۂ دہر میں ہے نام سیہ بختی سے ⁂ ہم اسی دود سے نام اپنا اٹھا لیتے ہیں
سچ مثل ہے کہ صدائے دہل از دور خوش است ⁂ دور سے ہم تری باتوں کا مزا لیتے ہیں
عاشق اے رشک کیا اُن کی سخن سازی نے ⁂ کہ بگڑتا ہوں تو کچھ بات بنا لیتے ہیں

ذرا اک پر پھڑک کے لگا جان ہار سنے ⁂ تسمے جوئے کے تسمے بنائے شکار نے

قول آہ شرر افشاں ہے کہ شعلہ کیا ہے ⁂ آنکھیں کہتی ہیں دم گریہ کہ دریا کیا ہے
آبرو باقی رہے ڈوب کے مرنا کیا ہے ⁂ اے اجل آب دم تیغ کا دریا کیا ہے
کھول کر زلف کہا اثر درِ موسیٰ کیا ہے ⁂ ہاتھ چمکا کے وہ بولے[51] ید بیضا کیا ہے
مجکو دیوانہ کیا سایہ زلف و قد نے ⁂ اے پری دیو کسے کہتے ہیں سایہ کیا ہے
تو خدا ہے تو یہ کعبہ ہے جو بت ہے تو دیر ⁂ دل عشاق تری جا ہے تو بے جا کیا ہے
یہی گو ہے یہی میداں ہے یہی میں یہی وہ ⁂ مجکو نا فہم جو سمجھا ہے وہ سمجھا کیا ہے
عشق نے ہوش میرے کھوئے ہیں ایسے اے رشک ⁂ نہیں معلوم کہ دنیا کا تماشا کیا ہے
جاں محو چہرہ دل خط و زلف بتاں پسند ⁂ شعلے سے کوئی شاد کسی کو دھواں پسند
یہ بات سنگ اسود کعبہ سے کھل گئی ⁂ درگاہ ایزدی ہے بت بے زباں پسند

مہر | امین الدولہ، سیف الملک، سید آقا علی خاں بہادر فیروز جنگ تخلص "مہر" دست گوہر افشاں اس کا ہم سنگ مہین پور نواب معتمد الدولہ (بہادر) شاگرد میر علی اوسط رشک۔ من کلامہ[52]

---

[51] ن۔ پ بولا

[52] ن۔ پ من کلام معجز نظام نواب موصوف

یہ تصور بندھ گیا اس آئنہ تمثال کا
شک ہے مدِ آہ پر بھی آئنہ کے بال کا

مو بمو بندھوا ہوا چوٹی کے اک اک بال کا
ہندوے گیسو کا یہ دل ہو گیا ہے بال کا

لام و عین و نون و اعراب و نقطہ کو عشق ہے
پ زلف و چشم و ابرو و خط سیاہ و خال کا

دیکھنے والوں کی ہے گردش نگہ کی آسیا
نازکی سے پس نہ جائے دیکھ دانہ خال کا

کثرت وحدت سے تیرا پا برہنہ دشت میں
خار کو اک بال سمجھا شیشۂ شب خال کا

کہہ رہا ہے زیست میں اک گھڑی کم ہوتی ہے
غافلو یوں ہی نہ سمجھو بولنا گھڑیال کا

مرغ جان عارف حق صید کرنا ہے اگر
پشنبۂ حلاج سے بٹوائیو ڈورا جال کا

فلسفی کہتے ہیں جس کو سات طبقے چرخ کے
تھر دہ اک ست کھنڈا ہے اس بلند اقبال کا

اس باب میں حواس و شہر پانچوں ایک ہیں
احمد سے تا شبیر و شبر پانچوں ایک ہیں

ہیں ذرہ کبک فاختہ بلبل ہیں پانچوں ایک
تو سرو و مہر و مہ و گل تر پانچوں ایک ہیں

مجھ تیرہ بخت حیرتی روز و زلف کو
دن رات، صبح و شام و سحر پانچوں ایک ہیں

کھانے کو داغ ہونے کو صد چاک ہجر میں
دل، جان، جسم سینہ جگر پانچوں ایک ہیں

یوسف جمال تیرے خریدار حسن کو
پ غم رنج عیش نفع ضرر پانچوں ایک ہیں

اے سیم تن صنم ترے ہر خاکسار کو
زر سیم خاک لعل و گہر پانچوں ایک ہیں

عاشق کو مرگ و زیست میں ہنے کے واسطے
گھر، بحر، بر، بہشت و سقر پانچوں ایک ہیں

اس نہ سے بد حواسی دلبستگی میں مہر
شم ذوق لمس سمع بصر پانچوں ایک ہیں

سید | شاعر معتمد، نظام الدولہ امیر الملک، سید علی خان بہادر، دلاور جنگ تخلص۔ سید۔ خلف اوسط نواب معتمد الدولہ بہادر، شاگرد میر علی اوسط رشک
من اشعارہ[۱]

۱ن۔ ب ۵۰

چٹکی لی جان کسی کی نکلی پ یہ نئی وضع ہنسی کی نکلی
ایک بھی زخم پر چھڑکا نہ نمک، ہر جفا آپ کی پھیکی نکلی

بُت خانوں میں بھری ہوئی خلقت خدا کی ہے
بت بھی خدائی کرتے ہیں قدرت خدا کی ہے
عالم جدا یہاں ہے دو عالم سے اے بتو
پردے میں دل کے اور ہی خلقت خدا کی ہے
بیجا نہیں حسینوں کی یہ لن ترانیاں
اے غافلو یہ حسن امانت خدا کی ہے

چمکے گا کیا ہی تیرے گل اے یار ہاتھ میں
گلدستہ ہے کہ پھولا ہے گلزار ہاتھ میں
ابرو سے خون خلق کرے کیوں نہ چشم یار
دیتا ہے کوئی مست کے تلوار ہاتھ میں
اللہ رے فیض، دست کے چھوتے ہی ہو گیا
پھولوں کا ہار موتیوں کا ہار ہاتھ میں
کیوں کر نہ دست بستہ رہوں پیش چشم یار
رکھنا ضرور ہے دل بیمار ہاتھ میں
سید کبھی نہ طالب اکسیر ہوں جو آئے
خاک مزار حیدر کرار ہاتھ میں

آرزو شہرہ اس کے سخن کا چارسو، مرزا علی محمد تخلص "آرزو" برادر و شاگرد رشک[1]۔ من کلامہ

بوسہ نہ دے گا نشہ میں زنہار دوسرا
اس شوخ مست سا نہیں ہوشیار دوسرا
عاشق ہو خال و کاکل مشکین یار کا
مجھ سا نہیں جہاں میں سیہ کار دوسرا
بیمار چشم یار تھی اب رونے کا ہے روگ
پیدا ہوا ہے یہ ہمیں آزار دوسرا
صیاد نے پھنسا کے کسی دن خبر نہ لی
مجھ سا ہے کون مرغ گرفتار دوسرا
صیاد کو جو میری رہائی کی فکر ہے
پر شاید کیا ہے مجھ سا گرفتار دوسرا
اے بت نہ کر خدا کے لیے بے وفائیاں
مجھ سا کہاں ملے گا وفادار دوسرا

---

[1] لکھنؤ شاگرد یگانہ

بادام آنکھیں سیب ذقن چھاتیاں انار | تجھ سا ہے کب نہالِ ثمر دار دوسرا
اس نے چھڑک چھڑک کے نمک میرے زخم پر | سینہ بنا دیا ہے نمکسار دوسرا

چہرۂ یار ہے صاف اے گل گلزار کہ تو | فی الحقیقت وہی ہے گل گل بے خار کہ تو
دعویٰ عشق ہے باطل تجھے اے مرغ چمن | ہم ہیں اس نرگس بیمار کے بیمار کہ تو
چشم انصاف سے منصف ہو تو ہی اے سنبل | خوشنما یار کا ہے طرۂ طرار کہ تو
عشق گل میں نہیں اے آرزو اتنا معلوم | آج ہے نغمہ سرا بلبل گلزار کہ تو

نازک ہے بدن پہونچے گا صدمہ نہ پہن پھول | اے غیرت گل تیرے ہیں اعضائے بدن پھول
موت آئے مجھے ہجر بت غیرت گل میں | بالائے کفن پھول ہوں کچھ زیر کفن پھول
غصہ سے اکھیں اے گل تر آنکھ نہ دکھلا | مرجھائیں گے گلشن میں بیک چشم زدن پھول
جیسا گل تازہ ہے تو گلزار جہاں میں | ایسے نہیں شاداب تہہ چرخ کہن پھول
مرجھا گئے ہیں سنتے ہی گل رؤوں کے چہرے | اس کان ملاحت نے جو پہنے ہیں کرن پھول
کرتا ہوا گلگشت ادھر تو بھی تو آ جا | ہیں آرزو کے آج تو اے رشک چمن پھول

رسا | صاحب فہم و ذکا میر علی احمد تخلص رسا "خلف الصدق" مولانا سیدنا جناب غفراں مآب میر نجف علی صاحب طاب ثراہ، شاگرد میر علی اوسط صاحب رشک سلمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

بجلیاں پہنیں تو اک آگ لگی کانوں میں | کنگھی زلفوں میں جو کی درد ہوا شانوں میں
ہیں لگائے ہوئے پیوند دامانوں میں | کنٹھی زر بفت کی ٹکی جن کے گریبانوں میں
اس تمنا میں مرے عضو ہوئے جاتے ہیں خشک | تنکے بن جائیں تو پڑ جائیں ترے کانوں میں
اے فلک سر پہ اٹھاؤں گا زمین ساقی | جام خورشید بھی مل جائے گا پیمانوں میں

قبر میں جذب محبت نے اثر دکھلایا | اس کے رونے کی صدا آئی مرے کانوں میں
زاہد خشک پیے مے تو ہرا ہو جائے | پانی پڑ جائے ابھی سوکھے ہوئے دھانوں میں
کہتا ہوں عکس مژہ دیکھ کے رخساروں پر | پڑھ کے چھریاں کہیں رکھیں نہ وہ قرآنوں میں
اور کیا کیجیے ترے گیسوؤں کو اے ترسا | پنجۂ دہر سے بہتر ہیں کہیں شانوں میں
نالے کرتا ہوں نکلتے ہیں جہاں طفل سرشک | بچے پیدا ہوں تو دیتے ہیں اذاں کانوں میں

تنویر | خوش تقریر، سید کاظم حسین تخلص "تنویر" شاگرد میر علی اوسط رشک، یہ (اشعار) اس سے یادگار

اڑ نہ جائے ایسی گھات اے صید افگن چاہیے | فکر صیادی مرغ رنگ گلشن چاہیے
تیرے سر کے چاند نے اے مہ بٹھایا زلف میں | ایسے قیدی کو مہ نو طوق گردن چاہیے
پھاندوں گا اے باغباں اس غیرت گل کا مکاں | میری عاشق جست کو دیوار گلشن چاہیے

بنتے ہو غماز جا کر صحبت غماز میں | ہیں در اندازوں کے انداز آپ کے انداز میں
تھا محرر آہ آتشبار و داغ دل کا حال | ہم نے خط باندھا پر طائر آتش باز میں
باغ میں تم اس قدر گاؤ کہ چھا جائے صدا | رنگ گل مل جائے رنگ شعلۂ آواز میں
پنبۂ خورشید جل جائے گا اونچے سُر نہ لو | ہے لپک بیڈھب تمھارے شعلۂ آواز میں

جو دریا میں رخ پر نور جاناں شعلہ افگن ہو | چراغ طور کی صورت حباب ایک ایک روشن ہو
مسی آلودہ دانتوں کو اگر گلشن میں وہ مانجے | چمن میں سب کے نیلوفر کے پھول اس گل کا منجن ہو
سراسر مدحت نور خدا منظور خاطر ہے | ہمارا دیدۂ دل کیوں نہ اے تنویر روشن ہو

شب فرقت کی طرح اس کا بھی پایاں نہ ملا | کہ درازی شب زلف چلیپا کیا ہے

دل سے لکھوائے مجلّد کا تواب سے جانبِ مرثیہ ہم تو دو لاکھ لکھیں ایک مجلّد کا کیا ہے
جز رثیے صاف کب ہے مہ آسماں پسند مانگ اس کی ہے پسند نہیں کہکشاں پسند
میرے ہمائے فکر کی مغز سخن ہے چاٹ بے مغز جو ہو آئے اُسے استخواں پسند
رہتا ہوں تیری تیغ نگہ کی پناہ میں پر کس کو ہے رونق سپر آسماں پسند

منیر تازہ گو، صاحب ایجاد، طرّہ دستار استاد۔ حیرت فزائے صغیر و کبیر، میر اسمٰعیل حسین تخلص منیر، شاگرد میر علی اوسط رشک۔ یہ اشعار اس سے یادگار

اللہ رے شوق اسپ بت خانہ جنگ کا سونے کے توڑے کو کیا گھوڑا تفنگ کا
چھرا چلا فلک پہ بت خانہ جنگ کا چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کتا تفنگ کا
جلوہ ہے جام مے میں خط سبز رنگ کا دستار آفتاب میں طرّہ ہے بنگ کا
چکھا کیے ہیں مال بت خانہ جنگ کا خالی کیا ہے ہم نے خزانہ تفنگ کا
خود بولتا ہے وصف خط سبز رنگ کا گویا ہے طوطی آئنہ رخ میں زنگ کا
چھڑوائی چاپ یار نے جب کا جو داغ دل اکثر چراغ پا ہوا گھوڑا تفنگ کا
دیتے ہیں چھلے گھنگھرو کے بندوق کی صدا پر توڑا ہے تیرے ہاتھ کا توڑا تفنگ کا
گلشن میں پھول کان میں لعل انجمن میں شمع پر جلوہ تمہارا دیکھتے ہیں رنگ رنگ کا
دنیا میں تیرے گولے نے چھوڑا نہ ایک کو جام جہاں نما ہوا پیالہ تفنگ کا
روزن جگر میں پڑتے ہیں تسبیح یار سے دانوں میں ہے لعاب زبان خدنگ کا
ہم نے کیا مصالحہ اسلام و کفر میں پر پانی ملا دیا چہ زمزم میں گنگ کا
میرے جنون سے شیروں کے نشے ہرن ہوئے بیٹا ہوں پوست لالہ داغ پلنگ کا
دانتوں کا عکس تنت تبسم جو پڑ گیا پر نیرے کا ساز ہو گیا تیرے منہ بنگ کا
آئی قیامت آپ کی تکل اگر اڑی پر قرطاس صبح حشر ہے کاغذ پتنگ کا
حیرت زدوں کے رنگ اڑائے حضور نے آئینہ حوض بن گیا ہولی کے رنگ کا

کچھ اس غزل میں جی نہ لگا خوب اے منیر نکلا نہ کوئی شعر طبیعت کے رنگ کا

کسے ہوتی ہے اے ترک اس قدر پیاس آب آہن کی تری تلوار کا پیاسا ہے شہ رگ میری گردن کی
صدا گانے کی سن کے اہل مجلس مست ہوتے ہیں تمھاری گٹکری قلقل بنی مینائے گردن کی
بس وہ طائر ہوں جس کے زمزموں کا غل ہے جنت میں پر جبریل کے نیل ہیں مری شاخ نشیمن کی
تڑپ نعلوں کی گویا جنبش ابروے خوباں ہے اشارے کرتی ہے اے ترک تپلی تیرے توسن کی

گذر ہر بحر پر رہتا ہے خضر طبع موزوں کا ہمارا کالبد بحرا بنا دریائے مضموں کا
عمل ہے قاف سے تا قاف دیوانوں کے افسوں کا اڑائے تخت پریوں کے جو ہم نے پڑھ کے کچھ پھونکا
تہوس ہو گیا روے کتابی کے نظارے سے بنا گرد مرغ ایک ایک ڈھیلا چشم پرخوں کا
اڑے تکل تمھارے کٹ گیا دل ربع مسکوں کا پڑا ہے ڈور کے مانجھے میں شاید شیشہ گردوں کا
لب نگیں پہ مسی شاعروں کو وہ دکھاتا ہے ارادہ کر رہے ہیں ذبح مضموں پردہ شب خوں کا
شروع رقص ہی میں اے پری دل ڈوبے جاتے ہیں دوپٹے میں ترے شاید لگا ہے پاٹ جیحوں کا

صغیر | خوش گلو و خوش تقریر مرزا اسمٰعیل، بزم خواں، تخلص "صغیر" شاگرد منیر
یہ اس کی تقریر (صغیر)

سبز جوہر ہے جو اے قاتل تری تلوار کا کیا نیام اس کا لفافہ ہے خط گلزار کا
یوں نہیں چھٹنے کا دھبہ شعلہ رو تلوار کا خون صندل کے لیے ہو مرغ آتش خوار کا
صبح صادق ہے شعاع مہر سے جاروب کش چاند ہے دلال تیرے حسن کے بازار کا
تیرے کوچے سے مجھے آتی ہے خوشبوے شراب خون اے قاتل کیا ہے کیا کسی میخوار کا

لہ ن۔ پ گالیاں ۔ ؎ ن۔ پ کر ۔ ؎ ن۔ پ طلائی
؎ ن۔ پ دکھاتے ہیں ۔ ؎ ن۔ پ من کلام

خط نہیں نکلا ترے روے کتابی پہ ابھی — حاشیہ چھوڑا ہوا ہے مصحف رخسار کا

فہیم | صاحب طبع سلیم، پنڈت سندر لال تخلص "فہیم" شاگرد سید اسمٰعیل حسین منیرؔ۔ من کلامہ

سرمہ لگایا آنکھوں میں اس رشک ماہ کی — ہم نے بیاض دیدۂ یوسف سیاہ کی
رفتار ناز دیکھئے اس رشک ماہ کی — موج آگئی جو لگ گئی ٹھوکر نگاہ کی
شیشہ نہیں کسی کا دل ناصبور ہے — ساقی نکل رہی ہے صدا واہ واہ کی
افشاں چھڑک کے آپ جو نکلے تو غل ہوا — آئی سواری خسرو انجم سپاہ کی
شاگرد ہوں فہیم جناب منیر کا — میرے کلام میں بھی تجلی ہے ماہ کی

تاثیر[1] | لالہ کنھیا لال تخلص "تاثیر" باشندہ فرخ آباد شاگرد منیرؔ یہ اس کی تقریر ہے

تیرے گلے میں پڑ نہ سکے اے نگار ہاتھ — شاخ خزاں رسیدہ ہیں اے گلعذار ہاتھ
خنجر سے دل کے سیکڑوں ٹکڑے جو کر دیے — میرا کلیجہ بڑھ گیا اے بت ہزار ہاتھ
کھجلائے اس کی پیٹھ مرے سامنے رقیب — اللہ خشک ہو صفت بیشت خار ہاتھ
تاثیر کوئی دامن قاتل نہ چھو سکا — دوڑائے بسملوں نے عبث لاکھ بار ہاتھ

رضوان | صاحب شوکت و شان نواب واجد علی خاں تخلص "رضوان" نواسہ نواب مظفر جنگ مسند آرائے فرخ آباد، شاگرد منیرؔ۔ یہ اس سے یادگار

ترا جلوہ ہے جو اے مہر لقا آنکھوں میں — چشم خورشید سے افزوں ہے ضیا آنکھوں میں
بے حجاب آپ مرے خواب میں آئے جب سے — دیکھئے آپ سے پردہ نہ رہا آنکھوں میں
اس شہ کشور خوبی کو جو دیکھا میں نے — بن گیا طائر نظارہ ہما آنکھوں میں

---

[1] ن۔پ نے ان کا تذکرہ نہیں ہے تذکرہ سراپا سخن میں انھیں باشندہ فرخ آباد کا لکھا ہے اور والد کا نام کیول کشن دیا ہے۔

سامنے رہتا ہے اس حور کا کوچہ رضواں — باغ جنت کی سمائی ہے فضا آنکھوں میں

محو[1] | شیخ فیض اللہ شاگرد منیر تخلص "محو" قدم بہ قدم استاد بلکہ یک دو گام زیادہ، موقع و محل سمجھ کر نثر گلستاں کی لکھی جاتی ہے "بنیاد ظلم اول اندک بود ہر کہ آمد بر آں مزید کرد تا بدیں غایت رسید" قصہ مختصر یہ اشعار اس کے

ہے یہ بہر قتل آمد کس بت مغرور کی — رقص میں تپلی ہے میرے دیدۂ ناسور کی
آبلہ پائی میں یاد آئی جبیں اس حور کی — بیل آئینہ کی ٹٹی پر چڑھی انگور کی
ہر طرف دکھلائی دیتی ہے تجلی نور کی — تیرے جسم پاک میں چربی ہے شمع طور کی
پھولوں کے جھاڑ دیئے حالِ زخم ہائے دل کہوں — دوں جوانانِ چمن کو بتیاں ناسور کی
اس لب شیریں کی لذت ہے دہانِ زخم میں — کیوں نہ ہو ٹپکی کراری مرہم کافور کی
دیکھئے محفل میں وہ کیا کیا قیامت لائیں گے — شمع بنواتے ہیں صبح حشر کے کافور کی
دل میں آتا ہے کہ اک موسیٰ سے بازی کھیلیے — گوٹ بھی چوپڑ میں ہو دامان کوہِ طور کی
سنگ موسیٰ پر جو مضمون اشکباری کا کھدے — پھر ہری ہو جلد ہی ہر اک شاخ کوہِ طور کی
وہ نہا کر بال کوٹھے پر نچوڑیں گے ضرور — آج بارش دیکھئے مشک شبِ دیجور کی
رہ گئے ہیں ٹوٹ کر دل میں ہزاروں نیش غم — ہے یہ دیوار عناصر خانۂ زنبور کی
چشم دل میں روشنی اے محو دونی ہو گئی — قبر آنکھوں سے لگائی ناسخ مغفور کی

غنی | معرکہ شعر کا دھنی، محمد[2] غنی خلف ابو محمد ساکن جاج مئو، پرگنہ کانپور، شاگرد رشک من کلامہ[3]

جام جہاں نما بنے ساغر شراب کا — اس میں پڑے جو عکس مرے آفتاب کا
پھبتی نئی کہی گل رخسار یار پر — گویا چمن میں پھول کھلا ہے گلاب کا

---

[1] ن۔ ب میں ان کا ذکر نہیں ہے

[2] ن۔ ب غنی محمد تخلص غنی۔ تذکرہ سراپا سخن "غنی احمد" [3] ن۔ ب منہ

آخر ہوئی بہار اب آئے خزاں کے دن | بے رنگ ہے جو ذوق کروں میں خضاب کا
آنکھیں سفید ہوگئیں راہِ خیال میں | مدت سے منتظر ہوں میں قاصد جواب کا
پھبتی کہوں گا عارض و چشمانِ یار پہ | نرگس کے پاس پھول کھلا ہے گلاب کا

مجروح | شعر سے اُس کے دل بستہ کو فتوح غلام سعید[۱] تخلص "مجروح" ساکن جاج مئو پرگنہ کانپور، شاگرد (میر علی اوسط) رشک یہ[۲] اس سے یادگار

سیر فرما جب وہ رشکِ حور عین ہوجائے گا | صحنِ گلشن صاف فردوسِ بریں ہوجائے گا
پیچ میں ڈالے گا خاطر کو طبیعت کا لگاؤ | زلف کا گر کوئی مضموں دل نشیں ہوجائے گا
از سلیماں ہم فقیروں کی انگوٹھی ہے یہی | نام جاناں نقش ہوگا دل نگیں ہوجائے گا
بھول جائیں گے خیال جنت و یادِ ارم | کوچۂ جاناں میں جانا گر کہیں ہوجائے گا
دیکھ لیں گے ہم انھیں گر عرش پر بھی ہوں گے وہ | دیدۂ داغِ محبت دوربیں ہوجائے گا
گر یہی صورت ہے اے مجروح مشق نظم کی | ملکِ معنی یک قلم زیرِ نگیں ہوجائے گا

فریاد | صاحب ارشاد، فن طبابت میں استاد،[۳] میر محمد باقر تخلص "فریاد" مقیم کانپور شاگرد رشک ۔ من اشعارہ[۴]

قاتل نے بے سبب نہیں ترچھی نگاہ کی | آئی قضا ضرور کسی بے گناہ کی
دن ہو گیا جو آپ کا رخ یاد آگیا | شب ہوگئی جو یاد وہ زلف سیاہ کی
اس سنگدل کے دل میں نہ کچھ بھی اثر کیا | تاثیر کیا ہوئی مری فریاد و آہ کی
لازم ہے مجکو چادر مہتاب کا کفن | میں مرگیا ہوں یاد میں اک رشک ماہ کی
گر چاندنی میں آپ قدم رنجہ کیجئے | بڑھ جائے قدر آپ کے آنے سے ماہ کی
ثابت ہو ترا ہے میں مجکو کیا جو قتل | تلوار سی تھی ضرور تمھاری تراہ کی

---

[۱] ن ۔ ب سعد [۲] ن ۔ ب منہ [۳] ن ۔ ب پیشہ
[۴] ن ۔ ب ۔ من کلامہ

فریاد ہاتھ آیا نہ محبوب با وفا   چھانی بہت سی خاک محبت کی راہ کی

مرے پہلو میں جس دم وہ بت گلرو سر کتا ہے   قفس میں تن کے مرغ روح سر سے ٹیکتا ہے
ہوا ہوں زار اس درجہ کسی گلرو کی الفت میں   تن لاغر آ آنکھوں میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
کمالِ بیخودی سے انتظار یار جانی ہے   مرا تار نفس آنکھوں میں آ آ کے اٹکتا ہے

اوج | مجموعۂ سخنوری کا زوج، میر محمود خاں تخلص "اوج" مقیم کانپور شاگرد میر علی اوسط رشک ہے۔ منہ[1]

یار ہے مضطرب ہے عالم ہے شبِ مہتاب کا
جام دے جلدی سے اے ساقی شراب ناب کا

محتسب دشوار ہے فرقت میں آنا خواب کا
ذکر کب آتا ہے بے ساقی شراب ناب کا

ہے شبِ فرقت میں بے ساقی اندھیرا چار سمت
ہے مئے گلگوں پہ عالم کرمک شب تاب کا

پیٹ ہے اس بحرِ خوبی کا جو اک دریائے حسن
ناف پر ہے صاف عالم حلقۂ گرداب کا

اطلس گردوں کا سایہ ہے یہاں بالائے سر
شاہیا نہ چاہئے کیا اطلس و کمخواب کا

تشنگی سبط نبی کی یاد جب آتی ہے اوجؔ
حلق میں اپنی اٹک جاتا ہے قطرہ آب کا

۱۔ ن۔ پ کر   ۲۔ ن۔ پ من کلامہ

ساحل | نئی باتوں کے پیدا کرنے میں کامل، سید اکبر علی تخلص "ساحل" مقیم کانپور، شاگرد (میر علی اوسط)

بے ساختہ ہنسی کہ بناوٹ سے ننگ ہے
مسی تمھاری تیغ تبسم کو زنگ ہے

اہل فنا کی دل شکنی میں حصول عیش
ہر کاسۂ حباب یہاں جلترنگ ہے

گم گشتگان عشق کا ہاتھ آ گیا سراغ
فریاد قیس ناقۂ لیلیٰ کو زنگ ہے

مجروح کو تمھارے نہیں حاجت دوا
مرہم کا پھاہا دامن زخم تفنگ ہے

ہر ہر گھڑی بدلتا ہے نقشہ جہان کا
بہروپ کہتے ہیں جسے دنیا کا رنگ ہے

شعلہ نہیں ہے آہ کا ابرو کی یاد میں
تیر شہاب ناوک دل کا خدنگ ہے

دونا ہوا ہے حسن کا نشاء لباس سے
بوٹی میں کامدانی کی تاثیر بنگ ہے

باندھا ہے زین ابلق لیل و نہار پر
سمجھو نہ کہکشاں اسے گھوڑے کا تنگ ہے

پردے میں موت کے ہوئے راہی جہان سے
مردوں کو قبر راہ عدم کی سرنگ ہے

نظروں میں تاڑ لیتے ہیں ہر نیک و بد کا رنگ
ہر مردمک ہماری کسوٹی کا سنگ ہے

اہل سخن یہ کہتے ہیں سن کر غزل تری[1]
ساحل تیرے کلام میں شوکت کا رنگ ہے

ہر گل خجل ہے دیکھ کے جلوہ جمال کا
شبنم پہ ہے گمان عرق انفعال کا

منقلب ایسی ہوائے ربع مسکوں ہو گئی
زلف لیلیٰ دود شمع تبر مجنوں ہو گئی

نزاکت سے گراں ہوتا سونے کا تو کہہ دیجے
بنے تار زر گل سے دوپٹہ کامدانی کا

---

[1] ن - پ تری غزل

قایل | ایجاد کا استاد، سید علی خاں تخلص "قایل" ساکن عظیم آباد مقیم کانپور، شاگرد رشک منہ

وقت شکار تیر جو کھایا نگاہ کا | طاؤس چرخ مرغ بنا صید گاہ کا

پاؤں اگر اشارہ کرم کی نگاہ کا | تکیہ لگاؤں پنبۂ ابر سیاہ کا

مشتاق مجھ کو جان کے چشم سیاہ کا | منہ آپ آیا کرتے ہیں تیغ نگاہ کا

مضمون غم ہے یاد دل سوزناک کو | مصرعہ زبان شعلہ پہ ہے شمع آہ کا

جانے دے اپنے تم نہ کرو دل سحر کا چاک | چھالا نہ پھوڑو آئینہ صبح گاہ کا

آنکھیں چرائیں[1] وصل کی شب مکر ہیں اگر | اٹھواؤں گا حسینوں[2] کو گولائیں ماہ کا

مطرب کو آب دیدہ کرو چھیڑ چھیڑ کر | بجواؤ جلترنگ ایاغ نگاہ کا

فرماتے ہیں کٹوری چڑھا کر وہ گھاس کی | بنگلہ چھوا رہا ہوں میں انگیا میں کاہ کا

ہو جائے قتل عاشق رنگ طلا اگر | بوٹی کا کشتہ کشتہ بنے قتل گاہ کا

چھتا ہوں تنکے یاد خط سبز رنگ میں | ہیں جامہ چیں ہوں دامن موج گیاہ کا

روشن ہوا ہے نالوں سے فوارۂ سرشک | پیلا چڑھاؤ جھاڑ یہ ہے شمع آہ کا

کیوں کر نہ مجھ پہ آتش دوزخ حرام ہو | قایل میں کلمہ گو ہوں[3] رسالت پناہ کا

عروج | صاحب فکر تازہ، بلند آوازہ، سب سے اونچا ہر مصرعہ اس کا بلندی میں (مثل) قامت اوج، منشی احمد حسن (خاں)، تخلص "عروج" ساکن لکھنؤ مقیم کانپور، شاگرد میر علی اوسط رشک یہ اشعار یادگار

چکھایا وصل میں بھی ذائقہ شیرینی غم کا | بنایا قند لب سے یار نے میٹھا محرم کا

زوال حسن میں وہ لطف پستاں نہیں پاتے | کہ پتا خشک دونے کا ہوا ہے پان محرم کا

نرالوٹا ہے کس نے شب کو اگر تیرے جوبن کا | نشاں ہے کوچۂ گیسو میں پرچا مار دشمن کا

---

[1] ن - مپ چرایا [2] ت - پ سے [3] ن - پ من کلامہ

تری پوشاک کا اغیار چرچا کرتے پھرتے ہیں لفافہ کھل گیا آخر خطوط چین دامن کا
چمک جائے گی وحشت اے پری عشق نزاکت میں ٹکے گا رخت عریانی پہ لچکا تیری گردن کا
تپنچہ تاک گزشتہ میں مارا غول صحرا کو پلٹیا آنکے سچک پہ ڈورا چشم رہزن کا
تری مستی کا سودا ہو گیا مد نظر مجکو چراغ چشم گل ہو کر بنا اک پھول سوسن کا

وحشت عشق گلو تشنے میں دامنگیر ہے قلقل مینائے گردن نغمۂ زنجیر ہے
وصل اس گل کا کسی تدبیر سے ہوتا نہیں حلقۂ آغوش کیا قفل در تقدیر ہے
قتل کرنا عاشقوں کو کس لیے سمجھا حلال قد بسم اللہ کیا تیری کماں کا تیر ہے
جو مری قسمت میں ہے پھر پھر کے ہوتا ہے وہی جادۂ چین جبیں ہر گردش تقدیر ہے
وصل کا ہرگز مزا چکھا نہ اے پردہ نشیں شربت دیدار کیا گاؤ زمیں کا شیر ہے
کر دیا ہے عشق قد یار نے بسمل مجھے قامت ناموزون قاتل مصرعۂ شمشیر ہے
وحشت رنگ طلائے بیخودی میں ہے نسیمؔ پائے خوابیدہ میں گویا سونے کی زنجیر ہے

کچھ حد نہیں فریب بت خوش نگاہ کی ایماں کی طرح سے دل زاہد میں راہ کی
رونے میں یاد ہے مجھے چشم سیاہ کی پر سیکھی ہے طفل اشک نے شوخی نگاہ کی
لپٹے ہوئے ہیں دامن دولت سے اہل زید سنجاف ہے قبا میں حریر نگاہ کی
اتنا داغ چاند سے منہ پر نہ کیجئے ڈوری بہت نہ کھینچئے قندیل ماہ کی
دل عاشق ذقن کا نہ اتنا جلا ئیے پر گرمی نہ کیجئے شربت سنگ چاہ کی
جب بسیر کو سوار وہ نازک کمر ہوا عنقائے دہر بن گئے اڑی گرد راہ کی
کہنے دو صاف صاف جو ہے میرے دل کا حال تیغ زباں سے بات نہ کاٹو گواہ کی
گلیوں کی خاک چھانتے پھرتے ہو اے عروج مٹی خراب کرتے ہو کیوں گرد راہ کی

عاجز | خوش گفتار، شیخ عبداللہ تخلص "عاجز" شاگرد عزّدہرج۔ یہ اشعار اس سے یادگار

دلداری کی کبھی کبھی ترچھی نگاہ کی — اُس بت سے ہم نے پہلے پہل رسم و راہ کی
زنار پہنا اس بت کافر کے عشق میں — اسلام چھوڑ کفر کی اب ہم نے چاہ کی

عشق | علی اشرف خاں تخلص "عشق" شاگرد عزّدہرج۔ منہ[1]

ایجاد نشانن سے مے نوش ہو گیا — آنکھیں دکھائیں تم نے میں بیہوش ہو گیا
بادام چشم لائے میرے واسطے غزال — میوے بلے جنوں کا اگر جوش ہو گیا
چھوڑا انہیں یہ کالبد خاک روح نے — مزدور خوش ہوا جو سبکدوش ہو گیا

طوفان | صاف گو سادہ بیان، میر نوازش علی خاں تخلص "طوفان" شاگرد میر علی اوسط رشک ۔ یہ اس سے یادگار

جلوہ افروز تو جہاں ہو گا — سارا عالم اُدھر رواں ہو گا
اس کی فطرت میں کج ادائی ہے — کبھی سیدھا نہ آسماں ہو گا
گالیاں صاف صاف دیتے ہو — کوئی تم سا بھی بد زباں ہو گا
نہ جیا ہو گا ہجر میں طوفاں — زندہ ہو گا تو نیم جاں ہو گا

کس طرح مجھ فقیر کی خواہش ہو چاہ کی — اڑتی ہے خاک نہ لیں مرے گرد راہ کی
لڑوائیے نہ قاضی و زاہد کو ناچ کر — بجوائیے نہ تالی کف سجدہ گاہ کی

دریا | معنی آشنا رتن ناتھ پنڈت تخلص "دریا" (مقیم کانپور) شاگرد میر علی اوسط رشک یہ اُس[2] سے یادگار

---

[1] ن ۔ ب ۔ یہ نو لولہ اس کی طبیعت کا [2] ن ۔ ب من کلامہ

مست ہو جاؤں چشم دلبر سے | ہو مجھے نشہ چشم ساغر سے
کشتۂ تیغ تیز ابرو ہوں | غسل میت ہو آب خنجر سے
عشق میں قتل سے ہے نشو و نما | سبز ہے کھیت آب خنجر سے
بادہ کش ہوں نشان نشہ رہے | نے قبر اپنی خاک ساغر سے
ظلم خط کے جواب میں یہ کیا | مہر کی دیدۂ کبوتر سے
صدقے کرنے کو تیرے بازو پر | مچھلیاں لاؤں حوض کوثر سے
عشق ابرو میں پھنس گیا دریا | بستہ ہے موج آب خنجر سے

ہو جاؤں میں فریفتہ رُوے یار پر | دریا بہاؤں آنکھوں سے خنجر کی دھار پر

عیش | سر و سامان شاعری کو صاحب جوشش، منشی ابو محمد تخلص "عیش" قاضی زادہ حاجی مئو شاگرد رشک[1] یہ اشعار اس سے یادگار

معیّن کب ہے مثل بوئے گل یکجا مکاں اپنا
لیے پھرتے ہیں ہم دوش صبا پر آشیاں اپنا
جہاں میں گرچہ ہوں میں مثل عنقا نام ہے سن لو
ملا ہے ڈھونڈنے میں آج تک کس کو مکاں[2] اپنا
ادھر گلچیں کا ڈر ہے اور ادھر صیاد کا کھٹکا
اٹھائے کیوں نہ پھر بلبل چمن سے آشیاں اپنا
اٹھایا ہاتھ شاید آسماں نے کینہ جوئی سے
ہوا ہے مہرباں جواب بت نا مہرباں اپنا

---

[1] ن۔پ سن منہ
[2] ن۔پ نشان

اثر ریزی کہاں تھی پیش از یں فریاد بلبل میں ۔۔۔ اڑایا ہے مگر اس نے کچھ انداز فغاں اپنا

ہو تخالف سے بری گر دل بذطن اپنا پ دوست ہی دوست ہے پھر کون ہے دشمن اپنا
اک فقیروں کا سا تکیہ ہے کسی کوچہ میں پ کیا بتاؤں میں جو پوچھے کوئی مسکن اپنا

شاد افضل امام خاں، تخلص "شاد" میر علی اوسط رشک اس کے استاد۔ یہ اشعار اس سے یادگار[1]

لطف بے مے ہے کہیں برسات میں ۔۔۔ مے نہیں تو میں نہیں برسات میں
ساقیا رہبر ہو تو بہر خدا ۔۔۔ میکدہ بتلا کہیں برسات میں
آ گلے لگ جا ہمارے اے پری ۔۔۔ بس نہیں ابھی نہیں برسات میں
کاٹ کھانے کو ہمارے سانپ ہی ۔۔۔ رات کالی تم نہیں برسات میں
کیوں نہ رونے میں رہے مجکو خیال ۔۔۔ زلف کا اے مہ جبیں برسات میں
رعد کیا ہے شاد اگر نالہ کروں ۔۔۔ کانپ اٹھے عرش بریں برسات میں

قیس بلبل خوش چمن سرائی، شیخ کاظم (علی)، تند دائی، تخلص "قیس" شاگرد میر علی اوسط رشک من کلامہ[2]

حلق پر جب مرے شمشیر پھری ۔۔۔ لب پہ آئی ہوئی تقریر پھری
یار نے بارے لکھا خط کا جواب ۔۔۔ نامہ بر پھر مری تقدیر پھری
پئے تشہیر گلی کوچے میں ۔۔۔ ماری ماری مری تصویر پھری
نکہت زلف معنبر نہ ملی ۔۔۔ جو صبا آتی ہے دلگیر پھری
سیمبر گھر سے نہیں میرے پھرا ۔۔۔ ہاتھ آئی ہوئی اکسیر پھری
میں وہ مجنوں ہوں کہ صحرا صحرا پ وحشت دل لیے زنجیر پھری

---

[1] ن۔ پ شعر یادگار ۔۔۔ [2] ن۔ پ من دار دانہ

پھر گیا ایک زمانہ مجھ سے جب نگاہ بت بے پیر پھری

بہار | جوان خوش شعار، مرزا علی تخلص "بہار" شاگرد (میر علی اوسط) رشک ـ منہ[1]

آپس میں عجیب تر مزا ہو اے جان کہیں جو تم بھی چاہو

یارب مجھے گرد شوں میں رکھنا تربت پہ مرے سنگ آسیا ہو

برباد کرو نہ لے کے دل کو کچھ دن تو ابھی بتو بنا ہو

جانا ہے کدھرے دلربا میں اے موت ہماری رہنما ہو

اے دست جنوں کمی نہ کرنا داماں قبا تلک قبا ہو

کرتا ہے پرستش اک زمانہ اے بندہ نواز کیا خدا ہو

زینت ہوئی تم سے چاندنی کی آئینہ ماہ کی جلا ہو

غیروں سے بھلے برے ہو ہم سے بولو تمھیں جبر تا کجا ہو

اُس وقت بہار لطف مے ہے وہ غیرت باغ ہو ہوا ہو

مخمور | صاحب فہم و شعور میر بادشاہ حسن تخلص "مخمور" کلام اس کا میر علی اوسط رشک کا منظور

آنکھیں ہیں گلشن کا تختہ دید سرو ناز سے کان ہیں کان جواہر یار کی آواز سے

زلف نے گلشن میں پیچ و تاب سنبل کر دیا تیرے قد راست نے سیدھا کیا شمشاد کو

مثل شانے کے عشق گیسو میں چاہیئے ہم بھی دل فگار کریں

---

[1] ن ۔ ب، یہ شعر اس سے یادگار۔

عاشق سرد مہر ہیں محزوں   کیوں علاج مزاج یار کریں

عشقی | شاہد خوش گو ہے، شیخ الٰہی بخش تخلص "عشقی" مقیم کانپور مرد مشہور[1] شاگرد میر علی اوسط رشک یہ اشعار اس پختہ کار سے یادگار

دنیا کی دولت آئے ترے ساتھ ہاتھ میں ❊ اس مفلسی میں ہو جو ترا ہاتھ ہاتھ میں
سیر چمن میں لطف شب ماہ دیکھئے ❊ ہو اس پری کا آج اگر ہاتھ ہاتھ میں
مرجاں کی طرح سرخ نزاکت سے ہو گیا ❊ اُس گل کا میں نے جوں ہی لیا ہاتھ ہاتھ میں
دعویٰ کیا اگر ید بیضا سے اے کلیم ❊ رعشہ پڑے گا دیکھنے کے ساتھ ہاتھ میں
روشن زیادہ مہر سے ہے اُس صنم کا ہاتھ ❊ کیوں اس کے میرے فرق نہ ہو ہاتھ ہاتھ میں
کو وہ الم دیا ہے نہ اس کو کبھی اگر ❊ عشقی دیا ہے لے کے ترا ہاتھ ہاتھ میں

کھلتی نہ کمر ہوتی نہ نزدیک اگر ناف ❊ ہے جانِ جہاں باعث اظہار کمر ناف
تو جس کو کمر سمجھا ہے وہ شیشے میں ہے بال ❊ آئینہ میں چھالا ہے نہیں اے گل تر ناف

تیری طرح ہے نور اگر آفتاب میں   زلفیں کہاں کہاں ہے کمر آفتاب میں
اے چرخ میری طرح سے سرگشتگی کرے   دل ہے کہاں کہاں یہ جگر آفتاب میں

گل ہے وارفتہ گل رخسارۂ شاداب کا   سنبل آشفتہ ہے اس کاکل کے پیچ و تاب کا

فصل بہار کا یہ غضب جوش ہو گیا   زاہد زیادہ رند سے مے نوش ہو گیا

---

[1] ن۔پ میر علی اوسط کے تلامیذ میں معروف و مشہور

فصل گل میں نغمہ سنجی کرتے ہیں کس زور سے　　سر اڑا جاتا ہے مرغانِ چمن کے شور سے

روشن عذار یار ہیں بالوں کے سامنے　　ٹھنڈے ہوئے چراغ یہ کالوں کے سامنے
سرمہ سلائیوں سے لگاتے ہیں چشم میں　　رکھتے ہیں فیل مست کو بھالوں کے سامنے

قتل عاشق کے لیے بجلی ہے یا شمشیر ہے　　کیا غضب سرمہ کی آنکھوں میں تری تحریر ہے
فصل گل ہے کب چمن سے جائے گی اے باغباں　　ہر رگ گل پائے بلبل کے لیے زنجیر ہے
یارب اس آشفتگی کا پیچ کچھ کھلتا نہیں　　عشق کس زلف پریشاں کا گریباں گیر ہے
کچھ نہیں روزِ جزا کا خوف اے عشقی مجھے　　پشت پر دست جناب حضرت شبیر ہے

غافل | خوش مقال، لالہ کنھیا لال تخلص "غافل" علم بیان اُسے شیخ الٰہی بخش عشقی سے حاصل۔ من کلامہ[1]

خنداں کیا گلوں کو نسیم بہار نے　　غنچہ مرا کھلا دیا اس گلعذار نے
اب مہرباں ان دنوں نامہرباں ہے　　بیدار بخت خفتہ کیا روزگار نے
ہوتا ہے خون عاشق مخمور کا ضرور　　مہندی ملی ہے ہاتھوں میں اس بادہ خوار نے
غافل عبث نہیں ساہوں پریشاں میں آتے　　آشفتہ کر دیا ہے مجھے ہجر یار نے

محسن | سید خجستہ خصال، شیریں مقال، غیر ممکن اس سے ممکن، میر محسن علی تخلص "محسن" صاحب منش و لیاقت، خلف الصدق منشی شاہ حسین تخلص "حقیقت" سید موصوف نے ایک تذکرہ اشعار تعریف سراپا میں لکھنا شروع کیا ہے الٰہی انجام اس کا بخیر ہو پہلے د۔ شاگرد خواجہ وزیر کے تھے بسبب سکونت کانپور کے میر علی اوسط[2] رشک سے تلمذ حاصل ہوا[3]۔ یہ[4] اشعار اسی سے یادگار

---

[1] ن۔ ب منہ　[2] ن۔ ب کا　[3] ن۔ ب اب رشک کا　[4] ن۔ ب من کلامہ

پابوس یار کی ہمیں کیا کیا ہوس نہیں — مجبور ہیں کہ پاؤں تلک دسترس نہیں
اے موت بیکسوں کی اعانت ضرور ہے — دیو شب فراق سے لڑنے کا بس نہیں
بچ جائے چور شمع کا سر شمع کا کٹے — الٹی یہاں ہے رسم کوئی داد رس نہیں
آنکھیں جو تم نے پھیر لیں بس دم نکل گیا — تار نگاہ میرا ہے تار نفس نہیں
آہیں نسیم داغ ہیں گل اشک آب جو — گلگشت باغ کی مجھے بلبل ہوس نہیں
سہئے جفائیں تا بکجا دم نہ ماریے — محسن ہمیں تو طاقت ضبط نفس نہیں

ہے تمھارا پاؤں اس تاثیر کا — نقش ہے نقش قدم تسخیر کا
ذائقہ چکھیں گے ہم بھی ایک دن — کیا مزا رکھتا ہے پھل شمشیر کا
مجکو طفلی میں ہوا آزار عشق — میرے نسخہ میں عرق ہو شیر کا
ہو گئیں کندن سی دونوں ایڑیاں — کیا اثر چھاؤں میں تھا[1] اکسیر کا
کچھ مرے رونے کا نقشہ چاہیے — ہو ورق ابری مری تصویر کا
محسن اب تقدیر کا در بند ہے — کارخانہ ہے عجب تقدیر کا

مل کے مہندی ہاتھ میں زور آزمانا چاہیے — پنجۂ مرجاں سے پنجہ کو ملانا چاہیے
ہم کو نظروں سے گرایا آپ نے اچھا کیا — یہ بھی اک افتادہ ہے اس کو اٹھانا چاہیے
خرچ بالا ہے ہمارا عالم بالا سے ہو — مثل فوارہ ہمیں کوئی خزانہ چاہیے
طایر جاں محو قند لب ہے اے جلوہ فروش — تیری شاخوں میں ہمارا آشیانہ چاہیے
شمع کے گل کا ہوں بلبل بوستان دہر میں — جھاڑ کی شاخوں میں اپنا آشیانہ چاہیے
خیر سے مل جاؤ محسن سے لڑائی ہو چکی — خُر جو بڑھ جائے تو پھر اس کو گھٹانا چاہیے

---

[1] ن - پ ہے

یادِ زبانِ تنگ میں بیہوش ہو گیا رستہ عدم کا مجکو فراموش ہو گیا

کاسہ بنے گا شیر کا کالوں کے سامنے آئینہ رکھ کے دیکھ لو بالوں کے سامنے
بے وجہ خال قربِ لبِ لعل یہ نہیں دانہ پڑا ہوا ہے یہ لالوں کے سامنے

معجزہ کا جو سرِ دست ارادہ ہو جائے تل ہتھیلی کا تمھاری یدِ بیضا ہو جائے
چاندنی میں جو تری جلوہ گری ہو جائے نورِ مہتاب چراغِ سحری ہو جائے
اے صنم تیری ہتھیلی ہے بلور یں اس میں تل جو پیدا ہو عقیقِ شجری ہو جائے
شمعِ رو تو جو شبِ ماہ میں ہو گرم خرام تیرا پروانہ ہر اک کبکِ دری ہو جائے
سورۂ فاتحہ پڑھ پنجۂ رنگیں رکھ کر سنگِ مرقد بھی عقیقِ شجری ہو جائے

زاہد سے کہہ دو طعن نہ کرنا شراب پر ڈالے سے خاک پڑتی نہیں آفتاب پر
دریا میں عکس جب ترے دانتوں کا پڑ گیا موتی کا چونا پھر گیا قصرِ حباب پر

دل ان ہتھیلیوں سے جو مایوس ہو گیا چوراغ پڑ گیا کفِ افسوس ہو گیا
اس جسمِ داغدار کی مٹی سے اے جنوں کوئی بنا کھلونا وہ طاؤس ہو گیا
ایسا ہمارے طالعِ واژوں کا ہے اثر لیتے ہی جام ہاتھ میں معکوس ہو گیا
نالانِ عشق وہ ہوں کہ ہر استخوان جسم نے بن گیا کوئی کوئی ناقوس ہو گیا

لکھوں گا وصف دانتوں کا تمھارے آب گوہر سے
خجل ہو گی لڑی موتی کی میرے تارِ مسطر سے

لہ ن۔ پ سورہ قدر پڑھ کے

جو دیکھا آئینہ دی کیا ہی زینت چشم جوہر کو
لگایا اُس نے سرمہ عکس گیسوے معنبر سے

ہمارے کاسۂ سر کو ہے گردش بعد مردن بھی
خطِ قسمت کی شاید نقل لی ہے خطِ ساغر سے

صادق | جوان وجیہ، کلام اس کا دانق، صادق حسین خاں تخلص صادق، خاص نثار علی خاں کمبوہ شاگرد میر علی اوسط رشک[۱] کلامہ

اس رنگ صندلی کا تصور گذر گیا — کیا سہل تھی دوا کہ مرا درد سر گیا
شاک عکس چشم کا جو تری ناف پر گیا — تارِ نظر پہ شیشہ موئے کمر گیا
روز وصال یار عجب سحر کر گیا — یہ بھی نہ کچھ کھلا کدھر آیا کدھر گیا
لو بوسہ ہاے لب پہ صنم سے بگڑ گئی — جو منہ بہت چڑھا وہی دل سے اتر گیا
تعظیم آمد آمد قاتل کے شوق میں — در تک مرا قدم نہ بڑھا تھا کہ سر گیا
کھانے کے واسطے جو دکھاتا ہوں سنکھیا — پ کہتا ہے وہ کہ تم نے ڈرایا میں ڈر گیا
صندل کا چھاپہ لیجئے دیوان خانے سے — تلوار سے تمھاری مرا درد سر گیا
کوئی جو پھول دھیان چڑھا بل بے نازکی — پ اس کی کمر لچک گئی چہرہ اتر گیا
شاید زمین شعر میں صندل کی خاک تھی — فکرِ سخن جو کی تو مرا دردِ سر گیا
کہتا ہے یار آتے ہیں صادق کے خط پہ خط — ہاں سچ تو ہے نہ یاں سے کوئی نامہ بر گیا

کل تو تم دور تھے خفا بیٹھے — آج کیوں میرے پاس آ بیٹھے
دہن و گوش کے جو وصف سنے — جھٹ سے گالی مجھے سنا بیٹھے
جب کہا بیٹھنے کو بول اُٹھے — میری جوتی مری بلا بیٹھے

---

[۱] ن - پ اشارہ

کچھ تمھیں نیک نہ بد کا بھی ہے خیال پہ جس کو پایا اسے سنا بیٹھے
بزم میں من کے میراذکر، کہا پہ مجھ سے کیا پوچھتا ہے، آ بیٹھے
بادشاہی نہیں عدم کی قبول نہ مری قبر پر ہما بیٹھے
اب وفادار کو بھی دیں گے نہ دل قسم اس بیوفا کی کھا بیٹھے
نہیں عاشق جو تیری کا پانی پر گو بجنے کو کبوتر آ بیٹھے
چپ رہو گالیاں بہت سی نہ دو کہیں صادق نہ کچھ سنا بیٹھے

ہلال | شیریں سخن، خوش مقال، امیر علی خاں تخلص "ہلال" شاگرد برق اول شاگرد رشک ثانی الحال۔ منہ

جان باقی نہیں نظارے سے انسانوں میں شان خالق نظر آتی ہے ترے شانوں میں
خواب غفلت ہے ہر اپدان تمھاری خاطر فرش تک مخمل کا شان کا ہے کاشانوں میں
شربت وصل کسی دن نہ ملا او بد عہد خالی پانی ہی بھرا ہے ترے پیمانوں میں
سبزۂ روے حسینان کا ہوا ہے دل محو آشنا اپنا رہا کرتا ہے بیگانوں میں
جب سے اس مہ کو ہوا دھانی دوپٹوں سے ہے شوق چاندنی کرنے لگی کھیت ہرے دھانوں میں
بحر دنیا میں ہے یکساں مجھے موج و ساحل آشناؤں میں محبت ہے نہ بیگانوں میں
کس طرح تکیۂ مخمل سے مشابہ سمجھوں رووئیں کبھی تو نہیں اے جاں تری رانوں میں
کون کہتا ہے سرا پا نہیں تجھ میں اعجاز مچھلیاں رہتی ہیں گو پانی نہیں رانوں میں
ہاں کیا جان کبھی عشاق کی لے لیتے ہیں ایسی ہوتی ہے ملاشی ترے دربانوں میں
اس پری رو نے جو کل چاند صفر کا دیکھا بدلے آئینہ کے منہ دیکھ لیا رانوں میں
کہہ دے سرگوشیوں میں حال جو درد کے ہلال جھالے ہوں تو تو کے بالے ترے کانوں میں

سجاد | خوش معاش، نیک معاد سید علی سجاد تخلص "سجاد" محافظ دفتر کلکٹری

---

۵۹ ن۔ پ اے

ضلع الہ آباد شاگرد دبیر (علی) اوسط رشک ہے، یہ اس سے یادگار

یک خلق تیری چال سے پامال ہو گئی   رفتار آسماں کی تری چال ہو گئی
تو نے جو تیغ ہاتھ میں لی شاخ گل بنی   سوسن کا پھول صاف تری ڈھال ہو گئی
کیا ہی اثر ہے اس نے جو لب سے لگا لیا   یاقوت مسی بلور کی مُہنال ہو گئی
مضمون چشم سوچے تو بیمار ہو گئے   تعریف میں لبوں کی زباں لال ہو گئی
سجاد سرخرو ہوئی آفاق میں حنا پ قدموں تلے جو یار کے پامال ہو گئی

خزاں میں مرغ کے صیاد نے جو کھولے پر   لگے ہیں خال دل زار کے پھپھولے پر
وہ عندلیب ہوں پائے نہ بال بھر بھی نشاں   ہزار مرتبہ صیاد اگر ٹٹولے پر
لبوں کے بوسے تو لیں غیر ہم سے زلف چھپاؤ پ لٹیں تو اشرفیاں اور مہر ہوئے کو ٹکلے پر
ٹلے جگہ سے نہ ہم اور تمام ہو گئی عمر پ جہاں میں بیٹھے ہیں گویا اڑن کھٹولے پر
ہنسی ہے برق اداہٹ مسی کی ابر سیاہ   ہے تیرے دانت کو فوق ایک ایک اولے پر
جو گل کے گال سے ملتا ہو گال اے بلبل   تو کیوں نہ زخم شہیداں سے پہلے دھولے پر
قبا کے بند جو کھولے یہ اڑ چلا ہے تو   کہ اڑنے کے لیے جیسے پری نے کھولے پر
ستم کشیدۂ ہجراں ہوں اس قدر سجاد   ملو سے غیر کو آئے میری ملولے پر

ہو گیا تن کا زعفرانی رنگ   لائی اس درجہ ناتوانی رنگ
لائی ہے اپنی خوں فشانی رنگ پ آستیں کا ہے ارغوانی رنگ
یاد میں اس کی لعل نوشیں کے   آہ ہوں اشک ارغوانی رنگ
کیوں نہ میرا کلام سُن کر ہو پ میرے دشمن کا زعفرانی رنگ
ہوں وہ رنگیں سخن کہ رکھتے ہیں پ میرے الفاظ اور معانی رنگ

نہ لگا مہدی اوبت خونخوار پاؤں پر لائے گا گرانی رنگ
بعد مردن بھی رنگ ہے یہ زرد پ کہ کفن کا ہے زعفرانی رنگ

افضل | درویش کامل، بلکہ اکمل، شاہ غلام اعظم تخلص افضل، پسر شاہ خلیل ابو المعانی نبیرۂ شاہ اجمل صاحب دایرہ الہ آباد۔ پہلے شاگرد شیخ ناسخ کے تھے اب میر علی اوسط رشک[1] سے تلمذ۔ یہ اس سے یادگار

اے جان جاں وصال سے یا شاد کیجئے یا بندگی سے بندے کو آزاد کیجئے
آتا ہے جی میں فرقت دلدار سے یہی سر پیٹ پیٹ لیجئے فریاد کیجئے
عاشق ہیں ہم اٹھائیں گے سب اپنی جان پر پ جو ظلم جی میں آئے سو ایجاد کیجئے
دامن سے جھاڑیے نہ ہمارے غبار کو اے جان اس طرح سے نہ برباد کیجئے
قمری کو اپنے عشق کا پہنائیے جو طوق پ تو راستی سے سرو کو آزاد کیجئے
مدت سے باریاب تکلم نہیں ہوئے بوسہ زبان کا ہمیں امداد کیجئے
ہے غیر سے تو یاد فراموش کا مزہ کب کہتے ہیں یہ ہم نہ انھیں یاد کیجئے
ہے التماس اتنی کہ اے جان سہو سے بھولے ہوؤں کو بھی تو کبھی یاد کیجئے
جچتا نہیں ہے کوئی بھی افضل نگاہ میں پ ناسخ کو چھوڑ کر کسے استاد کیجئے

سعادت | صاحب خدمت، سعادت خاں تخلص سعادت تھانیدار ضلع کانپور، شاگرد[2] رشک۔ منہ

کس جگہ عرضی لگائیں آپ کے بیداد کی کون ہے جو داد دے گا عاشق ناشاد کی
عشق مجنوں ناقۂ لیلے کو شاید ہو گیا صاف نکولوں سے آتی ہے صدا فریاد کی
آپ کی تصویر اگر دیکھیں اپیار دنیں گے ہم مٹا ڈالیں گے سب کاری گری بہزاد کی
مر گئے جاتے کے ساتھی تادر رشک چمن کیا ہمارے تن میں یارب روح تھی شمشاد کی

---

[1] ن۔پ ان کے استاد [2] ن۔پ رشک کے تلامیذ میں مشہور

فاتحہ پڑھنے کو وہ سفاک آیا قبر پر
موت نے اُمید پوری کی دلِ ناشاد کی

طفل اشک آنکھوں سے پیہم قبر میں پیدا ہوئے
ہم نے یہ بستی نئی زیرِ زمیں آباد کی

طوطیِ ہندوستاں سمجھیں نہ کیوں شاعر مجھے
اے سعادت ہے عنایت رشک سے استاد کی

جنون | عقل و خرد میں افلاطون، میر مہدی تخلص "جنون" ساکن بانس بریلی عین شباب میں چراغ اس کی زندگی کا باد (صرصر) فنا سے گل ہوا۔ وہ مغفور شاگرد میر علی اوسط کا تھا۔ من کلامہ[1]

پاس آنے کا کرو وصل کا ساماں کرو
تم کو لازم ہے کہ خاطر مری اے جان کرو

آئینہ دیکھنا خود بیں نہیں اچھا ہر بار
خود کو تسکین ہو اور اوروں کو حیران کرو

آندھی آجائے گی کالی مرا کہنا مانو
رات کا وقت ہے زلفیں نہ پریشان کرو

پاکبازی کا اگر صدق ہے میرا تم کو
شوق سے آؤ چلے دل میں کچھ دھیان کرو

اتنا کھلائے ہو کیوں میری حقیقت کیا ہے
تھوک دو غصہ کو اور اپنی طرف دھیان کرو

عشق اور زمانہ کو ہر وقت ترقی ہے ضرور
اک نئی آن مرے سامنے ہر آن کرو

ایک ہی وار میں سر تن سے اتار و میرا
ہوں سبکدوش اگر مجھ پہ یہ احسان کرو

آرزو ہم سے یہ ہے کر کے بغلگیر مجھے
عید کا روز ہے مرا اپنے پہ قربان کرو

یا علیؑ عرض یہ ہے بہر حسینؑ اور حسنؑ
مشکلیں جتنی جنوں کی ہیں سب آسان کرو

شوق | خوش فکری میں معاصرین پہ اسے فوق، میر رضی تخلص "شوق"۔ اب سنتے ہیں کہ شوق کو چھوڑ رہا تخلص کیا ہے۔ شاگرد میر علی اوسط رشک یہ اشعار[2] اس سے یادگار

ایسا سبک ہوا ہوں جہانِ خراب میں
گوشہ نشیں ہوں خانۂ چشم حباب میں

طالب جو تم گزک کے ہو بزمِ شراب میں
انگور لاؤں پنبۂ داغِ کباب میں

---

[1] ن۔ پ یہ اس سے یاد
[2] ن۔ پ منہ

بسمل کا خون ہو عوض بادہ ساقیا لخت جگر بھی چاہیے سیخ کباب میں
کہتا ہے کوئی مہر تجھے کوئی ماہتاب رکھا نہ تو نے فرق مہ و آفتاب میں
پانی عزیز ہوتا ہے آتش مزاج کو سرمہ دوں میل موج ہے چشم کباب میں
پال سمند ناز ہے تار شعاع مہر ہوتے جو دو ہلال لگاتے رکاب میں
دن رات میری آنکھوں سے جاری ہے بحر اشک پر دریا میں ہے حباب کہ دریا حباب میں
میں نے سوال بوسہ کیا اس نے ہنس دیا کیا کیا مزے اٹھائے سوال و جواب میں
حرمان دیا س درد و غم و داغ ہجر یار کس کس کی جا نہیں دل خانہ خراب میں
بحر فنا کی چل کے طلسمات دیکھئے عالم کا جائے پانی ہے قصر حباب میں
پیری میں وصل دوست ہوا شوق کو نصیب چھوٹا تھا اپنے یار سے عہد شباب میں

صورت کوئی نکالو تسلی کے واسطے تصویر اپنی بھیجو ملاقات کے لیے

مارا جلا جلا کے تپ عشق یار نے سب کا بخار مجھ پہ نکالا بخار نے

تربت بنائے کشتۂ چشم سیاہ کی ملتی جو خاک جادۂ تیغ نگاہ کی
کیونکر سراغ قافلۂ رفتگاں ملے نقش قدم بڑھے نہ اڑے گرد راہ کی
میں تیرھدو زنگار رکھ اوں جو خام ہجر کھل جائے آنکھ کوکب بخت سیاہ کی
بھڑکے کہیں نہ آتش داغ دل حزیں زخم جگر میں بیٹھی ہے شمع نگاہ کی
یاد ذقن میں لوٹتی رہتی ہے تن میں جاں بسمل کا ناچ ہوتا ہے کوٹھی میں چاہ کی
آشفتہ اس قدر رہوں کہ جنیاد بال ہے الفت بلائے جاں ہوئی زلف سیاہ کی
نقش قدم پہ تیرے ملوں روئے آفتاب عزت ملاؤں خاک میں زریں کلاہ کی

مردوں کی اس دو رنگی سے مٹی خراب ہے — تکیہ فقیر کا ہے زمیں بادشاہ کی

انور | سخنور بہتر علی مرزا مرثیہ خواں تخلص "انور" ولد مرزا اکبر علی مرثیہ خواں ساکن فیض آباد وارد لکھنؤ شاگرد رشک، یہ اس سے یادگار

غیروں کو دیا بوسۂ رخ، بوسۂ سر بھی — ہم پر نہ کبھی مہر سے کی تم نے نظر بھی
اے چرخ کہن قدسیوں کی تجھ کو قسم ہے — اس طرح کا دیکھا ہے کہیں رشک قمر بھی
عنقا تجھے سوگند ہے اس زلف پری کی — ایسا نظر آیا کوئی باریک کمر بھی
جاتا رہا تھا جذب محبت تو کبھی کا — باقی نہیں اب آہ میں نالہ میں اثر بھی
شمشیر نگہ نے تیری او قاتل عالم — مجروح کیا دل بھی مرا اور جگر بھی
پامال جہاں ہوتا تھا اس بوٹے سے قد پر — اب تو شجر قد پہ وہ لائے ہیں ثمر بھی
.. .. (کذا) — ل وہ توپ چلی صبح کہ بجتا ہے گجر بھی
دیوانے تلک ہم ہوئے مشہور جہاں میں — ل افسوس یہ ہے آپ نے پوچھی نہ خبر بھی
جنبش سے لبوں کی تو کھلا حال دہن کا — دو گام چلو راہ تو ثابت ہو کمر بھی
انور کہو کس حور شمائل کے[۵۱] ہو شیدا — تم مرتے ہو جس پر اسے پہنچی ہے خبر بھی

شرف | گوہر مضامین آبدار کا صدف شیخ شرف[۵۲] الدین تخلص "شرف" ساکن شہر کول شاگرد (میر علی اوسط) رشک، منہ[۵۳]۔

جب سے آنکھوں میں کھنچا نقشہ بت بے پیر کا
ہو گیا ہر آنکھ کا پردہ ورق تصویر کا

دیکھنے ہی کے ہیں یہ سارے حسینان جہاں
پھل نہیں کھایا کسی نے گلشن تصویر کا

میری آہیں بے حجاب اس کو کریں ممکن نہیں
کب ہوا سے اڑتا ہے برقعہ رخ تصویر کا

---

۵۱ ن۔پ پہ ۵۲ ن۔پ شرف الدین حسین ۵۳ ن۔پ من کلامہ

حلق کردے آج موج جنبش ابر نہ سے تر
پیاسا ہوں قاتل ترے آب دمِ شمشیر کا پ

وصل میں جس دم جواب نامہ کا شکوہ کیا
کھینچا گردن میں[1] مرے قاتل نے خط شمشیر کا

ایک دم میں ہو گئیں جاری لہو کی ندیاں
ابر دریا بار ہے جوہر تری شمشیر کا پ

کھوتا ہوں روشن بیانی سے کدورت بزم کی
کام لیتا ہوں زبانِ شمع سے گلگیر کا

تیری آنکھوں کی کماں داری میں کچھ شبہہ نہیں
پاس ہے ایک ایک کے ایک ایک دستہ تیر کا پ

خاک پائے یار پر کس جبین سے سوتا ہوں میں
اے ہوس دیکھ لے سونا ہے یہ اکسیر کا

دھیان رکھ چشم سیہ کا چشم میں آیا وہ یار
آج آنکھوں میں سٹرف کا جل لگا تسخیر کا

نخل طوبیٰ اور ہے وہ قد بالا اور ہے
چشم نرگس اور ہے وہ چشم شہلا اور ہے

اس میں اک اعجاز ہے اس میں ہزاروں معجزے
وہ مسیحا اور ہے میرا مسیحا اور ہے

اس میں بوئے پنج روزہ اس میں خوشبو تا ابد
عطر گل کا اور ہے تیرا پسینہ اور ہے

چاہتا ہے جس کو حقہ پی کے دیتا ہے اُسے
اُس کی دم بازی کا دنیا سے قرینہ اور ہے

جب کیا شکوہ نہ ملنے کا تو یوں کہنے لگا
خوف بدنامی کا صاحب ہے زمانہ اور ہے

---

[1] ن پ - پر

سیر باتوں سے نہیں ہونے کا اے شیریں کلام　پ　پہلی شب ہے وصل کی مجکو تمنا اور ہے
جان اگر اس کو نہ دوں کس کام کی ہے کس کو دوں　پ　ناصحا اس سے زیادہ کون پیارا اور ہے
نزع میں اس واسطے عرفِ تکلم ہے زباں　　کچھ زبانی آپ سے اے جان کہنا اور ہے
گاتے گاتے غیر کے آتے ہی بگڑا ہم سے شوخ　پ　خوب سمجھو اے شرف یہ راگ مالا اور ہے

خوشبو تمھارے منہ کی بدلتی نہیں کبھی　ل　دیکھی نہیں یہ بات کسی عطر دان میں

دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے اور جاں شکنی ہے　ل　دانتوں کا تصور ہے کہ ہیرے کی کنی ہے
سینہ بھی چھدا دل بھی چھدا دیکھئے تیزی　ل　یاد سرپستاں ہے کہ برچھی کی انی ہے
اے محرم اسرار کفن مجھ کو نہ سینا　ل　کرتے کا تصور ہے گلے میں کفنی ہے

ہوا احسان جاڑے کا خیالِ لاابالی میں　ل　نہ خوابیدہ نظر آیا تصور کے نہالی میں
جو قسمت میں ہے دیدار ان ابروؤں کی ہوگی بے شبہ　ل　شرف کب دیکھتا ہے فال دیوان ہلالی میں

موج[1] میر کاظم حسین تخلص "موج" پسر میر علی حسین "آزاد"۔ افسوس کہ عین موسم جوانی میں گلشن اس کی زندگی کا خزاں رسیدہ ہوا۔ پدر اس کی مرگ جوانانہ سے زار و نزار۔ یہ اس سے یادگار

موج آخر عاشق زلفِ چلیپا ہو گیا　　عشق کیا بلکہ سنتے ہیں کہ سودا ہو گیا

عجیب نور کے ہیں جان جاں تمھارے گال　　منور اُن سے کسی دن تو ہوں ہمارے گال
شبِ فراق میں گر دیکھتا ہوں چاند کبھی　　تڑپنے لگتا ہوں یاد آتے ہیں تمھارے گال

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

طبیعت اپنی نہیں مانتی کسی صورت کبود ہو گئے بوسوں سے گو تمھارے گال

متین | خوش وضع، خوش آئین میر بہادر علی تخلص "متین"، ساکن فرخ آباد۔ میر علی اوسط رشک کی زبانی معلوم ہوا کہ چند غزل اُس کی میری نظر سے گذری ہیں اس واسطے میر صاحب کے تلامذین میں لکھا گیا۔

یہ عالم یادِ چشمِ مست میں ہے خوں فشانی کا
کہ گویا مینہ برستا ہے شرابِ ارغوانی کا

کلام اپنا رقیب روسیہ کہتے ہیں سن سن کر
ہمیں شمشیرِ قاتل سے ہے دعویٰ ہم زبانی کا

مرے دل کا علاج اے چارہ جو کرنے سے کیا حاصل
کہیں چھپتا بھی ہے مارا ہوا داغِ جوانی کا

حریمِ طبع میں تسکین کو کیوں کر ہو گنجائش
لیا ہے اضطرابِ دل نے عہدہ پاسبانی کا

میں عاشق ہوں تسلّی مجکو باتوں سے ہو کیا ممکن
وہ موسیٰ کو تحمل تھا صدائے لن ترانی کا

تمھارے فکرِ مضمون کمر میں بندہ عاجز ہے
خدا ہی کے لیے ہے خاص رتبہ غیب دانی کا

قیامت ہے دوپٹہ اس پہ آبی اوڑھنا تیرا
کہ قامت خود نمونہ ہے بلائے آسمانی کا

ہوا ہوں رفتہ رفتہ انتظارِ خط میں نابینا
بس اب ہوں منتظر قاصد میں پیغامِ زبانی کا

لے ن - پ نیک

رواں کر قاتل اب حلق تپش پر آب خنجر کو
کہ کشتِ آرزو محتاج ہے لوہے کے پانی کا

عکس افگن جو مراد وہ بت طناز ہوا
صاف آئینہ کو جو ہر پر پرواز ہوا

دھجیاں دامنِ صحرا کی اڑا دوں تو سہی
فاش اے جوشِ جنوں اب تو مرا راز ہوا

راستی پر ہے جو اس کا کل برہم کا مزاج
دودِ آہِ سحری سلسلہ پرداز ہوا

غیر کو اس نے جو دیکھا تو میں غیرت کے سبب
ہدفِ تیر نگاہِ غلط انداز ہوا

محبت | شیو پرشاد پنڈت تخلص "محبت" (ساکن لکھنؤ شاگرد میر علی اوسط رشک) یہ اس سے یادگار

یوں گھر سے اپنے ساقی مست شراب نکلا
خورشید کا زمیں پر گویا جواب نکلا

آخر ملا یہ مجکو اس آہ آتشیں سے
سینے میں دل تلک بھی میرا کباب نکلا

اک بت سے دل لگا کر روتے ہیں رات دن ہم
جس کو ثواب سمجھے کیا وہ عذاب نکلا

ناحق تو جان اپنی کھوتا ہے اے محبت
دل کا لگانا تیرا جی کا عذاب نکلا

ساقی مجھے آرام گھڑی بھر نہ ملے گا
لب سے مرے جب تک لب ساغر نہ ملے گا

دیوانہ ہوں لیکن مری بدبختی کے باعث
لڑکوں کو بھی میرے لیے پتھر نہ ملے گا

کیوں مسندِ شاہی کی تمنا کرے اے دل
کیا خاک پہ اس کوچے کی بستر نہ ملے گا

ہر بار تو آہن نفس سے کیوں الجھے ہے اے دل
کیا خانۂ زنجیر سوا گھر نہ ملے گا

دم بھی ہمیں لینے نہ دیا اس نے دمِ قتل
قاتل کوئی ایسا بھی ستمگر نہ ملے گا

کافی ہے مجھے سایۂ دیوار عزیزؔ نہ
پروا ہے کسے ظل ہما گر نہ ملے گا

آئینہ بھی حیراں ہے مری صاف دلی سے
عالم میں کوئی مجھ سا سکندر نہ ملے گا

بیکسی میں کچھ نہیں درکار مجھ کو دوستو | دامنِ دستِ جنوں میرا کفن ہو جائے گا
گر یہی حالت ہے اے دل تو جنوں کے ہاتھ سے | ل کوئی دم میں ٹکڑے ٹکڑے پیرہن ہو جائے گا
زخم تازہ ہیں ابھی اُن کی دوا کچھ ہو تو ہو | ب ورنہ پھر ناسور ہر زخمِ کہن ہو جائے گا
اے محبت اس میں جب ہو گی زبانِ تیغِ یار | زخمِ دل کا خود بخود گویا دہن ہو جائے گا

نمود | شہریار[1] عالی تبار، انجم جنود، مرزا آسمان قدر تخلص "نمود" کلام معجز نظام منظورِ نظر ناسخ، من کلامہ

ذرا تو غور سے تو دیکھا اے غمخوار پہلو میں | کہ جائے دل ہیں پیکاں تیر کے دو چار پہلو میں
کسی کا جرم کیا ہے یہ ہے خوبی اپنی قسمت کی | کہ ہم تو دور بیٹھیں اُس سے اور اغیار پہلو میں
جبھی اے ہم نشیں کچھ بادہ خواری کی ہے کیفیت | کہ بیٹھا ہو صنم بھی نشے میں سرشار پہلو میں
نمود اب کیا ہے جن روز دن خیالِ عشق تھا ہم کو | حسیں بیٹھے ہی رہتے تھے یہاں[2] دو چار پہلو میں

کیوان | شاعر خوش بیان، سخنور شیریں زبان (صاحب علم، ہمہ دان) مرزا علی حسین تخلص "کیوان" خواہر زادہ رفیق الدولہ بہادر، شاگرد (شیخ امام بخش) ناسخ۔ یہ اشعار اس سے یادگار

شاید ترے عاشق کے ہیں اے غنچہ دہن پھول | منقار میں جو لاتے ہیں[3] مرغانِ چمن پھول
اس چمپئی رنگت کے تصور میں ہوا ہوں ل | قطرے نہیں چھپا کے ہیں اثنائے کفن پھول
شہبازِ اجل تجھ کو بھی آ صید[4] کرے گا | تو صید ہمیں کرکے نہ اے صید فگن پھول
اے جان شبِ وصل میں تم پر ہے بہار آج | چنپا کلی گردن میں ہے کانوں میں کرن پھول

---

[1] ن۔ ب سزاوار تاج و تخت حقدار مسند و صدر شہزادہ والا مراتب شہریار عالی مناقب فلک رکاب انجم جنود مرزا آسمان قدر تخلص "نمود" شاگرد شیخ امام بخش ناسخ، یہ اشعار اس شہریار سے یادگار

[2] ن۔ ب سدا   [3] ن۔ ب لاتے ہیں جو

[4] صید ہم کے کرے گا

وہ باغ ہوں کہ نام کو جس میں ثمر نہیں
وہ غنچہ ہوں کہ دیکھنے کو جس میں زر نہیں
جز خاک پائے یار علاج دگر نہیں
صندل سے دور ہو نہ مرا درد سر نہیں
گردن میں طوق ہالہ جگر داغدار ہے
دیوانہ میرے ماہ کا کیوں کر قمر نہیں
سو نا حرام دیدۂ بیدار کو ہوا
کیونکر جو ہمکنار مرا سیمبر نہیں

ساقیا مے نہیں ہے بوتل میں
آفتاب آ گیا ہے بادل میں
دھک دھکی میں اٹک رہا آ کر
دم لگا ہے کسی کے ہیکل میں
مردم دہر کو کیا تسخیر
سحر اُن آنکھوں کے ہے کاجل میں

خیال خال میں کب نیلگوں آنسو نکلتے ہیں
ان آنکھوں کے گھروں سے دیکھ لو بچھو نکلتے ہیں
فراق چشم جاناں کے جنوں میں مر گئے ہیں ہم
لحد سے جائے روزن دیدۂ آہو نکلتے ہیں

سوجے ہیں پھرتے پھرتے یہ مجھ خستہ تن کے پاؤں
مارے ورم کے ہو گئے ہیں لاکھ من کے پاؤں
اس بے تکلفی سے مرے ساتھ سو رہا
گردن میں ہاتھ گود میں اُس سیم تن کے پاؤں
مہتابی پہ قدم جو رکھا طور بن گئی
موسیٰ کے ہاتھ سے ہیں مرے سیم تن کے پاؤں

شیرینی ایک سی ہے دہان و نبات میں
ہو ذائقہ ثبات کا کیونکر نہ بات میں
کچھ فرق ہو گیا نظر التفات میں
دو بوسے منتوں سے دیے ساری رات میں
دو چار باتیں مجھ سے جو کیں غیر جل گئے
اے جان گرمیاں ہیں تری بات بات میں
کیوں کر فریب عاشق و معشوق میں نہیں
ل یہ دل کے دو دہ رہتے ہیں بوسے کی گھات میں
دلوں بلائے ہجر کا رہتا ہے سامنا
دل دے کے پھنس گیا ہوں عجب واردات میں

ہندوؤں میں نہ وہ بت ہے نہ مسلمانوں میں ‖ مسجدوں میں نہ وہ ملتا ہے نہ بت خانوں میں
یار کے ہاتھوں کو دیکھا تو گیا ہاتھ سے دل ‖ کھو گیا ہے گہر اپنا انھیں دُر دانوں میں

گل رخسار کی بہار دکھاؤ ‖ گیسو کا نقشہ زار دکھاؤ
ہمدمو سبزہ رنگ کا ہے عشق ‖ بلبل دل کو سبزہ زار دکھاؤ
نزع کا وقت ہے صبا کہنا ‖ اب تو شکل آ کے گلعذار دکھاؤ

نامی[1] سعید الدولہ، شریف الملک، سید علی محمد خاں بہادر انتظام جنگ ابن سیف الدولہ ذوالفقار الملک سید بندہ علی خاں بہادر شمشیر جنگ سید حسینی موسوی وطن اس کے بزرگوں کا اول خوارزم، بعد اس کے گلستان سمرقند یعنی حیطہ اور سمرقند سے بخارا اور بخارا سے شہر سبز اور شہر سبز سے ماوراء النہر اور ماوراء النہر سے دہلی اور دہلی سے لکھنؤ[2]، سید موصوف علم و ہنر سے ممتاز اور خدمات عمدہ سے سرفراز اور نظم میں وحید آفاق تخلص نامی "شیخ ناسخ" کے شاگرد گرامی، یہ اشعار یادگار۔

مر جنے میں کب عاشق بیدل نے کمی کی ‖ رک رک کے چلا خنجر قاتل نے کمی کی
کب اشک کے گھٹنے سے غم دل نے کمی کی ‖ کب بحر کے کم ہونے سے ساحل نے کمی کی
قطع رہ ہستی سبب قرب عدم ہے ‖ ہوتا ہے سفر کم جو منازل نے کمی کی
رکتا ہے کہیں موج کی زنجیر سے دریا ‖ گر قید میں میری نہ سلاسل نے کمی کی
ہے روشنی شمع تلک بزم کی رونق ‖ ساقی جو اٹھا جلوۂ محفل نے کمی کی
کیوں یار سے طالب نہ ہوں نقد وفا کا ‖ کس دن طلب مال میں سائل نے کمی کی
بے آئینۂ مرحمت حیدر کرار ‖ دکھلائی نہ صورت کسی مشکل نے کمی کی

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے
[2] کربلا کی زیارت کر کے کلکتہ میں بھی آئے تھے۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔ (انتخاب سخن شعرا)

ناقص بت قاتل کا قائل ہے وگرنہ سر دینے میں کب عاشق بیدل نے کمی کی

ہے اُس کی خاک پا سر تاج میری سر اُن قدموں پہ ہے معراج میری
لکھوں مضمون عالی اس کے قد کا یہی ہے نظم میں معراج میری

صنم سے گفتگو ہم چاہتے ہیں خدا سے اسم اعظم چاہتے ہیں
تنزل زرد کا ہے سب کو منظور ترقی زرد کی ہم چاہتے ہیں
کہاں ہے مرہم کافور مہتاب کہ اپنے زخم مرہم چاہتے ہیں

سبزۂ خط پہ کیوں نہ مائل ہوں کب سے جویائے خضر منزل ہوں
ہمہ تن مجکو انتظار سمجھ چشم مجنوں ہوں سوئے محمل ہوں

لیلیٰ کا داں جو پردۂ محمل الٹ گیا مجنوں کا دیکھتے ہی یہاں دل الٹ گیا

جو تار مژگاں میں گوہر اشک تو نے اے چشم تر پرو دیا
تو رشتۂ عمر تیرہ روزاں میں ابر باراں کا گھر پرو دیا

دیتی ہے سیر باغ کی باد صبا صلاح دیکھوں کہ میرے رشک چمن کی ہے کیا صلاح
ہوتی ہے اہل فیض کو کب حاجت مشیر کب پوچھتا ہے سایۂ بال ہما صلاح

کھل گیا حسن گہر سے راز پنہاں صدف دریکتا ہے چراغ زیر داماں صدف

رُخ سے نقاب اٹھاؤ د بہر نظارۂ صبح   خورشید کو چھپاؤ د مثل ستارۂ صبح

اسی پر سب سے آنکھیں وہ پری پیکر بدلتا ہے   سلیماں جس خم کاکل سے انگشتر بدلتا ہے

نگاہِ قہر سے کب عاشق خود سر بدلتا ہے   کہیں بھی دیدۂ قرباں نیا تیور بدلتا ہے

کوئی رتبہ حصول خاکساری پر نہیں فائق   جلانے سے کہیں بھی رنگ خاکستر بدلتا ہے

مزہ پایا ہے جس نے نشۂ دردِ محبت کا   وہ جام غم سے اپنے عیش کا ساغر بدلتا ہے

ہوا ہے تنگ یاں تک زندگی سے اے فراطت   کہ اب زخمی ترا تیزاب سے چادر بدلتا ہے

رگ سنگ اپنی گردن کو کی اس بت کے تصور نے   ارے فصاد کیوں نشتر پہ تو نشتر بدلتا ہے

ترے بیمار غم کے ضعف نے پائی ہے یہ قوت   کہ اب مشکل سے کروٹ بھی تن لاغر بدلتا ہے

کیا اس ماہ سے غیروں کے گھر جانے کا جب شکوہ   کہا میں ماہ ہوں اور ماہ آخر گھر بدلتا ہے

وزیر بایہ ترقی ہیں ماہ منیر، شہرت میں آفتاب عالم گیر، شاعر خوش تقریر خواجہ وزیر ولد خواجہ فقیر، شیخ امام بخش ناسخ کے تلامیذ میں نامی اور گرامی۔ ایک دن حسب اتفاق یہ بندہ ہمراہ لالہ فتح چند (صاحب) کے اُن کے دولت خانہ پر گیا۔ بر سبیل ذکر (نخر مباہات) فرمانے لگے کہ اکثر مجھے شیخ صاحب سے بہتر اور بعضے برابر جانتے ہیں۔ میرا دیوان جو دلی میں گیا وہاں کے صاحب تمیزوں نے شیخ کے دیوان کو ڈھونڈا۔ الا سبحان اللہ کیا نفسانیت ہے کہ اپنی نمود کے واسطے استاد کو مٹاتے ہیں اور ایسے سخن زبان پر لاتے ہیں۔ حاصل (اس تقریر کے یہ اشعار خواجہ وزیر کے)

داغ ایسا ہے جاناں تیرے دروازے کے سایل کا
ہوا ہوں تو صدا دیتا نہیں کاسہ مری گل کا
تصور یہ رہا آنکھوں میں اس لیلیٰ شمائل کا
کہ اپنی آنکھ کا پردہ بنایا پردہ محمل کا

لہ ن ۔ پ ۔ ان کے نسب کا سلسلہ خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے بائیسویں ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۷۰ھ میں فوت کی ۔ (سخن شعرا)

بدن میں میرے جتنے زخم ہیں پانی چراتے ہیں
نہ پوچھو کس قدر پیاسا ہوں آبِ تیغ قاتل کا

پنھایا یار کو بھی طوقِ منت کے بہانے سے
فلک نے بارے[1] نالہ سن لیا میرے سلاسل کا

بہت جس نے اٹھایا سر گری نظروں سے قدر اس کی
(پ) نہ دیکھا کوئی پروا ہو چراغِ ماہ کامل کا

کسی موئے کمر سے خاک ہونے پر بھی الفت ہے
پڑا ہے بال از خود جب بنا کانسہ مری کاہگل کا

نکل جائیں تڑپ کر مچھلیاں دستِ حنائی کی
(پ) لہو بھر جائے او قاتل اگر مجھ نیم بسمل کا

فقیری میں بھی اے دل آسماں پر ہے دماغ اپنا
گدائی بھی کریں تو لے کے کانسہ ماہِ کامل کا

پس از مردن بھی رہتا ہوں میں نالاں اُن کے ہاتھوں سے
بجاتے ہیں پپیہا اے جنوں اٹھ کے مری گل کا

وزیر اب سینہ میں دل کے عوض کیا درد رہتا ہے
(پ) کہ رو دیا کرتے ہو پڑھ پڑھ کے تم دیوان بیدل کا

گردم مشق خیالِ خطِ جاناں ہوگا پھر تو جو خط میں لکھوں گا خطِ ریحاں ہوگا

رنج و راحت سے ہم کو کار رہا ہاتھ میں گل تو پا میں خار رہا

---

[1] ن، پ، نالہ بارے

اے جنوں شیفتۂ کاکل پیچاں ہیں ہم لوگ   تاج سر حلقۂ زنار پریشاں ہیں ہوں
کب یہ کہتا ہوں کہ گل ہو کے رہوں گلشن میں   کاش خار سر دیوار گلستاں میں ہوں
آدمیت تیری دیکھے تو پھڑک جائے دم   یہ تمنا ہو پری کو بھی کہ انساں میں ہوں

کسی کے جانے سے ساقی کے یہ حواس گئے   شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشہ میں

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو   کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو
ہوں میں دیوانہ مری تصویر بھی تنکے چنے   کہربا کے رنگ سے کھینچو میری تصویر کو
کہتے ہو اے ماہ دیکھا ہم نے ہالہ خواب میں   آئیے آغوش میں سن لیجئے تعبیر کو

جانور جو ترے صدقہ میں رہا ہوتا ہے   اے رخ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے
منتوں سے وہ پری اور خفا ہوتا ہے   اب سلیماں بھی اگر آئے تو کیا ہوتا ہے
چومتا ہوں لب شیریں وہ خفا ہوتا ہے   کیا شکر رنجی جاناں میں مزا ہوتا ہے
قفس تن میں نہ گھبرائیو اے طائر روح   جو گرفتار ہے اک روز رہا ہوتا ہے
توڑ کر آئینۂ دل کو بناتے ہو عبث   اب سکندر بھی اگر آئے تو کیا ہوتا ہے
صورت ماہ نو آتا ہے جھینپے مجھے   پ انگلیں باتوں میں تو انگشت نما ہوتا ہے

بھر دے تو ساقیا مرے ساغر کو بنگ سے   گاڑھی چھنی ہے آج کسی سبزہ رنگ سے
زاہد جہاد کرتا ہوں میں روز زنگ سے   آنکھیں لڑا رہا ہوں بتان فرنگ سے
ہر چیز کو ہے عشق مرے خانہ جنگ سے   پ اڑتا نہیں ہے دیکھ کے توتا تفنگ سے
ساقی ہوا ہے عشق کسی خانہ جنگ سے   مانگوں گا میکشی کو پیالہ تفنگ سے

وہ مست ہوں خیال اگر میکشی کا آئے
نکلے شراب تاک سے اور شیشہ سنگ سے

کاٹے گی خوب غیر کو اے یار دیکھنا
تلوار تیز کر مرے مرقد کے سنگ سے

صد چاک ہو نہ وہ دل کہ نہ ہو جس میں تیری یاد ب
یارب جو شیشہ خالی ہو ٹوٹے وہ سنگ سے

مانند شمع پہنچی عدم کو گھڑی گھڑی
استادگی ہماری نہیں کم شلنگ سے

اے موت جلد آ کہ یہ قصہ کہیں چکے[2]
نفرت ہے اس کو صلح سے اور مجکو جنگ سے

اس سرو خوش خرام کا قمری ہوں اے وزیر
چلتے تھے جس کے ساتھ شجر پائے لنگ سے

ہوں وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر
روح میری گل عارض میں ہے بو ہو کر

ہم تو اس خرم رہائی سے ہیں پانی پانی
دیدۂ چاک قفس سے بہے[1] آنسو ہو کر

عاشق زار ہیں ہوں صبح ہوئی تو نہ ڈرو
چھپ رہوں گا گل عارض میں ابھی بو ہو کر

شیشۂ دل میں مرے تیغ اتر آئے کہیں
میان سے نکلی ہے محبوب پر سی کارد ہو کر

ساغر چشم کی ہم یاد میں کیا محو ہوئے ب
رہ گیا زانو پہ سر کاسۂ زانو ہو کر

شوق ہے حکم کرے سجدہ کا پیغمبر حسن
آیتیں سجدے کی نازل ہوئیں ابرو ہو کر

ہم بھی میخانے[3] سے جا نکلیں کہیں بہر طواف
حضرت کعبہ کشش کیجئے ابرو ہو کر

ناتوانی سے ہوا خون کا بھی رنگ سفید
کیا بہانہ ہے جو بہ جائے اب آنسو ہو کر

پیشوائی کے لئے روح بدن سے نکلی
چلتی ہے تیغ قضا جنبش ابرو ہو کر

جان پڑ جاتی ہے زیور میں پہننے سے ترے
کہیں اڑ جائے نہ کنگنی تیری جگنو ہو کر

چشم لیلیٰ کو بھی لپکا تھا نظر بازی کا
دشت میں قیس کو دیکھ آتی تھی آہو ہو کر

ناک بھوں ایسی چڑھائی کہ ہوا ناموزوں
موزوں ہے جان ترا مصرعہ[4] ابرو ہو کر

---

[1] ن۔ پ فزون ہے
[2] ن۔ پ چلے
[3] ن۔ پ بت خانہ
[4] ن۔ پ مطلع

جنس دل جانچ بھی لے تول بھی لے حاضر ہے   رہ گیا سینہ میں کیوں تیر ترازو ہو کر
آدمیت یہ خداداد ہے اللہ اللہ   رغبت انسان سے کرتے ہو پری زادہ ہو کر
یار کی گرمی رفتار نے اعجاز کیا   اڑ گئی فندق پا رات کو جگنو ہو کر
ٹھہرا ہے جوشش گریہ کہ گلا کٹ جائے   آب شمشیر نکل جائے نہ آنسو ہو کر
پائے نازک میں نظر آتے ہیں بوسوں کے نشاں   آئے ہو کیا حنیت ل سے لب جو ہو کر
تم نہا کر جو چلے غم سے سمٹ کر دریا   آگیا دیدۂ گرداب میں آنسو ہو کر

قلق | اشعار رنگین اس کے بلبلوں کا سبق، شاعر عالی[۵۶]، خواجہ اسد تخلص "قلق" پسر خواجہ بہادر حسین فراق شاگرد اور ہمشیر زادہ خواجہ وزیر[۵۷]۔ یہ اس سے یادگار

مشتری مجکو بنایا اک مہ رخسار کا   عشق بھی دلال ہے کیا حسن کے بازار کا
کہکشاں پٹی ہے او قاتل ہمارے زخم کی   چرخ زنگاری ہے پھاہا مرہم زنگار کا
آدمی کیا اے پری رو دم میں دیوانہ ہو وہ   پ دیووں پر پڑ جائے گر سایہ تری دیوار کا
اس طرح خلعت شہادت کا بخشا قاتل ہمیں   زخم کے دامن میں جو پٹھا تری تلوار کا
یہ تمنا ہے لب معشوق ہو گر کوئی تیر   لوں دہان زخم سے بوسہ لب سوفار کا
رنگ حب وزن سے جھانکا اے پری میں ہنس پڑا   کیا اثر دیوار میں ہے قہقہہ دیوار کا
او شکر لب تل عرق آلودہ عارض پر نہیں   پی رہا ہے رس شکر خوردہ گل رخسار کا
خون سے تر دامن پاک تر ہے اے خونریز خلق   پ زخم دامن دار کیا رومال ہے تلوار کا
اے بت کافر ہے کیسا کفر زا تیرا فریب   تو نے جو دھاگا دیا رشتہ بنا زنار کا
تیغ عریاں پر پڑا جو اس در دنداں کا عکس   پ موجۂ آب گہر جوہر بنا تلوار کا
اس لیے ہر دم عرق افشاں جبین یار ہے   پ تا بھڑک جائے نہ شعلہ آتش رخسار کا

---

[۵۶] ن۔ ب با مزہ   [۵۷] ن۔ پ من کلامہ

شاہ اقلیم معانی کا فلق شاگرد ہوں   کیوں نہ ہو ہر شہر میں شہرہ مرے اشعار کا

نہیں یہ معجزہ موقوف کچھ موسیٰ عمراں پر   پیارے ہیں ید بیضا کف پر نور مستاں پر
لگایا عطر جب ہم لب رنگین جاناں پر   تو گویا تیل چھڑکا آتش لعل بدخشاں پر
تمہارا مسکرانا جانتا ہوں جان کھودے گا   پ گرے گی ایک دن برق تبسم خرمن جاں پر
بنا کر تل رخ روشن پہ نہ شوخی سے کہتے ہیں   یہ کاجل ہم نے پارا ہے چراغ ماہ تاباں پر
ہمارے یار نے کیں چھپ کے باتیں نازکی ہم سے   پ لگایا آج پوشیدہ یہ مرہم زخم پنہاں پر
ہوا دھوکا جو ہم کو تیغ خوں آلود قاتل کا   گلا رگڑا کیے ہم موجۂ خون شہیداں پر
ہیں بس آج کل سلطان اقلیم شہادت ہیں   پ ہے اپنے نام کا سکہ زر گنج شہیداں پر
پس از مردن فلق احسان کیا یہ ناتوانی نے   پ سبک میرا جنازہ ہو گیا دوش عزیزاں پر

لوٹے مزے جو ہم نے تمہارے اگال کے   مر مر گئے رقیب لہو ڈال ڈال کے
انگیا ہے چپ جوان کی کیوں ہاتھ ڈال کے   یہ دونوں قمقمے ہیں عبیر و گلال کے
بے یار درد دل کا مرے آسماں بنا   پ ساقی بنا ہے ماہ پیالہ اچھال کے
بگڑے ہوئے ہو آج بناوٹ نہ کیجئے   اے جان چھپتے ہیں کہیں تیور ملال کے
بے یار میکشی بھی جو کیجے تو غم کے ساتھ   پ جام و سبو بنائیے گرد ملال کے
آتا ہے جبکہ سرمہ کے دنبالہ کا خیال   بوسے جنوں میں لیتے ہیں شاخ غزال کے
ہم شربتوں میں چل کے فلق میکشی کرو   جھگڑے وہاں نہیں ہیں حرام و حلال کے

روش ہے صاف چلنے میں نسیم صبح گلشن کی   یقیں ہوتا ہے کھل جائیں گی کلیاں ان کے دامن کی
صدائے نغمۂ بلبل ہے صاف آوازہ ارگن کی   اڑتی ہے سلامی باغ میں کس رشک گلشن کی

ستارے بولتے ہیں یا کوئی بلبل چہکتی ہے / تری مضراب کیا منقار ہے مرغ نوازن کی

تری دولت سے ہم اے عشق مالا مال رہتے ہیں / زر داغ جنوں ڈالی پر ہے اک اک ثمر گلشن کی

کہوں گا اے ریاض حسن پھبتی عشق پیچہ کی / ترے بوٹے سے قامت پر چڑھی ہے بیل چیکن کی

رہا نہ بزم میں تم زلف شب گوں کو اگر کھولو / سمٹ کر رات خجلت سے گلی بن جائے سوسن کی

نشانہ ہو گیا غیر آہ اس نے جب ہمیں تاکا / یہ اپنی قسمت ہے خطا کیا ناوک افگن کی

صفیر[1] | خواجہ بادشاہ، تخلص "صفیر" پسر اور شاگرد خواجہ وزیر یہ اشعار اس سے یادگار

کس قدر نرم ہے تمھارا پیٹ / مثل مخمل ہے صاف سارا پیٹ

چھو لیا ہم نے جو تمھارا پیٹ / رشک سے دشمنوں نے مارا پیٹ

کہوں اک یہ بھی چاند ماری ہے / تجھ پہ مہ رویوں نے جو مارا پیٹ

اے فلک غم کہاں تلک کھائیں / بھر گیا بھر گیا ہمارا پیٹ

اختر خال جو ہوا پیدا / ہو گیا سارا چاند تارا پیٹ

دیکھتا ہے فقیر منہ اپنا / صاف آئینہ ہے تمھارا پیٹ

عیش[2] | خوش تقریر، میر علی حسین، خلف میر محمد علی تخلص "عیش" شاگرد اور خویش خواجہ وزیر یہ اس کی تقریر۔

لی ہے جو اس کی زلف گرہ گیر ہاتھ میں / اس جرم پر پہناتے زنجیر ہاتھ میں

تو خاک بھی جو لے تو ہو اکسیر ہاتھ میں / اے بت خدا نے دی ہے یہ تاثیر ہاتھ میں

فرہاد و قیس شیریں و لیلیٰ کو بھول جائیں / دے دوں اگر میں یار کی تصویر ہاتھ میں

رہتا ہے لیس وہ بت سفاک قتل پر / گردش پہ کماں ہے تو ہے تیر ہاتھ میں

تیغ نگاہ ناز سے کیجئے مجھے شہید / کیوں لی ہے جان آپ نے شمشیر ہاتھ میں

---

[1] تا [2] ن۔ پ۔ میں ان کا ذکر نہیں ہے

رنگ حنا سے سونے کی چڑیا ہر اک ہو — صیاد میرا جو لے عصا فیر ہاتھ میں
اے عیش تم عبث کف افسوس ملتے ہو — کب ہاتھ دے گا وہ بت بےپیر ہاتھ میں

جوہر[1] آداب مجلس سے بے خبر، جواہر سنگھ[2] تخلص "جوہر" یہ روداد عجیب اور
افسانہ غریب ہے خواجہ حیدر علی آتش کی اس غزل کا

مضمون حسن و عشق نہیں کس غزل میں ہے — سنیے اگر تو لطف ہماری زٹل میں ہے

سمع کیا اور سراج الدولہ کے مشاعرہ میں کہ مدار المہام وہاں کے خواجہ صاحب
ہی غزل کو پڑھا چونکہ صحبت گزشتہ سے تلامیذ خواجہ صاحب کے خواجہ وزیر کی لاف
وگزاف سے دل کو پر آبلہ رکھتے تھے اس کی غزل پر ریشخند کیا اور اپنے پھپولوں
کو پھوڑا، جب اس نے خلاف قاعدہ حرکت اُن کی مشاہدہ کی، تند و تیز ہو کر
کہا "کیا چیں چیں" کرتے ہو معلوم ہوتا ہے جہلا جمع ہوئے ہیں ہر چند اُن کی طعن
انھیں دو چار پہ تھی اس بات سے رنجش عام ہوئی مرزا حیدر صاحب حنیف آبادی
نے اسے زجر و توبیخ فرمایا اور اشارے سے کہا کہ اٹھ جا، وہ نادان نہ سمجھا،
بعد تمام کرنے غزل کے جو وہ اٹھا چند شاگرد آتش کے کسی بہانے سے اس تلک
پہنچے اور آبرو ریزہ ہوئے۔ خواجہ وزیر صاحب کی خاطر اس واقعہ سے نہایت پریشان
ہوئی اور اس کے تدارک سے حیران ہوئے۔ غزل جوہر

مضمون غزال چشم کا ہر اک غزل میں ہے — وہ جتنی ہیں عین لطف ہماری زٹل میں ہے
مستی بھری ہوئی یہ ہماری زٹل میں ہے — مینائے مے ہے بیت جو اپنی غزل میں ہے
اٹھ جائے زر سے غیر وہ عیشی محل میں ہے — کہہ دو زحل سے مہر درخشاں زحل میں ہے
جو بت وہاں ہے رشک بتان فرنگ ہے — کیا لطف کو چھپائے فرنگی محل میں ہے
رتبہ ہمارا اوج سلیماں سے کم نہیں — وہ غیرت پری جو ہماری بغل میں ہے

[1] ن. پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ولد جگناد رسنگھ (سخن شعراء)

دیکھا جو قہقہۂ یار تو خوش ہو کے ہنس دیا — دیوار قہقہہ کا اثر کیا محل میں ہے
اے جان تیرے اس لب شیریں کے دور نہ — کچھ قند میں مزہ نہ حلاوت عسل میں ہے
قسمت سے ہاتھ لگ گئی ہے اندھے کے بٹیر — مضمون جو کوئی خوب علاوہ کی غزل میں ہے
ہیں بادشاہ ملک سخن حضرت وزیر — جوہر زمین شعر لطیف کے عمل میں ہے

بیخود — تلاش شعر میں خوش تردد، میر ہادی علی تخلص "بیخود" پسر میر ناصر علی سحر، زمیندار رام نگر شاگرد خواجہ وزیر، من کلامہ

جب نمایاں بام پر رخسار مہرو ہو گیا — نور روئے مہ اڑا ایسا کہ جگنو ہو گیا
ہجر میں پہنچے مجھے اسباب راحت ایسے ہی ہیچ — تکیۂ پہلو سے افزوں درد پہلو ہو گیا
نور عارض دیکھ کر از بس کہ کھایا پیچ و تاب — پر تو مہتاب یہ سمٹا کہ جگنو ہو گیا
ہجر کی شب روئے میرے حال پر نجم بھی — ہر ستارہ دیدۂ گریاں کا آنسو ہو گیا
شمع عارض نے ترے کی اس قدر کسب ضیا — ذرہ افشاں کا چراغ طاق ابرو ہو گیا
زلف کے پھندے سے اے بیخود رہائی ہے محال — پھر نہ چھوٹا جو اسیر دام گیسو ہو گیا

اشرف انساں کو کیا سب پر خدائے پاک نے — دیکھو رتبے ہائے کیا کیا ایک مشت خاک نے
صید گہ میں کچھ فقط صیاد نے تاکا نہیں — آنکھ ڈالی مجھ پہ چشم حلقۂ فتراک نے
قبر میں بھولے جو ہم پرزے اڑانا جیب کا — یاد دلوایا گریباں کو کفن کے چاک نے
یاقوتی وہ ہو گئے دندان مصری سے فزوں — پائی لذت ان لب دنداں سے یہ مسواک نے
غنچۂ منہال کو دم میں شگفتہ کر دیا — معجزہ طرفہ دکھایا یہ دہان پاک نے
پاؤں سے لپٹی جو میری خاک وہ ہاتھوں اڑا — شوخیاں سی شوخیاں کیں توسن چالاک نے
آگیا غش دیکھتے ہی خال چشم مست یار — بیخود اپنے ہوش کھوئے نشۂ تریاک نے

---

۱ ن۔ تپ خفیف ۲ ن۔ ب گردن

ایجاد | خوش تقریر، شیخ بہادر علی تخلص "ایجاد"۔ خلف شیخ ہیبر شاگرد (خواجہ) نذیر۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

بچھتاؤ گے اگر گئے بیتاب چھوڑ کے — شیشہ نہیں ہے دل جو بناؤ گے توڑ کے
ہم گل ہیں اور ہے یہ ہمارا عرق گلاب — کہتے ہیں وہ جبیں سے پسینہ نچوڑ کے
گلچیں ستم کیا یہ ترے ہاتھ ٹوٹ جائیں — توڑا ہے عندلیب کا دل پھول توڑ کے
ہو جائے سرد آگ جہنم کی واعظا — تر دامنی نہ کھاؤں جو دامن نچوڑ کے
سرپنجگی دکھاتے ہیں نہ عندلیب کو — گلشن میں شاخ گل کی کلائی مروڑ کے
کہتے ہیں سانپ چشمۂ خورشید میں بھی ہے — پ زلفوں کو اپنے چہرۂ روشن پہ چھوڑ کے
لکھنے ہیں وصف سرو قد یار کے مجھے — خامہ بناؤں شاخ صنوبر کو توڑ کے
اٹھوں نہ داغ سینۂ ایجاد دیکھ کر — جاؤں نہ سیر گلشن ایجاد چھوڑ کے

اشک سوزاں سے مرے دیدۂ تر جلتے ہیں — عین دریا میں ہیں افسوس مگر جلتے ہیں
پان سے سرخ ہوئے ہیں جو یار میں دانت — کیا تماشا ہے صدف میں یہ گہر جلتے ہیں
گرم جوشی انھیں اغیار سے ہے در پردہ — کان کے پردے یہ سن سن کے خبر جلتے ہیں
اس بھبوکے کی نہیں چہرے پہ یہ سرخ نقاب — دیکھنے والوں کے دامان نظر جلتے ہیں
لال اطلس کا جو پاجامہ ترا دیکھا ہے — ناخن پا سے حسیں تا بہ کمر جلتے ہیں
سوز غم لکھ کے ہوا دل میں بہت میں نادم — خط بھی جلتا ہے کبوتر کے بھی پر جلتے ہیں
خط رخسار نہیں ہے یہ ہوا اٹھتا ہے — شانۂ رخ پہ مرے پیارے نظر جلتے ہیں
میں تو انسان ہوں کس طور سے جاؤں ایجاد — ہائے اس سے تو فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں

سپہر | سید سندی، میر محمدی رتبہ میں مہر، تخلص "سپہر" (ولد میر محمد مہدی) شاگرد (خواجہ) نذیر۔ وہ خوش تقریر اگرچہ افیونی ہے، سخن اس کا شاداب

زمین شعر کا ذرہ ذرہ آفتاب شہرت اُس کی جنگ دریاب سے زیادہ، اہل مجلس کو سننے سے استفادہ، یہ اشعار اس دیر گزار سے یادگار

اے سہراب عشق ہے اس ابروے خمدار کا
آبرو رکھے خدا ہے سامنا تلوار کا
خال کا کشتہ ہوں کیا ذکر ابروے خمدار کا
کام لیتا ہے وہ قاتل ڈھال سے تلوار کا
صورت منصور ڈر ہے حرف حق کہتے ہوئے
راست گو کو دیکھتا ہوں مستحق ہے دار کا
اس صنم کی یاد میں بھولا نہیں اللہ کو
رشتۂ تسبیح ہے ڈورا مری زنار کا
آفتاب حشر کی سوزش سے بچ جائے سپہر
دست دل سے تھام دامن حیدر کرار کا

بوسہ لیا جو رخ کا وہ بیزار ہو گیا
مصحف کو چوم کر میں گنہ گار ہو گیا
موے سیہ کی یاد میں یہ زار ہو گیا
آخر میں صورت کمر یار ہو گیا
اس بت نے مجھ پہ ہاتھ جو چھیڑا جنیو کا
کاندھے پہ ڈورا باڑھ کا زنار ہو گیا
قنبر کے ساتھ خلد میں جو گا وہ اے سپہر
جو یاں غلام حیدر کرار ہو گیا

نہیں مسی لگی ہے یہ لب جاں بخش جاناں پر
خضر اُودی گھٹا چھائی ہوئی ہے آب حیوان پر
نمایاں تل نہیں ہے یہ لب رنگین جاناں پر
چڑھائی فوج زنگی کی ہے یہ ملک بدخشاں پر
تمھارے دانت ہنسنے میں نظر آئے جو ہونٹوں سے
تو گویا ایک بجلی گر پڑی شہر بدخشاں پر
دکھایا خانۂ زنجیر میں عالم چراغاں کا
چھڑک کر تو نے افشاں اے پری رو زلف پیچاں پر
ملایا منہ سے منہ لیکن دیا بوسہ نہ ہونٹوں کا
سکندر رہ گیا پیاسا پہنچ کر آب حیواں پر

اس قدر محروم وصل یار دل بیتاب ہے
دن کو پروانہ ہے یہ اور رات کو سرخاب ہے
مجھ مریض ہجر کو نسخہ بھی نایاب ہے
خط بنفشہ تخم ریحاں خال لب عناب ہے

بیٹی اس محبوب کی مچھلی نظر آئی مجھے نتھ کو سمجھا حلقۂ خورشید میں گرداب ہے
ہے زمانہ کی دو رنگی کب ہو یہ یک رنگ پر دن کو اطلس آسماں اور رات کو کمخواب ہے
وصل کی شب جلد کٹ جاتی ہے دیکھو غافلو اہل عقبیٰ راست کہتے ہیں کہ دنیا خواب ہے
جو خدا کو علم ہے اس کو یقیں کر اے سپہر ہے محمدؐ شہر اس کا اور حیدرؑ باب ہے

کر ٹوٹی جو پائی خط سے قاصد کی کمر خالی ملے دست الم دیکھا جو دست نامہ بر خالی
نہیں ہے نام کو آنسو یہ روئے ہجر ساقی میں برنگ ساغر بے مے ہوئی ہے چشم تر خالی
نہ اس آئینہ رو نے شکل دکھلائی مجھے اپنی گیا ذیقعد کے مانند یہ ماہ صفر خالی

سخت باتوں نے تری دل جو ہمارا توڑا اے صنم سب نے کہا کس نے یہ کعبہ توڑا
چور ہوتا ہے مرا شیشۂ دل آپ ہی آپ محتسب نے کہاں مےخانے میں شیشہ توڑا
شب باراں میں ڈرایا یہ تری فرقت نے پ جگنو چمکا تو میں بندوق کا سمجھا توڑا
جان جاں دم نہ لگیں توڑ نے عشاق کہیں پ آج میں بہر خدا ایسا نہ لینا توڑا
اے سپہر اس مہ تاباں کے گلے کی خاطر توڑ کر چرخ سے تاروں کا بنایا توڑا

کر رہی ہے زور شور اپنا گھٹا برسات کی آبرو اے چشم تر رد کر گھٹا برسات کی
میرے رونے سے دل پر داغ آیا وجد میں خوش ہوا طاؤس جب دیکھی ہوا برسات کی
سرد آہیں کر رہا ہوں کچھ آنسو ہیں رواں ابتدا جاڑے کی ہے اور انتہا برسات کی
آہ سوزاں کے شرارے ہیں دم گریہ بلند اڑتے ہیں جگنو برستی ہے گھٹا برسات کی
کوئے جاناں سے نکل کر کیا ہی رویا زار زار پ خوب برسی اٹھ کے کعبہ سے گھٹا برسات کی
ہوں غلام اس شہ کا چتر ابر جس کے سر پہ تھا اے سپہر آگے حقیقت میرے کیا برسات کی

طوبیٰ | ہاتھ اس کا ہنر مندی میں ید طولیٰ رکھتا تخلص "طوبیٰ" شاگرد مرزا محمد علی

سپہر[1] اس سے یادگار

پھانسی دیتا ہے ترا حلقۂ گیسو مجھ کو ‏ دار پر کھینچتا ہے یہ قدِ دلجو مجھ کو
نے نوازی کا ترے باغ میں آیا جو خیال ‏ مثلِ شہنا نظر آیا گلِ شبو مجھ کو
وصفِ لعلِ لبِ جاناں سخن سنج جو ہوں ‏ چاہیے معنئ نازک کی ترازو مجھ کو
جانتے ہیں جو تری چشمِ سیہ کا وحشی ‏ اپنی آنکھوں میں جگہ دینے پر آہو مجھ کو
یہ تمنا ہے کھلے آنکھ جو روزِ محشر ‏ سر کے نیچے نظر آئے ترا زانو مجھ کو
عشقِ دنداں نے کیا گوہرِ غلطاں اے جان ‏ چین کیا ہو کسی کروٹ کسی پہلو مجھ کو
چشمِ وحدت سے جو میں دیکھتا ہوں اے طوبیٰ ‏ جلوۂ یار نظر آتا ہے ہر سو مجھ کو

مہرباں ہم پہ اگر وہ ماہِ تاباں ہو جائے ‏ دور دل سے ابھی داغِ شبِ ہجراں ہو جائے
کیا ترے روبرو اب آئینہ کو سکتہ ہے ‏ دیکھے اسکندرِ رومی بھی تو حیراں ہو جائے
عرق آلود جو تم آؤ پئے سیرِ چمن ‏ برگِ گل نے کے عبا موجۂ جنباں ہو جائے
عیدِ قرباں سے زیادہ ہو خوشی اے طوبیٰ ‏ ان کے قدموں پہ اگر سر ترا قرباں ہو جائے

عباس | خوش فکر[2] و خوش قیاس، میر عباس، پہلے شاگرد میر محمدی سپہر کا تھا پھر خواجہ[3] وزیر سے مستفید ہوا۔ من کلامہ

چھو آئے گر وہ جا کے مرے گلبدن کے پاؤں ‏ چومے دہانِ غنچہ نسیمِ چمن کے پاؤں
محتاجِ پا کبھی نہ ہوں جو ہیں سبک خرام ‏ چلتی ہے اور نہیں ہیں نسیمِ چمن کے پاؤں
کمھلا گئے لجالو کے مانند چھوتے ہی ‏ نازک ہیں اس قدر مرے نازک بدن کے پاؤں
گلشن میں تیرے ساتھ پھرے سایہ کی روش ‏ قمری کی طرح وہ ہوں جو سروِ چمن کے پاؤں
وہ بے نشاں ہوں میں نہ ملا قبر کا نشاں ‏ تھک تھک گئے تلاش میں دزدِ کفن کے پاؤں

---

[1] ن۔ ب من کلامہ [2] ن۔ ب۔ مراتکہ [3] ن۔ ب۔ سخنور۔ ن۔ ب بعد اس کے خواجہ وزیر کا ہوا

ہے بعد مرگ بھی یہی مرقد میں آرزو عباسؔ چوموں حضرت شاہ زمن کے پاؤں

پرتوِ چشم جو اے جان نمایاں ہو جائے آئینہ صاف گذرگاہ غزالاں ہو جائے
لال ہو جائیں جو رخسار ترے غصہ میں دفعتہً شہر حلب ملک بدخشاں ہو جائے
اے جنوں ضعف سے یاں قدموں پہ سر رہتا ہے ہاتھ کیا پاؤں سے یاں چاک گریباں ہو جائے
کہتے ہیں وہ مری پاپوش کرے سیر چمن پھینکوں جس جا میں گل کفش گلستاں ہو جائے
دیکھئے آنکھ اٹھا کے جو مری تربت کو سبزۂ قبر چراگاہ غزالاں ہو جائے
زعفرانی تم اگر کپڑے پہن کر آؤ ہنس پڑوں میں تو لب گور بھی خنداں ہو جائے
اس قدر خوں ہے مرا گرم اگر پھر جائے پ ابری تلوار تری برق درخشاں ہو جائے
بخدا مجھ سے عداوت ہے یہ اس کافر کو میں جو ہندو ہوں تو وہ ضد سے مسلماں ہو جائے
پاس عباسؔ نہ ہو پیرے جو وہ جان جہاں خانۂ عیش تجھے خانۂ زنداں ہو جائے

مجرمؔ | قادر علی تخلص "مجرم" اگرچہ دلال بازار جنت فروشاں ہے لیکن اس کے قالب طبع میں شعر خوب ڈھلتے ہیں لکھنؤ بھی کیا نستعلیق شہر ہے کہ بیر دنجات کے مرزا منش[۱] یہاں کے اہل حرفہ (کی فصاحت) پر کف افسوس ملتے ہیں القصہ وہ اعتقاد شاعری[۲] سے خاک پائے خواجہ وزیر، یہ اس کی تقریر

رقم کرنے لگے[۳] مضموں جو اشکوں کی روانی کا
زمین شعر میں ہو جائے جاری چشمہ پانی کا

ہمیں بے یار ساقی بزم [illegible] ہے محفل ماتم
ہے عالم قلقل مینائے مے میں نوحہ خوانی کا

---

[۱] ن۔ ب رئیس [۲] ن۔ ب شاگردی
[۳] ن۔ ب لگوں

اگر نا مہرباں ہو بے سبب مطلب نہیں تم سے
بتو طالب ہوں میں اپنے خدا کی مہربانی کا

رہو خاموش جتنا محفل عالم میں بہتر ہے
زبان شمع سے انداز سیکھوں بے زبانی کا

رواں اشکوں کی موجیں ہیں جو ہر دم چشم گریاں سے
بنا ہے اب ہر اک مژے فوارہ پانی کا

ہزاروں رنگ پر گو انقلاب دہر ہوتا ہے
مگر پھرتا نہیں جا کر کبھی موسم جوانی کا

کہا احوال دل مجرم تو ہنس کر یوں لگے کہنے
مرے صاحب نہیں ہے شوق بندے کو کہانی کا

خطا | ہر غزل اس کی عطر مجموعہ، ہر قطعہ اس کا گلدستہ، نظر علی بیگ تخلص "خطا"۔ روغن فروشی بر السنہ افواہ کسب حبیب اللہ اگرچہ[1] خواجہ وزیر کے تبع اور شاگرد شیخ ناسخ کے ہیں مگر باب ارزانے شاعری میں قدم بقدم میاں مصحفی کے پائے جاتے ہیں۔ یہ فن شریف واسطے اشرافوں کے ہیں نہ اجلافوں کے۔ میر مہدی بہتر سے یہ سنا کہ میاں بحر کا شاگرد بھی خطا تخلص کرتا تھا جب ذکر اس خطا کا آتا ہے یہ کہتا ہے کہ ایک خطا ملا محمد کتاب خواں تھا دوسرا میں ہوں، تیسرا جو ہے اسے بقول عوام تصور کیا چاہئے۔ قصہ مختصر یہ[2] اشعار نظر علی خطا کے

عاشقی میں جب اس بت بیدرد سے راہ ہوا | ایسے اٹھائے صدمے کہ درد جگر ہوا

---

[1] ن۔ پ شاگرد خواجہ وزیر [2] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار

مبتلا ہو گیا کس آفت بالائی کا | پوچھو نہ کچھ اس زلف کے سودائی کا
اپنا مرجانا گوارا نہیں گو مرتا ہوں | کس قدر غم ہے مجھے یار کی تنہائی کا

کیا ہی پُر نور ترے در کے ہیں روزن دیکھے | ایسے اے ماہ ستارے بھی نہ روشن دیکھے
مسی آلودہ جو لب اے بت پرفن دیکھے | کبھی گلچیں نے نہ ایسے گل سوسن دیکھے

آشنا آشنائے بے ریا، مجمع خوبیہا، سید محمد، تخلص "آشنا" خلف الصدق حافظ وارث علی مغفور، ابتدا میں شاگرد شیخ ناسخ کے تھے چنانچہ جن روزوں میں شیخ نے انتقال کیا تھا ایک مشاعرہ میں یہ شعر ان سے میں نے سنا تھا۔

واجب الرحم ہوں استاد نہیں دنیا میں | اولاً غرض یہی خدمت احباب میں ہے

(بعد انتقال شیخ صاحب) چندے آزاد رہے آخر خواجہ وزیر سے سلسلہ متابعت کا پیدا کیا، یہ اشعار ان سے یادگار

مرگئے پر نہ ہوا یار خبر گیر کبھی | میرے علیٰ کی نہ سوجھی مری تدبیر کبھی
دل سے جائے نہ سر زلف گرہ گیر کبھی | یہی منت ہے بڑھے میری نہ زنجیر کبھی
حال دل کہیے تو کہتا ہے خفا ہو کے وہ شوخ | مجکو بھاتی نہیں اس طرح کی تقریر کبھی
مول لیتا تو کہاں آپ وہ آکر بکتی | دیکھ لیتی جو زلیخا تری تصویر کبھی
الفت ابروے مژگاں میں غرض جان گئی | تیر مارا کبھی سفاک نے شمشیر کبھی
ملے فرقت زدہ کوئی تو لپٹ کر روؤں | عید کو بھی نہ ہوا یار بغلگیر کبھی
گل کو کیا دیکھئے اور سیر چمن کیا کیجئے | بھولتا ہی نہیں دل یار کی تصویر کبھی
مرگئے مانی و بہزاد اسی حسرت میں | زیست بھر کھنچ نہ سکی یار کی تصویر کبھی
رنج یہ وہ ہے کہ شادی کو تصدق کیجے | آشنا دل سے نہ جائے غم شبیر کبھی

تشبیہ گل سے مرتبۂ رخ بلند ہے | خورشید سے وہ ماہ جبیں چار چند ہے

نسخہ شفا کو ہو تو کوئی لکھ دے اے مسیح — بے چین مدتوں سے دلِ دردمند ہے
کہتے ہیں جس کو قفل درِ عرش کی کلید — اے آشنا وہ آہ دلِ دردمند ہے

ہاتھ سے سلجھا رہے ہیں اپنے بالوں کو وہ آج — پنجۂ خورشید زلفِ حور کا شانہ ہوا
قصہ کوتاہ ایسی دیکھی ہے نہیں زلفِ دراز — حلقۂ زلفِ مسلسل پاؤں میں پانہ ہوا

بوسہ نصیب ہے لب و دندانِ یار کا — کیا گوہر نصیب مرا آبدار ہے

یوسف | عزیزِ مصر کو اس کے حسن و سیرت پر تاسف تخلص "یوسف" بقول میر محسن علی شاگرد (میر محمد) آشنا من کلامہ[1]

کشتہ ہے جہان یار کی نازک بدنی کا — پیراہنِ گل میں بھی ہے عالم کفنی کا
ہم مر گئے اس شوخ نے پوچھا بھی نہ یوسف — یہ طرز نکالا ہے نیا کم سخنی کا

دو پٹہ سے مکھڑا چھپانے سے حاصل — یہ در پردہ صورت دکھانے سے حاصل

در گلشن تلک سرو و صنوبر لینے آتے ہیں — جو سیر باغ کو میرا وہ خوش رفتار جاتا ہے

عرش | شاعر نامی سخنور باغلو، میر حسن عسکری عرف میر کلو تخلص عرش خلف الرشید (میر) محمد تقی (میر)۔ پہلے تخلص ان کا[2] زار تھا اب اگر یہ تخلص (کو) بازگشت ہوگی (تو) سو الامکان کے ممکن ہونا معلوم۔ (شاگرد شیخ امام بخش ناسخ) جب اپنے شعر کسی کے آگے ارشاد فرماتے ہیں[3] یہ ذکر بھی زبان پر لاتے ہیں کہ میر لنگر باز نے میرے

---

[1] ن۔ ب۔ اس سے یادگار [2] ن۔ ب میر موصوف [3] ن۔ ب پڑھتے ہیں تو اس نقل کو بیان کرتے ہیں

شعر سن کر زیرِ فلک سر برہنہ ہو کر بخضوع و خشوع دعا مانگی بارِ الٰہا میر کلو کو مرتبۂ میر عطا فرما۔ میں نے ان کا بلبلانا دیکھ کر یہ کہا کہ آپ کی عنایت کی راہ سے مصروف[1] دعا ہیں (میں تو) میر (تقی) سے بہتر ہوں، المختصر وہ شاگردِ ناسخ ہیں۔ (قصہ مختصر) یہ شعر ان سے یادگار

لاغر مثال مو، کمر یار نے کیا — تارِ نگاہ حسرتِ دیدار نے کیا
نزدیک مرگِ عشق کے آزار نے کیا — پرہیز زلیست سے دلِ بیمار نے کیا
یک ہاتھ میں نہ تیغ کا تسمہ لگا رہا — دو ٹکڑے تیغِ ابروئے خمدار نے کیا
جھانکا جو مجھکو یار نے میں پابہ گل ہوا — پ دیوار مجھکو روزنِ دیوار نے کیا
اس کوچے کی گدائی سعادت ہے شاہ کی — پیدا ہما کو سایۂ دیوار نے کیا
اللہ رے شانِ عفو کہ بخشا بلا حساب — عذرِ گناہ بھی نہ گنہگار نے کیا
اے عزیز کیوں نہ نامِ علی دل پہ نقش ہو — آزادِ غم سے حیدرِ کرار نے کیا

سلطاں گدائے کوچۂ دلدار ہو گیا — سایہ ہما کا سایۂ دیوار ہو گیا
عشقِ صنم گلے کا مرے ہار ہو گیا — گردن کا ڈورا رشتۂ زنّار ہو گیا
قاتل جو گل کھلانے لگا شاخِ تیغ سے — مقتل بھی دم میں تختۂ گلزار ہو گیا

تختِ شاہی بھی ملا دل کا بھی مطلب ہو گیا — موت جب آئی برابر خاک کے سب ہو گیا
جس گھڑی جوتے انی دار اس نے پہنے پاؤں میں — منزلِ خورشیدِ تاباں برجِ عقرب ہو گیا

وصل کی شب بھی خفا یار نظر آتا ہے — خواب میں طالعِ بیدار نظر آتا ہے

---

[1] ن۔ پ، یہ فرماتے ہیں۔

شہر یوسف کا خریدار نظر آتا ہے | لکھنؤ مصر کا بازار نظر آتا ہے
وعدۂ وصل پہ تو ہنستا ہے ہے یاس مجھے | پہ ترے اقرار میں انکار نظر آتا ہے
بدن در درج کا صدمہ نہیں دیکھا جاتا | قفس مرغ گرفتار نظر آتا ہے
تیری آمد مست کا سزا وار نظر آتا ہے | مجکو معصوم گنہگار نظر آتا ہے
طلب بوسۂ محبوب تنگ نفرت ہے | بند گویا لب اظہار نظر آتا ہے

مستی نگاہ نے لب زنداں بنائیے | بزم جہاں کو مجلس حیراں بنائیے
نرگس بہ رنگ باغ جو دیواں بنائیے | ہر گل کو عندلیب غزل خواں بنائیے
چل کر زمیں کو صحن گلستاں بنائیے | ہر نقش پا کو کبک خراماں بنائیے
نالوں میں تجھ سے بحث کریں ننگ و عار ہے | باتوں میں تجھ کو مرغ خوش الحاں[1] بنائیے
وہ طفل دل جو بیٹھے نگاہوں میں تو لیے | آنکھوں کو عین پلہ میزاں بنائیے
زنجیر ہر نفس سے بپا ہو رہا ہے غل | دیوانہ دل ہوا کوئی زنداں بنائیے

اڑکے پاس آتا ہے ہر دم عاشق دلگیر کے | صورت بال کبوتر پر بندھیں گے تیر کے
جوش گریہ نے کیا ہے نیک و بد سے مجکو پاک | مٹ گئے ہیں حرف تکسیر نامۂ تقدیر کے

نہ بن آئے گی اے قاتل کوئی تدبیر سونے کی | مرے خوں میں نہیں جبتک تری شمشیر سونے کی

نشتوں سے صلح کے بدلے وہ شر پیدا کرے | پاؤں پڑ کر کون ہر دم درد سر پیدا کرے
جی جلے یہ داغ عشق شمع رو کا ہو اثر | صورت پروانہ مرغ روح پر پیدا کرے

---

[1] ن۔پ غزل خواں

حسرت ہے پیاس میں مژۂ تیر یار کی پانی پلائے گی مجھے کوڑی کٹار کی

نظر کسی کو وہ موئے کمر نہیں آتا بسانِ تار نظر ہے نظر نہیں آتا
غم فراق میں مر مر کے روز جیتا ہوں وہ کون شب ہے کہ منہ تک جگر نہیں آتا

بلبل ترے صدقے کرے اے رشک چمن پھول پر رنگت سے جو منہ پھول ہے خوشبو سے دہن پھول
خنداں ترے آگے نہ ہو اے رشک چمن پھول ہنسنے سے ترے ہو گئے ہیرے کے کرن پھول
کیا بیٹھے شب وصل میں وہ سیم بدن پھول پر چاندنی کے تصدق میں لیے سیکڑوں من پھول
ہے سر کو مرے گل کی روش داغ سے زینت تو شام غریبی نظر آئے صبح وطن پھول
پروانہ نہ بلبل ہیں پس مرگ مجاور ہیں داغ چراغ لحد اور زیر کفن پھول
بارہ دور شبنم سے جھمکے گل کی روش کان پر کیا زیب بنا گوش ہو ہیرے کے کرن پھول
بلبل کا نہیں داغ پس مرگ گوارا پر لانا نہ مری قبر پہ یاران وطن پھول
بلبل جو نگاہوں میں تو انصاف سے تولے کانٹا نہ جھکے لیکہ ہے اس گل کا بدن پھول
اے عرش وہ گل فاتحہ پڑھنے کو جو آیا شادی سے مری نعش[1] گئی زیر کفن پھول

پتھرے زخموں پہ کھاتے ہیں ہم لوہے کے چنے چباتے ہیں ہم

ہاتھوں پہ رہے گی لاش اپنی پر فیروزہ کی طرح مرگئے ہم

صاف کر دل کو کہ دلبر سے لڑائی ہو جائے پر گرہ دل جو کھلے عقدہ کشائی ہو جائے

[1] ن۔ ب برنگ [2] ن۔ ب لاش

ہاتھ بھی صاف ہو آپس میں صفائی ہو جائے ﭖ یار مل جائے سر و تن سے جدائی ہو جائے
رزق ظاہر میں جو ہو بند تو باطن میں ہو جمع ﭖ شیر دایہ ہو اگر خشک ملائی ہو جائے
تنگ دل ہوں بہت اے وسعت رحمت مدد دے ﭖ ذرہ میں مہر درخشاں کی سمائی ہو جائے

ناصر شاعر خوش سنظاہر، سید ابو محمد تخلص "ناصر" شاگرد (میر کلو) عرش یہ اشعار اس سے یادگار

آتش غم مشتعل دل میں اگر ہو جائے گی
آہ بھی دل سے جو نکلے گی شرر ہو جائے گی

جان جائے گی نہ جائیں گے در عیسیٰ تلک
اب اگر دنیا ادھر کی گر ادھر ہو جائے گی

دیکھئے کب دن پھریں گے یا مقدر یا نصیب
اب نظر کب یار کو مد نظر ہو جائے گی

داں پریشاں زلف ہے یاں دل پریشاں ہے مرا
دل کو دل سے راہ ہے اس تک خبر ہو جائے گی

پھر گیا اپنا مقدر یار آ کر پھر گیا
کیا خبر تھی آہ اپنی بے اثر ہو جائے گی

دن تو کٹ جائے گا ناصر انتظار یار میں
رات کو پھر شدت درد جگر ہو جائے گی

غم سے بیمار محبت کا نہ کیوں دم نکلے
گھر سے وہ عیسیٰ دوراں جو بہت کم نکلے

ذبح کا طور کسی طرح سے ہم دم نکلے
یا شب ہجر کے صدموں سے مرا دم نکلے

حسرت دل یہ ہے قاتل جو مجھے ذبح کرے
دیکھنے کے لیے آنکھوں سے مرا دم نکلے

دھیان دلبر کا مرے دل سے گیا جان کے ساتھ
صاحب خانہ و مہمان کبھی باہم نکلے

شکل آئینہ جو دل صاف ہوا اے ناصر
ہم بھی راز دل عشاق کے محرم نکلے

پھول کوئی پڑ گیا جو لگ گئی گلشن میں آگ
اب صبا بھڑکا رہی گل کے ہر خرمن میں آگ

نالۂ بلبل سے گلچیں کے لگی دامن میں آگ
جل گیا سارا بدن بھڑکی جو پیراہن میں آگ

---

[1] ن۔ پ قتل

گرمی بازار موسیٰ دیکھ لی فرعون نے | لعل کے بدلے اٹھالی ہاتھ سے بچپن میں آگ
میری آہ آتشیں ہے گوش زد اغیار کے | اڑ کے رنجک لگتی ہے بندوق کی دزدن میں آگ
نعل در آتش ہے بوئے گل سے تیرا باد پا | پ آتش گل سے گل میخ سُم توسن میں آگ
آتش غم سے ترے عشاق کے مرنے کے بعد | ہڈیاں سلگیں تو روشن ہوگئی مدفن میں آگ
زخم دل جلتا ہے تو بخیہ نہ اے جراح کر | مثل خار خس لگے گی رشتۂ سوزن میں آگ

در بحرین رمل مسدس و سریع مطوی مکسوف

عشق کا غم جی پہ میرے چھاگیا | لحظہ میں میں پھول سا کملا گیا
دھیان تیری زلف کا جب آگیا | دل پہ میرے سانپ سا لہرا گیا

الناسخ | شاعر خوش گو سید ابو تراب عرف منجھو صاحب تخلص "الناسخ" شاگرد میر کلو پہلے تخلص اس کا طور تھا جب مرزا محمد رضا برق نے اپنے شاگرد کا تخلص طور کیا اس نے باشارۂ استاد تخلص اپنا الناسخ قرار دیا۔ بھائی کا حوصلہ باپ سے لینا نئی حکمت اور تازہ لطیفہ ہے۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

ایسا کوئی ستم ایجاد نہیں ہونے کا | جیسے تم ہو کوئی جلاد نہیں ہونے کا
قبر فرہاد پہ سر پیٹ کے شیریں نے کہا | اور سب ہوں گے یہ فرہاد نہیں ہونے کا
مثل قمری مری گردن میں ہے طوق اے شمشاد | پ میں وہ بندہ ہوں کہ آزاد نہیں ہونے کا
خط مرا پڑھ کے یہ قاصد کو دیا اس نے جواب | اب وہ بھولے سے کبھی یاد نہیں ہونے کا
منہ مرا دیکھ کے آنکھ اس نے چراکر یہ کہا | چہرہ کچلا ہے ابھی صاد نہیں ہونے کا
تم جو فرماؤ تو میں آؤں اکیلا تم پاس | ساتھ میرے مرا ہمزاد نہیں ہونے کا
ہم بھی در پردہ ہیں شاگرد اسی کے الناسخ | حشر تک میرا سا استاد نہیں ہونے کا

ل ن۔ پیار دکھا　　　　ے ن۔ پ طرتہ

ابرمیں نکلی کماں ناوک افگن یاد آگیا ۔ برق جب چمکی مجھے وہ تیغ زن یاد آگیا
ہجر کی شب مجکو تکیہ پر یقین قبر تھا ۔ چادر مہتاب سے اجلا کفن یاد آگیا
روح کو اپنے لباس تن سے نفرت ہوگئی پ ۔ جب تصور میں ترا عریاں بدن یاد آگیا

غربت میں دم جو خانۂ تن سے نکل گیا ۔ گویا یہ عصف عزیز وطن سے نکل گیا
صیاد و باغباں کا یہ دونوں کو خوف تھا پ ۔ بلبل کے ساتھ گل بھی چمن سے نکل گیا
عینک سے جیسے نور نظر کا گزر ہو صاف ۔ یوں نور پاک چہرۂ رخ کہن سے نکل گیا
مضمون تو نکلتے ہیں مثل ہلال عید ۔ مشہور ہوگیا جو دہن سے نکل گیا
کھا کر گلوری یار نے تھوکا اگر اگال پ ۔ جل جل کے لعل کان یمن سے نکل گیا

الجھا دیا دل کو زلف کو سلجھا کے آپ نے ۔ کیا خوب فیصلہ مرا سرکار نے کیا
بے مہر بعد مرگ بھی جلتے ہیں ہم رہے ۔ سایہ نہ لاش پر تری دیوار نے کیا

ضعف سے یہ حال اب پہنچا ہے تجھ دلگیر کا ۔ طوق ہے گردن میں حلقہ یار کی زنجیر کا
آئینہ رو تیرے دیوانے کی صورت دیکھ کر ۔ دیدہ حیراں بنا حلقہ ہر اک زنجیر کا
رات دن رہتا ہے مجکو تیر مژگاں کا خیال ۔ کیوں نہ ہو ناسور دل میں زخم ہے یہ تیر کا
اس قدر صدمے اٹھائے فرقت احباب کے ۔ نوجوانی میں مرا عالم ہوا ہے پیر کا
کیوں نہ شکل ماہ نو فرقت میں تن کاہیدہ ہو پ ۔ داغ ہے دل میں تری اک چاند سی تصویر کا
جس نے دیکھی اس کی صورت نقش تسخیر ہوگیا ۔ نقشہ جاناں بھی گویا نقش ہے تسخیر کا[1]
قتل ہونا میری قسمت میں ہے اے قاتل لکھا ۔ جائے خط ما لا گلے میں ہے تری شمشیر کا

---

[1] ن ۔ پ تصویر

قید خانہ گھر تری فرقت میں آتا ہے نظر — ہے ہر اک روزن میں عالم حلقۂ زنجیر کا
جوشش سودا سے ہے خون سیہ قاتل کسیس — دم میں اب کھل جائے گا جوہر تری شمشیر کا
صورت حسن معانی کھینچی کلک فکر نے — صفحۂ دیوان انسخ ہے ورق تقدیر کا

النسب | سید خوش نسب، میر ابو طالب تخلص "النسب"۔ برادر خورد میر ابو محمد شاگرد (میر کلو) عرش، یہ اشعار اس سے یادگار

لا دے جواب خط صنم سادہ لوح سے — امداد چاہتا ہوں حسین ابن روح سے
توڑوں ابھی طلسم ہزار اس پہ لاکھ بار — ہو گر امیر حمزہ صفت حکم لوح سے
اس سرو قد کو باغ میں پایا نہ عندلیب — رویا لپٹ لپٹ کے ہیں ہر ایک دوح سے

ہنوز سرو و گل و لالہ زار باقی ہے — ہزار شکر چمن میں بہار باقی ہے
روانہ روح ہوئی جسم زار باقی ہے — سوار جا چکا گرد و غبار باقی ہے
ہے درد سر تپش آفتاب محشر سے — شراب عشق کا اب تک خمار باقی ہے
روانہ جان ہوئی پر کھلی رہیں آنکھیں — پس از فنا بھی ترا انتظار باقی ہے
بگولہ بن کے مری خاک بھی لپٹتی ہے — ہنوز حسرت بوس و کنار باقی ہے
ہزار زینت فتراک سر ہوئے النسب — ہنوز یار کو ذوق شکار باقی ہے

رہی اک عار مجھکو التجا کرنے کی انساں سے — ہوئیں سب مشکلیں آساں اپنی شاہ مرداں سے
ہوا ہے پانی پانی ابر دود زلف پیچاں سے — چمک کر برق چھپ جاتی ہے اس برق دنداں سے
ہے اسکا صاف چہرہ مہر ساں اور داغ ہے مہ میں — سراسر نقص ہے نسبت اگر دوں ماہ تاباں سے
صنم کی نذر کو میں کاٹ کر سر لے گیا اپنا — کہ تا محفوظ رہیے حشر تک قاتل کے احساں سے

اٹھتے ہی تیرے جسم بھی بے جاں نظر پڑا ۔ صاحب مکاں گیا تو نہ مہماں نظر پڑا
اُس رشک بدر کا جو خیال آیا خواب میں ۔ مجھکو بہشت خانۂ زنداں نظر پڑا
آنسو کو فیض عشق نے گوہر بنا دیا پر ۔ ہنسنے میں جب ترا دُرِ دنداں نظر پڑا
جنت کی سیر مجھ کو ہوئی روح خواب میں ۔ مجھ سا نہ ایک حور نہ غلماں نظر پڑا

بلبل وہ گل بنا تا ہے جس دم بدن میں پھول
(دیپ)
پھولا نہیں سماتا خوشی سے چمن میں پھول

دلک دہ سوزن مژگاں سے رفو کرتے ہیں ۔ خانۂ جسم کو تیغوں سے اتو کرتے ہیں

عشق مژگاں میں رواں دل پہ مرے آرے ہیں
دونوں آنکھوں سے رواں خون کے فوارے ہیں

قرار ذوقت[1] پسندی ان کا شعار، بنارے علی خاں تخلص "قرار" شاگرد عرش - یہ اس سے[2] یادگار

یاں تصور ہے کسی کا دل بیتاب میں بند ۔ ہم نے یوسف کو کیا ہے چہ سیماب میں بند
زاہدا عینک چشم دل روشن ہے یہ ۔ سیر کونین کی ہے جام مے ناب میں بند
جیسے گرداب میں پھنس جائے کوئی مردم آب ۔ مردم چشم ہیں یوں دیدۂ پر آب میں بند
در زنداں کے تصور میں یہ دم اٹکا ہے ۔ ہو گیا رشتۂ جاں گوہر نایاب میں بند
مارِ تلوار جسے جی ترا چاہے قاتل ۔ دونوں ہیں عاشق و معشوق تری داب میں بند

---

[1] ن ۔ ب معنی بند ایہام گوئی اس کا شعار [2] ن ۔ ب من کلامہ

دوستوں[1] نے کبھی دم ذبح نہ آکر دیکھا — اے تڑپ آنکھ ہوئی فرقت احباب میں بند

گرمی ہے دوپہر کو نہ بھیج آفتاب میں — ساقی بلا شراب نہ عہد شباب میں
پیری کا داغ قہر ہے عہد شباب میں — تابش ہے روز حشر سوا آفتاب میں
منہ پھیر گیا تو پنجۂ خورشید ہے نشاں — سیلی تری لگی ہے رخ آفتاب میں
دریا میں غسل کو جو دہ[2] آتش قدم گیا — جا بے حباب پڑ گئے تبخالے آب میں
دو گام چل کے چاندنی کی سیر دیکھئے — کیجے شکار کبک شب مہتاب میں
حسن ملیح سے دل وحشی کو داغ کر — اے یار کیا مزہ ہے ہرن کے کباب میں
ایک دم میں سیل گریہ نے ویران کر دیا — موجوں کی جھاڑو پھر گئی قصر حباب میں

اس مسیحا کی زباں ہے گرد ہن میں آئینہ — صورت طوطی ہے گویا انجمن میں آئینہ
کھو دکر تصویر شیریں اس قدر حیراں ہوا — بن گیا تیشہ بھی دست کوہ کن میں آئینہ
نیک کا دام بلا سے بد میں پھنسنا ہے محال — خضر کی گردن کمند راہزن میں آئینہ
اٹھ کے خواب مرگ سے آئینہ دیکھیں گے ضرور — سادہ رو لے جائیں گے اپنے کفن میں آئینہ

لڑنے کا غم جو وصل میں وہ تیز دست کھائے — یہ فوج اشک فتح کے بعد اک شکست کھائے
ہر بار ہے رقیب سر جنگ مار نا — جیسے کہ ٹڑپ گنجفہ کی زیر دست کھائے
مچھلی کو اپنے کانٹوں سے ہرگز خلش نہیں — اور جان دے تڑپ کے اگر خار شست کھائے
دیکھا جو اس کا خال ہوا مرغ دل تمام — گویا شکار جیسے کوئی وقت جست کھائے

---

[1] ن میں دوستوں نے میرے دم نزع کبھی آکر دیکھا [2] ن۔ پ میں

بار گنہ سے ہو گئے ہیں لاکھ من کے پاؤں — نکلیں گے حشر کو بھی نہ باہر کفن کے پاؤں
عالم ہے بے ثبات نہ رکھ یار تن کے پاؤں — کھو دیں گے موے خط ترے حسن ذقن کے پاؤں
بار کفن اتار سبکدوش کر دیا — ل سر پر ہماری قبر میں ذرد کفن کے پاؤں
ہر روز میں زمین سواری میں نا پتا — ل اے شاہ حسن ہوتے ہو میرے رسن کے پاؤں
از بسکہ زندگی میں بھی وحشت لباس ہے — ل بعد از فنا بھی رہ گئے باہر کفن کے پاؤں
شانہ خار خشک سے افزوں ہے پائے خشک — چلنے لگے کفن جو ہوں اندر کفن کے پاؤں

مختصر لکھا ہے حال گردش افلاک کو — کیا طول ہو گئی شرح کتاب آسماں

برق | مجمع خوبی از پا تا فرق، مرزا محمد رضا (تخلص بہ "برق") خلف الصدق مولانا جناب مرزا کاظم علی صاحب طاب ثراہ، شاگرد رشید (بلکہ قائم مقام) شیخ امام بخش ناسخ غفر اللہ، خلق اور علم میں ضرب المثل[۳] میاں انام[۲] دلیری اور سیر چشمی میں زبان زد عام۔[۴] یہ اشعار

اب کہاں آنسو کہاں دل وہ زمانہ ہو گیا — اپنا کو ٹھا لٹ گیا خالی خزانہ ہو گیا
نوجوانی جا چکی پیری میں جینا موت ہے — برق بدلو جامۂ ہستی پرانا ہو گیا

دیکھی جو زلف یار طبیعت سنبھل گئی — آئی ہوئی بلا مرے سر پر سے ٹل گئی
پستاں کی یہ نمود نہیں ہے بہار میں — شاخ نہال طور اناروں سے پھل گئی
پوچھا اگر کسی نے مرا آ کے حال دل — بے اختیار آہ جگر سے نکل گئی
کیفیت بہار جو یاد آئی زیر خاک — داغ جنوں سے اپنی طبیعت بہل گئی

---

[۱] ن۔ پ مجمع اخلاق، معدن اشفاق [۲] ن پ مشہور انام [۳] ن۔ پ ضرب المثل میاں خاص و عام [۴] یہ چند شعر کہ نمک اس کے لقد سخن کے ہیں بطریق یادگار لکھے جاتے ہیں۔

فرقت میں ہم خجل جو ہوا برق گور سے   حسرت وصال یار کی دل سے نکل گئی

تا فلک اے مہروش شہرہ تمہارا ہو گیا   خال سے ابروے پرخم چاند تارا ہو گیا
ثابت اے رشک قمر ڈورا تمہارا ہو گیا   رشتۂ شمع تجلی آشنا کا را ہو گیا
جب کبھی آنکھوں کو رونے کا اشارہ ہو گیا   کوٹھیوں سے شہر کوٹھی گھاٹ سارا ہو گیا
زینت زمینت رنج و غم وابستہ سب گیسو کے تھے   پیچ جو سر پر پڑا شملہ ہمارا ہو گیا
فاتحہ کو وہ جو آیا قبر روشن ہو گئی   برج خورشید فلک گنبد ہمارا ہو گیا
بیٹھ کر روئے جہاں غربت میں دریا ہو گیا   چار آنسو جب گرے آنکھوں سے چہ کا ہو گیا
خط نکلتے ہی ملاقاتیں ہوئیں باہم کی ترک   میرزاان کا حکم حاکم سے مچلکا ہو گیا
بعد مردن بھی وہی باقی رہی رونے کی خو   جب غبار اپنا اٹھا[1] بدلی کا ٹکڑا ہو گیا

تم جلوہ گر جو بام پر اے رشک حور ہو   چوٹی میں کوہ طور کی مو باف نور ہو
تم کیوں گناہگار ونتے اے جان دور ہو   جور اس کے واسطے ہے جو صاحب قصور ہو

ایسے کبھی نہ ہوں گے فرشتے بھی نور کے   حوروں کے شور ڈھول سمجھتے ہیں دور کے
کافور صبح حشر کی شمعیں ہیں انگلیاں   پر نور ہاتھ دونوں کنول ہیں بلور کے
وہ ماہ بہر سیر جو دریا پہ آ گیا   جام حباب بن گئے ساغر بلور کے
رہتے ہیں آپ چشم تصور کے سامنے   مضمون سوجھتے ہیں ہمیں دور دور کے
ہم جنس کے سہارے سے دنیا میں زیست ہے   چیونٹی کو تنکے ہو گئے بکھرے عبور کے
اس شعر میں جنسیت ثابت نہیں ہوتی

---

[1] ن۔ پ اڑا

بعد از فنا بھی نالہ عشاق قہر ہیں قبروں سے چل رہے ہیں تپنچے قبور کے

ناسخ کا مضمون اسمیں سے بہتر ہے۔

اے شہسوار اگر نہ کیا کشتہ نگاہ پہنچا دے قبر تک تو طپنچہ قبور کا

لال اطلس دور دامن میں زرد پٹے کے نہیں گوٹا ہے گویا شفق کی چادر مہتاب میں

دیکھ پر تو کو اپنے ہنس کے یوں کہنے لگا پ۔ برق کا پٹا لگا ہے چادر مہتاب میں

رشک کہتا ہے مجھے نالے کیا کر رات دن تا نہ آئے وہ مہ کنعاں کسی کے خواب میں

ضد یہ ہے میری طرح سوتا نہیں ہے۔ یار بھی خوف رہتا ہے اسے تجکو نہ دیکھے خواب میں

جم رہا ہے یہ غبار در جاناں سر پر کہ لیے پھرتے ہیں شہروں میں بیاباں سر پر

نیچے ہم بیٹھے ہیں کو ٹھے پہ الگ صحبت ہے اب تو ہوتے ہیں ستم اے گل خنداں سر پر

دی جان فن عشق میں استاد ہو گیا چھٹی ملی سبق جو مجھے یاد ہو گیا

وصل میں بھی تو ہی آہ وہی نالہ ہے کچھ نہ مرہم سے ہوا زخم دہن آلا ہے

تیری آنکھوں کا تصور ہے علاج وحشت دل کو بہلانے کو عاشق نے ہرن پالا ہے

جان کس طرح نہ دوں صبح شب وصل کو میں آج جانے کو سوئے ملک عدم چالا ہے

اے پری چشم سیاہ و رخ تاباں ہے دلیل دھوپ وہ پڑتی ہے جس سے کہ ہرن کالا ہے

گرد اس چاند سی صورت کے نہیں کوئی حسین وہ قمر تو ہے کہ خورشید ترا ہالا ہے

خار سے کم نہیں ہر موئے مژہ فرقت میں چشم خوں بار نہیں پھوٹا ہوا چھالا ہے

تجکو زیور نے جواہر کے بنایا ہے چمن موتیا موتی ہے یاقوت نہیں لالہ ہے

وحشت چشم فسوں ساز ہے سارے تن میں — مرگ چھالا ترے درویش کا ہر چھالا ہے
صاف طینت کو عزیز خلق ہے تا حشر نہیں — برق کی تیغ ہے ایسی کہ برق کہاں چھالا ہے

دریا کی طرح گھر مرا اشکوں سے بھر گیا — پانی فراق یار میں سر سے گذر گیا
صحت ہوئی جو سخت مجھے یار نے کہا — پتھر لگا جو سر پہ مرے درد سر گیا
آیا جو ناز کی سے عرق روئے یار پر — چاہ ذقن گلاب سے اے برق بھر گیا

جا کے اس قاتل عالم سے لڑی میری آنکھ — کہیں رستم سے زیادہ ہے کڑی میری آنکھ
برق زنجیر پہ اس کی جو پڑی میری آنکھ — بن گئی رنگ سے سونے کی گھڑی میری آنکھ
اس کے معمار سے کہتا ہے یہ ناظر اس کا — کیوں نہ روزن کی جگہ تو نے جڑی میری آنکھ
منہ چھپانے کا مزہ کبھی تمہیں دکھلاؤں گا — دیکھنے کو جو کسی روز اڑی میری آنکھ
قبر کے حوض کو بھر دیں گے لہو سے رو کر — ساتھ میرے جو تہ خاک گڑی میری آنکھ
چشم اپنی نہ کرو مجھ کو دکھا دو صورت — پ آپ سے رکھتی ہے امید بڑی میری آنکھ
میں نے فرقت میں رخ یار کا دھوکا کھایا — چشم خورشید سے ہر بار لڑی میری آنکھ
کثرت دید نے نیلم کو بنایا یاقوت — کیا اڑا لے گئی مسی کی دھڑی میری آنکھ

سواری جو اس مہ کی داخل ہوئی — فرح بخش خورشید منزل ہوئی
طبیعت تصور سے حامل ہوئی — پری شیشۂ دل میں داخل ہوئی
جسے تو نے چاہا ہوا خوش خرام — بچھڑا یا سواری میں پایل ہوئی

کیا بتاؤں کہ غم و رنج ہیں جانا کیسے — تم کبھی آؤ تو نہ اچھے ہوں مسیحا کیسے

کس نے بے موت محبت میں شفا پائی ہے — جانتا ہوں اسی پردے میں قضا آئی ہے

جوشِ سودا ہے سرِ بادیہ پیمائی ہے — زیدۂ غول چراغِ شبِ تنہائی ہے

حیدر | دلیر الدولہ، مرزا حیدر خاں بہادر تخلص "حیدر" خلف الصدق اسد الدولہ مرزا محمد تقی خاں بہادر، شہرت[1] اُن کے مدارج کی غرب سے تا شرق۔ شاگردِ رشید مرزا محمد رضا برق، یہ اشعار اس ختنم روزگار سے یادگار

ناخن نہیں تراشتے ہیں اس مہ جمال کے — حرفِ غلط کٹے ہیں دعائے ہلال کے (کذا)

گل آب ہو گئے رخِ جاناں کی تاب سے — بھر بھر گئے درختوں کے تھالے گلاب سے

پکنے بے دو آتشہ سے دل کے آبلے — انگور خام پختہ ہوئے آفتاب سے

نیند اگئی کہ دشت میں آیا جو وہ سوار — نخچیر دوڑ دوڑ کے لپٹے رکاب سے

یہ چشمِ تر نمونہ ہے طوفانِ نوح کا — نکلیں ہیں لاکھ بحر رواں اس حباب سے

او خانماں خراب جو کہہ کر پکارا یار — عالم میں نامور ہوئے ہم اس خطاب سے

قاتل کی اشکبار ہوئی چشم زر فشاں — پ غسل اپنے کشتے کو دیا موتی کی آب سے

ہے جانِ آدم آتی لیے آبِ آتشیں — مشہور ہے کہ زندہ ہر اک شے ہے آب سے

بھیجوں گا لکھ کے سوزِ دل اس مست ناز کو — باندھوں گا خط کو بازوے مرغِ کباب سے

غفلت سے باز رہتے ہیں اہلِ صفا مدام — آلودہ ہو نہ دیدۂ آئینہ خواب سے

حیدر حباب یہ نہیں عالم کی سیر کو — آنکھیں نکالے مردم آبی ہیں آب سے

یا نکلتے ہی نہ تھے گھر سے ہمارے دن کو — یا مہینوں ہوئے آتے نہیں پیارے دن کو

---

[1] ن۔ ب بزرگی اور جاہ و جلال ان کا مشہور غرب سے تا شرق، کلام صداقت نظام ان کا منظورِ نظر مرزا محمد رضا برق۔

شام تک در پہ جو عشاق کھڑے رہتے ہیں پ اب نکلتے نہیں وہ شرم کے مارے دن کو
آئے محفل میں حسینوں کی جو میرا خورشید یوں چھپیں جیسے کہ چھپتے ہیں ستارے دن کو
ہم تو اس روز سے نوروز کو بہتر جانیں آؤ جس روز کہ تم گھر میں ہمارے دن کو
شب کو ہے سرو چراغاں کا تماشہ حیدر پ خوشنما تن کے ہیں پر داغ ہمارے دن کو

داغہائے تن کا عاشق کو گلستاں چاہئے بارش اشک مسلسل جائے باراں چاہئے
عشق میں اک سرو تن کے ان دنوں بیتاب ہوں سیر کرنے کو مرے مہرے کا دیواں چاہئے
عشق میں اس سرو کے نا راستی پر آئی طبع پ اب تو ناصح کی زباں کا اس کو سوہاں چاہئے
عشق کی آتش ہے بھڑکی دل میں اب حد سے زیاد کچھ مدد تیری ہمارے چشم گریاں چاہئے
عاشقوں کے دل میں لازم ہے ہمیشہ غم رہے صاحب خانہ ہو جیسا ویسا مہماں چاہئے

فلک | کلام اس کا بانمک، میر بہادر حسین تخلص "فلک" شاگرد مرزا محمد رضا برق - یہ اشعار اللہ سے یادگار

سراپا باغ ہے دیکھو جو اس گل کو تامل سے
کہ تن ہے سرو سنبل بال ہیں رخسار ہیں گل سے

نہ چھوٹیں گے کبھی زنداں سکش صور کے غل سے
جگانا ہم کو اسرافیل تو شیشہ کی قلقل سے

سمجھتے تھے ملے جس کو محبوب اپنا نظر آیا
کبھی آنکھیں جو اپنی کھل گئیں خواب تغافل سے

گناہ عشق کی توبہ کہاں مقبول ہوتی ہے
رہا ہوتا نہیں ہاروت اب تک چاہ بابل سے

۱؎ ن . پ من کلامہ

علیؑ کی کفش برداری میں پہنچا عرش اعلیٰ کو
ہوا قرب خدا حاصل تو بندے کے توسل سے

بُت پر نور کے چھلے کی گیا روشن نشانی ہے
ید بیضا خجل ہوتا ہے میرے ہاتھ کے گل سے

اگر جذب محبت باغباں کو راہ پر لایا
گلوں کے دستے باندھے گا رگ مژگان بلبل سے

مضرابِ بکھرے ہوئے پتاں سے پیدا جوش مستی ہے
کٹوری تیری انگیا کی نہیں کم ساغر گل سے

ملا دریا سے جب قطرہ تو پھر تفریق مشکل ہے
تمیز نیک و بد ہے جزو جب تک ہے جدا کل سے

پ

خالی پہلو کر نہ لا تیر مژہ کا توڑ کر
سینہ پر بیٹھا تو گذرے گا کلیجہ توڑ کر

آہ محبوباں اگر اس کی گلوگیری کرے
طوق ہنڈائے صنم گردن کا تڑا توڑ کر

جب کبھی زد پر رقیب آتا ہے کوئے یار میں
اپنے نالے سے میں کہتا ہوں رزنل کا توڑ کر

اس کی دزدیدہ نظر سینہ میں سے دل لے گئی
مال میرا لے گیا یہ چور کوٹھا توڑ کر

ہے ارادہ قامت محبوب کی تعریف کا
پ کیجئے مسواک پہلے شاخ طوبیٰ توڑ کر

لن ترانی کے کھلے معنی جو چہرہ کھل گیا
آنکھوں پر پردے پڑے جس وقت پردہ کھل گیا

بال چوٹی کا کمر ہے تل دہان تنگ ہے
بوجھ لی یہ چیتاں ہم نے معمہ کھل گیا

ہے محک داد و ستد ارباب دنیا کے لیے
اڑ گئی سکہ کی چاندی صاف تانبا کھل گیا

کھل سکا اک شیشہ سے کا دساقی تجھ سے منہ
اور یہاں گھر گھر کے کیا ابر آیا کھل گیا

عاشق موئے مگر تھا یہ نظر آئی نہ لاش　　سب نے دیکھا جب گڑھا میری لحد کا کھل گیا
کر کے فقرہ یار کو اغیار سے لڑوا دیا　　قہر برپا ہوگا جس دن جوڑ میرا کھل گیا
جامۂ صبر و تحمل کے گریباں پھٹ گئے　　جب سر بازار اس ڈوڈلی کا پردہ کھل گیا
پھر عیادت کو ہر اک بیمار کے جانے لگا　　ان دنوں پھر یا نیں تیرا اے مسیحا کھل گیا
میں کبھی کچھ کہتا ہوں تم کو گالیاں دیتے ہو تم　　پ　بند ہے میری زباں اور منہ تمھارا کھل گیا

وصلت کا مزہ گور میں بھی ساتھ رہے گا　　یاں تم تھے وہاں حور سے یارانہ کریں گے
معشوق ضرور اپنی بغل میں کوئی ہوگا　　تنہا بسر اوقات کسی جا نہ کریں گے

علی | علم و ہنر سے ممتلی، مرزا علی رضا تخلص "علی" شاگرد مرزا محمد رضا برق یہ[۱] اس سے یادگار

جاہلوں کو میری خود بینی پسند آتی نہیں　　کون سا عارف ہے جو میرا[۲] تماشائی نہیں
قتل کر کے لاش میری اب تک اٹھوائی نہیں　　پ　کس قدر مغرور ہے کچھ پاس رسوائی نہیں
ہم یہ کہو اچھوڑتے یوسف بھی ہے تیرا غلام　　کیا کریں یعقوب کی آنکھوں میں بینائی نہیں
حور ہیں پدستیوں میں سب لائیں یار کی　　تاک کا خمیازہ ہے اس بت کی انگڑائی نہیں
کیا کہوں تھی کس قدر میری شب فرقت مہیب　　نیند تو کیا ہے اجل تک خوف سے آئی نہیں
ہو گئے ہیں دیکھ کر جامہ سے باہر سیکڑوں　　قہر ہے اے جان یہ تیری خود آرائی نہیں
لگ گیا دل ہستی فانی میں بارے شکر ہے　　پ　قید میں اب تک طبیعت میری گھبرائی نہیں
کیجئے ترک تعلق شوق زندگی ہے اگر　　خلق میں آزاد کو کچھ پاس رسوائی نہیں
قبر میں تشریف لاتے ہیں جناب پنجتن　　اے علی زیر زمیں بھی خوف تنہائی نہیں

۱۔ ن۔ پ من کلامہ　　۲۔ ن۔ پ اپنا

ہر ایک گنگری نہیں لچھا ہے نور کا — اُس کا تو گانا ہے نور کا گانا ہے نور کا
کرتی ہے چاندنی تو وہ پٹہ ہے نور کا پ — اے بت گلے میں آپ کے جوڑا ہے نور کا
پیش نظر ہے قدرت اللہ جلوہ گر — دیدار یار مجکو تماشا ہے نور کا
وہ حور جلوہ گر دل پر داغ میں نہیں — صحن ریاض خلد میں طوبیٰ ہے نور کا

اے بت ہمارے چین کا اسباب اڑ گیا — جب سے ترا خیال ہوا خواب اڑ گیا
دریا میں بہر غسل جو اترا وہ شعلہ رو — پانی تمام صورت سیماب اڑ گیا
اللہ رے جذب شوق کہ خود جانب وطن — میں لکھ چکا جو نامۂ احباب اڑ گیا

کیوں نہ ابرو میں ہو جوہر کاٹ کا — نیمچہ ہے یہ عجائب گھاٹ کا
شال کمبل ہے قناعت ہو اگر — ٹاٹ میں ہے لطف نادر پاٹ کا
اے علی تابوت نے دکھلائی گور پ — لے گیا منزل پہ گھوڑا کاٹ کا

دہان تنگ نہ ثابت ہو گھات اتنی ہے — وہ بولتے نہیں کچھ منہ سے بات اتنی ہے
ابھی وہ آئیں تو عنقا کی طرح ہو معدوم — غم فراق کی جس کائنات اتنی ہے
مذاق شیرۂ جاں ان لبوں میں ہے اے خضر ب — یہ کہہ تو لذت آب حیات اتنی ہے
میں کاٹ دوں گا شب ہجر یار میں جل کر — ابھی تلک مری شمع حیات اتنی ہے
سوائے حب علیؑ کچھ عمل نہیں رکھتے — علی مرا ایک سبیل نجات اتنی ہے

ساحر | تخلص "ساحر" شاعروں میں لیا ہے جیسا بادشاہوں میں طائف الملوک شاگرد علی۔ یہ اس سے یادگار

لہ ن۔پ من کلامہ

اس قدر رنج جدائی نے گھلایا مجکو — ہمہ تن پیکر موہوم بنایا مجکو
یار نے غیر سے ہنس ہنس کے رلایا مجکو — برق نے ابر کا ہم چشم بنایا مجکو
مرگیا دیکھ کے ہیں دست حنائی ترا — خاک میں پنجۂ مرجاں نے ملایا مجکو
دل نہیں قطرۂ سیماب سے کم سینہ میں — ہجر نے معدن سیماب بنایا مجکو
گرتے گرتے قد موزوں کی صفت اے ساحر — سرو ہر مصرع موزوں نظر آیا مجکو

طور سادہ کاری میں مشہور مرزا محمد رضا تخلص "طور" شاگرد (مرزا محمد) برق، من لوامعہ۔

بزم میں رونے لگے یاروں کے سمجھانے سے — راز دل چھپ نہ سکا اشکوں کے بکھر آنے سے
محتسب جائے الٰہی کہیں میخانے سے — دل کو شیشہ سے ملوں چشم کو پیمانے سے
ہاتھ گردن میں نہ ڈالو نہ ملو تم ہو وہی — کہہ خفا ہو گئے تھے غیروں کے بہکانے سے
طور مذہب ہے ترا کیا کہ تجھے دیکھتے ہیں — کبھی مسجد سے نکلتے کبھی بت خانے سے

کس کس کو آرزو نہیں اس کی خبر کھلے — ہم پا برہنہ پھرتے ہیں خورشید سر کھلے

میں جی جاؤں اجل سے آپ آجاویں اگر پہلے — یہ پیغام زبانی خط سے کہنا نامہ بر پہلے
عوض بوسہ کے میں نے گالیاں دی ہیں کہ صاحب نے — ذرا[۱] انصاف تو کیجے نکالا کس نے شر پہلے
نہ دیتے دل نہ دیتے دل نہ دیتے دل — تری اس بیوفائی کی اگر ہوتی خبر[۲] پہلے
شب وصل صنم میں نے خدا سے یہ دعا مانگی — الٰہی آج نکلے مہر تاباں سے قمر پہلے
عجب سرکار ہے اللہ کی اے طور میں صدقے — ہنرمندوں سے پوچھے جاتے ہیں یاں بے ہنر پہلے

---

۱ ن۔ پ بھلا — ۲ ن پ جو کچھ ہوتی خبر پہلے

دل کو سپند و داغ کو اخگر بنا دیا　　تن آتشِ فراق نے مجمر بنا دیا
ہم نے نظارۂ درِ دندان یار سے　　تارِ نظر کو رشتۂ گوہر بنا دیا
اسلام و کفر سے نہ رہا کام کچھ ہمیں　　دیوانہ اس نے زلف دکھا کر بنا دیا

تیغ ہے اس نظر کا کیا کہنا　　لیکن اپنے جگر کا کیا کہنا
ذقن و قد یار کے صدقے　　اس ثمر اس شجر کا کیا کہنا
اس پری رو کو دم میں لے آیا　　اپنے پیغام بر کا کیا کہنا
ہے رخ و زلف یار پیشِ نظر　　اپنی شام و سحر کا کیا کہنا
دل کو اس سنگ دل کے موم کیا　　نالۂ پُر اثر کا کیا کہنا
قدر شاہ و گدائی یکساں ہے　　طور خالق کے در کا کیا کہنا

آئینہ سے کی تسلی دھیان میں رخسار کے　　یاد جب ابرو کیا بوسہ لیے تلوار کے
البتہ ہم بن گئے ہیں عشق میں رخسار کے　　مثل جوہر استخواں ظاہر ہیں جسم زار کے
منتہی پر مبتدی کس طرح سے پائے فروغ　　کیا بڑھے وہ نخل جو سایہ میں ہو دیوار کے
استخواں کیوں کر نہ ہو دیں خشک دل پر داغ ہیں　　کب ہوئے سرسبز کانٹے باغ کی دیوار کے

طوفان | خوش فکر شیریں زبان میر علی حسین (تخلص "طوفان" شاگرد (مرزا محمد رضا) برق، یہ اس سے یادگار[۵۱]

آیا وہ پاس خوبیِ تقدیر دیکھئے　　لایا ہوں راہ پر مری تدبیر دیکھئے
اے جن اپنے پاؤں میں زنجیر دیکھئے　　لیکن تمھاری زلف گرہ گیر دیکھئے
البتہ کھِل رہا غنچۂ دل کی شگفتگی　　پھولا جو کوئی غنچہ[۵۲] تصویر دیکھئے

---

۵۱ ن۔ پ من کلامہ　　۵۲ ن۔ پ گلشن

ٹھہریں نہ پھر نظر میں خطوط شعاع مہر — تیری نقاب رخ کی جو تنویر دیکھئے
اے جان راہ عشق میں ثابت قدم ہوں میں — بُھن بُھن گئے ہیں دانۂ زنجیر دیکھئے
یوسف جمال اور وہ بلقیس عہد ہیں — پ دیتے ہیں کیا وہ خواب کی تعبیر دیکھئے
ہوتی ہے قید سلسلہ گفتگو میں خلق — کیا ہے مسلسل آپ کی تقریر دیکھئے
تیغ آزمایئے مری گردن کو کاٹیے — آج آپ آبداری شمشیر دیکھئے
آتی ہے کھینچ کے جو رجہاں آدمی ہے کیا — پ آنکھوں میں اُن کی سرمۂ تسخیر دیکھئے
طوفان پیچ ہے آنکھوں میں دونی ہو روشنی — اُس ماہ کی جو چاندسی تصویر دیکھئے

نور | مرد مشہور میر وزیر تخلص "نور" کلام اس کا محمد رضا کا منظور۔ یہ اشعار[۱] اس سے یادگار

سودا ہے دل کو گیسوے رخسار یار کا — بیجانہ ہے یہ ابلق لیل و نہار کا
ٹھُڈی پہ رو سیاہ دیکھ کے پھولوں کے ہار کا — سنبل پہ کیا ہجوم ہوا ہے بہار کا
کیوں کر لہو بہاؤں نہ آنکھوں سے جائے اشک — عاشق ہوا ہوں دست نگارین یار کا
ابرو نہیں ہے مصحف رخسار یار پہ — سایہ زمین کعبہ پہ ہے ذوالفقار کا
دروازے کی طرف لگی رہتی ہے ٹکٹکی — آنکھوں کو گھن لگا ہے ترے انتظار کا
جلدی نے مہ مال سے بدمست کر ہمیں — ساقی ہے چل چلاؤ یہ موسم بہار کا
اے نور میرے دل میں ہزاروں ہی داغ ہیں — عاشق ہوا ہوں جب سے میں اس گلعذار کا

دل ذقن سے چھوٹ کر زلف پریشاں میں رہا — چاہ سے یوسف اگر نکلا تو زنداں میں رہا
سب کی نظروں میں کھٹکتا بزم جاناں میں رہا — خاربن کر ہمرہ گل میں گلستاں میں رہا

---

[۱] ن۔ ب۔ مرد مغرور، الغرباء، خواہ مخواہ، کھٹے مالس مشہور، بن فلانی کے آشنا اشناالله نور آعلی نور، گو رجولیت سے دور، بالفعل اس کے حضور برائے مساحقہ آمادہ غرور رسالت ن۔ بیان لواطت

یہ رسائی دیکھنا میرے دلِ صد چاک کی — شانہ بن کر مدتوں زلفِ پریشاں میں رہا
ماہ کا پرتو پڑے جس طرح جوئے آب میں — یوں خیالِ رخ ترا اس چشمِ گریاں میں رہا
کیچلی سا اُس کے بالوں میں ہے موباف زری — کھال کھینچو سانپ کی کیوں سنبلستاں میں رہا
دیکھنا تو اس پری رو کا میسر آئے گا — ایک مدت اس لیے میں کوئے جاناں میں رہا
آ گیا اس شعلہ رو کے ساتھ سونے میں عرق — گرم پہلو اپنا بن اوڑھے زمستاں میں رہا
کچھ نہیں کھلتا ابھی تک کون سا ہے یہ طلسم — تا قیامت جو گیا گورِ غریباں میں رہا
جتنا روئے آتشِ فرقت بھڑکتی ہی گئی — نور گھر جلتا ہمارا عینِ باراں میں رہا

جری | رستمِ فلکِ سخنوری، مرد باوضع[1] مرزا سرفراز علی تخلص بہ "جری" شاگردِ برق۔
من کلامہ۔

دمِ فکرِ سخن ہے دھیان اس کے قدِ موزوں کا — نہال طور پر ہے آشیانہ مرغِ مضموں کا
بدن یہ گھل گیا اے رشکِ لیلیٰ تیرے مفتوں کا — تنِ لاغر مرا سایہ بنا ہے بیدِ مجنوں کا
عجب انداز سے پھیلا ہے کاجل چشمِ میگوں کا — شرابِ ارغوانی سے چھوا ہے رنگ افیوں کا
بہت مضمون پوشیدہ نکالے تیرے دانتوں کے — عروسِ فکر نے گوندھا ہے سہرا دُرِ مکنوں کا
نقیبوں کے عوض شورِ عنا دل ہو سواری میں — زرِ گل سے بنایا چاہیئے ساز اس کے گلگوں کا
ملا دے گا زمین و آسماں کو پنجۂ وحشت — کرے گا کہکشاں کو جیب دامن میرے ہاموں کا
تڑپ کر خرمنِ گل پر گرا ئی باغ میں بجلی — بہ رنگِ برقِ تاباں ہے چمکنا تیرے گلگوں کا
مصور نے نہیں تصویر کھینچی ناتوانی کی — تصور میں نہیں آتا ہے نقشہ تیرے مجنوں کا
نئی ہر وقت مجکو سوجھتی ہے جوشِ سودا میں — یہ سمجھا رات کو پھیلا ہے کاجل چشمِ گردوں کا
جری کا اندھیرا ہے نظروں میں ساقی جب سے بھولا ہو — بجائے اشک جامِ چشم میں قطرہ ہے افیوں کا

---

[1] ل، ب: خوش وضع۔

ہم کو عشق ابروے خمدار جاناں ہو گیا — دامن دل کے لیے پیدا اگر یہاں ہو گیا
صورتِ بلبل دل بیتاب نالاں ہو گیا — طائر سیماب بھی مرغ گلستاں ہو گیا
باز رکھا دید سے اُس کی لطافت نے مجھے — دامن نظارہ میں وہ شوخ پنہاں ہو گیا
ساعد نازک نے بسمل کر دیا فصاد کو — ہاتھ پردہ سے جو نکلا تیغ عریاں ہو گیا
درد دل پیدا تو کر چشم کرم کیا دور ہے — شیشہ جب دیا ہنستا جام خنداں ہو گیا
اے حجرؔ یہ ہے جناب برقؔ کی صحبت کا فیض — مجھ سا نالائق مخمس گو غزل خواں ہو گیا

دن کو اے بت جو نمایاں شب گیسو ہو جائے — مرغ زرین فلک ذروں میں جگنو ہو جائے
روح قالب سے نکل آئے نظر آنکھوں سے — سامنے میرے جو اے پردہ نشیں تو ہو جائے
یہ لطافت ہے اگر چن کے دوپٹہ اوڑھو — آپ کے پیرہن جسم پہ اُتو ہو جائے
دل تو ہی ہو نگہ لطف سے دیکھو جو ادھر — آپ کا پائے نظر قوت بازو ہو جائے
ہجر میں اشک رواں نہر چمن کو سمجھوں — نخل ماتم مجھے ہر سرو لب جو ہو جائے
پانی ہو جائے جو آب دُر دنداں دیکھے — ہر گہر چشم صدف کے لیے آنسو ہو جائے
غم شبیر میں مر جائیے روتے روتے — اے حجرؔ ساغر عمر اشکوں سے مملو ہو جائے

باتوں سے آپ کی دل دارفتہ کھٹ گیا — تیغ زباں سے رشتہ محبت کا کٹ گیا
اے ترک معرکہ[1] میں قدم تو نہ ہٹ گیا — بالوں سے اگر سر شوریدہ کٹ گیا
انگیا پہ اپنی یار ٹھہرنے نہ دے نظر — مرغ نگاہ آپ کی چڑیا سے کٹ گیا

دھوئیے بالوں کو اے غنچہ دہن دریا میں — بدلے عنبر کے ہے مشک ختن دریا میں

---

[1] ن۔ پ سے

آنکھ پڑ جائے گی اس کی جو دم نظارہ ٹینڈ سے بن جائیں گے وحشت سے ہرن ڈریائیں
پیر کر مشیر کی پیرائی ذرا دکھلا دو نہنگے غواصوں کے ہو جائیں ہرن دریا میں

بجلی گری ذرا جو کبھی پردہ اُٹھ گیا کیا شعلہ رو ہے آتشِ رخسار آپ کی
اچھا ہوا بدن کو جو غم نے گھلا دیا اب سایہ بن کے پھاندیں گے دیوار آپ کی

سحاب | کلام اس کا انتخاب، اللہ یار خاں تخلص سحاب، پسر ہارون خاں رسالہ دار، خطِ شکستہ میں کفایت اللہ خاں کا یادگار، پہلی صحبت مشاعرہ کی اس کے مکان پر قندھاری بازار میں واقع ہوتی تھی (یہ مولف بھی شریک اسکا رہتا تھا) ایک دن ان کے استاد مرزا محمد رضا برق (صاحب) نے مشاعرہ میں تشریف لانے کا وعدہ کیا۔ صاحب مشاعرہ کو تا دیر انتظار رہا۔ ناگاہ روشنی مشعل کی ایک فیفس کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ مرزا صاحب کے خیال سے صحبت کی صحبت تعظیم کو چلی، دیکھا تو مرزا صاحب نہیں، عطا اللہ خاں کا بیٹا ہے۔ حاضرین کو اپنے توہم سے (ایک) خفت اور میری زبان پر ظرافت سے یہ حکایت، وعدہ استاد سے تھا خلیفہ آئے، ہارون خاں صاحب میرے کہنے پر نہایت ہنسے۔ المختصر (اس) سحاب سے (جو) تراوش یہ ہے (وہ یہ ہے)

کھول کر آغوش جب لپٹا وہ شعلہ طور کا وصل کی شب بن گیا میں آپ پتلا نور کا

آنکھیں سوجیں روتے روتے دیکھنا مشکل ہوا دامنِ نظارہ یہ بھبکا کہ بھاری ہو گیا

میرے نالوں سے زمانہ تہ و بالا ہو گا حامل گاؤ زمین عرش معلی ہو گا

۱؎ ن۔ پ کے بیٹے کی سواری ہے۔ ۲؎ ن۔ پ میرے لب

جوش پر آئے گا جس وقت میرا بحرِ سرشک — غرض ہنگلہ کی طرح سے لبِ دریا ہوگا

کوکبِ بخت نے دکھلائے ہنسی میں وہ دانت — اک ستارہ سے وہ بتیس ستارے نکلے
باتیں وہ تیری ایسا ہر بات میں باتیں نکلیں — وہ اشارے ہیں اشاروں میں اشارے نکلے

بامِ پردہ شعلہ رو بارِ دگر پیدا ہوا — طورِ پر پھر تجلی پھر شرر پیدا ہوا
بوسوں کی پھر اس پری پیکر سے نوبت آگئی — آہ بے تاثیر میں پھر کچھ اثر پیدا ہوا
کیوں شبِ فرقت میں دل ہے راہیِ ملکِ عدم — دن زمانے کے لیے بہرِ سفر پیدا ہوا

یہ قرب جو حاصل ہے تو کچھ مفت نہیں ہے — قربان جو کی جان تو قریب آن کے بیٹھے

اُن ابروؤں کے نیمچے پھر دل پہ پڑ گئے — ٹانکے تمام زخمِ کہن کے اُدھڑ گئے

خالِ رخِ محبوب ہے یہ داغ ہیں تن پر — تل رکھنے کا بھی اب تو ٹھکانا نہیں ملتا

چپ ہے یہ صدموں سے چمنِ روزگار کے — گویا زبان[۱] ہی نہیں منہ میں ہزار کے
بعدِ فنا بھی ہم سے نکل جائے کیا مجال — اپنا غبار گرد ہے اس شہسوار کے
دے ساغرِ بہار میں ساقی شرابِ عیش — پ اوج ہوا سے تخت پری الاتار کے
بہرِ طواف حوروں کی آمد ہے خلد سے — کوئی نہ آئے گرد ہمارے مزار کے
مداحِ مرتضیٰ ہوں ولی دجاں سے ای سحاب — مجھ پر نہ ہوں گے قبر میں شعلے شرار کے

---

[۱] ن۔پ نہیں زبان ہی۔

نقی | شاعر مصر خوش گوئی، علیؒ نقی خاں عرف پیارے صاحب (نبیرہ سبحان علی خاں صاحب)، تخلص "نقی" ابن سبحان علی خاں صاحب، شاگرد مرزا محمد رضا برق۔ یہ اشعار اس سے یادگار۔

اب تو اس ضعف نے یہ شکل بنائی میری | خود بخود طوق سے گردن نکل آئی میری

جو دن کو بیقراری ہے تو شب کو آہ و نالے ہیں | نہ پوچھو حال کچھ تیغ تغافل کے حوالے ہیں
نہیں ہے شوق نظارہ گر اس کے رخ تاباں کا | جگر کے داغ چاک سینہ سے کیوں منہ نکالے ہیں
سنان نالۂ عاشق سے جب اس کو ڈر آتا ہوں | وہ کہتا ہے کہ منہ مت آ میرے نہ تیکھے بھالے ہیں
الٰہی خیر کیجیو غل ہے پھر فصل بہاری کا | ابھی زخم گذشتہ سب میرے سینہ میں آلے ہیں
قمر کہنا بجا ہے اے مہ تاباں ترے منہ کو | یہ تیرے گیسوئے پیچاں لعینہ دونوں ہالے ہیں
جمادے بستر آکے ہے صنم ہیولے مری وحشت | حرم میں شیخ ہیں رندوں کے رہنے کو شوالے ہیں
تحمل ہے بہت سا کشتہ اندوہ غم کے ہمراہ | فغاں کی پلٹنیں اور آہ و نالے کے رسالے ہیں
کھلی یہ معز برسوں میں طواف دیر سے ہم پر | کہ جو بندے صنم کے ہیں وہی اللہ والے ہیں
قدم رنجہ تصور سے کیا تھا کس کی آنکھوں میں | نشان مردمک ہے پائے نازک میں جو چھالے ہیں
جو کچھ روز سیہ دیکھے نقی ان کی بدولت ہے | یہ دل دیدے نہیں زنجین بغل میں ہم نے پالے ہیں

حکیم | صاحب ذہن سلیم، میر محمد علی تخلص "حکیم" خلف میر احمد علی خاں شاگرد مرزا محمد رضا برق۔ یہ چند اشعار[2] اس سے یادگار۔

دام میں ہرگز حسینوں کے نہ آیا چاہیئے | نقش باطل صفحۂ دل سے مٹایا چاہیئے
شمع کے مانند سر جیتے کٹایا چاہیئے | پ شکوۂ جاناں زباں پہ کچھ نہ لایا چاہیئے

---

[1] ن۔ پ نقی علی خاں عرف پیارے صاحب ولد احمد علی خاں بن سبحان علی خاں کمبوہ باشندہ لکھنؤ (تذکرہ سراپا سخن)
[2] ن۔ پ شعر۔

سب پھریں پہنے گلے میں آپ کی تصویر کو — عاشقوں پر یہ نیا سکہ بٹھایا چاہیے
قبر شیریں پر جو کھینچے جانِ شیریں کو نہ تار — تربت فرہاد پر تیشہ چڑھایا چاہیے
عیش و عشرت میں تصور چاہیے انجام کا — عطر سے مٹی کے پیراہن بسایا چاہیے
ہیں نئے انداز کے اشعار تیرے اے حکیم — بلبل شیراز کو چل کر سنایا چاہیے

شفا | مجمع خوبیا مرزا اکریم بیگ تخلص "شفا" شاگرد مرزا محمد رضا برق (کا)
یہ اشعار[1] اس سے یادگار

دیکھ کر بالی کی مچھلی دل مرا بیتاب ہے — دل نہیں سینہ میں گویا ماہی بے آب ہے
مہر عالم تاب ہے ہر نقش پائے جانِ جاں — عکس خال رخ سے ذرہ غیرت مہتاب ہے
خواب میں جب زلف دیکھی دل نے تعبیر دی — ہوں گے سودائی مقرر یہ پریشاں خواب ہے

دیوانہ بوئے گیسوئے خمدار نے کیا — آتش پرست شعلۂ رخسار نے کیا
بعد از فنا یہ جذب دل زار نے کیا — مرقد پہ فاتحہ کو گذر یار نے کیا

کب صبح شب وصل ہے تکبیر کے لائق — ہے مرغ سحر تو ہدف تیر کے لائق
بینی ہے الف میم دہن لام ہے گیسو — ہے مصحف رخ یار کا تفسیر کے لائق

دریا بنانے جاتے ہیں ہم اس لگاؤ پر — شاید برائے سیر وہ آ جائے ناؤ پر
تر مژہ کے ساتھ ہوں ابرو کے وار کبھی — جب زخم کا مزہ ہے لگے گھاؤ گھاؤ پر
بوسے لپٹ کر راہ میں اس بت کے لے لیے — قربان ہم شفا ہیں تیرے اس بہاؤ پر

خورشید | ملقب بہ تازہ گویان، شاعر طرز جدید، خوش وقت علی خاں تخلص

---

[1] ن - پ شعر اس کے [2] ن - پ موزون الطبع -

"خورشید" مرزا محمد رضا برق کا شاگرد (جدید، پہلے (یہ) معز الیہ شاگرد میر علی اوسط رشک کا تھا اور امیر علی خاں ہلال شاگرد مرزا محمد رضا برق کا، اب ہلال کو اگر شاگردی رشک پہ دعویٰ کمال ہے۔ یہ خورشید نعم البدل ہلال ہے۔ من لواسعہ[۱]

جھڑکیاں وصل میں اے ترک ستمگر دینا میں گلا کاٹوں گا دینا مجھے خنجر دینا

ثمر باغ جہاں میں کچھ نہیں رنگیں خیالی کا لگا ہے آج تک میوہ کہیں گلزار قالی کا

غرور خوش قدی سے منہ پہ کہہ کر ہاتھ کہتے ہیں گل خورشید دیکھو پھول ہے طوبیٰ کی ڈالی کا

شباب چند روزہ اے بتو آخر فنا ہوگا ہر اک چھاتی بنے گی مقبرہ انگیا کی جالی کا

سلاؤ ساتھ گرمی میں تو لپٹو آتش اگن سے پسینہ سے کے آئینہ ہو تصویر نہالی کا

تھیں دیکھے اگر موسیٰ بچھائے دام نظروں کے پڑے چوٹی میں کوہ طور کی مو باف جالی کا

رات بھر وصل میں بھرتا ہوں جو ٹھنڈی سانسیں مجھ سے کہتے ہیں کہیں شمع نہ گل کر دینا

بہ سے آنکھوں کے ملیں گے تو رہیوں کا چسکا یار بادام کے لوزات سے منہ بھر دینا

دل دھڑکتا ہے نہ سینہ سے نکل جائے کہیں ہاتھ اپنا مرے سینہ پہ ذرا دھر دینا

ساقیا آج تو بے طرح گھٹا آئی ہے اپنے میخانہ کا صدقہ کوئی ساغر دینا

جوش سودا ہے مجھے ان کو ہنسی آتی ہے آپ سر پھوڑیں گے اپنا کوئی پتھر دینا

بادۂ ناب کا طالب ہے ازل سے خورشید کوئی ساغر مرے مولا لب کوثر دینا

بھولو نہ اپنے حسن پہ تم بے ثبات ہے بے عیب اک فقط مرے خالق کی ذات ہے

---

[۱] ن۔ پ یہ اشعار اس سے یادگار [۲] ن۔ پا بیٹھوں

دنیا میں نام اہل سخن کو ثبات ہے
دیواں مرا سفینۂ آب حیات ہے

سبزہ میں وہ کھڑے ہیں یہ کہنے کی بات ہے
مصراع قد بھی نوک زبان نبات ہے

بالوں سے آج روئے منور عیاں ہوا
مشاطہ کو سلام کرو چاند رات ہے

اٹکی ہوئی ہے یار کی ہیکل میں اپنی جاں
گردن میں اُن کی لوح طلسم حیات ہے

جب تک ہے روح جسم میں چلتے ہیں ہاتھ پاؤں
دولہا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

اپنے قامت کی ثنا آپ ہی ارشاد کرو
منہ سے جو پھول جھڑیں طرۂ شمشاد کرو

غیر سے ہاتھ ملا لیجئے بندہ کا سلام
خوش ہوں میں اس کو خریدو مجھے آزاد کرو

مجھ سے ابرو کے اشارے یہ ہوئے شب وصل
پوچ مصراع منہ ہے کچھ ارشاد کرو

اشک[1] | معاصرین کہ اس پر رشک میر ہادی علی تخلص "اشک" شاگرد برق
من اشعارہ

یہ نہیں ہے اس کی زلف عنبریں بالائے سر
یار نے پالا ہے مار آستیں بالائے سر

سایۂ دست جنوں سے ہجر میں آرام ہے
چتر و افسر کی ہمیں حاجت نہیں بالائے سر

داغ سر بر طوق گردن میں اسیر عشق ہوں
حلقۂ خاتم گلے میں ہے نگیں بالائے سر

ناتوانی نے تہ و بالا کیا سارا جہاں
آسماں پاؤں کے نیچے ہے زمیں بالائے سر

اشک ہے داغ جنوں سے طبع اپنی باغ باغ
ہم لیے پھرتے ہیں فردوس بریں بالائے سر

سحر | شاعر بامزہ، صاحب مشاعرہ، طبیعت کا رنگین، شیخ امان علی تخلص "سحر"، پسر محمد امین شاگرد محمد رضا برق، بسبب قرابت شیخ امام بخش، کلکڑ کے شیخ مشہور ورنہ اس طائفہ کو میاں کہتے ہیں، یہ اشعار کہ مثل افق آبدار ہیں اُس سے یادگار۔

---

[1] ن ۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

ہم سا اک اور اگر چاہنے والا ہوتا — دونوں عالم سے اسے ڈھونڈھ نکالا ہوتا
روح کو ہوتا ہے منعم کے دوشالہ سے حجاب — میر اکمل مرے تابوت پہ ڈالا ہوتا
چال سے دامن محشر کو الٹ دینا تھا — پائچہ ڈولی کے پردے سے نکالا ہوتا
منہ پہ منہ رکھ کے شب وصل اگر روتے ہم — کان میں یار کے برسات کا جھالا ہوتا
نامہ بر یار کا خط یوں تجھے خالی کیا دوں — لوٹ[1] ہوتا کسی کوٹھے کا قبالا ہوتا
اہل جوہر کو بھی آزار آتش ظاہر ہے ضرور — یہ نہ ہوتا تو سر و ہی میں نہ مالا ہوتا
نکہت زلف نہ لائی تو صبا خوب کیا — زخم کہنہ دل رنجور کا آلا ہوتا
فایدہ روز نکھرتے سے بت پردہ نشیں — لطف جب تھا کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

منہ پہ گیسو جو کبھی اے ستم ایجاد آیا — چمن گلشن رخسار میں صیاد آیا
ماہرو آنکھیں بچھاتے ہیں جدھر جاتا ہوں — پاؤں رکھا جو زمیں پر تو فلک یاد آیا
غیر کا نام جو لے کر کے پکارا تم نے — خود بخود بول اٹھا یہ دل ناشاد آیا
ہچکیاں آئیں تو سب نام لیے غیروں کے — ہم نہ تھے عاشق دیرینہ ستم ایجاد آیا
گڑ گیا پاؤں زمیں پر یہ جو دیکھے ہاتھ — بن گیا سرو جو دروازے پہ آزاد آیا
خود بھی گھبرا گئے وہ دیکھ کے وحشت میری — دم بدم پوچھتے ہیں لوگوں سے فصاد آیا
کون سا دل نہ کھنچا قد کشیدہ کی طرف — پ تا در باغ ترے لینے کو شمشاد آیا
اے سحر شعر بہت تم نے نیا کر کے کہا — قوت آخذہ کے حصہ میں ایجاد آیا

کیا ضعف ہے احسان کسی کا نہیں اٹھتا — پھروں سر شوریدہ کہ سودا نہیں اٹھتا
اعلیٰ سے نہیں ہوتا ہے اسفل کو کبھی اوج — پ ہاتھوں سے کہیں نقش کف پا نہیں اٹھتا

---

[1] شاید لوٹ ا سے مراد ہو

کیا خاک کھلے غیر پہ حالِ دلِ وحشی — خاطر کے غباروں کا بگولا[1] نہیں اٹھتا

ہرچند بہت کھینچ رہی ہے کششِ دل — جرتا جو ہے بھاری قدم ان کا[2] نہیں اٹھتا

کب ہاتھ سرہانے سے ہٹایا نہیں جاتا — کب ہم پہ شبِ وصل میں تکیہ نہیں اٹھتا

درد دل بیتاب کا کچھ حال نہ پوچھو — کھوڑا ہے کہ ہر بات ہیں چلا نہیں اٹھتا

درباریوں کی وضع سحر اٹھ نہیں سکتی — نازک ہے دماغ ایسا کہ شملہ نہیں اٹھتا

کہتا ہے وہ شعلہ رو کہ[3] نور پہ بھولی ہے شمع — پتلا اک چربی کا ہے کس باغ کی مولی ہے شمع

"مولی کھیت کی" مشہور ہے۔

حسام | خوش کلام[4]، نواب حسام الدولہ، حافظ الملک محمد تقی خاں بہادر شیر جنگ تخلص "حسام"، شاگردِ شیخ امان علی سحر یہ اشعار اس[5] امیرِ ذوی الاقتدار سے یادگار

ہماری آہ سوزاں سے شرارہ ہر ستارہ ہے — نہیں مہتاب آتشباز گردوں کا پٹارا ہے

مژہ کی یاد پر موقوف اب رونا ہمارا ہے — غنیمت بحرِ عالم میں یہ تنکے کا سہارا ہے

تصدق تیری صورت پر دلِ روشن ہمارا ہے — ترے صدقے میں ہم نے نور کا پتلا اتارا ہے

لیا ہے پہلی ہی صحبت میں بوسہ چشمِ جادو کا — ہرن کیسا نئے نوکر نے گویا شیر مارا ہے

لبِ معجز نما[6] کی گفتگو سن سن کے جیتے ہیں — انھیں باتوں نے مارا ہے انھیں باتوں نے مارا ہے

غرور مال و زر جاتے رہے کوئی بات پیدا کر — فقط اب نام باقی ہے سکندر ہے نہ دارا ہے

بدن کی آب سے کہتے ہیں بحرِ بے کنار اس کو — کنارہ ہے جو عاشق سے یہی اس کا کنارا ہے

پھرا کرتی ہے پتلی کی طرح آنکھوں میں یہ صورت — ہماری چشمِ حیراں ہے کہ آئینہ تمھارا ہے

---

[1] ن۔ پ میں یہ نوٹ ہے یہ لفظ بگولہ ہے اور نہ جرستیہ ظاہر کہ مخفف بائہ گولہ کا ہے جس بولا نادرست

[2] ن۔ پ اس میں بھی دو معنی پائے جاتے ہیں۔ [3] ن۔ پ اس [4] ن۔ پ کلام معجز نظام

[5] ن۔ پ جوہر تیغ زباں کے ہیں ان سے یادگار [6] ن۔ پ بیان

یہاں پانی کبھی یا ساقیٔ کوثر کہہ کے پیتے ہیں ‏ حسام انگور کی گٹھلی پہ ہر دم انحصار ا ہے

آدمی تو روز آتا ہے خبر کے واسطے ‏ خود چلے آتے کسی دن رات بھر کے واسطے
اُس بُتِ ترسا نے اپنی پٹی چھوڑ دی وصل میں ‏ حلقۂ گیسو بنا فیتہ کمر کے واسطے
بال بڑھنے کے سانپ ہی پھینک دو بہرِ خدا ‏ مار ہے گیسو کے خطرہ ہے کمر کے واسطے
ان کا بھر زادے کے الطاف شاد مجھکو کر دیا ‏ لوٹ کا کاغذ نکالوں نامہ بر کے واسطے
تم نے کو ٹھے پر جو بلوایا تو اس کا فخر کیا ‏ عرش تک پہنچا یہ رتبہ ہے بشر کے واسطے
چاہیئے مضمون رنگیں نظمِ عالی کو حسام ‏ لعل اُگلے ہیں اسی سلک گہر کے واسطے

سیدھی باتوں کا جواب آپ سے جو پایا الٹا ‏ ہم یہ سمجھے کہ مقدر ہے ہمارا الٹا
آنسو بھر آتے ہیں آنکھوں میں تو پی جاتا ہوں ‏ آپ کے کوچے میں بہتا ہے یہ دریا الٹا

دیکھنا لاتے ہیں رنگ اے گلِ رعنا کیسے ‏ خونِ ناحق تو کیا ہوتے ہو رسوا کیسے
یاد آتی ہے جو پیمان شکنی ساقی کی ‏ ہجر میں ٹوٹ رہے ہیں مرے اعضا کیسے
سن بہت کم ہے لگاوٹ نہیں آتی ہے ‏ کچھ خبر اپنی نہیں عاشقِ شیدا کیسے

عوضِ پتلی کے آنکھوں میں تری تصویر رہتی ہے ‏ بجائے نور روئے صاف کی تنویر رہتا ہے
ہوا ثابت کہ سودا ہے اسے بھی اپنی صورت کا ‏ نہیں تو پاؤں میں سونے کی کیوں زنجیر رہتی ہے
سوالِ وصل کرتا ہوں تو ہنس کر یار کہتا ہے ‏ کہاں باب اجابت ہے کہاں تاثیر رہتی ہے
مکانِ دل کو کعبہ کے برابر کیوں سمجھتے ہیں ‏ اسی گھر میں شاید یار کی تصویر رہتی ہے
ہزاروں رنگ کھلاتی ہے اے گل ایک خاموشی ‏ خزاں میں بھی چمن میں بلبل تصویر رہتی ہے

بھلا فراق میں کیسے کریں گلہ دل کا — شب وصال پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا
نکالا دودِ جگر ساتھ آہِ سوزاں کے — ملا دیا ترے گیسو سے سلسلہ دل کا
بلائیں لیں کبھی بوسے لیے کبھی اس کے — نکالا وصل میں کیا کیا نہ حوصلہ دل کا
ہیں کارواں میں لڑاؤں گا تم کو یوسف سے — جرس سے نالوں میں ہوگا مقابلہ دل کا

ممتاز امراء میں صاحب اعزاز، فریدوں مرتبت، ممتاز الدولہ، مدبر الملک نواب مرزا حسین علی خاں بہادر، تہور جنگ تخلص "ممتاز" خلف الصدق ناصر الدولہ اصغر علی خاں بہادر ابن محمد علی شاہ (بادشاہ) کلام ان کا بواسطہ امان[1] سحر مرزا احمد رضا برق کا منظور نظر، یہ ان کا ارشاد

ہم کو بلوایا رقیبوں کو نکالا تم نے — اے صنم شکر خدا ہوش سنبھالا تم نے
صورت نقش قدم سیکڑوں ہوں گے پامال — پاؤں دروازے کے باہر جو نکالا تم نے
وعدۂ وصل کبھی آپ نے پورا نہ کیا — آج کل میں مجھے رکھا یوں ہی ٹالا تم نے
مہندی ملنے کے لئے پاؤں لگن میں رکھے — کیا بنایا شجر قد کا یہ تھالا تم نے
خون فصاد ہوا فصد کے کھلتے کھلتے — نکلی تلوار جوں ہی ہاتھ نکالا تم نے
نالوں سے زیر و زبر خلق خدا ہے ممتاز — دونوں عالم کو کیا ہے تہ و بالا تم نے

میری وحشت نے دکھایا وہ بیاباں مجکو — آدمی کیا نظر آتے نہیں حیواں مجکو
کچھ رقم کرتے ہیں وصف دُرِ دنداں مجکو — لِ بہر گیسوئے سخن چاہئے افشاں مجکو
بت نہیں ہے بخدا کعبۂ مقصود ہے تو — چاہ زمزم ہے ترا چاہ زنخداں مجکو
آنکھ تجھ سے نہ لڑاؤ کہ مرا جاتا ہوں — یہ قواعد نہ دکھا اے صف مژگاں مجکو
غم دنیا نہ ہو ممتاز کو تا حشر کبھی — تیرا غم چاہئے اے شاہ شہیداں مجکو

---

[1] ن۔ پ یہ اشعار یادگار

چاند کو آیا پسینہ روئے تاباں دیکھ کر　　پانی پانی ہو گئے تارے وہ دنداں دیکھ کر

دل پریشاں ہو گیا گیسوئے جاناں دیکھ کر　　چونک اٹھے ہم رات کو خواب پریشاں دیکھ کر

کربلائیں ہیں یاں بہت تیرے شہیدوں کے مزار　　پاؤں رکھنا دیکھ کر سرو خراماں دیکھ کر

ذرے افشاں کے ہمیں بندوق کے چھرّے ہوئے　ل　مر گئے ہم رات کو بالوں کی افشاں دیکھ کر

اُن کے ہونٹوں کا تصور بندھ گیا پیش نظر　　ہم لہو رونے لگے لعل بدخشاں دیکھ کر

رات کو رونا جو میری چشم گریاں چھوڑ دے　　چاندنی میں کھیت کرنا مشغل دہقاں چھوڑ دے

باغباں کی طرح چلاتا ہوں باغ دہر میں　　طوطیٔ خط چھوڑ دے سیب زنخداں چھوڑ دے

تیری آنکھیں دیکھ کر بھولی ہرن کی چوکڑی　　میری وحشت دیکھ کر آہو بیاباں چھوڑ دے

کاش تیری تیغ ابرو کا بہت شہرہ رہے　　ایک ہتہ اس طرف اے دشمن جاں چھوڑ دے

اپنے صدقے میں بہت چھوڑی ہیں چڑیاں آپ نے　　ایک بوسہ دو تو عاشق طائر جاں چھوڑ دے

تو نے اے بحر لطافت یہ رلایا مجھ کو　ل　پھر نظر آنے لگا صورت دریا مجھ کو

یہی زنجیر سے مجنوں کی صدا آتی ہے　ل　لے چل اے وحشت دل جانب دریا مجھ کو

خنجر ابروئے قاتل کا جو دم بھرتا ہوں　ل　ہو گیا تار نفس باڑھ کا ڈورا مجھ کو

کوچہ اس حور کا جنت ہے مجھے اے ممتاز　ل　سایہ دیوار کا ہے سایۂ طوبیٰ مجھ کو

اے مسیح قبر پہ عاشق کی آیا چاہیئے　ل　قم باذنی کہہ کے مردے کو جلایا چاہیئے

پیار سے آ کر کف رنگیں دکھایا چاہیئے　ل　یوں ہمارے ہاتھ کے طوطے اڑایا چاہیئے

رنگ تو اے دیدۂ خونبار لایا چاہیئے　ل　پنجۂ خورشید میں مہندی لگایا چاہیئے

سلسلہ زلف پری کا ہاتھ سے جانے نہ پائے　ل　ہتھکڑی کو زہر افعی میں بجھایا چاہیئے

چاہیئے وصف قد بالا میں ہو فکر بلند　ل　مطلع خورشید کا مضموں چرایا چاہیئے

بیڑیاں حداد ہم کو آ کے پہنانے لگے ۔ اے جنوں اپنے کیے کی ہم سزا پانے لگے
پھاند سکتے تھے نہ ہم دیوارِ زنداں اے جنوں ۔ چار دیوارِ عناصر اب تو تھرانے لگے
پھر گئی صورت ہمارے داغ کی پیشِ نظر ۔ ل جب کبھی خورشید کو دیکھا وہ شرمانے لگے
خوب اپنا عشق کامل رنگ لایا عاشقو ۔ اب تو ہم کو حاسد انوں میں اکال آنے لگے
تم نے ماتھے پر جبیں افشاں جو اے رشکِ قمر ۔ ل رات کیا دن کو مجھے تارے نظر آنے لگے
نشہ میں بے یار اے ممتاز سر پھرنے لگا ۔ دورِ ساغر دیکھ کر چکر مجھے آنے لگے

ثمر — خوش نصیبی میں ثمر (کذا) سید ابو تراب تخلص ثمر پسر شاہ مرزا خاں شاگرد سحر ، منہ

مجھکو جو دیکھتے ہو عداوت کی آنکھ سے ۔ غیروں کو بھی نہ دیکھو محبت کی آنکھ سے
خورشید کس طرح سے بھلا نکلے رات کو ۔ کم سوجھتا ہے صاحبِ دولت کی آنکھ سے
منہ ہو گیا سفید پڑا دل میں داغ بھی ۔ تم نے جو دیکھا مجھکو حقارت کی آنکھ سے
مجھ سے جو تم پھرے تو زمانہ بھی پھر گیا ۔ قسمت بھی دیکھتی ہے عداوت کی آنکھ سے

آنسوؤں کے ساتھ نکلا اس قدر دل کا غبار ۔ دامنِ صحرا ترے وحشی کا دامن ہو گیا
ہوں وہ دیوانہ جو ٹوٹا کوئی تارا رات کو ۔ اے فلک میرے لئے سنگِ فلاخن ہو گیا
آتشِ رنگِ حنا کی دیکھنا تاثیر کو ۔ ایک ٹھوکر میں چراغِ قبر روشن ہو گیا

تجکو اے بت جو میسر مری صحبت ہو گی ۔ بتکدے سے بخدا روح کو نفرت ہو گی
ہو کفن لکھا ہوا زلفِ عروساں سے مرا ۔ عاشقِ زلف ہوں سب سے یہ وصیت ہو گی
سب کہیں گے کہ ہے خورشید سوا نیزے پر ۔ تم جو کوٹھے پہ کھڑے ہوگے قیامت ہو گی
آپ نے وعدہ تو گھر میں مرے آنے کا کیا ۔ پ یہ تو فرمایئے کب غیروں سے فرصت ہو گی

۱؎ ن ۔ پ آ کے ہم کو ۔ ۲؎ ن ۔ پ نہ سکتے
۳؎ ن ۔ پ خوش نصیبی ثمر (کذا) ۔ ۴؎ ن ۔ پ تو

بچ گئے اب کی تپ غم سے بڑا ہی خیر ہوئی　　نام الفت کا نہ لیں گے جو جمعیت ہوگی
کیوں تردد ہے تجھے کثرتِ عصیاں سے سحرؔ　　شافعِ حشر کے صدقے سے شفاعت ہوگی

سحرؔ | میاں سحرؔ اور میاں کے لفظ کی شرح جرأت کے احوال میں ہم لکھ چکے ہیں

نام ان کا شیخ امداد علی بلند آوازگی میں نقارۂ فیلی، بیت کی کرسی سے ایوان گردوں پست، اور سلسلۂ نظم کا زنجیرِ فیل مست، عروض دانی میں لاجواب یعنی قافیہ دانی میں نایاب، یہ تذکرہ زبان پر کہ شیخ ناسخ کہتے تھے میرے شاگرد مجھ سے بہتر، خود پسند کا ان پر تمام اور کلام پسند خاص و عام، المختصر وہ گوہر شہوار کہ اس بحر بیکنار سے پیدا ہوئے ہیں وہ یہ ہیں

کیا کسی سے کام میں ہوں دل فگارِ سبزہ رنگ　　میرے زخمِ دل کے بھائے ہیں عذارِ سبزہ رنگ
کیوں نہ اربابِ نظر میں ہو وقارِ سبزہ رنگ　　حق تعالیٰ کو بھی ہے مقبول یارِ سبزہ رنگ
حسنِ گل یک[1] روز حسنِ شمع یک شب پھر کہاں　　بے خزاں مجکو نظر آتی بہارِ سبزہ رنگ
کس کے پرتو سے زمرد گوں ہے رنگ آسماں　　کون اس موتی محل میں ہے نگارِ سبزہ رنگ
سبزہ زارِ حسن کی کیوں کر نہ ہو دونی بہار　　پ جب وہ شالِ سبز کی اوڑھے وہ یارِ سبزہ رنگ
چاند سورج لاکھ اپنے حسن کی تعلی کریں　　دیکھتے ہیں کب انھیں آئینہ دارِ سبزہ رنگ
موت کی صورت نظر آئی نہ دیکھا پر اسے　　پ ڈھل گیا آنکھوں کا نیل اے انتظارِ سبزہ رنگ
جوہری کھاتے ہیں ہیرا جس کا عالم دیکھ کر　　کس زمرد کے نگیں ہیں وہ عذارِ سبزہ رنگ
دلفریبی گرچہ ہر رنگت میں ہے پر کیا کروں پ　　طوطے ہاتھوں کے اڑاتی ہے بہارِ سبزہ رنگ
آنکھ کی پتلی میں کچھ صورت پرستی چاہئے　　زنگ خوردہ آئینہ کرتا ہے کارِ سبزہ رنگ
نخلبند آفرینش سے دعا مانگو یہ سحرؔ　　دفن ہو صحنِ چمن میں جاں نثارِ سبزہ رنگ

فغاں کرتا ہوں میں جب وہ پریشاں مو[2] نکلتے ہیں　　علم اٹھتے ہیں میرے ان کے جب آنسو نکلتے ہیں
نہانے کو وہ ہندوستان کے گبرو نکلتے ہیں　　تڑپ کر مردمِ آبی کنارِ جو نکلتے ہیں

---

[1] ن ۔ پ ۔ دو　　[2] ن ۔ پ گیسو

ے تڑپ کر مردم آبی کنارہ جو نکلتے ہیں :- جو، نہر چمن کو کہتے ہیں اور مردم آبی بحر[1] اعظم
میں ہوتے ہیں ۔

یہ چھری کے نیچے رہتے ہیں یا ہم ان آنکھوں کے سوائی
قرولی کو ہمارے دشت میں آہو نکلتے ہیں

چڑھا ہے زہر ایسا افعی گیسوے جاناں کا
چھ بندا ہیں ہیں آنکھیں جو چار آنسو نکلتے ہیں

مقام حسرت و افسوس ہے یہ گلشن ہستی
بشکل گل ہم آئے تھے بہ رنگ بو نکلتے ہیں

نظر آتے ہیں اسیران چمن مسموم فرقت میں
شگوفے باغ میں آتے ہیں یا بچھو نکلتے ہیں

گڑا ہے کوئی پتلا اس بت کافر کے صدقہ کا
کہ چورا ہے کو اکثر لوچنے ہیکلو نکلتے ہیں

تجھے روتے ہوئے جو دیکھتا ہے ہول کھاتا ہے
سیاہ آتی ہے درانی کی یا آنسو نکلتے ہیں

برائے صید شاید وہ کماں ابرو نکلتے ہیں
یہ دم ہے تیر کے پر کاٹنے آہو نکلتے ہیں

ہمارے ذکر بد حبیب مار کے پر رو نکلتے ہیں
یہاں پسلی پھڑکتی ہے وہاں پہلو نکلتے ہیں

بدن میں نیش فرقت میں بجائے مو نکلتے ہیں
ترے بوئے ہوئے کانٹے یہ اے گلرو نکلتے ہیں

کہوں کیا سوز دل کا حال سب دشمن ہوا دنیا سے
یہ آنکھیں منتیاں ہیں جو ٹمک جو چار آنسو نکلتے ہیں

اسیران چمن سے کیا مقدر ریخ کرتا ہے
ہوا جو پائی چلتی ہے جو مشل بو نکلتے ہیں

تلاش یار میں گردش کو میں طوف حرم سمجھوں
کروں چاروں طرف سجدے کہ وہ ہر سو نکلتے ہیں

بلبلوں سے جعل سازی کرتے ہو انداز میں
گل نظر آتے ہو تم پھولے ہوئے اعجاز میں

گر پڑو گے بے مرے اُڑ کر ہوائے ناز میں
دوسرے بازو کی شرکت چاہئے پرواز میں

سُن چکا ہوں کان کے پردے لگا کر ساز میں
راگنی کرتی ہیں باتیں آپ کی آواز میں

کس کی گردن میں نہیں پھندا تمھاری زلف کا
مور بھی چلا رہے ہیں سانپ کی آواز میں

دیکھ لی شکل اجل بینا ہوئی یہ چشم زخم
میل سرمہ ہے کہ ناوک دست تیر انداز میں

---

[1] ن ۔ پ عظیم

بحر تیری خوشنوائی سُن کے یہ ثابت ہوا
ہند میں طوطی نہیں بلبل نہیں شیراز میں

سوزِ فراق یار کہوں کس کفیل سے
میری لگی کبھی نہ بجھے گی خلیل سے
رونا ہمارا دیکھ کے کہتے ہیں اہلِ دل
کیا تو ریت ٹپکتی ہے اپنی سبیل سے
غم سے ہوئے ہیں بال ہمارے سفید بحر
سر کو پھپھوندی لگ گئی آنکھوں کے میل سے

اپنے اعمال پہ وں مقبول بھروسا کیا ہے
مغفرت ملک آمانی ہے اجارا کیا ہے
نامہ بر آئے کہیں لے کے جواب نامہ
حال کھل جائے کہ تقدیر میں لکھا کیا ہے
ہم نے پھلتی ہوئی دیکھی نہ کسی کی الفت
بوئیں کیوں تخم محبت ہمیں ثمرہ کیا ہے
شمع فانوس میں کیوں آئے تمھارے آگے
بے حجابی پہ کمر باندھی تو پردہ کیا ہے
منھ نہ پھیرا ادھر اُدھر کو جہاں کا سب نے
پتلیاں خاک کے پتلے ہیں تماشا کیا ہے
ناز خاطر میں ہے اعماز طبیعت میں ہے
زہر کھا جاؤں جو تجھ پہ مجھے میٹھا کیا ہے

پس کے مر جائیں گے جو ڈانہ خبر دار بندھے
ایک ایک بال میں سو سو ہیں گناہگار بندھے
تیرے ابرو کی بنکیتی اگر اے یار بندھے
کمر قافیہ شعر میں تلوار بندھے
جسم کی خاک نہ پوچھوں تو قبا ئیں ہوں نصیب
جمع ہوں پیچ مقدر کے تو دستار بندھے
وصل اس حور سے ٹھہرا ہیں ہوا شادیٔ مرگ
گھر کے بدلے لحد مرقد پہ بندھن وار بندھے

صاحب کہیں ظہور کرو کائنات میں
ڈولہ کو آنکھیں ڈھونڈھ رہی ہیں برات میں
سنتا ہوں اُن کے منہ سے کدورت بھرے کلام
اڑتی ہے خاک چشمۂ آب حیات میں

لہ لا ۔ پ روتے
سہ ن ۔ پ شاد بہ مرگ

تسخیر نہ پری ہو یہی آرزو رہی — اس نقش حُب نے جان مری لی زکات میں
ہم گرد خیمہ پھرتے ہیں تم جھانکتے نہیں — کیا کٹ گئی ہے طناب محبت قنات میں
اللہ رے تشنگان شہادت کا مرتبہ — اے بحر آب خون ہوا ہے فرات میں

اُمڈے ہیں اپنے اشک بڑے زور شور پر — پانی کہیں نہ پھیر دیں دریائے شور پر
ہر روز ایک داغ نیا دیکھتے ہیں ہم — اب کی برس سوار ہے نوروز مور پر
کیا کیا ہوائیں آتی ہیں زیور کی جھونک سے — بجلی اُڑا رہی ہیں وہ بالی کی ڈور پر
بالائے بام آج وہ دیکھے گا چاندنی — بھاری ہے چاند چودھویں شب کا چکور پر
رنگِ حنا سے پس گئیں شاید کہ انگلیاں — چھلّے شکست بند کے ہیں پور پور پر

الٹی جوتی وہ دکھائے تو دوگانہ میں پڑھوں — ہے تیمم کا طبق یار کی پاپوش نہیں

گرداب | کلام میں اس کے (ایک) آب وتاب تخلص "گرداب" شاگرد بحرؔ، من کلامہ

بھا گیا بلبل گلشن کو پیارا عارض — گل سے بہتر ہے کہیں یار تمہارا عارض
کہتا ہے وہ شب مہتاب میں آئینہ کو دیکھ — ماہ سے ہے کہیں بہتر یہ ہمارا عارض
ہوں میں مشتاق میری جان مجھے بوسہ دو[2] — آج گھونگھٹ سے ذرا کھول دو سارا عارض
لیں گے ہم بوسہ ضرور آج رخ زیبا کا — چاہو تم چھو لو عوض اس کے ہمارا عارض
بوسہ دیتا نہیں گرداب شب وصل میں وہ — گھات پر آب کی کرتا ہے کنارا عارض

شفق | تحسین وآفریں کا مستحق، شاعر خوش فکر، مرزا علی خاں تخلص "شفق" شاگرد میاں بحرؔ۔ من کلامہ

---

[1] ن۔ پ مچھلی
[2] ن۔ پ میں ہوں مشتاق مری جان مجھے دو بوسہ

خزاں آئی ہر اک مصروف ہے فریاد و شیون میں — وداع فصل گل کا شور ہے زاغان گلشن میں

ز دشت کیوں ہوس کی جستجو ہے صحن گلشن میں — گرہ ہی کیا آپ کی چھپا کا بجلیوں کے خرمن میں

گلا کاٹیں گے خنجر سے فراق یار پر فن میں — ہماری آتش فرقت بجھے گی اب آہن میں

جلے آگ جب ہماری کہیں پائے زخم سوزاں سے — ہزاروں آبلے پڑ گئے ہیں پائے سوزن میں

یہ مہندی بندھ یہ پائے ہیں پائے رنگیں اس حبث کیے — بہ حج اپنی آتش رنگ حنا یاں سنگ مدفن میں

رہ الفت میں خوب و زشت کا رتبہ برابر ہے — گل و خار ایک سے جلتے نظر آتے ہیں گلخن میں

نکلتے پان کی سرخی بہت پھوٹی نکلتی ہے — بھڑک اٹھے نہ یہ شعلہ کہیں فانوس گردن میں

اثر پہنچا وہاں بھی آخر اپنی تیرہ بختی کا — سیاہی بڑھ چلی ہے اُن کے رخ کے خال دشمن میں

مو دیکھو میرے زخموں کی طرف ٹانکے لگانے دو — الجھتا ہے تمہارا دامن نظارہ سوزن میں

مرے رونے سے اور ان کی کدورت بڑھتی جاتی ہے — پ تماشہ دیکھئے خاک اڑ رہی ہے عین ساون میں

جلایا ہے بہت مجھ کو شب مہتاب فرقت نے — پ لگا دے آگ اے آہ شرر زا مہ کے خرمن میں

یہ عالم ہو گیا کاہیدہ کیسے جسم لاغر کا — کہ چیونٹی کھینچے لے جاتی ہے مجھ کو اپنے روزن میں

شفق کو بھی چھڑاؤ آ کے دیو غم سے یا مولا — بچایا خیر سے سلماں کو تم نے دشت ارزن میں

غم لیا بازار خوباں کا تماشا دیکھ کر — آٹھ دن تک ہم رہے آنکھوں کا میلا دیکھ کر

موج زن کیا ہو سمندر میرا رونا دیکھ کر — عقدہ کھل جاتا ہے اس قطرہ کا دریا دیکھ کر

جان تصویروں میں ڈالی اس لب جاں بخش نے — بول اٹھا سارا مرقع اس کو گویا دیکھ کر

ایک بوسہ کے عوض وہ مانگتے ہیں نقد جاں — زرد ہوتا ہوں میں لعل لب کا سودا دیکھ کر

ہم سر میں آیا یار آنسو تھم گئے — بھر گئے ناسور زنگاری دو شالہ دیکھ کر

چلی جائیگی جان اپنی ولیکن دل نہ ٹھہرے گا — یہ وہ پارا ہے مرکر وقت بسمل نہ ٹھہرے گا

لہ ن - ب - سے ہے

کتاب حسن کا نظارہ لاحاصل نہ ٹھہرے گا ‌‌ ہماری آنکھ کا تل نقطۂ باطل نہ ٹھہرے گا

پریشانی سے میری مو بہ مو ظاہر یہ ہوتا ہے ‌‌ سوائے کوچۂ گیسو کہیں یہ دل نہ ٹھہرے گا

لگا ہے زخم کے دامن میں بیٹھا تیغ قاتل کا ‌‌ ہمارے گھاؤ پر ٹانکا کبھی اے دل نہ ٹھہرے گا

عیاں ہو خال یارب جلد اس کی گوری رنگت پر ‌‌ یہ تہ کافور خالص ہے کہ بے فلفل نہ ٹھہرے گا

نہ جانا بھول کر بھی لالہ زار عشق کی جانب ‌‌ شفق جز داغ حسرت اور کچھ حاصل نہ ٹھہرے گا

سالم | صاحب اندیشہ، وکالت پیشہ میر عسکری تخلص "سالم" پہلے مرزا (…) قبول کے شاگرد تھے اب سنتے ہیں کہ میاں سحر کا ان سے سلسلہ قائم ہے یہ

اشعار[۵۱] یادگار[۵۲]

خاک میں یہ داغ فرقت نے حرارت خوب کی ‌‌ کاہ آتش دیدہ ہے تربت پہ صورت دوب کی

بن گئی نقش قدم کی طرح چشم انتظار ‌‌ میں نے ایسی راہ دیکھی قاصد محبوب کی

اے پری رو فاتحہ پڑھنا ہمارے نام پر ‌‌ دیکھنا جس قبر پر ہے زرد رنگت دوب کی

یاالٰہی اپنے یوسف سے میں ہوں یوں ہمکنار ‌‌ آرزو جیسے بر آئی حضرت یعقوب کی

دیکھتا ہے جو مجھے کہتا ہے بھر کر آہ سرد ‌‌ ان دنوں میں ہے اسے فرقت کسی محبوب کی

حیف ہے اتنا نہ پوچھا ایک دن اس حور نے ‌‌ زندگی بتلاؤ سالم تم نے کس اسلوب کی

جواب کی سیر شب ماہتاب کی ٹھہرے ‌‌ تو عیش باغ میں صحبت شراب کی ٹھہرے

---

[۵۱] ن۔ پ منہ [۵۲] ن۔ پ کے حاشیہ پر یہ عبارت مزید حال سالم کے عنوان سے درج ہے: "شخص بھی حسن پرستی اور امرد نوازی میں کوس لمن الملک بجاتا تھا چنانچہ بخشو جراح ساکن کٹرہ تراب خاں کے پسر پر کہ بسیار حسین اور نازک بدن تھا، یہ دل فریفتہ تھا برسوں دونوں ساتھ غب کو ہم بستر رہے چنانچہ جب وہ پسر جراح نوکر ہو گیا نہایت قلق ہوا اسی صدمہ میں لکھنو سے چلا گیا بعد دو سال کے مرثیہ پڑھا کر پھر لکھنؤ میں آیا اپنے کو مشہور کیا کہ میں کربلائے معلّیٰ گیا تھا اور زیارت سے مشرف ہوا۔ واللہ اعلم بعد چندے بار یگانگی خشن راہی ملک عدم ہوا اللھم المغفر منہ سالم را)

رقیب محفل جاناں سے نکلے بیس جاؤں — کبھی تو اے فلک اِس انقلاب کی ٹھہرے
کہاں سدھاریے گا آپ اس ترشح میں — غریب خانہ ہی میں آج خواب کی ٹھہرے

محبت میں لالے پڑے زندگی کے — نہ بس میں پڑے آدمی کے

زور تجھ پر جو مرا چرخ ستمگر چلتا — پ دیکھتا چال پھر اس طرح کی کیوں کر چلتا
فلکِ پیر کجی کرتا ہے تتبع تیرا — پ ورنہ طاقت تھی کہ یہ میرے برابر چلتا

یاد جس دل میں نہیں تیری وہ ہرگز دل نہیں — بے بصارت ہیں وہ آنکھیں جو تری مائل نہیں
واہ کیا آئینہ کے مانند چہرہ صاف ہے — رونگٹے کا ذکر کیا رخسار پر اک تل نہیں
باغ ہے مطرب ہے ساقی ہے مے گلگوں بھی ہے — پ خاک ہے یہ سب جو وہ بت رونقِ محفل نہیں

دھوکا نہ کیوں ہر ایک کو ہو تجھ پہ حور کا — عالم ہے سر سے پاؤں تلک ایک نور کا
بے اذن یار بوسہ کفِ پا کا لے لیا — البتہ معترف ہوں میں اپنے قصور کا

ساقی شراب کے لیے میں تو ترس گیا — کیا کیا سیاہ ابر کا لکا برس گیا
آنکھیں کھلیں نہ خواب سے دیکھی جو زلف یار — گویا کہ کوئی مار سیہ مجکو ڈس گیا
ساکم نجات قید سے پانا محال ہے — دل دام زلف حور میں بے طور پھنس گیا

منہ سے جو کہتے ہیں کہ جائیں گے — فرقت محبوب میں مر جائیں گے
گور میں اپنا میں کردوں پا تراب — میں نے سنا ہے وہ سفر جائیں گے

پیچھے جو میرے عشق بتاں کی بلا لگی کیا جانیے یہ کس کی مجھے بد دعا لگی
اکثر بنا ؤ کر کے نکلتے ہو سیر کو تم کو بھی اس زمانہ کی شاید ہوا لگی
دل پر وہ میری نید ہے منظور یار کو پ تصویر میری رہتی ہے جو جا بجا لگی

تحیر | رنگیں خیال، خوش تصور، مرزا محمد بیگ تخلص تحیر شاگرد میاں تجر۔ یہ اشعار[1] اس سے یادگار۔

کس کو خبر ہے ای کہ وہ کس وقت گھر گیا رخصت کا نام سنتے بس میں تو مر گیا
آتا ہے کون یاد کسی کو پس فنا وہ بھول قبر پر بھی نہ یک بار دھر گیا
پوچھے مسافران عدم سے کوئی یہ بھید اترا ہوا کڑی کا سرا کا کدھر گیا (کذا)
قیاد کب شکار ہوا تیر آہ کا اے عندلیب تیرا ابھی چلہ گذر گیا

پتے پڑے جو کان میں اس نونہال کے لوٹے مزے بہار نے باغ جمال کے
اللہ رے اُن کے اختر دنداں کا مرتبہ تار شعاع جن میں ڈورے ہلال کے
کٹ جائے وہ زبان گر جو التجا کرے دندانے کاش آرے ہوں سین سوال کے
ایسا حسین کوئی نہ دیکھا کہ صاف ہو معشوق پتلے بن گئے گرد ملال کے
دیکھا ہے تم کو داغی تقصیر وار ہوں تلوے تلے ملو مری آنکھیں نکال کے
چھوڑ نہ تحیر اب تو سیاہ کاریوں کے رنگ پ بال آگئے سفید دن آئے زوال کے

راگ چیدہ کہاں ہوتا ہے ایسا ساز میں نقش گل گائے تو تپی لگ گئی آواز میں
بو کے تخم ظلم راحت کا نہ ثمرہ پائے گا آگ کے پھول آتے دیکھے باغ آتشباز میں
اس کماں ابرو کا پیکان مژہ جو دیکھ پائے موج لغزش تھکڑی ہو دست تیر انداز میں

---

[1] ن۔ پ من کلامہ

نقدِ جانِ عاشقاں تک نذر بھی لیتے نہیں — دولتِ حسن آتے ہی آپ آگئے اغماز میں
میزباں کو میہماں بارِ گراں ہوتا نہیں — یہ مزا دیکھا تجرؔ دعوتِ شیراز میں

طائرِ ہوش سے غافل نہ ہو میخانوں میں — موج سے دام نظر آتی ہے پیمانوں میں
چل کے توبہ شکنی کیجئے میخانوں میں — عہد ناموں کو بس اب دھوئیے پیمانوں میں
سبزۂ خط میں لبِ یار نہیں ہیں گویا — زمزمے کرتے ہیں لال ہرے دھانوں میں
عرق آجائے گا دوہرا نہ دوپٹہ اوڑھو — داغ لگ جائے نہ انگیا کے کہیں پانوں میں
تیرے میخواروں کا جس روز گذر ہوتا ہے — رت جگے دخترِ رز کرتی ہے میخانوں میں
گوش زد کیوں نہیں ہوتی ہے ہماری فریاد — آج کیا بھر گئی تیزوں کی ہوا کانوں میں
تہِ افلاک جو تلخی سے بسر کرتے ہیں — کڑوی روٹی نظر آتی ہے بھرے خانوں میں
بالیاں یار اتارے تو بھی حسرت ہے — تنکے مژگانِ تجرؔ کے پڑے ہیں[1] کانوں میں

داغِ دل کا جو نہ دیکھے کوئی شکوہ کیا ہے — کور کے سامنے شمعِ یدِ بیضا کیا ہے
بارِ ہجراں سال ہے ناداں بے سلیقہ کیا ہے — پ کوئی مرتا ہو بلا سے انھیں پروا کیا ہے
لوٹ لیتے ہیں حسینانِ جہاں دولتِ دل — بت خدا سے نہیں ڈرتے تو یہ بندہ کیا ہے
یار خود منہ پہ مرے حرفِ شکایت لایا — نہیں معلوم کہ مقسوم کا لکھا کیا ہے
اے تجرؔ کسی تدبیر سے دل صاف کرو — دل سے جاتی نہیں یہ حسرتِ دنیا کیا ہے

شادؔ | صاحبِ تمیز، ذی قیاس میر عباس تخلص "شاد" شاگرد میاں تجرؔ۔ یہ اشعار (اس سے) یادگار۔

---

[1] ن۔ ب، ہوں ان کانوں میں

بھولا گل وصال نہ باغِ حیات میں داغِ فراق ہم کو ملا کائنات میں
لوٹوں گا گھس کے دولتِ حسن و جمال کو رخنہ پڑے گا ایک دن اُن کی قنات میں
ابرو کا عشق ہے کبھی ہندو کے خال کا کعبہ میں ہم کبھی ہیں کبھی سومنات میں

دھیان بندھا جو بعد مرگ آتشِ روئے یار کا صورتِ پنبہ جل گیا سنگ مرے مزار کا
یار تجھے ہے کیا خبر کھینچوں میں ایک آہ اگر چھید لوں نیزہ میں جگر چرخ جفا شعار کا
یار سے جب فراق ہو کیوں نہ بہار شاق ہو گل کا کب اشتیاق ہو غنچہ پہ شک ہے خار کا
گھر سے کہیں نہ جائیے تیر و کماں اٹھائیے مجکو ہدف بنائیے عزم ہو جو شکار کا
مجکو جنوں کا جوش ہے مجھ سے وداع ہوش ہے آٹھوں پہر خروش ہے دل کو وداعِ یار کا
چرخی کی طرح چھوٹے طاؤس آسماں کا پہنچے جو اک شرارہ آہ شررفشاں کا
یوں ساعدوں پہ اس کے ہیرے کے نورتن ہیں ہو زیورِ طلا میں چاندی کا جیسے ٹانکا
بلبل سمجھ کے تنکے رکھے ہیں آشیاں میں عالم یہ لاغری سے ہے جسمِ ناتواں کا
وصفِ دہن ہے دل میں آتا نہیں زباں پر دل میرا آشیاں ہے عنقائے بے نشاں کا
کیا ہو امید تجھ سے اے غیرتِ مسیحا پوچھا نہ حال آکر اس شاد نیم جاں کا

نمودِ خط نہیں ہے صفحۂ رخسارِ جاناں پر حدیثوں کا چڑھا ہے حاشیہ اوراقِ قرآں پر
کوئی پوچھے تو میں داغِ جنوں کی مہر رکھتا ہوں گواہی زلف کی ہے محضرِ حالِ پریشاں پر
جلاتے ہیں مجھے اس شوخ سے ہنس ہنس کے محفل میں خدا کے قہر کی بجلی گرے جانِ رقیباں پر
پہلو میں یار کے نہیں شیشہ شراب کا ہے منزلِ قمر میں گذر آفتاب کا

رسائی ہو مری اے شاد گر خوبیِ قسمت سے چڑھاؤں نقدِ ہستی روضۂ شاہِ شہیداں پر

دیتا ہے وہ جو غیر کو ساغر شراب کا ۔ پ دل کا ہے سیخ آہ پہ عالم کباب کا
خورشید روئے یار کا جلوہ ہے تا بہ حشر ۔ کل دوپہر تلک ہے عروج ہے آفتاب کا
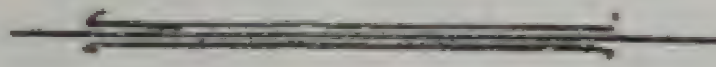
خاتمہ اس تذکرہ کا ان اشخاص پر جن کی استادی اور شاگردی نامعلوم اور بعض کا نام و نشان غیر مفہوم ہے اشعار ان کے بقید حروف تہجی لکھے جاتے ہیں اور اس کے آخر میں ذکر زنان شاعرہ بھی آئے گا۔

حرف الالف

آفتاب | حضرت[1] شاہ عالم عالی گوہر تخلص "آفتاب" کلام بلاغت نظام گوہر کی آب و تاب من انوارہ،

بے اختیار ہم کو رُلاتی ہے چاندنی
جوں شمع تا سحر شبِ فرقت میں آفتاب

شبِ معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا
تری اس مانگ سے کیا ہی وتیرہ ہے پیدا

اختر | اختر زن فضل دہر حقدار تاج و تخت و افسر سکندر جاہ، سلیمان حشم، صاحب عالم (حضرت ولی عہد) مرزا واجد علی تخلص "اختر" کلام الملوک ملوک الکلام

سلیمانِ جہاں کا نام بالائے نگیں ہوتا
کسی یا قبیس و ترسا کا داغ لعل آتشیں ہوتا

---

[1] ن۔پ۔ کلام میں ان کے گوہر کی آب و تاب، عالی گوہر، شاہ عالم، تخلص آفتاب، من کلام معجز نظام، دلہ،

شمع کو آتشیں نالہ سے پگھلتے دیکھا دل مغرور سے پروانہ کو جلتے دیکھا

اختر فراق یار میں بے صبر ہو گیا اک ماہ ایک سال ہوا جبر ہو گیا

برباد نہ کر اس کو ذرا ہاتھ پہ دھر لا اے بادِ صبا خاک درِ یار ادھر لا
یہ قاتل سخت کیسا تھا دل مظلوم کیسا تھا بتا اے خنجر مژگاں میرا حلقوم کیسا تھا

یہ پامالی کی راحت سرو تیری چال سے پاتا تفاخر طوق قمری حلقۂ خلخال سے پاتا

عالم امکاں جلوہ خانہ ہے اپنے یار کا عرش اعلیٰ پہ گماں ہے سایۂ دیدار کا

بے گماں ہے بائے بسم اللہ بائے بوتراب کیمیا نام خدا ہے خاک پائے بوتراب

اختر[1] طبع مائل بہ فسق و فجوری، سماعت سے عاری، باطن خراب ظاہر ابتر، مرزا محمد تقی خاں تخلص "اختر" خلف حکیم مرزا کلو قرابت دار منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں، شاگرد کسی کا نہیں خود معلم الملکوت کا استاد، یہ بہرا رہنے والا لکھنؤ کے محلے نہری (نرہئی) کا ہے یہ شخص بھی علم شاعری میں اپنا نشان گاڑتا ہے اور اپنے کو پانچویں سواروں میں شمار کرتا ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ واجد علی شاہ سلطان عالم نے اپنے عہد سلطنت میں محمد صادق خاں اختر کو اور اس بد اختر کو اپنی حضوری میں طلب کیا اور ان دونوں اختر سعد و نحس کی بہت خاطر داری فرمائی اور قیصر باغ کے برج میں حضرت

---

[1] ن۔ل میں ان کا ذکر نہیں ہے البتہ ن۔پ کے حاشیہ پر ان کا ذکر دیگر قلم سے ہے۔

سلطان عالم اختر اور محمد صادق خاں اختر اور یہ اختر نحس یکجا جمع ہوئے اتفاقاً اس دن
محمد صادق خاں کے کان میں درد تھا اور سلطان عالم کے گوش مبارک میں کہ از حد ثقل سماعت
تھی اور یہ بد اختر رہنے والا زہی، کا مدام کا بہرا ہے۔ یہ تینوں بہرے ایک برج میں
اختران سعد و نحس کی صورت یکجا جمع ہوئے اور حضرت نے اپنا کلام ان دونوں اختروں
کے آگے پڑھا ان دونوں نے سُنا تو کچھ نہیں لیکن واہ واہ کا غل مچایا بعد ایک ساعت
ان دونوں بہروں نے اپنا کلام حضرت کے سامنے پڑھا حضرت نے بھی بغیر سنے تعریف
فرمائی اور مصاحب خاص کہ وہاں حاضر تھے کہنے لگے ہم کانے تو سنے تھے لیکن آج تین بہرے
دیکھے الغرض حضرت سلطان عالم نے ان دونوں بہروں سے فرمایا کہ تم دونوں صاحب
اپنا اپنا تخلص ہم کو دو، ان دونوں صاحبوں نے دست بستہ عرض کیا کہ بہت بہتر ہے چنانچہ
حضرت نے محمد صادق خاں اختر کا تخلص خوش تر تجویز فرمایا اور اس بد تر کا تخلص بہتر
تجویز ہوا بعد اس کے ان دونوں صاحبوں کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ بالفعل مرزا محمد تقی خاں
مذکور کی دختر بلند اختر کی تزویج یہ نواب امجد علی خاں خلف نواب منور الدولہ
بہادر قرار پائی ہے۔ کہ کر ذکر نیافت، العاقل تکفیتہ الاشارہ۔ آیندہ یارا ے
زباں نہ دارم کہ بیان سازم، لاکن اس کا کلام غلطی سے پاک وصاف، علم عروض
وقافیہ میں خوب دخل، علم بہت عمل کم، آگے غزل فرماتے تھے اب غزل کہنا بالکل موقوف
مرثیہ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں چنانچہ اول انھوں نے اپنے مرثیہ میں حال، منگنی حضرت
علی اکبر علیہ السلام کا بادختر شاہ حلب تصنیف کیا تھا اور پڑھا تھا ان کے تتبع میں اور
شعرا نے بھی اسی حال کے مرثیے کہے اور پڑھے چنانچہ وہ حال منگنی کا کہنا اس کو ایسا
مبارک ہوا کہ ان کی صاحبزادی کی بھی منگنی بہ پسر منور الدولہ بہادر وزیر قرار پائی چنانچہ
ایک غزل سابق کی ان کی واسطے یادگار کے لکھی جاتی ہے۔ غزل محمد تقی خاں اختر۔

جانتا ہوں اسے ہر وقت میں ایماں کی طرح تا غم سینہ میں کہتا ہوں میں مہماں کی طرح

دل کو وہ روئے کتابی مرے آیا ہے نظر — یاد کیوں کر نہ کروں اس کو میں قرآں کی طرح

فرقت یار میں سینہ میں پڑے تھے ناسور — زخم دل بہتے ہیں اب دیدۂ گریاں کی طرح

چھین آخر اُسے اک طفل برہمن نے لیا — دل چھپائے ہوئے پھرتا تھا میں ایماں کی طرح

حسن اللہ نے اے بت تجھے ایسا بخشا — کلمہ پڑھتے ہیں ہندو بھی مسلماں کی طرح

باغ کی سیر کو گلچیں نہیں راضی ہوتا — پھینک دیتا ہے مجھے خار بیاباں کی طرح

دیکھ کر تجکو ہوا زار یہ سب کہتے ہیں — تخت پریاں لیے آتی ہیں سلیماں کی طرح

رشک سے غیر کو ہرگز نہیں آنے دیتا — اختر خستہ ترے در پہ ہے درباں کی طرح

امداد | خوش سواد امداد علی خاں تخلص "امداد" ساکن رامپور، یہ بیت اس سے مشہور[1]

شاہد ہے وہی جس میں ذرا عشوہ گری ہو — عاشق کا نشاں یہ ہے کہ آنکھوں میں تری ہو

امید | قزلباش خاں تخلص "امید" بقول اعظم الدولہ سرور یہ بیت ہندی اس فارسی گو کی متاع جاوید،

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں — الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

ایمان | شیر محمد خاں تخلص "ایمان" ساکن حیدر آباد یہ (دو بیت) یہ اس سے یادگار

قدم اٹھے ہے وہ جسدم رکاب کے گھر میں — چھپے ہے ترک فلک آفتاب کے گھر میں

رہا ہے کون سے مشرب میں کہہ اے عشق نا منصف

دل پرویز خوش ہو خاطر فرہاد محزوں ہو

---

[1] ن . پ یاد .

اسعد[1] | صاحب مسند، مرزا اسعد بخت تخلص "اسعد" نبیرۂ حضرت شاہ عالم،
من کلامہ

تو اسعد غضب ہے کہ ہاتھوں سے تیرے | نہ تسبیح پھیرے نہ زنار پھیرے

اسفان[2] | "اسفان" قوم انصاری یہ اس سے مشہور آفاق

خط کا یہ جواب آیا کہ لکھا کبھی پھر خط | کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے ٹکڑے

آزاد[3] | صاحب ارشاد، تخلص "آزاد" یہ اس سے یاد

ہو نہ دامن گیر کوئی تجھ کو قاتل جان کر | تو بھی رہ تا چل جنازے کو ہمارے دیکھ کر

اثیم | مرد خردمند و فہیم میر محمد علی تخلص "اثیم" ساکن گورکھپور یہ اس سے مشہور

جو کہ دریائے محبت کا شناور ہوگا | بے بہا خلق کی آنکھوں میں وہ گوہر ہوگا

دم خنجر میں اگر اس کے دم عیسیٰ ہے پہ | خضر کیوں کر نہ بھلا کشتۂ خنجر ہوگا

دل ہوا مائل کسی کی صندلی پوشاک پر | بے طرح پھر ان دنوں یہ دردِ سر پیدا ہوا

آشنا[4] | تخلص "آشنا" اور احوال سے آشنائی نہیں

پیری میں گردش سیر جہاں کا تو بجا ہے | دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گذری کا

اعلا | اپنی طرز کا استاد مولوی "اعلا" ساکن الہ آباد، یہ اس سے یاد

کب ظلم سے ہو نخل دل خاص و عام سبز | ہو جائے نہ آب تیغ سے چوب نیام سبز

نشہ ہے مجکو عشق بت سبز نام کا | ساقی شراب سبز کا دے بھر کے جام سبز

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

[2] ن۔ پ۔ ٹھہرے تذکرہ سرور ۳۔۴۔۵ ن پ۔ میں ان کا ذکر نہیں ہے

[3][4][5] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

حرف الباء

بادشاہ | شہریار ذوی الاقتدار ذرہ ذرہ اس کی ہمت سے آفتاب، عاشق آل حضرت رسالت مآب (شاہ جم جاہ) خلد منزل نصیر الدین حیدر" بادشاہ" تخلص، دو شعر اس غفران مآب سے انتخاب

بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یہ روز[1] بہار　　اے گل رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹا ہے خار
تیغ ابرو دیکھ یہ آئی ندا اے بادشاہ　　لافتیٰ اِلّا علی لاسیفَ الا ذوالفقار

بیدل | (شاعر) جلیل القدر صاحب صدر مرزا عبد القادر خاں بیدل" بقول اعظم الدولہ[2] یہ دو شعر ہندی اس فارسی گو سے حاصل

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں　　اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا　　پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

برکت | سرکار انگریزی میں صاحب خدمت، منشی برکت علی خاں تخلص" برکت" ساکن خیر آباد، یہ اس سے یادگار

تصور میں ترے گر کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں　　ذرا دم لے کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

کس کی نگاہ گرم رُخِ نازنیں پہ ہے　　جو منہ کا رنگ فق ہے پسینہ جبیں پہ ہے
بے وجہ دل جلائے ہے میرا سپند دار　　وہ خال خوشنما جو رخِ آتشیں پہ ہے

بہائے چشم سے دریا گئے دریا اضطرابی نے　　یہ عالم مجکو دکھلایا تری پوشاک آبی نے

---

[1] ن۔ پ نصل
[2] ن۔ پ، بقول صاحب تذکرہ چار باغ

لیا شب محتسب نے شیشۂ مے میرے پہلو سے ۔ قباحت تھی جو تو اس وقت محو آرزو ہوتا
خدا نے شرم رکھ لی آشناؤں میں نہیں تو پھر ندامت سی ندامت تھی جو اس پہلو میں تو ہوتا

اذیت رنج یار جس پہ ہو وہ خستہ تن جانے ہماری ہم سے پوچھو کہ کوئی کوہ کن جانے

بلیغ [۱] | خوش دستگاہ "بلیغ" تخلص، نام قدرت اللہ

جب دست ستمگار میں خنجر نظر آیا دعوی کو لبوں پر مرا لخت جگر آیا

بیتاب | معنی یاب شاہ علیم اللہ تخلص "بیتاب" قدما سے معلوم ہوتا ہے۔

اگر خاموش رہتے ہیں تو کب آرام ہوتا ہے
دگر فریاد کرتے ہیں تو وہ بدنام ہوتا ہے

بیتاب | سالک راہ صواب، سلوک رائے تخلص "بیتاب" یہ دو شعر اس کے انتخاب

نہ رہے باغِ جہاں میں کبھی آرام سے ہم پھنس گئے دیر قفس میں جو چھٹے دام سے ہم

جی میں ہے اس کی بات میں دیا پھر نہ بولیے لیکن کسی طرح سے بد کا فرز باں رہے

بسمل | "بسمل" تخلص نام نامعلوم [۲] یہ دو شعر اس کے تذکروں میں مرقوم۔

داغہائے دل کو میرے مت سمجھ جس تس کے پھول
نخل غم بو یا تھا میں نے کھل گئے یہ جس کے پھول

بن ترے سرد بہاراں کیا کریں ہم سیر باغ
کس کا سبزہ کس کا گلشن کس کا غنچہ کس کے پھول

---

[۱] ن ۔ ب ۔ بر ان کا ذکر نہیں ہے [۲] ن ۔ ب ۔ من کلامہ

[۳] بسمل تخلص شیخے عمدہ عمرش از سی متجاوز خواہد بود از دست (تذکرہ ریاض الفصحا)

بیزار[۱] | حسین بخش تخلص "بیزار" مردم اکبر آبادیہ شعر اس کا مایہ ناز

کہوں ہوں جس سے میں آن کو بلا لانہ وہ یہ کہتا ہے

مجھے ناحق ہیں دوڑاتے نہ آئیں گے نہ آئیں گے

بہادر[۲] | راجہ "بینی بہادر"

سیاہی ہو گئی دل کی آرزو نہ گئی ۔۔۔ ہمارے جامۂ کہنہ سے نے کی بو نہ گئی

حرف الپا

پاکباز | شرافت کو اس کی گوہر پاک پر (فخر؟) ناز میر صلاح الدین تخلص "پاکباز" ہے[۳] اس کا طراز

قفس کے در کو وا اے بلبل اب صیاد کرتا ہے

خدا جانے کرے گا ذبح یا آزاد کرتا ہے

حرف التا

تراب | سرمایۂ توکل اُسے دستیاب (تراب شاہ) تخلص "تراب" پسر شاہ کاظم، ان کے[۴] دو شعروں کا ناظم

جب یار وصل کا ہو وہی ساعت سعید ہے ۔۔۔ جس دن گلے لگا[۵] تو وہی روز عید ہے

رات اس نے سن کے میری کہانی کہا تراب ۔۔۔ یہ داستان تازہ یہ قصہ جدید ہے

لوگ کہتے ہیں جنھیں آرام جاں ۔۔۔ کھونے والے ہیں وہی آرام کے

۱،۲ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے ۔۔۔ ۳ ن۔ پ یہ اس سے یادگار

۴ ن۔ پ سن کلامہ ۔۔۔ ۵ ن۔ پ لگے تو

تجلی[1] | شاہ "تجلی" حیدرآبادی

دامن کا کس کے عکس پڑا ہے کہ چرخ تک پھیلا رہا ہے سرو لب جوئے بار ہاتھ

تمنا | شاعر خوش ادا خواجہ امجد علی تخلص "تمنا" یہ اس[2] سے یادگار

کہاں جائیں کس سے کہیں حال اپنا کیا عشق نے تنگ احوال اپنا

تمکین | دل بیتاب کو اس کے شعروں سے تسکین، میر صلاح الدین تخلص "تمکین" یہ اس[3] کی فکر متین

حسن نے عشق کو جس روز سے ایجاد کیا مجکو دیوانہ کیا تجکو پری زاد کیا

تمنا[4] | خوش لہجہ محمد اسحٰق تخلص "تمنا"

جو کوئی تجھ سے ہم کلام ہوا بس سخن کرتے ہی تمام ہوا

حرف الثا

ثابت | خوش شعار شجاعت خاں تخلص "ثابت" یہ اس سے یادگار

یہ سچ کہو کہ کیا کس نے بدگماں تم کو غبار میری طرف سے ہے اے میاں تم کو

ثابت | دیگر، اصالت خاں تخلص "ثابت" یہ شعر اس کے نام پر مقرر

کبھی ٹھوکر کا صدمہ ہے کبھی صرصر کی زحمت ہے

ہماری خاک یوں اڑتی پھرے اے ابر رحمت ہے

ثابت | دیگر، امانت علی تخلص "ثابت" (ساکن شاہجہان آباد) یہ اس سے یادگار

کیا صنم خانے میں کیا بار حرم میں سب کو نام تیرا ہی صدا ورد زباں رہتا ہے

جو شہیدان محبت ہیں کفن سے ان کے خوں کا سیلاب تہ خاک رواں رہتا ہے

---

[1] ن۔پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [2] ن۔پ یہ بیت اس سے البقی

[3] ن۔ب اس سے یادگار [4] ن۔پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

حرف الجیم

جرأت | متقدمین اور شوخ طبیعت[1]، میر شیر علی تخلص "جرأت" یہ اس[2] سے برقرار۔

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیے بہار آئی ہے آخر[3] خانۂ زنجیر میں رہیے

جوشش | شعر میں اس کے جہد و کوشش، محمد روشن تخلص "جوشش" یہ اس سے یادگار[4]

تعلقات جہاں سے خبر نہیں رکھتا[5] ہزار شکر کہ میں[6] درد سر نہیں رکھتا

دل میں ہے اب قرب میں آئینہ ساں پیدا کروں
وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کروں

جوان | خوش بیان، مرزا کاظم علی تخلص "جوان" رفیق نواب سیف علی خاں بہادر، یہ اس سے یادگار

وصل کی گر بزم میں خوش طالعی دے رو مجھے
شکل آئینہ کے دیکھوں میں تجھے اور تو مجھے

مدعا طوف حرم سے ہے نہ گشت دیر سے
جستجو اس کی لیے پھرتی ہے ہر اک سو مجھے

جراح[7] | سودا ازدوں کو اس سے اصلاح، غلام ناصر تخلص "جراح"۔ پیشہ کے لحاظ

---

[1] ن۔ ب۔ خوش [2] ن۔ ب من کلامہ [3] ن۔ ب کیوں کر
[4] ن۔ ب برقرار [5] ن۔ ب رکھتے [6] ن۔ ب ہم
[7] ن۔ ب میں ان کا ذکر نہیں ہے

سے یہ تخلص کرتا تھا یہ اس سے یادگار

جرّاح ٹانکے دینے میں مت کر درنگ تو — اس واسطے کہ زخم مرے یار گرم ہیں

جولان[1] | کاشف راز خفی و جلی میر حسین علی تخلص "جولان" ساکن دکن یہ اس کا بیان۔

اب ایسے جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر
کہ جس کو دیکھ کر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر

جہاندار | شاہزادہ جہاندار شاہ ولی عہد شاہ عالم (بادشاہ) تخلص "جہاندار" یہ (اشعار) اس سے یادگار

کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی — اے جفاکار تری نت کی لڑائی نہ گئی

میں تو سو بار ترے ملنے کو آیا تنہا — لیکن افسوس کبھی تجکو نہ پایا تنہا
کل جہاندار ہم اور یار تھے ٹک مل بیٹھے — پہ بخت ناساز نے پھر آج بٹھایا تنہا

بوالہوس تیغ جفا کا تری رد کش کیا ہو — دعوئی اب سینہ سپر ہونے کا ہم رکھتے ہیں
نہ جہاندار سا پاؤ گے جہاں میں عاشق — حیف ایسے پہ روا آپ ستم رکھتے ہیں

مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا — آنکھیں تو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

حرف الحا

حسین | مقبول کونین[2] سید غلام حسین تخلص "حسین" یہ (اشعار) اس سے یادگار

---

[1] ن۔ ب میں ان کا ذکر نہیں ہے
[2] ن۔ پ دارین

کیا کریں گے آہ ہم کو حشر روز داد ہے — ناتوانِ عشق کو کب طاقت فریاد ہے
کھود کر دل ناخنِ غم سے نکالی جوئے خوں — ہم سے ہی یہ دستکاری کوہ کن ایجاد ہے

غم دل سے آگاہ کیا کیجیے — وہ سنتا نہیں آہ کیا کیجیے
وفادار خوباں نہیں اے حسینؔ — عبث ان کی پھر چاہ کیا کیجیے

آنکھیں تمھارے دیکھتے عمر اپنی کٹ گئی — اس بندگی پہ ہم سے نظر کیوں پلٹ گئی
چہرہ جو لٹ پٹا نہ صنم باندھنے لگا — پ جان اپنی ڈھیلے پیچوں میں اس کے لپٹ گئی

حشمتؔ | (صاحب لیاقت) محمد علی خاں تخلص "حشمت" یہ اسی کی شہرت[1]

خط نے ترا حسن سب گنوایا — یہ سبزہ قدم کہاں سے آیا

حدتؔ | صاحب ریاست نواب ابراہیم خاں تخلص "حدت"، من کلامہ[2]

اڑ گئے کچھ حواس سے میرے — اٹھ گیا کون پاس سے میرے

حزیںؔ | "حزیں[3]" نام و نشان سے اُس کے آگاہی نہیں۔

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
اس فصلِ گل میں کیوں نہ گریبان کیجیے چاک — جاتی ہے یوں بہار حزیںؔ ہائے[4] بس نہیں

حیرتیؔ | میر مراد علی تخلص "حیرتی" (مردم شاہجہان آباد، یہ شعر اس سے یاد)

یہ دل فراق کے صدموں سے تیرے مر نہ گیا — ترے مریض کا اے جان درد سر نہ گیا

سب قافلے یاروں کے آگے کہیں ٹھہرے ہیں — آواز جرس کم ہے باہم سبھی بہرے ہیں

[1-2] ن۔ب یہ شعر اس سے یادگار   [3] ن۔ب (حزیں) اور اس کے نام سے آگاہی نہیں

[4] ن۔ب اور

حالی[۱] | ذکر اس کی عالی، میر محبوب علی تخلص "حالی" مردم مرشد آباد یہ اس سے یاد۔

عوض میں بوسہ کے دنیا گالی سوال دیگر جواب دیگر
یہ طرز تو نے نئی نکالی سوال دیگر جواب دیگر

حسن[۲] | مولوی ابوالحسن "حسن"۔ یہ اُس کا نقد سخن

جواب لائیو قاصد شتاب نامہ کا — جواب نامہ نہ ہووے جواب نامہ کا

حرف خا

خاکسار | میر محمد یار "خاکسار" تخلص، درویش رند مشرب، صوفی مذہب، صاحب کشف و ارشاد، ساکن شاہ جہان آباد۔ میاں مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ محمد تقی میر منظور نظر اُس کے تھے جو شخص مجھ سے ایما کنایہ پر رنجیدہ ہوئے (ہیں) وہ منصف ہوں کہ اہل تذکرہ کیا کیا لکھتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ چند شعر اس کے کہ میر حسن کے تذکرے سے سینہ بہ سینہ نقل ہوتے آئے ہیں۔ لکھے جاتے ہیں۔

تیغ قاتل سے رہے محروم بے تقصیر ہم — روز محشر کو اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
شانہ اس پر نہ کیجیو حجام — تار اُس زلف کا رگ جاں ہے

خود غرض[۳] | "خود غرض" تخلص یہ اس سے یادگار۔

بند قبا کو کھول کے گلشن میں تو نہ جا — ہووے نہ گل گلے کا ترے ہار دیکھنا

۱و۲ ن۔ پ میں انکا ذکر نہیں ہے

۳ ن۔ پ کے ۔۔۔ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں

خرد[1] | فکر شعر میں اسے کوشش نہ کر، ولد نواب فخر الدین خاں تخلص "خرد"
ہماری ان کی محبت آہ رابرہ بہ تیرگی کیسی ہے ہم ان کو دیکھ کر دیتے ہیں درود ہم پہ ہنستے ہیں

لبوں پہ جان ہے جلدی کہیں گذر ظالم یہ آرزو ہے کہ دم تیرے روبرو نکلے
خستہ | (شعر اس کے برجستہ) عبد اللہ خاں تخلص "خستہ" یہ (بیت) اس سے یادگار۔
آغوش میں جب تجھ سا پری زاد ہو کوئی ممکن ہے کہ پھر حور و پری یاد ہو کوئی؟
خیال | خوش مقال، میر غلام حسین تخلص "خیال" یہ[2] اس کی قیل و قال
تجھے تو عنبر کو منظور رمنہ دکھانا تھا نقاب کھولنا کیا تھا کہ اک بہانہ تھا
کہاں بہار کہاں وہ چمن کہاں وہ سیر شگفتگی کا وہ اک اور ہی زمانہ تھا

سنتے تھے جو وصف یار سچ ہے وہ فتنۂ روزگار سچ ہے

کب تک یہ ترے حسن کا انداز رہے گا ہم ہی رہیں گے یا یہ ترا ناز رہے گا
خادم | (فکر صحیح) طبیعت اس کی سالم، خادم علی خاں تخلص "خادم" یہ (اشعار) اس سے یادگار۔
یار جا پہنچے اپنی منزل کو ہم رہے باندھتے ہی محمل کو
دم کے دینے کی بھی نہ دی فرصت آفریں ہے ہمارے قاتل کو

---

[1] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے
[2] ن۔ پ ان شعروں کی اس کے شہرت کمال

حرف دال

دوست | خوش کلام شیخ غلام (تخلص) "دوست"۔ یہ (بیت) اس سے یادگار

خدا حافظ ہے تیرا دوست تو اس طرح روتا ہے   کہ ہوتا ہے جگر فولاد کا بھی دیکھ کر پانی

دانا | تنومند و توانا، شیخ فضل علی تخلص "دانا"۔ من کلامہ[1]

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا   یہی توحید میں مطلع سر دیوان ہے میرا

داؤد[2] | "داؤد"۔ یہ اس سے موجود

چاندنی سیر کو کس طرح دیکھے وہ صنم   دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

دل | مرد قابل محمد عابد تخلص "دل"۔ یہ اس سے حاصل

مرتا ہے ابر اس مژۂ اشکبار پر   کھاتی ہے شمع گل جگر داغدار پر

بیزار اس قدر جو ہوئے میرے نام سے   فرمائیے قصور ہوا کیا غلام سے

حرف ذال

ذرہ | خوش اس کا روز مرہ تخلص "ذرہ"۔ یہ شعر[3] اس سے یادگار

مزرع جہاں ہے منعم، نیکی کے تخم بو لے   آب رواں ہے دولت ہاتھوں کو اپنے دھو لے

ذوقی | شاہ "ذوقی" درویش خانہ بدوش، تصور خوباں سے ہم آغوش رہتا تھا یہ (شعر) اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ یہ اس سے یادگار   [2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

[3] ن۔ پ منہ

ہے ہاتھ کماں اس کے اک تیر ہوا دیں ہوں   تدبیر ہے لاحاصل تقدیر ہے اور میں ہوں
یوں ریختہ کہنے کو دنیا میں ہزاروں ہیں   بدنام ہوا ہے ذوقی اک تیر ہے اور میں ہوں

قطعہ

اپنے ذوقی کے گھر میں مشفق من   گر کرم گاہ گاہ کیجیے گا
اس کے دیوانہ پن کے عالم کو   دیکھ کر واہ واہ کیجیے گا

ذوقی | شاعری کا اسے شوق، منشی آسارام تخلص "ذوقی" یہ اس سے یادگار
دل تو کہے ہے آنکھوں نے مجکو کیا خراب   آنکھیں کہے ہیں دل ہی نے مجکو ڈبو دیا

حرف الرا

رضی | سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر تخلص "رضی" رئیس اعظم آباد، یہ اس سے یاد۔
مرے قتل کرنے میں دو فائدے ہیں   ترا نام ہوگا مرا کام ہوگا

سوئے پلنگ پر وہ دال تو خوشی کی دھن میں   یاں ساری رات کاٹی[1] ہم نے ادھیڑ بن میں

رسوا | نہایت بے پروا، آفتاب رائے تخلص "رسوا"۔ جوہری کا پسر تھا (دلوالۂ عشق سے) ترک ننگ و نام کر کے کوچہ بازار میں پھرتا تھا ایک ڈھول (دوایک) کوڑی لڑکوں سے منفرد رکھتی۔ کوڑیوں کے ہار گلے میں اور یہ شعر زبان پر

---

[1] ن۔ پ گذری ہم کو۔

رسوا ہوا خراب ہوا در بدر ہوا اس عاشقی کے بیچ میں جس کا گذر ہوا

رفتہ رفتہ بمقتضائے شوریدہ سری شاہجہان آباد سے امروہہ کی طرف آیا چونکہ مردم دہلی کی (ان روزوں میں) ہر کہیں عزت اور منزلت تھی ایک سید کے مکان پر فروکش ہوا، ایک دن کسی کو ڈگ کو شراب کے لینے کو بھیجا وہ بازی طفلاں میں مشغول ہوا یہ شعر اس کے دمبدم زبان پر آتا[1] تھا۔

لڑکا گیا شراب کو کاہے کی سیر ہو ہم گذرے اس شراب سے لڑکے کی خیر ہو

وقت مرگ اپنے ہم مشربوں کو وصیت کی کہ مجھے غسل میت شراب سے دینا موجب[2] اس کی وصیت کے ایسا ہی ہوا۔ یہ دو تین شعر گوہر اس کی طبیعت کے ہیں الطارق یادگار لکھے جاتے ہیں۔

وصل میں ہو بیخودی اور ہجر میں بیتاب ہو ایسے دیوانے کو رسوا کس طرح سمجھائیے

کوئی جا نہیں زمین میں کہ اشکوں سے نم نہیں رسوا کبھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں

راحم | مرد خوش شعار طبیعت کا سالم، میر محمد علی تخلص "راحم"۔ یہ اس سے یادگار

دیوار کے روزن میں سے جو اسکی پڑی آنکھ دو چار گھڑی اسکی مری خوب لڑی آنکھ

ارمان میرے دل کے نکل جائیں گے سارے گر تیری رہے سامنے دو چار گھڑی آنکھ

روا | فنون شعر سے آگاہ اور آشنا مرزا محمد تقی تخلص "روا"۔ یہ اشعار اس سے برقرار[3]

ساقی کے لگا منہ سے جو پیمانہ چمن میں شیشے نے کیا سجدۂ شکرانہ چمن میں

---

[1] ن۔ پ جاری [2] ن۔ پ۔ ہم مشربوں نے وصیت پر عمل کیا۔

[3] ن۔ پ مابقا

بے پردہ صبا کھول نہ غنچہ کا گریباں   کیا دیدۂ نرگس نہیں بیگانہ چمن میں

جو کام کہ ہیں نے لب جاناں سے نکالا   سو خضر نے کب چشمۂ حیواں سے نکالا

رند | داخل جرگۂ مرزایان ہند، ہمزہ علی، تخلص "رند"۔ من کلامہ[۵۱]

سینہ سے داغ عشق مٹایا نہ جائے گا   ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

فائدہ کیا ہم کو گر گلشن میں آتی ہے بہار   بے مے و معشوق کس کافر کو بھاتی ہے بہار

راغب | علم و ہنر کا کاسب، جعفر خاں تخلص "راغب"۔ من کلامہ[۵۲]

غصہ نے ترے دل کے مرے جی کو جلایا   اس سنگ میں کیا آتش جاں سوز بھری ہے[۵۳]

راغب[۵۴] | زشتی کا کاسب، بدی کا طالب، سبحان قلی بیگ تخلص "راغب" تورانی نژاد، یار غار سعادت یار خاں رنگین، میر انشاء اللہ خاں میں اور اس میں نوبت ہجو کی پہونچی طرفہ تر یہ کہ اصلاح سخن اُسے میر موصوف سے تھی مشہور ہے کہ میر انشاء اللہ خاں نے اپنی ہجو کا ایک بند پسند فرمایا اور کڑے نقرئی پیچ کشیں دمیہ اس کے صلہ میں بھیج دیے۔ قصہ کوتاہ یہ دو شعر اس کے

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے   اپنے بہ رنگ گل یہاں اڑ گئے کچھ حواس سے

منہ دوپٹہ میں چھپایا اس نے   ہم کو در پردہ لبھایا اس نے

راسخ | خوش زباں، تخلص "راسخ" نام غلام علی خاں (شعرائے عظیم آباد میں معجز بیان تھا) یہ اس کا بیان[۵۵]

---

۵۱ ن۔ پ یہ اس سے مشہور و معروف ۵۲ ن۔ پ یہ شعر اس سے یادگار ۵۳ ن۔ پ۔ تھی
۵۴ ن۔ پ میں ذکر نہیں ہے ۵۵ ن۔ پ۔ منہ

شب جو اس ماہ سے روشن مری آغوش رہی شمع یاں تک ہوئی شرمندہ کہ خاموش رہی

نہ رکھو مرے سر پہ تم ہاتھ جاؤ سمجھتا ہوں میں یہ کہ جھوٹی قسم ہے

اب تک تجھے رآسیخ سے وہی بےخبری ہے جا دیکھ شتابی وہ چراغ سحری ہے
گل گیر کے مانند کروں چاک میں کیوں کر یارب مرے سینہ میں یہ کیا آگ بھری ہے

حرف الزا

زار صاحب گفتار[1] میر مظہر علی تخلص "زار"۔ یہ اس سے یادگار[2]
ایک مجھ کو زار کے احوال پر آیا نہ رحم ورنہ ہر اک حال اس کا دیکھ غم کھانے لگا

لے جاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے
فصل بہار تجکو مبارک ہو عندلیب بے یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے
رہتا نہیں ہے ذکر کیے بن تو یار کا رسوا کرے گی زار یہ تیری زباں مجھے

زکی جعفر علی خاں تخلص "زکی" (نہایت خوش اندیشہ) یہ فکر اس کی
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے ساتھ وصل میں مر جائے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
خاکساری کا نہیں موذی کے ہرگز اعتبار جونک مٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے

حرف السین

سراج (خوش ادا، نازک مزاج، سراج الدین تخلص "سراج" یہ اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ اسرار [2] ن۔ پ اس کی گفتار

نہ سمجھو آسماں پر تم ستارے ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں

سلطان | مرشد زادہ عالی شان، مرزا ایزد بخش بہادر تخلص "سلطان"۔ یہ اس عالی تبار سے یادگار

دور رکھ دوراں سرے گردشِ دوراں مجھے مت رکھ اے دور خراب آباد سرگرداں مجھے

سلطان | خوش لہجہ، شیریں بیان، خواجہ سلطان خاں تخلص "سلطان" خلف الصدق نواب حسین علی خاں بہادر، رئیس عظیم آباد، سلسلہ ان کے نسب کا خواجہ میر درد سے ملتا ہے بطریق سیر لکھنؤ میں تشریف لائے تھے چنانچہ اکثر صحبت مشاعرہ میں قدم رنجہ ہوتے تھے چونکہ احوال اُن کی شاگردی کا مفصل معلوم نہیں لہٰذا اس فصل میں ذکر ان کا آیا اور کلام ان کا شیخ عبدالرؤف شعور کی معرفت دستیاب ہوا

پڑھنا درود پھول جو دیکھو گلاب کا مضمون ہے یہ اس گل رخ کے کتاب کا
قاتل کا خوں میں تیرنے جس دم لگا سمند دیکھا شفق میں ہم نے ہلال اس رکاب کا
چشمہ میں آفتاب کے چھوٹے چراغ ہیں اک طرفہ یہ طلسم ہے مے کے حباب کا
یہ پھوٹ پھوٹ کس کی ہی جوشِ غم سے آنکھ دریا میں چل کے دیکھ تماشا حباب کا
جوڑا بسنتی یار نے پہنا تو رشک سے ہلدی کا رنگ ہو گیا بس آفتاب کا
سلطان جو لعلِ لب کو مے ناب ہم کہیں تو خط سبز شوخ ہو نسخہ شراب کا

دوڑائیے خیال کو وصف نگار میں گلگشت کیجئے چمن حسن یار میں

کیا ہوئے یاران و ہمدم ہائے وہ محفل کہاں وہ طبیعت کے ہمارے پیچھے وہ دل کہاں

۱؎ ن۔ پ، ہماری آہ کے ہیں یہ شرارے

رکھتے ہو پھایا عبث مجھ ناتواں کے زخم پر سینۂ عاشق کہاں اور ایسی بھاری سل کہاں
دو ڈر کر سلطاں لپٹ جاتی ہے پتلی آنکھ کی کیا غلط ہم دیکھتے ہیں اس کے رخ پر تل کہاں

خانۂ دل میں جگہ دیں کیوں نہ چشمِ یار کو کہتے ہیں مہماں خدا کا مردمِ بیمار کو
قتل گر مجکو کیا تو نے تو خیر اچھا کیا پھینک دے ظالم کہیں جلدی سے اب تلوار کو

یوسفؑ کو ادھر مصر کے زنداں میں ہوئی صبح یاں گریۂ یعقوبؑ سے کنعاں میں ہوئی صبح
جس وقت مجھے باداں پرستاں میں ہوئی صبح میں کیا کہوں گویا کہ پرستاں میں ہوئی صبح
زلفوں کا تری دھیان نہ تھا لطف سے خالی ہر چند کہ شب خواب پریشاں میں ہوئی صبح
راہی جو عدم کا شبِ فرقت میں ہوا میں سلطاں مجھے محشر کے بیاباں میں ہوئی صبح

گل ہے چمن میں یا کہ کوئی تاجدار ہے شبنم کا قطرہ ہے کہ دُرِ شاہوار ہے

ہے مہر گرد اس کے کفِ پا کے سامنے نورِ شجر ہو کیا یدِ بیضا کے سامنے
میں جا لوں آج میرا ستارہ چمک گیا آؤ ہلالِ تیغ جو چمکا کے سامنے

خوب آپس میں اے صنم سمجھے ل ہم کو تم سمجھے تم کو ہم سمجھے
زاہد نہ اپنی اپنی فہم ہے اور ل تم خدا سمجھے ہم صنم سمجھے

عشق کے دریا کو یارب کوئی کیونکر تیر جائے جس کی ہر ہر موج دل میں مثلِ خنجر تیر جائے
داغِ دل مجھ ناتواں کے سینے سے ظاہر ہو یوں رنہ تشنائی جس طرح کاغذ کے اوپر تیر جائے

اس شب ہجراں میں بحرِ غم سے میں بھی پار ہوں ل موج انجم سی اگر دریائے اخضر تیر جائے

ناتوانی سے یہی جانا کہ بس آیا پہاڑ ل گر پڑا سایہ ہمارے سر پہ پائے مور کا

اللہ ہی یاد آتا ہے بس اس جگہ ہمیں ل عشرت کدہ جو اپنا تھا ہو، کا مکاں ہوا
سنگیں دلوں کے عشق میں پہنچا خدا تلک ل اس رہ میں ہر صنم مجھے سنگ نشاں ہوا

مول لیتے ہیں جو زخمی تیرے کان الماس نام کو اب نہیں دنیا میں نشانِ الماس
اُس بُت چینی کی آنکھوں کو نئی دوں تشبیہ پُتلی نیلم کی جڑی ہے یہ میانِ الماس

ساقی | شاعر نارسی، مقلد زبان ہندی مرزا محمد جان تخلص "ساقی" یہ اشعار اس سے یادگار

ہندی میں نہیں زبان الٹتی میں لال نہیں مغل پسر ہوں
گر سہو بھی ہو تو کیا اچنبھا بے عیب خدا ہے میں بشر ہوں

افسوس کہ اغیار ہوئے یار تمھارے غماز بنے محرم اسرار تمھارے
ہم گھر میں تمھارے کہو کس راہ سے آئیں دشمن ہیں ہمارے ؛ دربانِ[1] دیوار تمھارے
نہ شمع نہ مشعل ہیں نہ خورشید ہیں نے ماہ ل برق دو جہاں سوز ہیں رخسار تمھارے
چھپ جاتے ہیں اس حسن کی خوبی سے وگرنہ باللہ کہ بد ہیں سبھی اطوار تمھارے

ستار | خوش گفتار عبدالستار (تخلص ستار) مرثیہ خوانِ سیدابرار، ساکن لکھنؤ ہے اس سے یادگار

---

[1] ن ۔ پ پہنچیں ۔

شبِ انتظار گزری ہمیں انتظار کرتے کبھی دوست دوست کہتے کبھی یار یار کرتے

ہے گماں تیرا کدھر کس وہم و نادانی میں ہے پیش آنی ہے موہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

سجاد | "سجاد" ساکن دہلی[1] یہ اس سے یادگار

کس طرح کوہ کن پہ گذری تھیں ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

سیف | معاصرین کو اس کے مضامین پہ افسوس و حیف، مرزا مغل ساکن دہلی تخلص "سیف"۔ یہ اس سے یادگار

تابکجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا جان لبوں پر آگئی تو بھی قلق نہ کم ہوا

وصل کی شب میں تو کہتا ہوں لپٹ کے سوئیے اور وہ کرتے ہیں ہٹ یعنی کہ ہٹ کے سوئیے

میں بلائیں صبح تک لیتا رہوں گا آپ کی دیجیے ہاتھوں کو میرے اب جھٹک کے سوئیے

حرف الشین

شرر | مرد سخنور مرزا ابراہیم تخلص "شرر" من کلامہ[2]

تمام عالم سے وہ پری رو اگر کبھی ہمکلام ہوئے کلام سنتے ہی اس کے منہ سے تمام عالم تمام ہوئے

سامعین کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے سر گذشت اپنی جو لکھی تو قلم رکتا ہے

اسیروں کی زبانی اے صبا اس سے یہ کہتی ہے مگر گردن کا ڈر اکم ہے جو زنجیر پہنی ہے

---

[1] ن۔ پ شاہجہان آباد یہ شعر اس سے یاد

[2] ن۔ پ یہ اس سے یادگار

شرف | میر محمدؐ علی تخلص "شرف" محسوب شعرائے سلف، یہ اس سے یادگار

صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند جلوہ گر ہے آسماں زیر زمیں آئینہ میں

شرر | صدر مجلس سخنور خواجہ عاصم خاں تخلص "شرر" من کلامہ

آہ و فریاد ترے خوف سے کم کرتے ہیں پر یہاں دل ہی سمجھتا ہے جو ہم کرتے ہیں

شایق | شاعر و ساحر، رائے امر سنگھ تخلص "شایق" یہ (شعر) اس سے مشہور

ایک دل تھا بھرے اسباب جہاں میں باقی پر سو بھی وہ سوختۂ آتش ہجراں نکلا

شایق | آگاہ حقائق، میر نظیر الدین تخلص "شایق" ساکن بریلی، فکر اس کی

اگر اس طرح سے ہمیشہ کو مری چشم غم سے تری رہی

تو مزارعوں کو یہ مژدہ دو کہ تمھاری کھیتی ہری رہی

شایق | فکر اس کی دائق شیخ امین الدین تخلص "شایق" من کلامہ

مت زخم دل کو میرے کوئی التیام دو قاتل کو بلکہ زخم جگر کا پیام دو

شعلہ | پنڈت امرناتھ تخلص "شعلہ" منشی، سبحان اللہ علی خاں صاحب کا، یہ اس کا بیان

جان دی شعلہ نے خط سبز سے پرہیز کر حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا

تھے نہ سیماب صفت ہیں بے طلا زرگر کے ہم کیا سمجھ کے چرخ نے ہم کو ملایا خاک میں

جلوۂ گلزار ابراہیم آتا ہے نظر اے بہار حسن تیرے روئے آتشناک میں

---

۱ ن۔ پ۔ میر محمدی ۲ پسر سید جعفر خاں صوبہ دار مرشد آباد۔ زیر زمین آئینہ (تذکرہ سرور) ۳ ن۔ پ یہ شر اس سے برقرار

۴ ن۔ پ من اشعارہ ۵ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

۶ اصلش از کشمیر و مولد و منشاء وے لکھنؤ است (گلشن بیخار)

رخ محبوب کو وہ دیکھتے ہیں عین زینت میں — کوئی خدمت نہیں دنیا میں خوب آئینہ داری سے

شاکر | خوش ظاہر، شیخ شاکر علی تخلص "شاکر" یہ بیت اُس کی پسند خاطر

اس کی آنکھوں نے نہ اک خلق کو بیمار کیا — زلف نے بھی دلِ عالم کو گرفتار کیا

شاکر | دیگر (شیخ) محمد "شاکر" طبیعت اُس کی حاضر (یہ قطعہ اس سے یادگار)

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا — جو اُن پہ گذرنی تھی گذر لی

گلچیں تجھے کیا تری بلا ہے — گل توڑ کے تو نے گود بھر لی

شور | (مرد نیک) مرزا محمود بیگ تخلص "شور" یہ اس سے مشہور[1]

جہاں میں بیٹھا غرور سے جو — اسی نے جور و ستم اٹھائے

مسافرانِ جہانِ فانی — چلے چلو تم قدم اٹھائے

شمس | شمس الدین تخلص "شمس" ساکن[2] دہلی یہ بیت اس کا

سن کے رونے کی مری آواز کہتا ہے وہ شوخ — یہ وہی کمبخت[3] ہے جو یاں پس دیوار ہے

شاداں | شیریں زباں شیخ قطب علی تخلص "شاداں" - من کلامہ[4]

میں جو اک عاشق بیمار ہوں کن کا ان کا — کشتۂ ابروئے خمدار ہوں کن کا ان کا

جمع عشاق ہیں شاداں کی طرف کرکے نگاہ — بول اٹھا یار کہ میں یار ہوں کن کا ان کا

شاداں | صاحب کفر و ضلال[5]، رائے چند و لال نائب والیِ دکن، کاسب ہنر و فن، علم موسیقی میں قادر، شعر و سخن[6] سے خوب ماہر، صاحب دیوان تخلص "شاداں" - شاگرد شیخ حفیظ الدین، ساکن رائے بریلی، بسبب عدم دستیاب ہونے اشعار شیخ موصوف کے ذکر عالی جاہ کا اس فصل میں ہوا چند غزل واسطے اصلاح کے شیخ ناسخ کی

---

[1] ن۔ پ بے قرار [2] ت۔ پ مردم

[3] ن۔ پ۔ یہ وہی کمبخت یاں شاید پس دیوار ہے [4] یہ دو شعر اس کے مشہور و یادگار

[5] ن۔ پ جود و نوال [6] ن پ سخنوری۔

خدمت میں آتی تھیں یہ مقطع برسبیل مذکور شادؔاں کیا تھا

جو قسمت ہو تو شادؔاں موتیوں سے لاد دینا ہے دوشالہ چیز کیا ہے مال کیا کم خواب کا جوڑا

اور یہ شعر مہاراجہ کے بیاض سے سعید الدولہ کی لکھے گئے۔

کیا جنس ہے تو دل سے خریدار ہوں تیرا ل آجا تو نظر طالب دیدار ہوں تیرا
عارض پہ ترے خط نہیں یہ دام ہے دل کا ل نکھی ہے جو یہ زلف گرفتار ہوں تیرا
مشہور ہے یہ بختی ہے دو ہاتھ سے تالی ل تو یار جو میرا ہے تو میں یار ہوں تیرا
پتھر سے مجھے کام نہیں مثل برہمن ل تو میرا صنم ہے میں پرستار ہوں تیرا
شادؔاں تو اسی سوچ میں رہتا ہے شب روز ل تو بخشے نہ بخشے میں گنہگار ہوں تیرا

شجاعت[۱،۲] | شخص یا نہ گو مرد بد لیاقت شیخ بہادر علی تخلص شجاعت ولد شیخ مداری۔ شرافت نام سے ظاہر۔ شیخ مداری اول سرکار مرزا حقیر صاحب میں ملازم رہا۔ بعد انتقال مرزا صاحب موصوف کے سرکار مرزا حاجی صاحب میں واسطے غور و پرداخت خیراتی خاں اور لاڈلے پرشاد کے بموجب مصرعہ ؏ قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی۔ ملازم رہا اور بعد چندے کے (کذا) مرگیا۔ اور شجاعت بخشی مہر چند کے پاس چندے حاضر رہا۔ بخشی مذکور نے اس کے حال پہ رحم کھا کر تیس روپیہ ماہواری بخشیگری میں بلا شرط خدمت کروا دی چندے اس نے اس طرح سے بسر اوقات کی۔ در عہد ثریا جاہ امجد علی شاہ اس نے بہ سعی مقبول الدولہ تنخواہ اپنی بخشیگری سے نکال کر خزانۂ شاہی میں کروائی۔ چنانچہ دبیر الدولہ اس کو تنخواہ خزانہ سے دیا کیے۔ اسی عہد میں سعید الدولہ علی محمد خاں خاں بہادر برادر عمدۃ السلطان سکینہ بیگم صاحبہ خاص ثریا جاہ برائے چندے

---

۱ ن - پ: ذکر

۲ ن - پ کے حاشیہ پر ان کا ذکر ملتا ہے، لیکن نسخہ لکھنؤ میں نہیں ہے۔

بہ سفارش ہمشیرہ مذکورہ اپنے کی نواب امین الدولہ وزیر کہ بہ عہد وپیش زستی سرفراز ہوئے تھے سعید الدولہ نے بہ نظر خیر خواہی کچھ تقلیل تنخواہ تنخواہداران خزانہ پر کی تھی۔ چنانچہ نام بردہ کی تنخواہ پر بھی تقلیل ہوئی تھی۔ اس نے یعنی شجاعت نے ایک شعر ذم کا درحق سعید الدولہ کہہ کر پوشیدہ سعید الدولہ کے مکان پر ڈال دیا۔ وہ شعر خوب مشہور ہوا۔ شعر یہ ہے ؎

کہ اس کے رہنے سے خلقت تمام روتی ہے
سر سعید کو کاٹو تو عید ہوتی ہے

بعد اس کے وہ زمانہ برہم ہوا اور جب جلوس حضرت واجد علی شاہ سلطان عالم ہوا اول سال اجلاس میں سلطان عالم نے قلم نصفی تنخواہ تنخواہداران خزانہ پر جاری فرمایا۔ چنانچہ اس کی بھی نصفی ہوئی۔ سلطان عالم خود شاعر تھے اور اختر تخلص فرماتے تھے۔ اوائل سلطنت میں مشاعرہ کیا اور مصرع طرح یہ ارشاد کیا مصرع طرح بادشاہ

ع واہمہ بھی ڈھونڈھتا ہے پر کمر ملتی نہیں

اور حکم ہوا کہ اس طرح پر شعرا غزلیں کہیں اور مشاعرہ میں آکے حضرت کے سامنے پڑھیں۔ چنانچہ شعرا نے اس طرح میں غزلیں کہیں۔ اس نے بھی کہی وہ غزل سامنے سلطان عالم کے پڑھی گئی اس پر کچھ اضافہ نہ ہوا اور وہی نصفی اس کی رہی غزل شجاعت برائے یادگار تحریر ہوئی ہے فہو ہذا

قرض بنیے کا ہے روٹی پیٹ بھر ملتی نہیں
جب تلک تنخواہ کی پوری خبر ملتی نہیں

بڑبڑاتی لونڈیاں ہیں سنتے نصفی کی خبر
لڑکے آزردہ ہیں بی بی کی نظر ملتی نہیں

مال و زر مجکو کہاں سے لاکے دوں لے سیم بر
قرض اگ کوڑی کی بلک تنخواہ پر ملتی نہیں

آجکل بھولا ہوں الفت زلف و رخ کی اسلئے
چین سے روٹی مجھے شام و سحر ملتی نہیں

....

بھرے لڑکے مانگتے ہیں گوشت کھانے کیلئے — فکر سے بوٹی تلک یاں جسم پر ملتی نہیں
اُن کرمِ بخشی گری سے ایسی آفت میں پھنسا — جو زرِ دولت پہ بھی جائے سفر ملتی نہیں
ایک باہی رہی ہی کی گرچہ سنتا ہوں خبر — رونے سے فرصت مجھے دو دو پہر ملتی نہیں
سر کو ٹکراؤں غم تنخواہ میں کیونکر نہیں — دار نہ ٹے زرد جگر بے زر نہ سر ملتی نہیں
پگھلی آدھی چربی تن کی سوزِ غم سے شل رہے؟ — جل رہا ہوں ہائے پوری کی خبر ملتی نہیں
اس قدر کا ہمیدہ مجکو حرف کھاتے نے کیا؟ — لگ گیا ہے پیٹ فاقوں سے کمر ملتی نہیں
معربہ سلطان عالم اے شجاعت ور دگر — دا ہمہ کبھی ڈھونڈھتا ہے پر کمر ملتی نہیں

بند شجاعت در ہجو سعید الدولہ فحش ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔

شوق[1] ارسطو زماں، افلاطون دوراں، تصدق حسین خاں عرف حکیم نواب مرزا خلف حکیم آقا علی خان برادر حکیم الملک حکیم مرزا علی خاں مرحوم۔ گو فن شاعری میں بہرہ نہیں مگر پانچویں سواروں میں نام ملایا ہے۔ پیش طبیب منجم اور پیش منجم طبیب کا آپ ہی میں مزہ پایا ہے۔ بے استاد تلمذ شعرا سے انکار ہے۔ خود استادی معلم الملکوت کا اقرار ہے۔ چنانچہ یہ چند غزلیں اور چار مثنویاں مسمیٰ زہر عشق و لذت عشق و فریب عشق و بہار عشق۔ صاحب مسدس و خمسہ، تخلص نداز د و مقیم لکھنؤ۔ یہ چند اشعار ان سے لکھے جاتے ہیں۔

غیر کے گھر میں رہو گو کوئی داں ہو کہ نہ ہو — تمھیں تبلاؤ برا دل میں گماں ہو کہ نہ ہو
نزع کا وقت ہے وہ آئے ہیں دل کچھ کہہ لے — پھر خدا جانے کہ قابو میں زباں ہو کہ نہ ہو
باغ کی سیر کو اغیار اکیلے لے جائیں — تمھیں منصف ہو یہ سن کر خفقاں ہو کہ نہ ہو

---

[1] نوٹ ان کا ذکر لکھنؤ کے نسخہ میں نہیں ہے اور یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ پٹنہ کے نسخہ کے حاشیہ پر ملتا ہے مگر اس میں کہیں تخلص شوق نہیں لکھا ہے۔

دیگر مثنویاں کہ بزبان ریختہ جو کہی ہیں یہ زبان محلات کی عورات کی نہیں ہے ہاں اگر زبان حکیم زادیوں کی ہو تو عجب نہیں۔ یہ چند اشعار مثنوی زہر عشق کے تحریر ہوتے ہیں۔

آئی نوچندی اتنے میں ناگاہ — اس بہانے سے آئی وہ ذرگاہ
بس کہ مرتی تھی نام پر میرے — چھپ کے آئی وہاں سے گھر میرے
تھی نہ فرصت جو اشکباری سے — اتری روتی ہوئی سواری سے
پھر لپٹ کر مرے گلے اک بار — حال کرنے لگی وہ یوں اظہار
اقربا میرے ہو گئے آگاہ — تم سے ملنے کی اب نہیں کوئی راہ

حرف الصاد

صواب | شیخ محمد اشرف تخلص "صواب"۔ یہ بیت انتخاب

کب کدورت مرے دل کی کوئی کھو دیتا ہے — جس سے کہتا ہوں مرا حال وہ رو دیتا ہے

صابر | بزرگ والا کبر، میر حسین تخلص "صابر" حال اس[1] کا اس بیت سے ظاہر

شروع عشق ہے اور چشم تر ابھی سے ہے — طپیدن دل و سوز جگر ابھی سے ہے

صدق | صداقت بنیاد "صدق"، ساکن حیدرآباد

کیا سرمہ کو آنکھوں میں نظر بند — رکھا مرغ حنا ہاتھوں میں پر بند
مصور کھینچے گر اس شوخ کی تصویر کاغذ پر — ل مری صورت بھی ہو زیر قدم تحریر کاغذ پر

جگر کے داغ پہ تب ٹھہرے مرہم کافور — بسان پنبہ اگر مغز استخواں نکلے
تمھاری مانگ میں تابندہ دیکھ سلک گہر — فلک پہ شب کو نہ خجلت سے کہکشاں نکلے

---

[1] ن۔ پ، یہ بیت اس سے یادگار

صفدری [1] | رستم میدان سخنوری، میر عبداللہ تخلص "صفدری" شاعر قدیم، یہ اس سے یادگار

خاتم دست سلیماں ہے پری رو کا دہن لعل لب کا جس پہ یاقوتی نگینہ دیکھو ہے [2]

صفا | "صفا"، نام و نشان سے اُس کے ہر محرر ناآشنا (یہ اس سے یادگار)

محتسب جھوٹ ہے مے کس نے بھری شیشے میں رہ گئی ہے کہیں آنسو کی تری شیشے میں

حرف الضاد

ضاحک [3] | راہ ناہموار کا سالک، ہجر مردم پر راغب، میر غلام حسین تخلص "ضاحک" اس کی شوخی اور بیباکی کا تھوڑا سا حال [4] مرزا رفیع السودا کے احوال میں لکھا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ میر حسن نے اپنے والد کا کلام ڈھونڈ ڈالا تھا خدا جانے یہ شعر کیوں کر باقی رہ گیا۔

در پیش اگر روز اجل آہ نہ ہوتا قصہ تھا محبت کا کہ کوتاہ نہ ہوتا

حرف الطاء

طبیب | شوق شاعری سے (مثل) بیمار (ناشکیب) حکیم سید شاہ تخلص "طبیب"۔ یہ اس [5] سے یادگار

نہ پوچھ اس کے لبوں سے قصہ خموش وہ دل ستانہ ہرگز
برنگ غنچہ لہو بھرے ہیں چھڑک پڑیں گے ہلانہ ہرگز

طرہ [6] | طرہ باز خاں تخلص "طرہ"

---

[1] ن۔ پ میں ان کا تذکرہ نہیں ہے [2] دیکھو (تذکرہ ہندی)۔ [3] ن۔ پ احوال
[4] ن۔ پ من کلامہ [5] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

مصور کھینچے گر اُس شوخ کی تصویر کاغذ پر مری صورت بھی ہو زیر قدم تحریر کاغذ پر

طالع | (میر) شمس الدین تخلص "طالع" (ساکن شاہجہان آباد) نام[1] اس کا اس سے ساطع۔

جفائے یار کو ہم التفات یار کہتے ہیں شفاو عافیت کو اپنی ہم آزار کہتے ہیں

طاہر | نیکو[2] شاعر محمد خاں تخلص "طاہر"۔ من اشعارہ

اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوتی ممکن نہ تھا کہ اُس کو دل کی خبر نہ ہوتی

طفل | مرزا عبد المقتدر عرف مرزا طفل تخلص "طفل[3]" یہ اس کی گفتار بلاغت آثار

رات دن وحشت جاں مونس تنہائی ہے دل ہے میرا کہ کوئی وحشی صحرائی ہے

حرف الظاء

ظہور | شاعر غیور (حافظ) ظہور اللہ بیگ .... تخلص "ظہور" یہ اس سے مشہور

تیغ نگاہ تیر مژہ خنجر ادا اتنے سلاح اس تن تنہا کے واسطے

اے عشق کام تیری کشش کا ہے واہ کودل یوسف کو لائی کھینچ زلیخا کے واسطے

کیا کیجے کہ بس نہیں دل لے گیا صنم ل مجکو خدا رسول کے دلوا کے واسطے

ظہور | دیگر[4] شیو سنگھ تخلص "ظہور" یہ اس سے یادگار

چمن میں باندھنے مجکو نہ آشیاں دیتا گلوں سے ملنے کی رخصت تو باغباں دیتا

ظہور | روشنی طبع سے طور، مرزا ظہور علی تخلص "ظہور"۔ منہ[5]

---

[1] ن۔پ اس سے یاد [2] ن۔پ مردم خوب نیک شاعر محمد خاں تخلص "طاہر" یہ بیت اس سے یادگار [3] ن۔پ میں ان کا ذکر نہیں ہے [4] ن۔پ ظہور دیگر شیو سنگھ نام ساکن دہلی یہ اس کا کلام [5] ن۔پ یہ اس سے یادگار

نغاں و آہ و نالے سے نہیں آرام تک جی کو یہ دل ہے یا جرس ہے یا کوئی بیمار پہلو میں

مکان سیر ہے پیارے نہ یاں سے رم کیجے یہ گھر فقیر کا ہے بیٹھیے کرم کیجے

ظاہر | خوش[1] شاعر شیخ ظہور اللہ تخلص "ظاہر" یہ اس سے یادگار[2] ہے

چشم گریاں حسن سے معمور ہے چاندنی برسات کی مشہور ہے

حرف العین

عاشق | مہدی علی خاں تخلص "عاشق" ابناء علی مردان خاں، یہ اس کا قول صادق۔

دن تو جوں توں کے کٹا رات پھر آئی سر پر آفت تازہ جدائی تری لائی سر پر

کشتۂ عشق کی کچھ سب سے ہے تاثیر جدا سر جدا پاؤں جدا ہاتھ کی زنجیر جدا

چمن میں گل جو وہ رعنا جواں دو چار ہوا کہا جو گل اُسے میں نے گلے کا ہار ہوا

گو آہ میں اپنی نہیں تاثیر سر دست پہ ہے یہ لبالب ابھی میں یک تیر سر دست

کار بستہ کو نہیں چاہیے زر کی کنجی قفل مطلب کو ہے بس آہ سحر کی کنجی

عالیجاہ[3] | خلف نظام الملک والی دکن تخلص "عالیجاہ"۔ یہ شعر اس کا طبع کا خوش گاہ

رات دن اشکوں سے آنکھوں میں تری رہتی ہے شاخ نرگس ابھی پانی سے ہری رہتی ہے

---

[1] لن۔ پ ملک سخن پر دایہ سایہ [2] لن۔ پ برقرار [3] لن۔ پ تعذیر [4] لن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

عارف | کلام اس کا (مشہور اور) متعارف "محمد عارف" رفو گری میں استاد، یہ اس سے یادگار

اس ابر میں بے ساقی دے جی پہ بنی ہے | ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے

نگاہ یوں دل عارف سے پار گذرے ہے | کہ جس طرح سے کہ صابن میں تار گذرے ہے

دختر رز سے جا کے کہو کہ ملے | ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاشق | خوش[1] بیان اعظم خاں تخلص "عاشق"۔ یہ اس کا بیان

کوئی بیدرد ظالم ہم کو اس دم یاد کرتا ہے | کلیجہ ہچکیاں لیتا ہے دل فریاد کرتا ہے

عاشق | سید ہدایت علی تخلص "عاشق" کلام میں اس کے تجلی صبح صادق (منہ)

بیمار عشق کو ترے ہرگز شفا نہیں | ہو جس کو یہ مرض کہیں اس کی دوا نہیں

عاشق | سید غیاث الدین تخلص "عاشق" یہ اس کا کلام متین

جگر میں زخم نگہ کے لگے جو کاری رات | کٹی تڑپتے ہی بسمل کی طرح ساری رات

عشق | میر زین الدین تخلص "عشق" (ساکن شاہجہان آباد) یہ اس سے یادگار

منظور گر خرابیِ دل ہے تو ایک بار | ایسا خراب کر کہ نہ تعمیر کر سکیں

عشقی | "عشقی" "مراد آبادی" یہ بیت اس کی

کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے | دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفت جاں ہے

عشقی | قاسم علی تخلص "عشقی" منشی رسالہ دہم انگریزی ساکن فرخ آباد یہ اس سے یاد

---

[1] پ خوش بیان عاشق "تخلص نام اعظم خیل مور یہ اس سے مشہور

فراق ساقی میں دیدے کب آب روتے ہیں ل جگر کے ٹکڑے برنگ کباب روتے ہیں
یہ جوش خون ہے کہ جب پھوٹے آبلے دل کے ل تو پھوٹ پھوٹ کے جام شراب روتے ہیں
ہم ایسے مست ہیں عشق بت شرابی میں ل کہ بدلے آپ کے ہر دم شراب روتے ہیں
فراق ساقی میں لیتے ہیں ہچکیاں شیشے ل صراحی ٹوٹی ہے جام شراب روتے ہیں
بدن میں ہے عرق گل بدن کی یہ تاثیر ل کہ میرے دیدۂ گریاں گلاب روتے ہیں

جو ہیں دشت جنون کی راہ بھولے ل دلیل راہ ہیں ان کے بگولے
ہیں وہ سرگشتۂ دشت جنوں ہوں ل کہ قرباں ہوتے ہیں مجھ پر بگولے
وہ پایہ رکھتا ہے تیرا ہوادار ل کجا تخت پری جو اس کو چھولے
اگر سینا ہے میرا زخم سینہ ل سر مژگاں سے تو کار رفو لے

عازم [۱] عازم" کائستہ رہنے والا فیض آباد کا، محرر اوراق کا آشنا، کتاب بہار دانش، کو اس نے ہندی میں نظم کیا تھا اور ان شعروں پر کہ حاکم کی حکایت میں ہیں اسے بہت سا ناز تھا۔

کسی نے جو یہ بات اس سے کہی ل تیری شمع رو رات کو جل گئی

ہوا مشتعل شعلہ بہت بے قرار ل پٹکنے لگا سر کو بر دانہ وار [۲]

کر قتل مجکو بول اٹھا وہ [۳] پکار کے ل کیا خوش ہوا ہے جی مرا عازم [۴] کو مار کے

---

[۱] ن۔پ عاظم قوم کائستھ ساکن فیض آباد، مولف اس سے آگاہی رکھتا ہے۔ کتاب بہار دانش" کو اس نے ہندی میں نظم کیا تھا ان شعروں پر کہ حاکم کی حکایت میں ہیں ناز کرتا تھا۔

[۲] ن۔پ پٹکنے لگا سر کو پروانہ دار ہوا مشتعل شعلہ بہت بیقرار [۳] ن۔پ یوں [۴] ن۔پ۔ عاظم

عاقل | صاحب دستگاہ، عاقل شاہ تخلص "عاقل" یہ (دو بیتیں) اس سے حاصل

قید بھی یاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتے نہیں واہ واہ اس دام کو اور آفریں صیاد کو
دیکھیں سب کچھ اور نہ دیکھیں کیا نظر بندی ہے یہ دیکھیے اس کام کو اور کام کے استاد کو

عاصی | خواجہ برہان الدین تخلص "عاصی" ۔ متوطن دہلی، یہ اس سے یادگار

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں کہے تھا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

حرف الغین

غازی | (حضرت، خلد مکان، شاہ زمن غازی الدین حیدر، محامد ذات قدسی صفات اس شہریار کے بیان سے باہر، کبھی کبھی بسبب موزونی طبع کوئی مصرعہ یا بیت زبان معجز بیان پہ آجاتا تھا، چنانچہ یہ دو مصرعے لکھے جاتے ہیں۔

عشق کا اک تیر ہے دو دل کے پار

دوسرا یہ ـــ

شمع خاموش ہوئی مرغ سحر بول اٹھے

غالب | مکرم[1] الدولہ بہادر بیگ خاں، طالب جنگ، تخلص "غالب" یہ اس کا رنگ ڈھنگ

مت ہو خفا بغل میں گر تجکو یار کھینچا مجبور تھا نشے میں بے اختیار کھینچا

قصہ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلایا ہم نے

---

[1] ن۔ پ غالب فرزند نیاز بیگ خاں تورانی یہ اس کی غزل خوانی

غلامی | معنی[۱] شاہ تخلص "غلامی" اپنے وقت میں ناکامی، ہم عصر حاتم، یہ بیت اس کی۔

مسی[۲] سے یوں دروندان پہ بکہر چمکتے ہیں | شب تاریک میں جس طرح سے اختر چمکتے ہیں

غنی | شیخ[۳] محمد غنی "صاحب ہنر وفن، خلف خواجہ محمد حسن، یہ اس سے یادگار

کل[۴] جس کی نظر تیر سی گذری مرے دل سے | پھر آج وہی زور سے قاتل نظر آیا

غنی | "عبدالغنی" ساکن سہارنپور یہ اس سے یادگار ہے[۵]

پڑتی ہے نظر جس پہ زمِ چشم بریدن | یہاں ہم نے پر کاہ کبھی بیکار نہ پایا

غریب | شاعر فارسی شیخ نصیر الدین احمد تخلص "غریب" یہ بیتیں[۶] اس کی

جس جا کہ قدم رکھتے ہی سر تن سے جدا ہو | لو جاتے[۷] ہیں اس کوچہ میں ہم دیکھئے کیا ہو

مت چھیڑیو اس زلف سیہ کو دل نالاں | دیکھا نہیں کالا کوئی کالے کا جیا ہے

حال دل شوریدہ کہوں کس سے غریب آہ[۸] | وہ درد نہیں جس کی طبیبوں سے دوا ہو

حرف الفاء

فراقی | پریم کشور تخلص "فراقی" ساکن شاہجہان آباد[۹]، یہ اس سے یادگار ہوئیں

آنکھیں گلابی روتے روتے | گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس

---

[۱] ن۔ پ غلام محمد تخلص "غلامی" ہمعصر شاہ حاتم، یہ اس کی خوش کلامی

[۲] ن۔ پ میں یہ شعر محمد غنی کے نام سے ہے [۳] ن۔ پ صاحب ہنر و فن شیخ محمد غنی پسر خواجہ محمد حسن یہ بیت اس سے یادگار ہے [۴] ن۔ پ میں غلامی کے نام سے [۵] ن۔ پ، مشہور

[۶] ن۔ پ، اس فارسی گو سے یہ اشعار ہندی

[۷] ن۔ پ جاتے ہیں اس کوچہ میں ساہم دیکھئے کیا ہو

[۸] ن۔ پ واہ [۹] ن۔ پ ساکن دہلی یہ اس سے باقی

فرحت | شیخ فرحت اللہ تخلص "فرحت" متوطن[۱] دہلی، یہ اس کی شہرت

جوں اشک گرا ہوں میں گو یار کی آنکھوں سے　　لیکن مجھے دیکھے ہے وہ پیار کی آنکھوں سے

فرصت[۲] | مرزا باقف بیگ تخلص "فرصت" متوطن دہلی۔ یہ اس سے برقرار

تیری گلی میں جیسے گرد باد کہتے ہیں　　کبھی کبھی وہ ہمارا غبار گذرے ہے

فراق | شفیقی اور مشاق مرزا نقی علی خاں تخلص "فراق" (ساکن شاہجہان آباد

من کلامہ[۳]

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ گر گلشن میں　　کوئی رونے ہے کبھی ان میں سے ہم کو یاد کرتا ہے

فارغ | "فارغ" فارسی[۴] خواں ہندی میں بھی سخن راں

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو گہر نکلا　　بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

فدا | امام الدین تخلص "فدا" رہنے والا دلی کا یہ اس کا دلولہ[۵]

تو بات بات میں ہوتا ہے مجھ سے آزردہ　　یہی تو کچھ نہیں اے بیوفا تری باتیں

حرف القاف

قربان[۶] | میر قربان علی تخلص "قربان" ساکن عظیم آباد یہ اس کا بیان[۷]

نکالوں کیونکہ دل سے اس کمان ابرو پیکاں کو　　کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

قربان | دیگر، میر مہدی تخلص "قربان" پسر میر کلو حقیر[۸] (ساکن دہلی) یہ اس کی تقریر

---

[۱] ن۔پ ساکن قصبہ سونی پت، یہ سب اس سے یادگار [۲] ن۔ل میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ن۔پ میں فرحت کا شعران سے منسوب ہے اور فرصت کا فرحت سے [۳] ن۔پ، اس سے یادگار [۴] ن۔پ شاعر فارسی گو صاحب دیوان زبان ہندی میں یہ اس کا بیان [۵] ن۔پ اس سے بقا [۶] ن۔پ، اس سے یادگار [۷] ن۔پ اس کا بیان

ہم بھی اپنے دور میں سرکش بہت تھے دوستو — کاسۂ سر کو نہ ٹھکراؤ خدا کے واسطے

قدر | ۱ "قدر" اور اس کا احوال نامعلوم[1]، یہ بیت (اس سے) یادگار

اگر آئے ہو تو رہ جاؤ یہاں رات کی رات — لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

قلندر | قلندر، اس کا سلسلہ نامعلوم[2] یہ دو شعر (اس سے) یادگار

جن کو سیر زندگی نہیں (رہے) — کیا جی کے کریں کہ جی نہیں (رہے)

تھمتے ہی تھمے گا اشک ناصح — رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں (رہے)

حرف الکاف

کامل | مرزا کامل بیگ تخلص "کامل" زدر قدما کا شامل[3] یہ اس سے حاصل

مژگاں سے گر بچے دل ابرو کرے ہی ٹکڑے — یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

گہر | خوش سخنور مرزا امداد علی تخلص "گہر" یہ اس سے یادگار

خار ہوں میں گرچہ باغ انتظار یار کا — ہے ہر اک برگ خزاں نرگس مرے گلزار کا

مثل تصویر نہانی غش میں رہتا ہے مدام — یہ ہوا ہے حال تیرے ہجر کے بیمار کا

کوئی دل ایسا نہیں جو لا سکے تاب وصال — چشم کو کس کی ہے یارا یار کے دیدار کا

آفتاب حشر تیرا کیا کرے گا اے گہر — ہے تجھے کافی وسیلہ حیدر کرار کا

کیفی | شاعر فارسی میر ہدایت علی تخلص "کیفی" (فارسی گو سادات بارہہ)

یہ شعر ہندی اس سے یادگار

---

[1] ن۔ پ ظاہر۔

[2] شاگرد مرزا مظہر (سخن شعرا)

[3] ن۔ پ مثالی

اے دل جو ضعف سے تجھے آزار ہو گیا کس کی نظر لگی کہ تو بیمار ہو گیا
دل جا پھنسا جو زلف میں اسکی تو کیا کروں دام بلا میں آپ گرفتار ہو گیا
دوراں میں اس قدر ہے جو آشوب ان دنوں کیا فتنہ اُس کی چشم کا بیدار ہو گیا

حرف اللام

لطیف | میر شمس الدین تخلص "لطیف" متوطن سورت قوم سادات یہ اس کی واردات

مژدۂ وصل اگر کوئی سناتا ہے مجھے میں یہ سمجھوں ہوں کہ جی دان ڈلاتا ہے مجھے
ایسی الفت کو لگے آگ پڑے چولھے میں جو ہے دل سوز مرا وہ ہی جلاتا ہے مجھے
گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیف کیا ہی غصہ تری اس بات پر آتا ہے مجھے

حرف المیم

مخلص | مرزا بنا تخلص "مخلص" قریب تر[1] عبدالقادر خاں بیدل یہ اس سے حاصل

جس جا پہ غرور دلربائی دیکھا واں مظہر کامل خدائی دیکھا
اعجاز میں جو ہو ید بیضا سے بلند[2] دیکھا تو وہ پنجہ حنائی دیکھا

مخزون[3] | جز یائے مضمون، عالم شاہ تخلص "مخزون" میاں مصحفی نے اس کو باشندہ امروہہ کا لکھا ہے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اپنے تذکرہ میں

---

[1] ن۔ پ۔ اولاد سے مرزا عبدالقادر بیدل کی

[2] ن۔ پ۔ دوچند

[3] ن۔ پ۔ میں ان کا ذکر نہیں ہے

مشائخ زمانہ گردہ مکتبیر کا قرار دیتے ہیں اور مصحفی پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ "درینجا از دانی تحقیق بر کران افتادہ"۔ فقیر نے جو ان کے تذکرہ کی سیر کی بہت سا خلاف اس میں نہ نکلا چنانچہ مرزا حاجی قمر کو مرزا تقی کا بیٹا لکھا ہے اور وہ فرزند ارجمند مرزا جعفر صاحب کے ہیں اور طالب علی خاں عیشی کو شاگرد میاں مصحفی کا قرار دیا ہے اُن کو میر انشاء اللہ خاں سے تلمذ تھا۔ کرامت اللہ خاں شہید کو رہنے والا لکھنو کا لکھتے ہیں۔ وہ بانس بریلی کا متوطن ہے دو دوستوں کی روداد میں ہر شخص معذور ہے قصہ مختصر یہ شعر محزوں کے

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو — اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی داد — کوہ کن کو خواب شیریں سے جگاؤ تو سہی

مقصود | "مقصود" سقا ساکن فیض آباد (امی محض) یہ (شعر) اس سے یاد ہے

عشق کیا جانوں[1] کدھر تھا مجھے معلوم نہ تھا — عشق کا دل ہی[2] میں گھر تھا مجھے معلوم نہ تھا

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفق من — بوسہ وہ چیز ہے دونوں کو مزہ دیتا ہے

محب | شیخ ولی اللہ تخلص "محب" (ساکن شاہجہان آباد متبع مرزا رفیع) یہ اس سے یادگار ہے

جس طرف تشنۂ دیدار ترے جا نکلے — ادھر آنکھوں سے نہاں ہوتے ہی دریا نکلے

---

[1] ن۔ پ۔ جاتے [2] ن۔ پ۔ ہی

قافلہ پہلی ہی منزل میں دیا ہم نے چھوڑ   سفر ملک عدم کو تن تنہا نکلے

رکھتے ہیں عین وصل[1] سے باہم تزیں مجھے   عینک تصور اُس کے کی ہے دوربیں مجھے
گلزار حسن پھولتے ہیں اس میں خار نصل   آئینہ کی خوش آئی سراسر زمیں مجھے
جائے تشہد اپنی یہ خواہش ہے اے محب   بھولے نہ فکر[2] دست دم واپسیں مجھے

خانہ دل کہ نہ ہو عشق[3] کا آئین جس میں   ہے وہ قرآں کہ نہیں سورۂ یاسین جس میں

باغ میں جب وہ گل تازہ بہار آتا ہے   بوئے گل پھر تو ہوا ہی پہ دھری رہتی ہے

غلط ہم کو کہتا ہے ہو بے مروت   تو ہی بے مروت ہے او بے مروت
نہ دو بوسہ اور مفت[4] لو دل ہمارا   پھر اس پہ ہمیں کو کہو بے مروت

شب فرقت میں جو اٹھیں مرے دل سے آہیں   یک جہاں مجکو نظر آئے ہے[5] عالم ہو کا
ہاتھ تب عشق کے میں سنگ گراں پہ ڈالا   زور فرہاد نے جب تول لیا بازو کا

دل تو پہلے لے چکے اب کیا ہے مطلب آپ کا   بے تکلف وہ بھی کہہ دیجیے کہ ہے سب آپ کا

کی چشم کی سیاہی سفید انتظار نے   تس پر بھی آہ خط نہ لکھا مجکو یار نے

---

[1] ن۔ پ نسل میں   [2] ذکر (تذکرہ ہندی)
[3] عشق (تذکرۂ ہندی) [4] ن۔ پ۔ دل لو   [5] ن۔ ب۔ گا

دعویٰ لگا رکھی ہے ترے در پہ آہ کی اے شعلہ خو مرے دل اُمیدوار نے

جو خواہش دل تھی سو وہ یہاں نہ نکلی گالی کے سوا منہ سے ترے بات نہ نکلی

مایل | شاعری میں کامل مرزا ہدایت علی تخلص "مایل" یہ اس سے یادگار

آتا ہے دم بدم یہی رونا یہاں مجھے پھینکا فلک نے آہ کہاں سے کہاں مجھے

مہدی | نواب مہدی علی خاں تخلص "مہدی" رئیس بنارس متوسل قاسم علیخاں صوبیدار بنگالہ یہ اس سے یادگار[1]

قطرہ اشک جو ہی تا سر مژگاں آیا مردم دیدہ لگے کہنے کہ طوفاں آیا

مجروح | شہر میں اس کے فتوح (روح) منشی کھیم چند تخلص "مجروح" یہ شعر اس سے یادگار

نہ سیر باغ نہ گلگشت لالہ زار کروں یہ آرزو ہے تماشاے روئے یار کروں

مرزا | شاعر نازک[2] ادا احترام الدولہ نواب مرزا، یہ اس[3] سے یادگار

درد دل کس سے کہوں قابل اظہار نہیں آہ سے اپنی زباں محرم اسرار نہیں

مستان | سرخوش بادۂ عرفان مرزا احسن علی، تخلص "مستان" یہ اس کا بیان

ہم اپنی بندگی پہ بھولے تھے پر جو دیکھا وہاں خدائی ہے

مشتاق | مشہور آفاق مرزا ابراہیم بیگ تخلص "مشتاق"

ہوئے دام محبت میں ہم اپنی[4] داد کو پہونچے مگر افسوس اے صیاد ہم فریاد کو پہونچے

منعم | قاضی نور الحق تخلص "منعم" نام اس کا شعر[5] سے قایم

وہ نوک مژہ جب سے مرے دل میں گڑی ہے ایسی ہی کھٹکتی ہے کہ بس جی کی پڑی ہے

---

[1] ن۔ پ میں یہ بیت اس کی [2] ن۔ پ خوش [3] ن۔ پ یہ بیت اس سے بقا
[4] ن۔ پ ان کے [5] ن۔ پ اس بیت

مزمل | شاہ مزمل (مزمل تخلص) شاعر قدیم ساکن اکبر آباد، یہ اس سے یاد

من ہرن میرا مزمل رم کیا   دشمنوں کے من کے چیتے ہو گئے

منتظر | خواجہ بخش تخلص "منتظر" دور سابقین سے خود غایب، کلام اُس کا حاضر

تیرے ہیں میاں خواہ برے خواہ بھلے ہم   لے یار تو خوش رہ کہ نہ رہے نہ رہے چلے ہم

بیخود اتنا ہے نہ کچھ ایما نہ کچھ تقریر ہے   منتظر کے ہاتھ میں شاید تری تصویر ہے

مقبول | مقبول نبی تخلص "مقبول" یہ اس کے شعر کا اصول

پھیرے خدا رقیبوں سے جی میرے یار کا   اتنا ہی مدعا ہے دل بیقرار کا

محرم[1] | فضیلت[2] شعر کا عالم باقر علی خاں تخلص "محرم" غزل اور مرثیہ وسلام میں باقر رنگ اُن کی طبیعت کا دونوں میں ظاہر، داماد سبحان علی خاں، ناتھ نامہ و فرقی نامہ (کذا) سے زندہ دان کی طبیعت کے عیاں، بذلہ گوئی میں معروف اور مشہور، شہر آشوب کہ واقعہ نصیر الدین حیدر بادشاہ میں اُنھوں نے کہا ہے وہ کمبوہیت سے معمور بلکہ ان کے فضل وکمال کی دلیل، قصہ کوتاہ یہ اُن کی قال وقیل

بے وجہ کا غصہ یہ عجب بات نکالی   دل لینے کی اس بت نے نئی گھات نکالی

بوسہ جو طلب میں نے کیا منہ کو بنایا   کیا خوب نقیرن کی مدارات نکالی

لیتا ہیں کبھی بوسہ پا ہاے نگاریں   چال ایسی نہ اے کافر بد ذات نکالی

دیکھو تو زبردستیاں دامن سے شب وصل   برہم جو ہوئے مارنے کو لات نکالی

---

[1] ن - ب محرم [2] ن - ب فضیلت شعر کے عالم باقر علی خاں داماد سبحان علی خاں تخلص "محرم" غزل اور مرثیہ سلام میں باقر انہ رنگ ان کی طبیعت کا دونوں میں ظاہر، بزرگوں اُن کی مشہور، شہرت اس کی زندہ و یکساں دور شہر آشوب کہ واقعہ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ کے کہا ہے کمبوہیت سے معمور، بیچ تو یہ ہے کہ یہ شہر آشوب اُن کی تفضیل کی دلیل ہے، دو چار شعر غزل کے لکھے جاتے ہیں -

ہر بیٹھے پہ دشنام تو ہر بات پہ لڑنا — یہ دان نکالا ہے یہ خیرات نکالی

بہم ہوا محرم سے نہ نوبت پیادوں کی عوض — شطرنج میں کیا بازی بے مات نکالی

مسیح | طبیب حاذق شاعر فصیح حکیم محمد علی تخلص " مسیح " برادر حکیم محمد بخش یہ اشعار اس سے یادگار

قتل کرتا ہے نگہ کی تیغ سے ابروئے دوست — ساحری سے کم نہیں ہے نرگس جادوئے دوست

صدقے میں تیرے ناز کے انداز میں نہ چھیڑ — جان آرہی ہے لب پہ دم واپسیں نہ چھیڑ

مثل آئینہ ہے دل درد سے حیراں میرا — زلف میں الجھا ہے جب سے نہ پریشاں میرا

جان مسیح آئی ترے قالب بے جان میں نہیں — پانی جو منہ میں چوا تا مرے جاناں میرا

حرف نون

نقی | نقی علی خاں تخلص " نقی " یہ بیت اس کی

جوں ہی بہار گل کی قفس تک خبر گئی — سنتے ہی بلبل ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی

نظام | شیریں کلام ممدوح خاص و عام نواب عمادالملک غازی الدین خاں تخلص " نظام " من کلامہ

نے رونق گلشن ہیں نہ زینت کسو سرکے — شل گل بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی — یارب نہ لگا دل کو مرے چاہ کسو کی

لہ ن ۔ پ زبان ۔

زلف کا کھولنا بہانا تھا　　مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

دل گرمی نگاہ سے بیتاب ہو گیا　　جب تک اسے میں تھاموں جگر آب ہو گیا

میں نے بدلا نہیں دل شرط وفا سے ہرگز　　نگہ یار تو کیوں رنگ بدلتی ہے دیکھ

بے مہر سے چاہ پوچھنا کیا　　گمراہ سے راہ پوچھنا کیا

"سید ناصر علی خاں" ڈپٹی کلکٹر متوطن جونپور نیک خیال خوش فکر بسبب نامعین تخلص کے حرف نون میں ان کے اشعار لکھے جاتے ہیں۔

ساقی نہیں ہے دُرد یہ جام شراب میں　　ساقی[1] یہ پھول ہیں سپر آفتاب میں
عکس رُخ صنم جو ہے جام شراب میں　　آتا ہے ماہتاب نظر آفتاب میں
اُس روئے تابناک کے آیا جو سامنے　　چھالے پڑیں گے آئینۂ آفتاب میں
جب سے پڑا ہے روئے مخطط کا تیرے عکس　　زنگ آگیا ہے آئینۂ ماہتاب میں
ہو جائے گی شراب نمک کے اثر سے پاک　　کھاتے ہیں ہم کباب بھگو کر شراب میں
دریا میں خال روئے صنم کا پڑا جو عکس　　پُتلی نہ کھائی دی ہیں چشم حباب میں

نالاں | شیریں بیان[2] شیخ محمد وارث تخلص "نالاں" یہ[3] اس کا بیان

اے چشم راز عشق تو افشا نہ کیجیو　　ناحق کسی غریب کو رسوا نہ کیجیو

نیاز | (نیاز) قاضی زادہ بلند شہر "نیاز" یہ شعر اس کا مایۂ ناز

بانگ اُس کی ایک سید ھی راہ ہے ظلمات کی　　خضر[4] کو بھی ہے مسافت ایک دن د درات کی

---

[1] ن۔ پ ذرے چمکتے ہیں قرص آفتاب میں　[2] ن۔ پ زبان　[3] ن۔ پ منہ

[4] ن۔ پ ہے شب تاریک اے دل خضر کو آگاہ کر

حرف الواؤ

ولی میاں "ولی" بنیاد ریختہ کی اُس سے قایم اور استوار اور قدامت اُس کی میاں مصحفی کے کلام سے اظہار

ریختہ گوئی کی بنیاد ولی نے ڈالی　　بعد ازاں خلق کو سودا سے ہوا درپیہ فیض
گرچہ یہ زمرہ میں اُن کے نہیں پر لیتے ہیں　　کتنے مشتاقِ سخن مصحفی پیر سے فیض

شعر ولی

شغل بہتر ہے عشق بازی کا　　کیا حقیقی ہو کیا مجازی کا
آج تیری نگہ نے مسجد میں　　دین[3] کھویا ہر اک نمازی کا

کشورِ دل کو ترے ناز نے تسخیر کیا　　فوج مجنوں کو تری زلف نے[3] شبگیر کیا
کیوں کہ ذرات جہاں تیری پرستش کریں　　حق نے تجھ حسن کو خورشید جہانگیر کیا
اے ولی شوخ کی زلفوں کی سیاہی لے کر　　قصۂ حالِ پریشان کو تحریر کیا

ولی دیگر۔ یہ اس کے نام پر مقرر

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقی گلفام ہے　　جس کی آنکھوں کا تصور بیخودی کا جام ہے

ولی ایضاً۔ مرزا محمد علی تخلص "ولی" یہ (بیت اس سے یادگار)

خوش آئے لب گلوں کا تصور ہزار کو　　دیکھے جو مسکرانے میں وہ لعل یار کو

---

[1] ن۔ پ ڈالی ہوئی اس کی چنانچہ مصحفی فرماتے ہیں　[2] ن۔ پ عشق

[3] ن۔ پ زنجیر۔

[4] یہ غزل بھی ولی گجراتی کی کلیات میں ملتی ہے۔ (شمیم)

وجیہہ | نواب وجیہہ الدین خاں مبارز جنگ تخلص "وجیہہ" یہ اس کی طبیعت کا آہنگ

ہے عکس حقیقت رخ نیکوئے حقیقت — محراب طریقت خم ابروے حقیقت
گو وقتِ سے میرے ترے کچھ ہاتھ[1] نہ آیا — سرخ آگے وفائی تو ہوا روے حقیقت
آ دیکھ بہار چمن دیدہ کہ دل کو — کیا ہی یہ کھلے ہیں گل خود روے حقیقت

وحید[2] | حکیم محمد وحید الدولہ خاں ابن حکیم سعد اللہ خاں تخلص "وحید" ساکن قصبہ بداؤں یہ اس کی گفت و شنید

جمع ہے خون میرا اس بت قاتل کے خنجر پر
نیا گل کھل گیا کیسا چمن ہند ہندی کے جوہر پر
دعا الٹی جو پڑتی ہے تو ہوں میں ہجر کا خواہاں
کہ شاید منعکس ہوئے کبھی وصل ستمگر پر

وزیر[3] | صاحب حکومت و ریاست نواب وزیر علی خاں بہادر تخلص "وزیر" متبنیٰ نواب آصف الدولہ بہادر۔ وقت قید فرنگ یہ مطلع اس نے ارشاد فرمایا

اٹھ گئے محفل سے سارے یار اور ہل چل پڑی
اے فلک انداز گردوں اب تو تجکو کل پڑی

والہ | ماہ عذار (خوباں) کا ہالہ مرحمت خاں تخلص "والہ" ہندی اور فارسی میں ثاقب، یہ اس سے یادگار

ہے کس متاع کی یارب دکاں زمیں کے تلے
چلا ہے جس لیے یہ کارواں زمیں کے تلے

---

[1] ن۔ پ۔ کام — [2] ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے
[3] ن۔ پ۔ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ وفات ۱۲۳۷ھ (سخن شعرا)

ہے عیاں جلوہ تیرا انسان کی تصویر سے صورت معنی ہو ظاہر نقطہ کی تحریر سے

چشم سے کچھ جو مدعا ہے مجھے محض تیرا ہی دیکھنا ہے مجھے

وارث شیخ محمد "وارث" یہ اشعار اس سے یادگار

کہتا ہوں اس سے جان تو کہتا ہے وہ قاتل
چل جان تری کون ہے میں دشمن جاں ہوں

مردم ترے جمال پہ یہ چشم وا کریں آنکھیں اٹھا کے پنجۂ مژگاں دعا کریں

آرام و صبر طاقت و ہوش و تواں چلے
اے وائے بیکسی کہ مرے ہمرہاں چلے

حرف الہاء

ہادی میر محمد ہادی[1] "شاہجہان آبادی" یہ اس سے یادگار

اے دل اب دیتا نہیں وہ داد یہ کیا ہو گیا
آج کچھ سنتا نہیں فریاد یہ کیا ہو گیا

مت پوچھ تری زلف زبیندہ ہے یا خط
ایک آفت نو زلف ہے اک تازہ بلا خط

---

[1] میر محمد جواد نام، ہادی تخلص، ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی
(تذکرۂ ہندی و سخن شعرا)

قاصد آتا ہے واں سے گریاں نامہ کا ہوا جواب معلوم

حرف الیاء

یکرو | نام و نشان عنقا تخلص "یکرو" شہرت اس کی چارسو (یہ بیت اس سے یادگار ہے)

لے گئے بے رحم بے کس کر گئے ایک تھا عاشق کی غمخواری میں دل

یار | میر احمد تخلص "یار" یہ اس سے یادگار

آفریں اے دست گستاخِ محبت آفریں یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

تذکرۂ شاعرات

شمع | شاہجہان آباد میں کسی محل کی مسماۃ شمع محلدار تھی، چونکہ یہ طائفہ چست و چالاک ہوتا ہے کسی موزون الطبع نے اس کی مذمت میں یہ کہا ؎

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی اس پر یہ حال
شمع سا معشوق دنیا میں نہیں دیکھا چھنال

اس شوخ دیدہ نے یہ جواب دیا

پردۂ فانوس میں جلتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹیے ان کی زباں جو شمع کو بولیں چھنال

زوجہ منعم | میاں منعم، شاعر معروف و مشہور، ندیم (حضور) نواب آصف الدولہ بہادر کے تھے۔ زوجہ ان کی (خوش طبع اور نیکو) شاعرہ تھی۔ بعد انتظار بسیار اس کی[1] زوجہ نے شوہر کو یہ تحریر کیا۔

ملنے وزیر سے گئے تم میرے بادشاہ گھر کا وزیر بھی تو کچھ آصف سے کم نہیں
لکھتی ہوں مختصر میں پریشانیوں کا حال رکھتی ہوں اک دوات کہ جس میں قلم نہیں

دلہن | دلہن بیگم صاحبہ، یہ دو شعر اس صاحب عصمت و حیا سے یادگار

جہاں کے باغ میں ساہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ دل داغدار رکھتے ہیں

---

[1] ن۔ پ اس نے

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلۂ دل کا تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

جانی عذرا ثانی، بیگم جان، تخلص "جانی" دختر نجیبہ اختر نواب قمر الدین خاں، بسبب سوزِ نہانی[1] کے بیمار رہا کرتی تھی۔ ہمدم خواجہ سرا نے (جو) استفسار حال کیا اس مایہ نزاکت نے یہ جواب دیا۔

کیا پوچھتے ہو ہمدم اس جسم ناتواں کی رگ رگ میں نیش غم ہے کہیے کہاں کہاں کی

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی اس دل کا لگانا ہمیں کچھ راس نہیں ہے

جفیا جفیا بیگم صاحبہ

یہ کس کی آتش پنہانی نے جلایا ہے کہ تا فلک مرے شعلہ نے سر اٹھایا ہے

گنا بیگم زوجہ عماد الملک نواب غازی الدین خاں (بہادر)[2] اس کا بیان

حنا خوں ہوتی ہے ان پاؤں کی جب بات چلتی ہے
رگڑتی ہے سر اپنا سنگ پر اور ہاتھ ملتی ہے
میرے مہ کی تجلی دیکھ کر کے اور حسرت سے
زمیں پر لوٹتی ہے چاندنی اور ہاتھ ملتی ہے

اس کا پیغام مجھے کیوں کر زبانی آوے
نام سنتے ہی مرا اس کو گرانی آوے

شوخ[3] گنا بیگم تخلص "شوخ" جبیہ علی قلی خاں ششش انگشتی نہایت نازک

۱؎ ن۔ پ تپ نہانی ۲؎ ن۔ پ یہ اس سے یادگار
۳؎ ن۔ پ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

مزاج اور پاکیزہ طبع تھی ہمراہ شوہر لشکر میں رہتی تھی محمل میں سوار جاتی تھی پانی مانگا اُس وقت آبدار خانہ میں حسب اتفاق پانی نہ تھا آب تازہ چاہ سے کھینچ کرا سے دیا۔ آب اُس چاہ کا شور تھا۔ منہ سے جام لگتے ہی وہ شیریں دہن قلق بے مزگی سے جاں بحق ہوئی یہ اشعار اس سے یادگار

آگرہماری خاک پہ کیا یار کر چلے ۔۔۔ خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

اشک امنڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے ۔۔۔ ناصحا اٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے

سیرت | مایہ لطافت و نزاکت، نور جہاں بیگم تخلص "سیرت" یہ اس کی شہرت ۔۔۔

ہمارے پاس کب تو آپ سے اے جان آتا ہے
زبردستی تجھے یہ جذبۂ دل کھینچ لاتا ہے

زینت | سماۃ نازک تخلص "زینت" یہ[1] اشعار کہ فی الجملہ نزاکت رکھتے ہیں اُس سے یادگار

سکے ہے کوئی اور کوئی درپہ مرے ہے
انصاف بھی کچھ ہے تو یہ کیا ظلم کرے ہے [1]
موجود ہے ہر آن جو نزدیک ہمارے
وہ وہم و گماں سے بھی حقیقت میں پرے ہے

موتی | موتی طوائف ساکن فیض آباد اس کے شعر میں آب و تاب گوہر کی پائی جاتی ہے، یہ[2] اُس سے یادگار

---

[1] ن۔پ شعر میں اسکے فی الجملہ نزاکت سن کلامہ [2] ن۔پ منہ [3] ن۔پ میں ان کا ذکر نہیں ہے

گلابی لا دبرو ہے اور ہم ہیں ——— بس اب جام وسبو ہے اور ہم ہیں
بلا سے گو نہ ہووے دل کو واشد ——— ہجوم یاس تو ہے اور ہم ہیں

دلبر | حسن و جمال میں بہتر، چھوٹی بیگم (صاحبہ) تخلص "دلبر" (یہ اس سے یادگار ہے)

ہے چوکھٹ آپ کی اور سر ہمارا ——— قیامت تک یہیں ٹکرائیں گے ہم

ہر روز جو تم روٹھ کے تیور ہو بدلتے ——— بیجا تو ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا

صاحب | فاطمہ بیگم تخلص "صاحب" شوخ مزاج گرم بیان[1] معشوقہ مومن خاں ۔ یہ تقریر اس کی

گرنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد ——— یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا

کھولے ہیں اس نے پیرہن یوسفی کے بند ——— تکمہ کھلے نسیم سے کہہ دو قبائے گل

نزاکت | صاحب جمال، نیک سیرت، مجو طوائف تخلص "نزاکت" ساکن کول مقیم شاہجہان آباد ۔ یہ اس سے یادگار

کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

شیریں | بیگا طوائف تخلص "شیریں" ساکن لکھنؤ۔ میر مہدی مہر نے بہت مدت میں اسے سخن آشنا کیا ۔ جب وہ فی الجملہ موزوں ہوئی میاں بحر نے باتوں باتوں میں (اسے) حلقہ بیعت میں کھینچا ۔ یہ

---

[1] ن ۔ پ زبان شاگرد مومن خاں دہلوی، من کلامہ

قصہ بعینہ قصۂ پردینہ وفرہاد ہے کہ ادھر واہ واہ ادھر داد بیداد ہے۔ قصہ کوتاہ یہ چند، شعر آتش[1] کے

عاشقوں سے کچھ ادائی ہو چکی　　　مسکرا دیجے دکھائی ہو چکی
ہے کدورت گریوں ہی ہر بات میں　　　آپ سے ہم سے صفائی ہو چکی

یہ غزل پڑھ کر جو اسکی انجمن میں رہ گیا　　　بولا وہ گل بول کر بلبل چمن میں رہ گیا
فاتحہ پڑھ کر چلا جس دم وہ میری قبر سے　　　کیا کہوں کیسا تڑپ کر میں کفن میں رہ گیا

کیا خوب بندش ونشست قوافی دکی، ہے کہ رہ گیا ورہ گئی میں کچھ فرق نہیں۔ منہ

کب سنہری کرن ہے آنچل میں　　　جوت سورج کی ہے یہ بادل میں
جان جاں عطر دان کے بدلے　　　دل مرا ہو تمہاری ہیکل میں
باغ وصل تھا سنگاردان کا　　　کٹ گئی رات مسی کاجل میں
دکھ کے بیٹھے نہیں وتھوڑی پہ ہاتھ　　　سیب آیا ہے شاخ صندل میں
اب زیادہ ہوس نہیں ساقی　　　ل چھک گئے ہم تو ایک بوتل میں
جتنا کہتے ہیں شعرائے شیریں　　　کہہ دیں لاکھ آدمی کے دنگل میں

خاتمہ

الحمد للہ والمنتہ کہ انجام اس کا حسب دلخواہ اور ہر طرف سے شعر واہ واہ ہوا۔ خاطر احباب اس گلدستہ سے باغ اور سینہ جاد

---

[1] ن۔ پ شیریں

آتش رشک سے داغ ۔ بخدائے لایزال کہ ضبط اس کا بحسب ضابطہ اور ربط (اس کا) موافق رابطہ (کے) ہے ۔ دوست سے سازش اور دشمن سے کاوش نہیں ؎

راستی اس کا ہو تو ہو باعث مجھ سے احباب کو جو ہے اکراہ
بیت سعدی کی کیجیے[1] تضمین تا وہ اس واردات پر ہو گواہ
گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کذب و افترا سے یہ تذکرہ پاک اور نور صداقت سے تابناک کہیں کہیں بطور رسمہ انشائے راز، جس سے جھتے شان میں پڑیں وہ قلم انداز ؎

افسوس نہیں کسی کو محنت پہ نگاہ محنت برباد اور لازم ہے گناہ
عزت کے عبث عبث ہیں حاسد در پے[2] لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کہیں کہیں جو لطائف و ظرائف اس میں ہیں وہ بھی لطف سے خالی نہیں ؎

نشان مومنیت ہے ظرافت شعار انبیا و اصفیا ہے
قلا مشوق کو کہیئے اگر تاڑ تعلّی ہے اہانت اس میں کیا ہے

چند مدت اس کے انتظام کے واسطے محنت شاقہ کھینچی اور کیا کیا پریشانی میں بسر کی ۔ چار پانچ تذکرے فراہم کئے ۔ دو تو میاں مصحفی کے تیسرا تذکرہ مسمی بہ چار باغ تصنیف کیا ہوا اعظم الدولہ سرور کا ۔ چوتھا تذکرہ مسمی بہ گلشن بے خار کے مصنف اس کا مصطفےٰ خاں

---

[1] ن ۔ ب کرتا ہوں ۔ [2] ہ

شیفتہ ہے پانچواں تذکرہ مسمی بہ تذکرہ اَحبا شاہ حقیقت کا۔ انھیں
نے تحقیق انساب دکیا) دشعر نایاب لکھے اور کلام دور دوستوں
کا معرفت۔ میر محمود علی انعام میر محسن علی صاحب کے کانپور سے ڈاک کی
کی طرح آیا گیا۔ دو برس کے عرصہ میں خاتمہ بالخیر ہوا

جاں کندہ ایم تا شدہ حاصل وصال دوست
بیدرد در خیال کہ آسان بر آمدہ

قطعات تاریخ

اب تاریخیں اس کی کہ تصنیف کی ہوئی احباب کی ہیں لکھی
جاتی ہیں۔ میر محمد صاحب تخلص شائق کہ تاریخ گوئی میں استاد
ہیں یہ کہتے ہیں۔

یہ تذکرہ کیا خوب لکھا ناصر نے — جس سے رہا نام شعرائے ہندی
شاگرد بواسطہ ہیں یہ سودا کے — سودا تھا امام شعرائے ہندی
اور منتظم نظم محباں یہ ہیں — ان سے رہا نام شعرائے ہندی
کہتی ہے فلک سے انکی ہر بیت بلند — ارفع ہے مقام شعرائے ہندی
شائق نے یہ تذکرہ کی تاریخ کہی — تالیف کلام شعرائے ہندی

میر علی اوسط صاحب تخلص رشک گویا تاریخ گوئی کا جامہ ان پر
قطع ہوا ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں

قطعہ

این تذکرہ کہ ناصرش جمع نمود — دارندۂ نام شاعران ہند است
گفتم پے تاریخ شنیدش اے رشک — چیدہ زکلام شاعران ہند است

دوسری تاریخ میر موصوف کی انشا کی ہوئی شروع سال تذکرہ کی کہ وہ ۱۲۶۱ھ تھی اور تمام ۱۲۶۲ھ میں ہوا نام اس کا کہ خوش معرکہ تھا میر صاحب نے لفظ "زیبا" سے اسے زینت بخشی نام کا نام اور تاریخ کی تاریخ ہوئی۔

قطعہ

یہ تذکرہ اچھا ہے طور اس کا نرالا ہے ۔۔۔ نام اس کا مصنف نے خوش معرکہ ٹھہرایا
اے رشک پسند آئی اس نسخہ کی زیبائی ۔۔۔ تاریخ بھی پائی خوش معرکۂ زیبا

تاریخ تصنیف کی ہوئی بندہ ہیچمداں پریشان خاطر مولف تذکرہ سعادت خاں ناصر کی مثنوی

واہ واہ کیا خوب تذکرہ ہے یہ ۔۔۔ واہ کا مرغوب تذکرہ ہے یہ
طرز اور طور میں نرالا ہے ۔۔۔ سارلے ہے عالم میں اس کا شہرہ ہے
باتیں تحقیق کر کے لکھی ہیں ۔۔۔ بیتیں تصدیق کر کے لکھی ہیں
ایک دامن پہ نہ وہیں یا بات ۔۔۔ فکر یکتا کی بنے ہے کیا بات
ذکر حسب و نسب بعینہ ہے ۔۔۔ حال جو ہے وہ سب بعینہ ہے
حاسدوں کو اگر پسند نہیں ۔۔۔ دل مرا اس سے درد مند نہیں
اس کی تاریخ ہے وہ سحر حلال ۔۔۔ جس کے قایل ہیں اہل فضل و کمال

میرا خامہ ہے یہ درد افشاں
یادگار سخنوران جہاں

دیگر از مولف قطعہ

در تاب و تب حسرت بگداختہ شد و دشمن ۔۔۔ کم وزن نشد لیکن نقد سرۂ ناصر
از تذکرہ ناصر چوں نہ شنیدے بیروں شد ۔۔۔ تاریخ سنین او شد تذکرہ ناصر

تاریخ تصنیف کی ہوئی مشفقی منشی میر مظفر علی اسیر کی قطعہ

سلہ ن ۔ پ جب تو۔

کیا جب ناصر خوش فکر نے جمع سخن سب شاعرانِ خوش بیاں کا
اسیر اس کی کہی ہم نے یہ تاریخ کلام انتخاب اہل زباں کا

ایضاً اسیر

عجائب تذکرہ بنوشت ناصر کہ در توصیف او گویا خموشی است
رقم زد عندلیب کلک تاریخ بگل بیزی دکان گلفروشی است

دیگر اسیر

عجائب تذکرہ ناصر رقم زد کلام نور بر دیوان ہندیست
چو تاریخش طلب کردم خرد گفت بگو اشعار موزونان ہندیست

فن تاریخ میں نامور شیخ کرامت علی تخلص اظہر یہ فرماتے ہیں۔

مثنوی

چو تالیف سعادت خان ناصر پسند طبع ہست و نور خاطر
برو گو از معاصر وقت تحریر پئے جمعیت یدبیضا ہست تحریر
سخن فہم سخن سنج و سخندان فروغ محفل دانش پسنداں
چو گردد طبع پاکش نکتہ پرداز ز شوق نکتہ بر سنجی کنند ناز
فصاحت را ز نطقش آب در جوی بلاغت را ز طبعش رنگ بر روی
پے تاریخ ایں تالیف مرغوب گہر سفتہ کہ نیساں گشت محجوب
چو شائق دید آں گوہر فشانی بہ الہام دادہ دادِ خوش بیانی
علی اوسط کہ رشک شاعرانست بہ مدح او لبے شیریں زبانست
بتاریخش چناں سالک گہر سفت کہ ہر فرد بشر صد آفریں گفت
اسیر خوش بیاں ہم مثل ایشاں بتاریخش لبے شد گوہر افشاں

پس ایں اظہر کہ دریں بندہ اوست | بجان دل مرید خوئے نیکو ست
چو شد مامور بہر سال تاریخ | بے جست از طبیعت فال تاریخ
ازآں جائے کہ معذور ست مامور | اعانت خواستہ از طبع رنجور
غرض الہام از ہاتف ہمیں است | زبان شاعران ہند ایں نسبت

دوست صمیم آشنائے قدیم شاعر خوش بیان اصغر علی خاں دہلوی تخلص نسیم یہ ارشاد کرتے ہیں ۔ قطعہ

ہے شاعر بے نظیر ناصر | میں اس کا نہ میرا آشنا ہے
لکھا ہے جو تذکرہ خوش اسلوب | گویا اک بوستاں کھلا ہے
کر فکر برائے سال اتمام | اس طرح نسیم نے کہا ہے
ناصر کی طبیعت متیں نے | تازہ چمن سخن کیا ہے

سید محمد حسین تخلص گریاں پسر میر حسن علی سوزاں تاریخ میں تذکرہ کی یہ قطعہ فرماتے ہیں ۔

ہیں سعادت خاں ناصر مستند | شاعران ہند میں اے دوستاں
خوب لکھا ہے انھوں نے تذکرہ | ہے سخن ہر ایک ان کا خوش بیاں
واہ کیا رنگینی تقریر ہے | جا بجا پھولا ہے گویا گلستاں
سیر کی جا ہے خزاں میں ہے بہار | زندہ دل کرتا ہے حال رفتگاں
فکر اے گریاں نہ کر تاریخ کی | کہہ کہ ہے رشک بہار بوستاں

شاعروں میں انتخاب محمد الہیار خاں یہ تذکرہ واسطے سیر کے پاس گیا تھا انھوں نے یہ تاریخ کہی ۔
قطعہ

ہیں سعادت خاں ناصر مطلع دیوان مہر | اور میرے ہیں حقیقت میں وہ بڑے مہرباں
تذکرہ لکھا انھوں نے شاعران ہند کا | مایل اس کے سیر کی خاطر ہوئی طبع جہاں

لہ ن ۔ پ میں فرماتے ہیں ۔

فرودِ تحسیں کیوں نہ ہو جب ہے پُر رنگ یہ تذکرہ — وہ رنگ اس میں بھرا ہے پُر رنگ ہا ہر وہاں
ماہِ تگ بھی میں نے لکھی اسکو کہ تا یار ہوں — سیر کی آنکھ تو ہر صفحہ تھا رشکِ کہکشاں
گو نہ تھی فرمائش ان کی دل نے لیکن یہ کہا — تو بھی کہہ تاریخ دلکش اس کی بہر امتحاں
ہے کہا میں نے سر اخلاص سے مصرعِ سحاب — ایک ہے یہ یادگارِ ناصرِ شیریں بیاں

بعونِ الٰہی و تائیدِ رسالت پناہی و بہ تصدق حضرات ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین، ایں تذکرہ بتاریخ دہم ذی الحجہ بروز عید یوم شنبہ در سنہ ۱۲۴۶ ہجری نبوی باتمام رسید۔ چونکہ اصل نسخہ بنہایت غلط و ناقص بود بلکہ اکثر جا مصرعہا و نامہا را گزاشتہ بود از جہت از تحریرِ ثانی ہم غلطہا رو دادہ امید از ناظرین خجستہ آئین آنست کہ ہر جا کہ غلطی ملاحظہ فرمایند بے تامل بقلم اصلاح درست سازند و مولف و کاتب را نفرین نہ نمایند۔ فقط

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

نوٹ نمبر ۱

خاتمہ کے درمیان میں نسخہ پٹنہ میں جو تفصیل تذکروں کی پیش کی ہے وہ غلط ہے یعنی اُس میں اس طرح درج ہے:

"چار تذکرے فراہم کیئے۔ دو میاں مصحفی کے تیسرا تذکرہ مسمی بہ چار باغ تصنیف کیا ہوا مصطفیٰ خاں شیفتہ کا، چوتھا تذکرہ مسمی بہ باغ و بہار کا مولف اُس کا اعظم الدولہ سرور ہے۔ ان میں سے تحقیق انتخاب کیا"

نوٹ نمبر ۲

نسخہ پٹنہ اصغر علی خاں نسیم کی تاریخ پر ختم ہو جاتا ہے اور آخر میں یہ عبارت لکھی ہے
تمت بالخیر۔ بتاریخ بست و دویم جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۳ھ بعجلت تمام تحریر شد

فہرست شعراء بہ اعتبار حروف تہجی

نمبر	تخلص	نام	صفحہ	نمبر	تخلص	نام	صفحہ
۵	شاداں	شیخ قطب علی	۶۸۳	۳۲	شور	شیخ عبدالرؤف	۳۶۸
۶	شاداں	شیخ نبی بخش	۳۶۵	۳۳	شفا	مرزا کریم بیگ	۲۶۹
۷	شاداں	رائے چندن لال	۶۸۳	۳۴	مشفق	مرزا علی جان	۶۵۱
۸	شاکر	شیخ شاکر علی	۶۸۳	۳۵	مشفق	مرزا بندہ علی	۳۶۶
۹	شاکر	شیخ محمد شاکر	۶۸۳	۳۶	شفیق	بندہ علی	۳۳۳
۱۰	شایق	شیخ میر محمد	۲۶	۳۷	شکیب	نواب اصغر علیخاں	۳۱۴
۱۱	شایق	لالہ سیوارام	۴۳۴	۳۸	شکیبا	شیخ غلام حسین	۱۱۳
۱۲	شایق	لالہ فتح چند	۵۱۷	۳۹	شگفتہ	بدھ سنگھ	۱۳۹
۱۳	شایق	میر محمد	۵۲۰	۴۰	شگفتہ	مرزا سیف علیخاں	۳۰۸
۱۴	شایق	نام نا معلوم	۵۲	۴۱	شمس	نواب محمد علی خاں	۴۳۲
۱۵	شایق	رائے امر سنگھ	۶۸۲	۴۲	شمس	شمس الدین	۶۸۳
۱۶	شایق	نظیر الدین	۶۸۲	۴۳	شمع	نام معلوم	۷۰۹
۱۷	شایق	شیخ امین الدین	۶۸۲	۴۴	شمیم	شیخ محمد صابر	۳۴۳
۱۸	شباب	لالہ رام دیال	۳۷۸	۴۵	شمیم	امرائو مرزا	۴۵۳
۱۹	شجاعت	شیخ بہادر علی	۶۸۴	۴۶	شمیم	میر محمد حسین	۱۶۸
۲۰	شجر	لالہ گرندداس	۳۵۴	۴۷	شادر	صاحب مرزا	۴۱۹
۲۱	شرر	مرزا ابراہیم بیگ	۱۹۶	۴۸	شور	مرزا آغا علی	۳۵۶
۲۲	شرر	مرزا آغا حسن	۴۲۲	۴۹	شور	محمود بیگ	۲۸۳
۲۳	شرر	مرزا ابراہیم	۶۱۸	۵۰	شورش	شیخ احمد علی	۱۶۳
۲۴	شرر	خواجہ عاصم خاں	۶۸۲	۵۱	شوق	قدرت اللہ	۳۲
۲۵	شرف	لالہ بیدہ لال	۳۰۷	۵۲	شوق	مولوی قدرت اللہ	۲۴
۲۶	شرف	سید باقر علی	۴۴۳	۵۳	شوق	مرزا احسن علی	۴۳
۲۷	شرف	اشرف علی	۱۶۸	۵۴	شوق	مرزا امیر علی خاں	۲۷۰
۲۸	شرف	شیخ شرف الدین	۵۸۷	۵۵	شوق	حسن خاں	۹۲
۲۹	شرف	میر محمد علی	۶۸۳	۵۶	شوق	شیخ غلام رسول	۱۴۹
۳۰	شعلہ	شیخ محمد سلیمان	۱۹۰	۵۷	شوق	میر رضی	۵۰۵
۳۱	شعلہ	پنڈت امرناتھ	۶۸۲	۵۸	شوق	نواب مرزا	۶۸۶

نمبر	تخلص	نام	صفحہ
۴۰	نوازش	نواب حسین خاں	۱۸۷
۴۱	نور	مرزا نورالدین	۴۶۳
۴۲	نور	میر وزیر	۶۲۳
۴۳	نیاز	نام نامعلوم	۷۰۳
	(و)		
۱	واجد	شیخ محمد بخش	۳۶۰
۲	واحد	پنڈت سنگم لال	۵۳۸
۳	وارث	شیخ محمد وارث	۷۰۶
۴	واصف	حیدر حسن	۳۵۱
۵	والہ	مرحمت خاں	۷۰۵
۶	واہب	شیخ ہدایت حیدر	۴۱۵
۷	وجیہ	نواب وجیہہ الدین	۷۰۵
۸	وحشت	مرزا ہاتف علی خاں	۱۱۲
۹	وحشت	نام نامعلوم	۲۱۱
۱۰	وحشت	سید غلام علی خاں	۱۵۹
۱۱	وحشی	شیخ کرم علی	۳۳۳
۱۲	وحید	محمد وحید الدین	۳۷۱
۱۳	وحید	حکیم وحید الدولہ	۵۰۵
۱۴	وحید	سرفراز علی خاں	۴۵۶
۱۵	وحید	خواجہ وزیر	۵۹۶
۱۶	وزیر	نواب وزیر علی خاں	۷۰۵
۱۷	وصال	نصر اللہ خاں	۱۳۵
۱۸	وصف	میر محمود علی	۴۵۵
۱۹	وفا	مرزا عبدالعلی	۱۴۳
۲۰	ولی	میاں ولی دکنی	۷۰۴
۲۱	ولی	محمد علی	
	(ہ)		
۱	ہاتف	مرزا حیدر علی	۴۹۷
۲	ہادی	محمد ہادی	۷۰۶
۳	ہدایت	ہدایت خاں	۱۳۲
۴	ہاشمی	میر ہاشم	۲۶
۵	ہشیار	میر امجد علی	۵۱۱
۶	ہلال	نام نامعلوم	۲۶۷
۷	ہلال	امیر علی خاں	۵۸۲
۸	ہمایوں	مرزا ہمایوں بخت	۴۶۴
۹	ہنر	مرزا مغل	۳۶۷
۱۰	ہوس	نواب مرزا محمد تقی خاں	۲۲۲
۱۱	ہوش	نام نامعلوم	۱۸۶
	(ی)		
۱	یار	میر احمد	۷۰۷
۲	یاس	میر الٰہی بخش	۳۳۰
۳	یاس	خیر الدین	۱۶۰
۴	یاور	میاں امداد علی	۵۳۶
۵	یکرنگ	مصطفیٰ خاں	۸۶
۶	یقین	انعام اللہ خاں	۸۴
۷	یگانہ	نام نامعلوم	۷۰۷
۸	یوسف	یوسف خاں	۴۶۵
۹	یوسف	یوسف بیگ	۵۳۸
۱۰	یوسف	نام نامعلوم	۶۱۲

نوٹ:- تذکرہ ہذا کے ابتدائی صفحات میں شعرا کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں کئی شعراء کے نام سہواً لکھنے سے رہ گئے۔ دراصل شعراء کی کل تعداد بجائے ۸۰۹ کے ۸۱۸ ہے۔ شمیم۔